چراغ جلتا رہا

بورس پولیوائے

بورس پولیوائے

چراغ جلتا رہا

دوسرا ایڈیشن

دارالاشاعت ترقی
ماسکو

ترجمہ : انور عظیم
تصویریں : عوامی فن‌کار ژوکوف

Б. Полевой

ПОВЕСТЬ О НАСТОЯЩЕМ ЧЕЛОВЕКЕ

На языке урду

فہرست

صفحہ

عرض مصنف ۷

پہلا حصہ ۱۷

دوسرا حصہ ۱۲۸

تیسرا حصہ ۲۵۶

چوتھا حصہ ۳۶۲

اختتامیہ ۴۳۱

عرضِ مصنف

میں، ۱۹۰۸ء میں ۱۷ ویں مارچ کو ماسکو میں پیدا ہوا لیکن پلا بڑھا شہر تویر میں جس کا نیا نام کالینن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں خود کو اب بھی کالینن کا باشندہ تصور کرتا ہوں۔

میرے ابا جان، جو بیرسٹر تھے، ۱۹۱۶ء میں دق کی نذر ہو گئے۔ مجھے وہ بہت کم یاد ہیں لیکن انہوں نے روسی اور غیر ملکی ادب کا سرمایہ جمع کرکے جو شاندار لائبریری بنا لی تھی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے زمانے میں ترقی پسند اور وسیع مطالعے کے آدمی تھے۔ میرے اباجان کی موت کے بعد میری اماں جو ڈاکٹر تھیں، ایک کارخانے کے ہسپتال میں کام کرنے لگیں اور ہم ان مکانوں میں منتقل ہو گئے جو عظیم الشان موروزوف ٹکسٹائل مل کی ملکیت تھے۔

وہاں میں نے اپنے بچپن اور جوانی کے دن کاٹے۔

ہم ان گھروں میں رہتے تھے جن کو ''ملازموں کے مکان،، کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ لیکن میرے دوست مزدوروں کے بچے تھے اور میں ان کے ساتھ ھی اسکول جاتا تھا۔ میری اماں ہسپتال میں بہت مصروف رہتی تھیں اور مجھے بہت کم وقت دے پاتی تھیں۔ اس لئے میں دن کا زیادہ حصہ مزدوروں کی ''خواب گاھوں،، میں (اس زمانے میں ہوسٹلوں کو اسی نام سے یاد کیا جاتا تھا) اور بستیوں کے آس پاس بتایا کرتا تھا۔ ویسے میں عام طور پر کوئی برا طالبعلم نہیں تھا لیکن مجھ میں کوئی ایسا خاص جوش و خروش بھی نہ تھا۔ میرا خالی وقت کارخانے کے چھوٹے سے گندے چشمے اور ابا کی لائبریری کی کتابوں کے درمیان بٹ جاتا تھا۔ میری مصروف ماں پڑھنے کے سلسلے میں میری

رہنمائی کرتیں اور اپنے محبوب مصنفوں کو پڑھنے کی سفارش کرتیں۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے پہلے پہلے جو کتابیں پڑھیں ان میں تھیں گوگول، چیخوف، نیکراسوف اور پومیالوفسکی کی تصنیفیں۔ مجھے گورکی سب سے زیادہ بھائے۔ میرے ماں باپ اپنی طالبعلمی کے زمانے ہی سے ان کو پوجتے تھے اور ہماری گھریلو لائبریری میں انقلاب سے پہلے کی ان کی قریب قریب تمام تحریریں موجود تھیں۔

قدرتی مناظر کا نظارہ اور مشاہدہ بھی میرے بچپن کے بشغلوں میں شامل تھا۔ چوتھی جماعت سے ہی میں ننھے ماہرین قدرت کے گروہ میں ''ایک ممتاز شخصیت،، تھا اور شہر اور رپبلک کے ماہرین قدرت کی کانفرنسوں میں سرگرم حصہ لیتا تھا۔ گھر پر میں ہمیشہ کوئی نہ کوئی جانور یا چڑیا ضرور پالتا تھا۔° ایک شاہیں، جو کہیں سے اڑتا ہوا آیا اور کارخانے کے احاطے کے تاروں میں پھنس کر اپنے پر توڑ بیٹھا، ایک ننھا کوا جو گھونسلے سے گر پڑا اور بلی کے پنجے سے بچایا گیا، ایک ساہی یا گھاس میں رینگنے والا سانپ جسے میں نے کھڑکی کے دوہرے فریم کے درمیان ایک خاص بکس میں رکھھ چھوڑا تھا۔°

صوبے کا ایک اخبار ''تویرسکایا پراودا،، ہمارے شہر میں چھپتا تھا۔ اس صدی کی تیسری دہائی میں مزدور نامہ‌نگاروں کی ایک تنظیم قائم ہوئی اور پمپ ہاؤس میں ادارتی دفتر کی ایک شاخ کھلی۔ ہم لڑکوں پر اینٹ کی اس چھوٹی سی عمارت میں آنے جانے والے لوگوں کو دیکھھ کر بڑا رعب پڑتا۔ یہ تھے مزدور نامہ‌نگار! وہ اخبار کے لئے لکھتے تھے۔ ایک مستری جو اس تنظیم کا صدر تھا، بڑا مقبول ہوا اور ہاتھوں ہاتھھ لیا جانے لگا۔

یقینی اسی زمانے میں میں اخبارنویسی کی طرف پہلی بار کھنچا ہونگا جو میرے خیال میں بہت ہی دلچسپ مشغلہ تھی، نہایت اہم اور جیسا کہ اس زمانے میں لگتا تھا، کچھھ پراسرار بھی۔

میری پہلی تحریر ''تویرسکایا پراودا،، میں اس وقت چھپی جب میں چھٹی جماعت میں پڑھتا تھا۔ مجھے یاد آتا ہے یہ سات سطروں کی ایک تحریر تھی۔ اس میں مشہور کسان شاعر دروژین کا ذکر تھا جو ہمارے اسکول میں آئے تھے۔ اس کو آخری صفحے پر ایک غیر اہم سی جگہ دی گئی تھی اور اس کے نیچے لکھنے والے کا نام

نہ تھا ۔ لیکن میں جانتا تھا یہ کس نے لکھا ہے اور میں اخبار کا وہ شمارہ اس وقت تک اپنی جیب میں لئے پھرا جب تک کہ اس کا بھرتہ نہ بن گیا ۔ وہ مضمون ''تویرسکایا پراودا،، میں چھپنے والے مضامین کے سلسلے کی پہلی کڑی تھا ۔ میں نے شروع میں شہر کی تمام خامیوں اور کوتاھیوں کے متعلق لکھا ۔ اس کے بعد میں زیادہ سنجیدہ موضوع پر لکھنے لگا اور آخر میں جب اخبار والے مجھہ سے زیادہ روشناس ہو گئے تو مجھے شہر ، کارخانوں اور فیکٹریوں کے متعلق فیچر اور خاکے لکھنے کا کام دیا جانے لگا ۔

میں نے اسکول جانے کا سلسلہ جاری رکھا ۔ وہاں سے فارغ ہو کر صنعتی کالج میں نام لکھوایا جہاں میں علم کیمیا پڑھتا تھا اور کمیاتی اور کیفیاتی تجزئے کیا کرتا تھا ۔ لیکن میں دل کی گہرائی میں ادارتی دفتر کے لئے تڑپتا رہتا تھا جہاں چھاپہ خانے کی خوشبو بسی رھتی تھی اور تجارتی کلاسوں کے وقت میں چھپے چوری ایک آدھہ خاکہ یا فیچر ایسے موضوع پر لکھہ مارتا تھا جس کا اس مضمون سے دور کا بھی واسطہ نہ ھوتا جو اسکول ماسٹر پڑھاتا تھا ۔ اس طرح میں اخبارنویس کے شاندار پیشے سے آشنا ھوا جس کو میں آج تک تمام مخصوص ادبی کاموں میں سب سے زیادہ دلچسپ اور مسحورکن تصور کرتا ھوں ۔

''تویرسکایا پراودا،، ان دنوں بڑا جاندار اور دھڑلے کا اخبار تھا ۔ وہ بروقت چیزوں کی طرف متوجہ ھوتا تھا، ان کو اپنی گرفت میں لیتا اور ھر اس نئی دلچسپ اور اچھی چیز کو ''منظر عام پر لے آتا تھا،، جس کو سوشلسٹ زندگی روزانہ کارخانوں اور دیہاتوں میں جنم دے رھی تھی ۔ اخباروں میں کام کرتے ھوئے میں نے زندگی کا گہرا مشاھدہ کرنا ، اپنے گرد و پیش رونما ھونےوالے واقعات اور حالات کو سمجھنے کی کوشش کرنا سیکھا اور یہ گر سیکھا کہ لکھنا اسی وقت چاھئے، جب موضوع اچھی طرح گرفت میں آ جائے ۔ میں اپنی چھٹیاں اخباروں کی نذر کرتا اور یہ وقت ھر ممکن طریقے سے زیادہ سے زیادہ مشاھدے اور مطالعے پر صرف کرتا ۔

گورکی کی شخصیت جن کی کتابوں پر میں اپنے لڑکپن سے ھی جان دیتا تھا ایک مینار نور کی طرح میرا راستہ روشن کرتی ۔ میں نے ان سے زندگی کا مشاھدہ کرنا سیکھا ۔ ایک بار موسم گرما میں

میں نے اخبار سے یہ طے کیا کہ میں تویر کے لکڑھاروں اور بیڑے کھینے والوں کے متعلق مضامین کا ایک سلسلہ لکھونگا۔ میں تویر صوبے کے سیلیژاروف ضلع میں گیا۔ مجھے لکڑی کاٹنے کے کیمپ میں ایک جگہ مل گئی۔ اس کے بعد میں نے لکڑی کے بیڑے بنانے والوں کے ساتھہ کام کیا۔ اور آخر میں ایک بیڑے پر تیسرا ملاح بن گیا۔ میں والگا کی لہروں پر بہتا ہوا، اس جگہ سے جہاں دریا کا سوتا پھوٹتا ہے، اپنے پیدائشی شہر اور آگے ری‌بنسک تک گیا جہاں لکڑیوں کو کنارے تک لے جانے کے بعد ہمارا سفر بخیر و خوبی ختم ہوا۔

اس عرصے میں ''بیڑے بانی'' سے متعلق میرے مضامین چھپتے رہے جو میں رات کے وقت بیڑے کے بیچوں بیچ اپنے جھونپڑے میں آگ کے پاس بیٹھ کر لکھتا تھا۔

اگلے موسم گرما میں ایک اخبار ''تویرسکایا دریونیا'' نے مجھے ایسے مضامین کا ایک سلسلہ لکھنے کا کام سونپا جس میں پنچائتی فارم قائم ہونے سے پہلے ایک ایسے گاؤں کی جھلکیاں دکھائی جائیں جہاں سوشلزم زندگی میں داخل ہو رہا ہو۔ تویرسکایا ''کاریلیا'' کے اندر دوردراز گاؤں میکشینو میں میں نے لائبریرین کا کام سنبھال لیا جہاں سے میں دیہی زندگی اور پنچائتی محنت کی پہلی کونپلوں کے متعلق اپنے تاثرات قلم بند کرکے بھیجتا رہا۔

میرے مضامین کا پہلا مجموعہ ۱۹۲۷ء میں شائع ہوا۔ کومسومول اخبار ''سمینا'' میں کام کرنے والے میرے دوستوں نے، جہاں میں اس وقت کام کرتا تھا، یہ کتاب مجھے بتائے بغیر میکسم گورکی کو بھجوا دی جو سورنتو میں تھے۔

جب مجھے معلوم ہوا تو میں سہم گیا۔ میں نے سوچا کہ ایک ایسے عظیم ادیب سے میری ادھہ کچری اور بھونڈی ''تحریر'' پڑھوانا (یہ میں اس وقت بھی اچھی طرح سمجھتا تھا) بڑی بےادبی ہے۔ آپ اندازہ کر سکتے ھیں اس وقت مجھے کتنی حیرت ہوئی ہوگی جب مجھے ایک بھاری بھرکم لفافہ ملا جس پر غیرملکی ٹکٹ لگے ہوئے تھے اور میرا نام اور پتہ بڑے بڑے صاف شفاف لکھائی میں لکھا ہوا تھا۔

گورکی نے فل اسکیپ سائز کے چھہ صفحوں پر میری ادھہ کچری تحریر کا جائزہ انتہائی توجہ اور صبر سے لیا تھا اور مجھے مشورہ دیا

تھا کہ اپنی تحریر کو بہتر بنانے کے لئے بڑی عرق ریزی سے کام لینا چاہئے اور مجھے فن کے استادوں سے طرز تحریر کو چمکانے اور نکھارنے کا گر سیکھنا چاہئے جس طرح ''جراد چلانے والا دھات پر پالش کرتا ہے'' اس عظیم ادیب کا خط میرے لئے ایک گراں قدر سرمایہ تھا۔ میں نے ایک ایک لفظ پر غور کیا اور صحیح اور کارآمد نتیجے تک پہنچنے کی کوشش کی۔ گورکی نے یہ محسوس کرنے میں میری مدد کی کہ صحافت اور ادب بہت ہی پیچیدہ اور مشکل میدان ہیں جن کے لئے دوسرے پیشوں سے کم نہیں بلکہ زیادہ مطالعے اور مشاہدے کی ضرورت ہے۔ میں نے محسوس کیا کہ ''لگے ہاتھوں یہ بھی سہی'' والا رویہ صحافت میں کسی منزل تک نہیں لے جائیگا اور یہ کہ اس میں پتا مار کر کام کرنے کی ضرورت ہے تاکہ پریس کا ایک لائق نمائندہ بننے کی تھوڑی سی امید تو کر سکوں۔

اس وقت تک میں کالج سے سند لے چکا تھا اور اب توير کے ''پرولیتارکا'' کارخانے میں رنگائی اور چھپائی کے شعبے میں کام کر رہا تھا جس کو عرف عام میں لوگ ''چھاپہ'' مل کہتے تھے۔ جلد ہی میں ایک سرگرم مزدور نامہ نگار بن گیا۔ کارخانے کے کام اور پبلک مصروفیتوں کے بعد مجھے مشکل سے وقت ملتا کہ اخبار نویسی کر سکوں جس کا میرے دل میں اتنا چاؤ پیدا ہو چکا تھا۔ پھر بھی میں زیادہ سے زیادہ اس کے اندر گم ہوتا گیا۔ آخرکار بہت دن غور کرنے کے بعد میں نے کارخانے کو چھوڑ دیا اور اخبار ''سمینا'' کے عملے میں شامل ہو گیا۔

''سمینا'' کے پاس لکھنے والوں کا ایک اچھا ہونہار حلقہ تھا ان میں سے بہتیرے بعد میں بڑے صحافی بن کر ابھرے۔ ہم اخبار میں بہت مصروف رہتے تھے۔ اس کا بجٹ معمولی تھا جو ہفتے میں دو بار چھپنے والے چھ آٹھ صفحے کے اخبار کے اعتبار سے بہت کم تھا۔ اسی وجہ سے زیادہ تر کام پرجوش نوجوان نامہ نگار بلامعاوضہ انجام دیتے تھے۔ ہمارے اخبار نے جو پیش قدمیاں کیں اور سبقت دکھائی اس کو کئی بار ''پراودا'' نے خوب سراہا۔ میں ''سمینا'' میں کام کرتا رہا اور جب یہ بند ہوگیا تو میں کالینن کے علاقائی اخبار ''پرولتارسکایا پراودا'' میں حب الوطنی کی عظیم جنگ چھڑنے تک کام کرتا رہا۔

میں ۱۹۳۰ء سے نوجوان کمیونسٹ لیگ کا ممبر تھا اور ۱۹۴۰ء میں کمیونسٹ پارٹی کا ممبر بنا۔ میرے پاس سب کچھ کمیونسٹ پارٹی کی عظیم تعلیم وتربیت کی دین ہے جس نے بعد میں مجھے ادیب بنایا۔

اخبار کی مصروفیتوں کے ساتھ ساتھ میں نے کہانیاں بھی لکھیں لیکن گورکی کے مشورے کے پیش نظر میں نے ان میں سے چند ہی اخبار یا علاقائی جنتری ''ہمارا زمانہ،، میں چھپوائیں۔ ۱۹۳۹ء میں میں نے اپنا پہلا افسانہ ''ہاٹ شاپ،، رسالہ ''اکتوبر،، میں چھپوایا۔

میں نے اس کتاب میں اشتراکی مقابلے کے اندولن کے متعلق اپنے تاثرات اور مشاہدات کا خلاصہ پیش کیا تھا جو اس وقت کالینن کے صنعتی کارخانوں میں شروع ہو رہا تھا اور ساتھہ ھی میں نے یہ دکھایا تھا کہ کس حوصلے اور جرأت سے کام لیا جا رہا ہے۔ میں نے یہ سب کچھہ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اور اس پر اپنے اخبار میں لکھہ چکا تھا۔ اس کتاب کو جو کچھہ بھی کامیابی حاصل ہوئی وہ بنیادی طور پر ان شاندار واقعات کا نتیجہ ہے جو اس میں دکھائے گئے ھیں اور ان عوام کی دین ہے جن کی تصویر اس میں کھینچی گئی ہے۔ میں اس کا اعتراف کرتا ہوں کہ موضوع اور اس کے ہیرو حقیقی ہیں۔ اس حد تک کہ کالینن گاڑی‌ساز کارخانے کے جہاں دیدہ مزدور فوراً اپنے ساتھیوں کے چہرے پہچان لیتے تھے۔ سارے واقعے کا انجام اسی لکیر کے فقیر والے انداز سے ہوا اور حقیقی ہیرو نے مجھے اپنی شادی میں شرکت کی دعوت دی۔ دلہن میری ہیروئن کا اصلی نمونہ تھی۔ شادی میں آئے ہوئے مہمانوں نے مجھہ پر فقرے چست کئے اور کہا کہ ہیرو اور ہیروئن کو اس داستان کو آگے بڑھا کر مصنف کا کام جاری رکھنا پڑا اور انہوں نے اس کو ایک خوش انجام داستان میں بدل دیا اگرچہ اس کے انجام میں وھی لکیر کے فقیر والی بات ہے۔

ایک اخبار نویس کی حیثیت سے میرا طویل تجربہ پہلا افسانہ لکھنے میں میرے آڑے آیا۔ لیکن میں نے سب سے گراں بہا تجربہ ایک ادبی کارکن کی حیثیت سے اس وقت حاصل کیا جب میں

قریب ہوائی اڈے میں گارد کے سینئر لفٹیننٹ الکسئی ماریسئف سے ملاقات کا ذکر ہے جبکہ اس شہر پر حملہ ہو رہا تھا ۔ باقی میں سے میں نے چوبیس چن لئے جو میری نظر میں مثالی کردار تھے اور جو سوویت انسان کے دل کی آئینہ داری کرتے تھے ۔ ان کو میں نے ''ہم ۔۔ سوویت لوگ،، نامی کتاب میں استعمال کیا ۔

آج، جنگ کے بعد، میں جو کچھہ دیکھتا ہوں اسی کے بارے میں لکھنے کی اسی روایت پر عمل کر رہا ہوں ۔ کہانی ''واپسی،، میں میں نے ماسکو کے ایک مشہور فولاد ساز کی زندگی کا سچا واقعہ فن‌کارانہ طور پر پیش کرنے کی کوشش کی ہے ۔ ناول ''سونا،، ایک ایسے واقعے پر مبنی ہے جس کا انجام، ۱۹۴۲ء کے شروع میں کالینن محاذ کی فوجوں کی پیش قدمیوں کے دوران میں رونما ہوا تھا ۔ میرا خیال ہے کہ اس واقعاتی تحریر میں کوئی انوکھی بات نہیں ہے ۔ ہماری اشتراکی زندگی روزانہ، ہر گھنٹے، مسلسل اپنی آگے بڑھتی ہوئی تحریک کے دوران میں بدل رہی ہے، ادیب کے سامنے حد درجہ دلچسپ اور سادہ، مگر شاندار موضوعات کو بےنقاب کر رہی ہے ۔ کمیونزم کے اسٹ تصورات کے زیر اثر سوویت عوام محنت اور سپاھیانہ سرفروشی کی ایسی بلندیوں پر پہنچ رہے ھیں اور اپنے دیس کے لئے ایسے کارھائے نمایاں انجام دے رہے ھیں کہ تصور کی تیز سے تیز نگاھیں بھی ان کی گرد نہیں پا سکتیں ۔ سوویت حقیقت ادیب کے سامنے کیسے کیسے رنگا رنگ کرداروں کو بے نقاب کئے چلی جا رہی ہے!

اخبار کا کام مستقل مجھے اپنے زمانے کے دلچسپ ترین لوگوں سے دوچار کرتا ہے اور ان کی زندگی اور کام کا مشاھدہ کرنے کا موقع دیتا ہے۔ اخبار نویسی آنکھوں اور کانوں کی حس کو تیز کرتی ہے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے، فنکارانہ تصور کی کمی کی تلافی زندگی سے چھان کر ابھاری ہوئی حقیقتیں کر دیتی ھیں ۔

میرے ھیرو، میری کتابوں کے اوراق سے باھر اپنی زندگی میں میری لکھی ہوئی داستانوں کو جاری رکھتے ھیں ۔ میں الکسئی ماریسئف سے وارسا میں ملا، جہاں ہم کتاب کے ھیرو اور مصنف کی حیثیت سے نہیں بلکہ دوسری عالمی امن کانگریس کے ڈیلیگیٹ کی حیثیت سے ملے ۔ ''ایک رزمیہ کارنامے کا جنم،، کا ھیرو ملک گب‌دولین قزاخستانی سائنس اکادمی کے ادبی انسٹیٹیوٹ کا صدر ہے ۔ یوکرین

کی کسان عورت کو جس نے ٹینک رجمنٹ کے پرچم کو بچایا (کہانی ''رجمنٹ کا پرچم،،) چقندر کی کاشت میں اپنی کامیابیوں کے صلے میں ایک بڑا انعام عطا ہوا ہے۔

ایک ادیب جب ان لوگوں کو دیکھتا ہے جو تخلیقی سرگرمیوں سے سرشار ہیں تو اس کا دل دوہری مسرت کا لطف اٹھاتا ہے۔

اشترا کیت کی دھرتی کا ادیب ہونا بے پایاں لطف ومسرت کی بات ہے!

بورس پولیوائے

ماسکو، نومبر ۱۹۵۰ء

پہلا حصہ

ستارے اپنی تابناک اور ٹھنڈی روشنی کے ساتھ اب تک چمک رہے تھے لیکن پورب میں آکاش پر اوشا کی دھندلی جوت پھیلنے لگی تھی۔ رفتہ رفتہ اندھیرے سے درخت جھانکنے لگے۔ یکایک ان درختوں کی پھننگوں سے تیز اور تازہ ہوا کھیلنے لگی اور جنگل تیز اور گونجدار آواز سے بھر گیا۔ چیڑ کے صدیوں پرانے درختوں نے بیقرار سرگوشیوں میں ایک دوسرے کو پکارا اور سفوف جیسی خشک برف ان کی جھنجھوڑی ہوئی شاخوں سے سڑاکے کی آواز کے ساتھ نیچے آ رہی۔

ہوا جتنا اچانک اٹھی تھی اسی تیزی سے خاموش ہو گئی۔ پھر دوبارہ درخت پالے کی ماری ہوئی نیند میں غرق ہو گئے۔ اور تب جنگل میں وہ ساری آوازیں گونج اٹھیں جو پو پھٹنے کا پیغام دیتی ہیں: پاس کے جنگلی میدان سے بھوکے بھیڑیوں کے غرانے کی آواز آئی، لومڑیوں کی چونکی ہوئی چیخ سنائی دی، اور پھر کھٹ بڑھئی کی مبہم سی کھٹ کھٹ کی آواز آئی جو خاموش جنگل میں اتنی مترنم معلوم ہوئی جیسے وہ درخت کے تنے کے بجائے وائلن کو چھیڑ رہی ہو۔

پھر ہوا پرشور جھونکوں کے ساتھ چیڑ کی گھنی سوں میں ناچنے لگی۔ صاف ہوتے ہوئے آسمان میں آخری ستارے ہولے ہولے بجھتے چلے جا رہے تھے۔ ایسا معلوم ہو کہ خود آکاش سکڑ کر بہت گھنا ہو گیا ہے۔ جنگل، کھچڑے لبادے کو جھٹک کر الگ کرتے ہوئے ہریالیوں گھنگھریالے سروں اور اور شادابیوں کے ساتھ لہلہا اٹھا۔

کلسوں کو چومتی ہوئی گلابی لکیر چغلی کھا رہی تھی
سُورج نکل چکا ہے اور ایک روشن، تازگی بخش اور پالے بھرے
کی خبر دے رہا ہے۔'

اب کافی روشنی پھیل چکی تھی۔ بھیڑیئے رات کے شکار کو ہضم کرنے کے لئے جنگل کی گھنی گہرائیوں میں واپس جا چکے تھے، لومڑی بھی میدان سے جا چکی تھی اور اپنی عیاری کے نشان کے طور پر برف پر پیچ وخم کھاتے ہوئے نقش چھوڑ گئی تھی۔ جنگل مسلسل ایک اسٹ آواز کے ساتھ گونج رہا تھا۔ صرف چڑیوں کی پھڑپھڑاہٹ، کھٹ بڑھئی کی کھٹ کھٹ، سینیتسا چڑیوں کے ایک ڈال سے دوسری ڈال پر پھدکنے اور چہچہانے اور سوئکا پرندے کی کھری اور لالچ بھری ٹراہٹ سے اس حزن انگیز، بے قرار اور طویل گونج میں کچھ فرق پیدا ہوتا تھا جو نرم رو لہروں کی طرح جنگل میں مسلسل تیر رہی تھی۔

ایک سروکا * نے نکیلی اور کالی چونچ کو بید کے پیڑ کی ایک ڈال پر صاف کرتے ہوئے مڑ کر دیکھا، غور سے کچھ اور اڑنے کے لئے پر تولنے لگی۔ شاخیں سہم کر چرچرائیں۔ کوئی بھاری بھرکم اور مضبوط دیو جھاڑیوں کو چھیڑتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ جھاڑیاں سرسرائیں، چیڑ کے سر بے چینی کے ساتھ ہلنے لگے، خشک برف کی چرمراہٹ سنائی دی۔ سروکا چیخی اور اپنی تیر جیسی دم اٹھاتی ہوئی اڑ گئی۔

برف سے ڈھکے ہوئے چیڑ کے درختوں میں سے بھورے رنگ کی ایک لمبی تھوتھنی نمودار ہوئی جس کے سر پر شاخ درشاخ سینگ تھے۔ خوف زدہ آنکھوں نے وسیع میدان کا جائزہ لیا۔ سرخ اور مخملیں نتھنے زور زور سے پھڑکے جن سے گرم گرم سانس کی بھاپ نکل رہی تھی۔

بوڑھا بارہسنگا چیڑوں کے سائے میں ایک مجسمے کی طرح کھڑا تھا۔ اس کی پیٹھ کی کھال لرز رہی تھی۔ خطرے کے احساس سے اس کی سماعت اتنی کھڑے تھے اور ہر آواز پر چونک جاتے تھے۔ اس تیز تھی کہ اس نے اس بھونرے کی آواز بھی سن لی جو چیڑ

* روسی چڑیا

میں جنگ کی گھن گرج نے اسے اپنے ماند سے نکلنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اب وہ بھوک سے بھڑکا ہوا جنگل میں منڈلا رہا تھا اور اسے کسی کل چین نہیں پڑ رہا تھا۔

ریچھ میدان کے کنارے اسی جگہ کھڑا ہو گیا جہاں ابھی کچھ دیر پہلے بارہ سنگا کھڑا تھا۔ اس نے بارہ سنگے کے تازہ نقش قدم کو سونگھا اور اس کے منہ میں پانی بھر آیا، اس نے زور زور سے سانس لیا، اپنے پہلوؤں کو پھڑکایا اور کان کھڑے کرکے سننے لگا۔ بارہ سنگا تو ہاتھ سے نکل چکا تھا لیکن قریب ہی سے ریچھ کو کچھ ایسی آواز سنائی دی جو کسی زندہ اور شاید کمزور چیز کی آواز معلوم ہوتی تھی۔ ریچھ کے شانوں کی کھال پھڑکی۔ اس نے اپنی تھوتھنی لمبی کر لی۔ پھر میدان کے کنارے بہت ہی نحیف فریادی آواز سنائی دی۔

بہت آہستہ آہستہ پھونک پھونک کر اپنے نرم پنجوں پر چلتے ہوئے جن کے وزن تلے وہ خشک برف کی گونجتی ہوئی چرچراہٹ سن رہا تھا، ریچھ اس بے حس و حرکت انسانی ہیولے کی طرف بڑھا جو قریب قریب برف میں دفن تھا۔

۲

ہواباز میریسئف، فضائی جنگ کے دوہرے ”چنگل،، میں پھنس گیا تھا۔ ہوائی جہازوں کی لڑائی میں کسی شخص کے ساتھ اس سے زیادہ بری بات اور کچھ نہیں ہو سکتی۔ اس کی تمام گولیاں ختم ہو چکی تھیں کہ چار جرمن ہوائی جہازوں نے اس کو گھیر لیا اور اس کو اپنے اڈے کی طرف اڑنے پر مجبور کرنے لگے اور اس کو چرکا دینے یا اپنا راستہ بدلنے کا ذرا موقع نہ دیا۔

یہ سب کچھ یوں ہوا: لفٹیننٹ میریسئف کے زیر کمان لڑاکو ہوائی جہازوں کا ایک دستہ ”ایل،، ہوائی جہازوں کے ایک دستے کی نگہبانی کے لئے روانہ ہوا جو دشمنوں کے ایک ہوائی اڈے پر حملہ کرنے کے لئے جا رہا تھا۔ یہ دلیرانہ حملہ کامیاب رہا۔ اشتورموویک ہوائی جہاز، جن کو پیادہ فوج ”اڑتے ہوئے ٹینک،، کے نام سے یاد کرتی تھی، قریب قریب چیڑ کے درختوں کو چھوتے

ہوئے، چھپکے سے ہوائی اڈے تک پہنچ گئے جہاں بہت سے ''یونکرس،، ہوائی جہاز قطار اندر قطار کھڑے تھے۔ سرمئی رنگ کے چیڑ کے جنگل کے پیچھے سے اچانک یہ ہوائی جہاز ابھرے اور ہوائی اڈے پر ٹوٹ پڑے، ان کی مشین گنیں اور توپیں ان بھاری ٹرانسپورٹ ہوائی جہازوں پر گولیاں برسانے لگیں اور ان پر دم دار شلوں کی بوچھار شروع کر دی۔ میریسئف اپنے چار ہوائی جہازوں کے دستے کے ساتھ اس حملے کے علاقے کی حفاظت کر رہا تھا۔ اس نے صاف صاف آدمیوں کے سیاہ ہیولوں کو ہوائی اڈے میں ادھر ادھر بھاگتے ہوئے دیکھا۔ اسے برف سے ڈھکے ہوئے میدان میں ٹرانسپورٹ ہوائی جہاز رینگتے نظر آئے۔ اس نے دیکھا ، اشتورموویک ہوائی جہاز باربار جھپٹ رہے ہیں اور حملہ کر رہے ہیں اور ''یونکرس،، ہوائی جہازوں کے ہواباز، آگ کی طوفانی بوچھار میں اپنے ہوائی جہازوں کو دوڑا کر ہوائی جہاز کو اڑانے والی سڑک پر نکال رہے ہیں اور پر تولتے ہوئے ہوا میں بلند ہو رہے ہیں۔

اسی لمحے الکسئی نے وہ ہلاکت آفریں غلطی کی۔ قریب سے حملے کے علاقے کی نگہبانی کرنے کے بجائے وہ ہوابازوں کے الفاظ میں ''زد پر آتے ہوئے شکار،، کے لالچ کا شکار ہو گیا۔ اس نے اپنے ہوائی جہاز کو غوطہ دیا اور پتھر کی طرح اس بھاری ہوائی جہاز پر گرا جو ابھی ابھی زمین سے اٹھا تھا۔ اس پچرنگے ہوائی جہاز کے مستطیل نما دھڑ کو بار بار مشین گن کی گولیوں کی بارش سے چھلنی کرنے میں اسے بڑا لطف آیا۔ اس کو اتنا اعتماد تھا کہ اس نے دشمن کے ہوائی جہاز کو زمین پر گرتے ہوئے دیکھنے کی زحمت بھی گوارا نہ کی۔ ہوائی اڈے کے دوسرے سرے پر ایک دوسرا ''یونکرس،، زمین سے بلند ہوا۔ الکسئی اس کے پیچھے ہو لیا۔ اس نے حملہ کیا مگر ناکام رہا۔ گولیوں کی چادر آہستہ آہستہ اٹھتے ہوئے ہوائی جہاز کے اوپر سے پھسلتی چلی گئی۔ اس نے تیزی سے اپنے ہوائی جہاز کو گھمایا اور پھر حملہ کیا اور پھر حملہ خالی گیا۔ اس نے اپنے شکار کو دوبارہ جا لیا اور ابکے اس نے ہوائی جہاز کے سگار نما دھڑ پر پوری وحشت سے گولیوں کی بوچھار کرکے اسے جنگل میں گرا دیا۔ ''یونکرس،، ہوائی جہازوں کو گرانے اور فتح کی خوشی میں دھوئیں کے اس سیاہ مینار کے گرد دو بار چکر لگانے کے بعد جو

اتھاہ جنگل کے سبز سمندر سے اٹھ رہا تھا، اس نے اپنے جہاز کا رخ دشمن کے اڈے کی طرف موڑ دیا۔

لیکن وہ وہاں تک نہ پہنچ سکا۔ اس نے اپنے تین ہوائی جہازوں کو دشمن کے نو ''میسر،، ہوائی جہازوں سے لڑتے ہوئے دیکھا جن کو ظاہر ہے جرمن ہوائی اڈے کے کمانڈر نے اشتورموویکوں کے حملے کا جواب دینے کے لئے بلایا تھا۔ وہ بڑی بہادری سے جرمنوں پر جھپٹ رہے تھے جن کی تعداد ان کی تین گنی تھی۔ ہوابازوں نے ان کو اشتورموویکوں سے دور رکھنے کی کوشش کی۔ وہ دشمن کو للچا للچا کر دور کھینچتے رہے۔ جس طرح تیتر خود زخمی ہونے کا بہانہ کرکے شکاریوں کو اپنے بچوں سے دور رکھتا ہے۔

الکسئی نے جب یہ سوچا کہ وہ ہاتھ میں آتے ہوئے شکار کے لالچ میں آ گیا ہے تو اس نے خود کے نیچے اپنے رخساروں کو جلتے ہوئے محسوس کیا۔ اس نے اپنے شکار کا انتخاب کیا اور دانت بھینچ کر آگ کے اس طوفان میں کود گیا۔ اس نے جس ہوائی جہاز کو اپنا نشانہ بنایا تھا وہ ایک ''میسر،، تھا جو باقی ہوائی جہازوں سے قدرے الگ ہو گیا تھا اور جیسا کہ ظاہر تھا وہ بھی شکار کی تاک میں تھا۔ الکسئی جہاں تک ممکن تھا تیزی سے ہوائی جہاز کو موڑ کر دشمن کے ایک پہلو پر جھپٹا۔ اس نے اس فن کے تمام داؤ پیچ کے مطابق اپنے دشمن پر حملہ کیا۔ جب اس نے گھوڑا دبایا تو اس کے جالی جیسے صلیبی شیشے میں دشمن کے جہاز کا سرمئی دھڑ صاف دکھائی دے رہا تھا۔ لیکن دشمن کے ہوائی جہاز کا بال بیکا نہ ہوا اور وہ پاس سے گزر گیا۔ الکسئی کا نشانہ خطا نہ ہو سکتا تھا۔ شکار قریب تھا اور شیشے میں صاف نظر آ رہا تھا۔ ''گولیاں!،، الکسئی بھانپ گیا اور فوراً اس کے جسم میں ایک ٹھنڈی جھرجھری تیر گئی۔ اس نے آزمانے کے لئے گھوڑے کا بٹن پھر دبایا اور وہ وہ تھرتھراہٹ محسوس کرنے میں ناکام رہا جو ہر ہواباز اپنی مشین گنوں کو داغنے کے ساتھ پورے جسم میں محسوس کرتا ہے۔ گولیوں کی میگزین خالی تھی۔ اس نے گولیوں کا سارا ذخیرہ ٹرانسپورٹ ہوائی جہازوں پر حملہ کرنے میں ختم کر دیا تھا۔

لیکن دشمن کو یہ معلوم نہ تھا! الکسئی نے مرکزی لڑائی میں کودنے کا فیصلہ کیا تاکہ اس طرح اور کچھ نہیں تو لڑنے والوں

کی تعداد میں تو اضافہ ہو ہی جائے۔ لیکن اس کا خیال غلط تھا۔ لڑاکو ہوائی جہاز کا ہواباز جس پر حملہ کرنے میں وہ ناکام رہا تھا تجربہ کار اور تیزبیں تھا۔ جرمن ہواباز نے محسوس کر لیا کہ دشمن کی گولیاں ختم ہو گئی ہیں اور اس نے اپنے ساتھیوں کے نام ہدائت جاری کی۔ چار ''میسر،، ہوائی جہاز باقی ساتھیوں سے الگ ہو گئے اور انھوں نے الکسئی کو گھیر لیا۔ ایک ایک دونوں کناروں پر اور ایک اوپر اور ایک نیچے۔ گولیوں کی بوچھار سے جو صاف شفاف نیلی فضا میں صاف دکھائی دیتی تھیں، انھوں نے الکسئی کو ایک خاص رخ میں اڑنے پر مجبور کیا اور اپنے دوھرے ''چنگل،، میں جکڑ لیا۔

چند ہی دن قبل الکسئی نے سنا تھا کہ ستارایا روسا کے اس علاقے میں مشہور جرمن ''ریختگوفن،، ہوائی ڈویژن مغرب سے یہاں آیا تھا۔ اس ڈویژن میں فاشست رائخ کے بہترین ہواباز تھے اور اس کی سرپرستی براہ راست گوئرنگ کے ھاتھہ میں تھی۔ الکسئی نے محسوس کر لیا کہ وہ ان فضائی بھیڑیوں کے چنگل میں پھنس گیا ہے اور ظاھر ہے کہ وہ اسے اپنے ہوائی اڈے کی طرف اڑنے پر مجبور کرنا چاھتے ھیں تاکہ وہ ان کے ہوائی اڈے پر اتر جائے اور جرمن اس کو گرفتار کر لیں۔ اس قسم کے واقعات ہو چکے تھے۔ اس نے خود ہی دیکھا تھا کہ اس کے دوست، سوویت یونین کے ہیرو اندرئی دیگتیارینکو کی سرکردگی میں ایک ہوائی دستے نے کس طرح ایک جرمن ہوائی جہاز کو نیچے اترنے پر مجبور کرکے ہواباز کو قید کیا تھا۔

جرمن قیدی کا راکھہ جیسا چہرہ اور اس کے لڑکھڑاتے ہوئے قدم الکسئی کی آنکھوں میں پھر گئے۔ ''قید؟ کبھی نہیں! مجھہ سے یہ چالاکی نہیں چلیگی!،، اس نے طے کر لیا۔

لیکن وہ ہر کوشش کے باوجود بچ کر نہ نکل سکا۔ جرمن اسے جس رخ پر اڑنے پر مجبور کر رہے تھے اس سے وہ ذرا بھی ہٹتا تو جرمن اس کے راستے میں گولیوں کی دیوار کھڑی کر دیتے۔ ایک بار پھر الکسئی کی آنکھوں میں جرمن قیدی، اس کا مسخ چہرہ اور لرزتے ہوئے جبڑے ابھر آئے۔ اس کی آنکھوں سے جانوروں جیسا خوف جھانک رہا تھا۔

میریسئف نے دانت زور سے بھینچ لئے اور اپنے انجن کی گیس پوری کی پوری کھول دی۔ اور عمودی پوزیشن اختیار کرتے ہوئے اس نے اس ہوائی جہاز کے نیچے غوطہ لگانے کی کوشش کی جو اس کو نیچے اترنے پر مجبور کر رہا تھا۔ وہ دشمن ہوائی جہاز کے نیچے سے نکل جانے میں کامیاب ہو گیا لیکن جرمن ہوا باز نے بڑے وقت سے اپنا گھوڑا دبایا۔ الکسئی کے انجن کا آهنگ غائب ہو گیا اور تھوڑی تھوڑی دیر بعد اس کی سانس رکنے لگی۔ سارا ہوائی جہاز سر سے پیر تک کانپنے لگا جیسے مہلک بخار میں تڑپ رہا ہو۔

''مجھ پر وار ہو گیا!،، الکسئی سفید بادلوں کی ایک گپھا میں غوطہ لگا کر اپنا پیچھا کرنے والوں کو جل دینے میں کامیاب ہو گیا۔ لیکن اب کیا کیا جائے؟ وہ زخمی ہوائی جہاز کی لرزش اپنے پورے جسم میں محسوس کر رہا تھا جیسے وہ اس کے زخمی انجن کی نزع کا کرب نہ ہو بلکہ اس کے اپنے بخار کا کرب ہو جو اس کے جسم میں کپکپی پیدا کر رہا تھا۔

انجن کو کہاں نقصان پہنچا ہے؟ کتنی دیر اور ہوائی جہاز ہوا میں تیر سکتا ہے؟ کیا تیل کا خزانہ پھٹ جائیگا؟ الکسئی ان سوالوں کے بارے میں جتنا سوچ رہا تھا اس سے زیادہ محسوس کر رہا تھا۔ اسے محسوس ہوا کہ وہ ایک ڈائنامیٹ کے ڈھیر پر بیٹھا ہوا ہے جس کا فلیتہ جل رہا ہے۔ اس نے ہوائی جہاز موڑا اور خود اپنے محاذ کی طرف اڑنے لگا تاکہ اگر مرنا ہی ہے تو کم ازکم اپنے لوگوں کے ہاتھوں دفن تو ہو۔

اچانک پورا واقعہ اپنے نقطۂ عروج پر پہنچ گیا۔ انجن رک گیا۔ ہوائی جہاز زمین کی طرف گرنے لگا جیسے ایک سیدھے کھڑے ڈھلان پر لڑھک رہا ہو۔ اس کے نیچے جنگل ایک بیکراں سرمئی اور نیلے سمندر کی طرح سانس لے رہا تھا... ''خیر میں قیدی تو نہیں ہونگا،، یہ خیال ہواباز کے دماغ میں کوند گیا۔ قریب ترین درخت جو ایک پھیلی ہوئی پٹی بن گئے تھے اس کے ہوائی جہاز کے پروں کے نیچے دوڑنے لگے۔ جب جنگل اس پر ایک درندے کی طرح جھپٹا تو اس نے بے اختیار جھٹکے سے انجن بند کر دیا۔ ایک زبردست دھماکے کی آواز گونج گئی اور آن کی آن میں ہر چیز آنکھوں سے اوجھل

ہو گئی جیسے وہ اور اس کا ہوائی جہاز، دونوں سیاہ اور گہرے سمندر میں کود پڑے ہوں۔

ہوائی جہاز نیچے گرتے ہوئے صنوبروں کے سروں سے ٹکرایا۔ اس کی وجہ سے اس کے گرنے کی تیزی کچھ کم ہوئی۔ کئی درختوں کو توڑتے ہوئے خود ہوائی جہاز ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ لیکن الکسئی اس سے چند ہی لمحے پہلے ہوائی جہاز کے کاک پٹ سے کود چکا تھا۔ وہ صدیوں پرانے فر کے چھتنار درخت پر گرا اور اس کی شاخوں سے پھسلتا ہوا برف کے اس ڈھیر میں دھنس گیا جو تیز ہواؤں نے درخت کے تنے کے پاس جمع کر دیا تھا۔ برف نے اس کی جان بچا لی۔

الکسئی کو بالکل یاد نہ تھا کہ وہ کتنی دیر وہاں بےہوش اور بے حس و حرکت پڑا رہا ہے۔ دھندلے دھندلے سے انسانی سائے، عمارتوں کے نقوش اور عجیب و غریب مشینوں کی پرچھائیاں اس کے پاس سے گزرتی چلی گئیں اور وہ جس طوفانی تیزی سے بھاگ رہی تھیں اس نے اس کے پورے بدن میں ٹیس مارتے ہوئے بوجھل درد کا احساس جگا دیا۔ پھر کوئی بڑی اور گرم سی چیز جس کے خط و خال بڑے مبہم سے تھے، اس طوفانی ہنگامے سے ابھری اور اس کے چہرے پر گرم اور بدبودار پھونکیں مارنے لگی۔ اس نے کروٹ لے کر اس سے دور ہونا چاہا لیکن اسے محسوس ہوا کہ وہ برف میں جکڑ کر رہ گیا ہے۔ ایک انجانی دہشت سے مجبور ہو کر جو اس کے گرد منڈلا رہی تھی اس نے اچانک ایک جھٹکے کے ساتھ کوشش کی اور فوراً اپنے پھیپھڑوں میں پالے کی سی ٹھنڈی ہوا کی سرسراہٹ، اپنے گالوں کو چھوتی ہوئی برف کا لمس اور ایک زبردست ٹیس محسوس کی — اب یہ ٹیس اس کے پورے جسم میں نہیں بلکہ اس کے پیروں میں تھی۔

"زندہ ہوں!" یہ خیال اس کے دماغ میں کوند گیا۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی مگر اس کو قریب ہی کسی کے پیروں کی آہٹ اور بھاری سانس کی آواز سنائی دی۔ "جرمن!" فوراً اس کو خیال آیا۔ اور اس نے آنکھ کھولنے اور اچھل کر اپنی حفاظت کرنے کی فوری خواہش کو دبا دیا۔ "قیدی! آخرکار قیدی ہو ہی گیا! اب میں کیا کروں؟"

اس کو یاد آیا کہ کل ہی ہر فن مولا مستری یورا نے اس کے پستول کے خول کے ٹوٹے ہوئے فیتے کی مرمت کرنے کے لئے اپنی خدمات پیش کی تھیں مگر وہ اس پیش کش کا فائدہ نہ اٹھا سکا۔ اسی کارن اسے اپنا پستول ہوائی فلائنگ سوٹ کی ران والی جیب میں لے کر چلنا پڑتا تھا۔ اس کو نکالنے کے لئے اس وقت اسے کروٹ بدلنا پڑتا لیکن وہ دشمن کو اپنی طرف متوجہ کئے بغیر ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ وہ منہ کے بل پڑا ہوا تھا۔ اس نے پستول کے تیز کناروں کو اپنی ران میں چبھتے ہوئے محسوس کیا لیکن وہ بےحس وحرکت پڑا رہا۔ شاید دشمن اس کو مردہ سمجھ کر یوں ہی چھوڑ کر چلا جائے۔

جرمن اس کے قریب چل رہا تھا اور کچھ عجیب انداز سے سانس لے رہا تھا۔ پھر وہ برف کو چرمراتے ہوئے اس کے پاس آیا۔ الکسئی نے پھر اس کے منہ سے نکلتی ہوئی بساند محسوس کی۔ اب وہ سمجھ گیا کہ وہاں پر ایک ہی جرمن تھا اور اس چیز نے اس کے بچنے کا امکان بڑھا دیا۔ اگر وہ اس کی گھات میں رہے، یکایک اچھلے اور اس پر ٹوٹ پڑے اور اس کو ہتھیار تک ہاتھ لے جانے کا موقع دئے بغیر اس کا گلا گھونٹ دے تو... لیکن یہ بڑی احتیاط اور انتہائی چابکدستی سے کرنا ہوگا۔

پہلو بدلے بغیر الکسئی نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں لیکن اس کو جرمن کی جگہ ایک بھورا جھبرا ڈھیر نظر آیا۔ اس نے آنکھیں اور زیادہ کھولیں اور فوراً کس کر بند کر لیں: وہاں تو اس کے سامنے ایک بڑا سا لاغر اور جھبرا بھالو اپنے پنجوں پر بیٹھا تھا۔

۳

ریچھ انتہائی خاموشی سے جس طرح صرف جانور ہی خاموش ہو سکتا ہے، اس بے حس و حرکت انسانی ہیولے کے سامنے بیٹھا تھا جو دھوپ میں چمکتی ہوئی نیلگوں برف سے جھانک رہا تھا۔

اس کے گندے نتھنے پھڑک رہے تھے۔ اس کے نیم وا منہ سے پرانے اور پیلے دانت جواب تک کرارے تھے جھانک رہے تھے اور گاڑھی رال کا ایک تار ہوا میں لہرا رہا تھا۔

جنگ نے اس کی جاڑے کی نیند حرام کر دی تھی اور وہ بھوکا اور غصے میں تھا - لیکن بھالو مردار نہیں کھاتے - اس نے اس بے حس و حرکت جسم کو سونگھا، جس سے پٹرول کی تیز بو آ رہی تھی اور میدان کے چکر لگائے جہاں اسی قسم کے اور بہت سے انسانی ڈھانچے چرمراتی ہوئی برف میں اکڑے پڑے تھے - لیکن ایک کراہ اور سرسراہٹ کی آواز اسے پھر الکسئی کے پاس کھینچ لائی -

اب وہ الکسئی کے پہلو میں آسن جمائے بیٹھا تھا - بھوک کی چبھن اس کی مردار بے زاری سے لڑ رہی تھی - بھوک اس پر غالب آنے لگی تھی - درندے نے ایک بھاری سانس لی، ہوا باز کے جسم کو اپنے پنجوں سے الٹا پلٹا اور اس کی وردی کو ناخنوں سے نوچا - لیکن فلائنگ سوٹ اپنی جگہ پر جما رہا - ریچھ آہستہ سے غرایا - الکسئی نے آنکھ کھولنے، لڑھک کر ایک طرف ہٹ جانے اور اپنے سینے پر سوار اس بھاری بھرکم ہیولے کو اٹھا پھینکنے کی خواہش کو بڑی مشکل سے دبایا - ایک ایسے لمحے میں جب اس کا پورا وجود اسے پوری بےجگری سے اور جان ہتھیلی پر لے کر لڑنے پر ابھار رہا تھا اس نے خود کو مجبور کیا اور آہستہ آہستہ، اتنا آہستہ کہ ذرا پتہ نہ چلے، اس نے ہاتھ جیب میں ڈالا، پستول کا دستہ چھوا اور بڑی احتیاط سے اس طرح اس کا گھوڑا چڑھایا کہ آواز نہ پیدا ہو اور چپکے سے اسے نکال لیا -

درندہ اور بھی بپھر کر اس پر ٹوٹ پڑا اور اس کے فلائنگ سوٹ کو نوچنے لگا - مضبوط چمڑا چرچرایا مگر اس نے جواب اب بھی نہ دیا - ریچھ مارے غصے کے دھاڑا، اس نے دانت اس کے فلائنگ سوٹ میں گاڑ دئے اور سمور اور روئی کی تہوں کو چیر کر اس کے بدن میں دانت چبھونے لگا - لیکن الکسئی نے آخری قوت ارادی سے کام لے کر درد بھری چیخ کو گلے میں دبا دیا اور ٹھیک اس آن جبکہ ریچھ نے اس کو برف کے ڈھیر سے اوپر اٹھایا اس نے پستول اٹھایا اور لبلبی دبا دی -

گولی دھائیں سے چلی اور ایک تیز آواز دھڑکتی گونجتی تیرتی چلی گئی -

کسی پرندے نے پر پھڑپھڑائے اور تیزی سے اڑ گیا - خشک برف جھنجھوڑی ہوئی شاخ سے ناچتی ہوئی گری - ریچھ نے آہستہ

آهسته اپنے شکار کو چھوڑ دیا ۔ الکسئی پھر برف میں گر گیا اور اپنی آنکھیں ریچھ پر جمائے رہا ۔ ریچھ پچھلے پنجوں کے بل بیٹھا ہوا تھا ۔ اس کی کالی پیپ بھری آنکھوں سے عجیب حیرانی جھلک رہی تھی ۔ بجھے بجھے سے رنگ کے کالے خون کی دھار اس کے نکیلے دانتوں کے درمیان تیرتی ہوئی برف پر ٹپکنے لگی ۔ وہ ایک بھاری اور خوفناک آواز کے ساتھ گرجا، اپنی پچھلی ٹانگوں پر کھڑا ہوا اور اس سے پہلے کہ الکسئی دوبارہ گولی چلائے ڈھیر ہو گیا ۔ نیلگوں برف آہستہ آہستہ ارغوانی ہو گئی اور ریچھ کے سر کے پاس پگھلتی ہوئی برف سے بھاپ سی اٹھنے لگی ۔ درندہ مر چکا تھا ۔

الکسئی جس جذباتی اور جسمانی تناؤ کے ساتھ یہ سب کچھ کر رہا تھا وہ اب جاتا رہا ۔ اس نے پھر اپنے پیروں میں وہی تیز جلتی ہوئی ٹیس محسوس کی ۔ وہ برف پر دوبارہ گرا اور بےہوش ہو گیا ۔

جب اسے دوبارہ ہوش آیا تو سورج چڑھ آیا تھا ۔ اس کی کرنیں چیڑ کے گھنے درختوں کو چیرتی ہوئی برف کو اپنی روشنی سے جگمگا رہی تھیں ۔ اب درختوں کے سائے میں برف کا رنگ ہلکا نیلا نہیں رہا تھا بلکہ اس کا رنگ گہرا نیلا ہو گیا تھا ۔

''کیا میں نے ریچھ کو خواب میں دیکھا تھا؟،، الکسئی کے ذہن میں جو پہلا خیال کوندا وہ یہ تھا ۔

قریب ہی نیلی برف پر ایک بھورا، جھبرا اور میلا کچیلا ڈھانچہ پڑا تھا ۔ جنگل آوازوں سے گونج رہا تھا ۔ کھٹ بڑھئی بڑے آہنگ سے درخت کے تنے کو کھٹکھٹا رہا تھا ۔ پیلے سینے والی تیز سینیتسا چڑیاں خوش اور مگن چہچہا رہی تھیں اور ایک ڈال سے دوسری ڈال پر پھدک رہی تھیں ۔

''میں زندہ ہوں، زندہ ہوں، زندہ ہوں!،، الکسئی نے آپ ہی آپ دوہرایا ۔ اس احساس سے کہ وہ زندہ ہے اس کے پورے وجود میں، اس کے پورے جسم میں ایک جادو کی لہر، ایک خمارآلود سنسنی سی دوڑ گئی جس کا تجربہ آدمی ہر بار اس وقت کرتا ہے جب وہ کسی جان لیوا خطرے کے منہ سے بچ نکلتا ہے ۔

اس زوردار احساس کے تحت وہ اچھل پڑا اور کھڑا ہو گیا لیکن دوسرے ہی لمحے وہ چیخ کر ریچھ کے ڈھانچے پر گر پڑا ۔ اس کے پیروں کی ٹیس آگ کی طرح پورے جسم میں دوڑ گئی ۔ اس

کا سر ایک بوجھل گھنگھناھٹ کے شور سے بھر گیا جیسے چکیوں کے دو پاٹ گھوم رہے ھوں اور اس کے دماغ میں زلزلہ سا پیدا کر رہے ھوں۔ اس کی آنکھوں کو جیسے کوئی انگلیوں سے دبا رھا تھا۔ ابھی اسے لگتا کہ اس کے چاروں طرف ھر چیز روشن اور صاف ھے اور سورج کی ٹھنڈی اور زرد کرنوں میں نہا رھی ھے۔ پھر دوسرے ھی لمحے سب کچھہ ایک سرمئی پردے کے پیچھے غائب ھو جاتا جس سے چنگاریاں اڑنے لگتیں۔

''بہت برا ھوا۔ گرتے وقت دھچکا لگا ھوگا۔ اور لگتا ھے پیروں میں بھی کچھہ خرابی آ گئی ھے،، الکسئی نے سوچا۔

اس نے کہنیوں کے بل اٹھتے ھوئے حیرت بھری نظروں سے جنگل کے کنارے سے آگے وسیع میدان کو دیکھا جو دور کے جنگل کے سرمئی رنگ کے دائرہ‌نما حلقے کے پیچھے افق تک پھیلتا چلا گیا تھا۔

معلوم ھوتا تھا کہ موسم خزاں میں یا زیادہ قرین قیاس یہ ھے کہ شروع جاڑے میں اس جنگل کا دامن ایک دفاعی مورچہ رھا تھا اور سوویت فوج اس پر زیادہ دن نہ سہی بڑی جواں مردی سے اس وقت تک قابض رھی تھی جب تک کہ سب سپاھی موت کے گھاٹ نہ اتار دئے گئے۔ ان زخموں پر برف کی آندھیوں نے روئی جیسے برفیلے اون کی چادر بچھا دی تھی۔ لیکن آنکھیں ان تہوں کے نیچے بھی خندقیں، ٹوٹی پھوٹی مشین گنوں کے اڈوں کے پہاڑی نما ڈھیر، چھوٹے بڑے شلوں کے دھماکوں سے بننے والے گڈھوں کا لامتناھی سلسلہ دیکھہ سکتی تھیں جو جنگل کے کنارے تباہ شدہ، جلے جھلسے اور سر کٹے درختوں تک چلا گیا تھا۔ اس تباہ و برباد میدان میں کہیں کہیں مچھلی کے پروں کے سے رنگا رنگ ٹینک بھی جھانکتے نظر آ رہے تھے، وہ برف میں جمے پڑے تھے اور سب کے سب عجیب قسم کے جنوں بھوتوں کے ڈھانچے معلوم ھوتے تھے۔ خاص طور پر ان میں سے ایک، دستی بم یا زمین پر رکھے ھوئے کسی بم سے ٹکرا کر کچھہ اس طرح الٹ گیا تھا کہ اس کی لمبی نال زمین پر لٹکی ھوئی تھی اور منہ سے جھانکتی ھوئی زبان کی طرح دکھائی دیتی تھی۔ پورے میدان میں ٹینکوں کے پاس، اتھلی خندقوں کے کناروں پر اور جنگل کے کنارے سوویت اور جرمن سپاھیوں کی لاشیں بکھری پڑی تھیں۔ ان کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ بعض جگہ لاشیں ایک کے

اوپر ایک ڈھیر کی طرح رکھی تھیں ۔ سپاھی اسی طرح برف میں اکڑے پڑے تھے جس طرح جاڑے کے شروع شروع میں چند مہینے قبل موت نے ان کو آ لیا تھا ۔

ان سب چیزوں سے الکسئی کو اندازہ ھوا کہ یہاں کتنا زبردست اور گھمسان کا رن پڑا تھا ۔ اس کو معلوم ھوا کہ اس کے ساتھی یہاں لڑے تھے اور اس کے سوا ھر چیز بھول گئے تھے کہ انہیں ھر قیمت پر دشمن کو روکنا ھے اور اس کو آگے بڑھنے سے باز رکھنا ھے ۔ یہاں سے ذرا ھی دور، جنگل کے کنارے کے قریب چیڑ کے ایک موٹے سے درخت کے سائے تلے، جس کا سر شل سے اڑ گیا تھا اور جس کے پاش پاش لمبے تنے سے پیلے رنگ کی چمکیلی رال ٹپک رھی تھی، جرمن سپاھیوں کی لاشیں پڑی تھیں۔ ان کے سر اڑ گئے تھے اور چہروں کا قیمہ بن گیا تھا ۔ بیچ میں دشمن کی ایک لاش پر تگڑے جسم، گول چہرے اور بڑے سر والے نوجوان کی لاش منہ کے بل پڑی تھی ۔ وہ بغیر فوجی کوٹ کے صرف اپنی فوجی وردی میں تھا جس کا کالر نچا ھوا تھا ۔ اس کے پاس ھی ایک رائفل پڑی تھی جس کی سنگین ٹوٹی ھوئی تھی اور کندہ ٹکڑے ٹکڑے ھو گیا تھا اور خون میں لتھڑا ھوا تھا ۔

ذرا اور آگے، جنگل کی طرف جانے والی سڑک پر، ریت سے کمر تک ڈھکے ھوئے فر کے ایک نئے درخت تلے بم کے بنائے ھوئے گڈھے میں، ایک سانولے ازبک کی لاش پڑی تھی ۔ لاش آدھی گڈھے میں تھی اور آدھی باھر۔ اس کا چہرہ بیضوی تھا اور لگتا تھا کہ اسے پرانے ھاتھی دانت سے تراش کر ابھارا گیا ھے ۔ اس کے پیچھے فر کی شاخوں کے نیچے ھاتھہ کے بموں کا ڈھیر تھا اور خود ازبک کے ھاتھہ میں ایک بم تھا جیسے اس نے یہ بم پھینکنے سے پہلے آسمان کو گھور کر دیکھا ھو اور اس انداز میں مبہوت رہ گیا ھو ۔

اور بھی آگے، جنگل والی سڑک کے ساتھہ ساتھہ، یعنی خاکی رنگ کے ٹینکوں کے پاس، بڑے بڑے شل کے گڈھوں کے کناروں پر، بعض پرانے درختوں کے تنوں کے قریب، خندقوں کے اندر، ھر جگہ لاشیں ھی لاشیں تھیں ۔ لاشیں روئی‌دار جیکٹ اور پتلونیں پہنے، ھری وردیوں میں ملبوس، کان چھپانے والی ٹوپیاں پہنے، مڑے ھوئے گھٹنوں، اوپر کو اٹھی ھوئی ٹھوڑیوں اور موم جیسے چہروں کے

ساتھہ برف کے ڈھیروں سے جھانک رہی تھیں جن کو لومڑیوں نے نوچا تھا اور سروکاؤں اور کواؤں نے چونچ مارمار کر چیر پھاڑ دیا تھا۔

کئی کوے میدان کے اوپر ہوا میں آهسته آهسته چکرلگا رہے تھے۔ اس منظر نے الکسئی کے ذهن میں ''جنگ ایگور،، کی المناک مگر شاندار تصویر کی یاد تازه کر دی جو عظیم روسی مصور کی تصویر کے چربے کی شکل میں اس کی تاریخ کی کتاب میں موجود تھی۔

''ان هی کی طرح میں بھی شاید یہاں پڑا هوتا،، اس نے سوچا اور پھر اس کی رگ رگ میں زندگی کے نشاط کی لہر دوڑ گئی۔ اس نے خود کو جھنجھوڑا۔ چکی کے کھردرے پاٹ اب تک اس کے دماغ میں گھوم رہے تھے۔ اس کے پیر پہلے سے زیادہ بری طرح جل اور دکھه رہے تھے۔ وہ ریچھه کے ڈھانچے پر بیٹھه گیا جو اب ٹھنڈا ٹھنڈا تھا اور خشک برف کے غازے سے ڈھکاھوا چاندی کی طرح چمک رہا تھا۔ اس نے سوچنا شروع کیا: کیا کروں، کہاں جاؤں، کیوں کر اپنے محاذ تک پہنچوں۔

جب وہ هوائی جہاز سے گرا تھا تو اس کے نقشے کا بکس کھو گیا تھا، لیکن اس کو جس راستے پر چلنا تھا اس کے دماغ میں اس کا نقشه بالکل روشن تھا۔ جرمن هوائی اڈہ جس پر اشتورموویک هوائی جہازوں نے حملہ کیا تھا، مورچے سے پچھم کی طرف کوئی ساٹھہ کلومیٹر کی دوری پر تھا۔ فضائی لڑائی کے دوران میں، اس کے هوابازوں نے دشمن کو هوائی اڈے سے بیس کلومیٹر پورب کی طرف کھینچ لیا تھا اور دوهرے ''چنگل،، سے نجات پانے کے بعد وہ خود بھی کئی کلومیٹر پورب کی طرف آیا هوگا۔ ظاهر هے کہ وہ اپنے مورچے سے کوئی ۳۰ کلومیٹر کے فاصلے پر گرا هوگا — جرمن ڈویژن کے بہت پیچھے، جنگل کے اس بے پناہ سمندر میں جس کو کالا جنگل کہتے هیں اور جس کے اوپر وہ کئی بار پرواز کر چکا تھا اور قریب کے جرمن اڈوں پر بمباروں اور اشتورمووییک هوائی جہازوں کے حملے کے دوران میں نگہبانی کا فرض انجام دے چکا تھا۔ هوا کی بلندیوں سے اسے یہ جنگل همیشه ایک بیکراں سبز سمندر نظر آتا تھا۔ صاف موسم میں اس کے چیڑ کے درختوں کے سرے سانس لیتے هوئے معلوم هوتے تھے۔ لیکن برے موسم میں یہ جنگل باریک اور سرمئی دھند میں

لپٹا ہوا ہموار اور بےرنگ پانی کا ایک سلسلہ معلوم ہوتا تھا جس کی سطح پر چھوٹی چھوٹی لہریں اٹھتی رہتی تھیں۔

یہ واقعہ کہ وہ اس وسیع جنگل کے بیچوں بیچ گرا تھا، روشن پہلو بھی رکھتا تھا اور تاریک بھی۔ اچھا پہلو تو یہ تھا کہ اسے یہاں کسی جرمن سے مڈ بھیڑ کا خطرہ نہ تھا کیونکہ وہ عام طور پر سڑکوں اور شہروں سے دور نہ جاتے تھے۔ بری بات یہ تھی کہ اس کا راستہ طویل نہ ہونے کے باوجود بہت ہی کٹھن تھا۔ اس کو گھنی جھاڑیوں میں سے گزرنا پڑےگا اور کسی انسانی امداد کا کوئی امکان نہ تھا، سر چھپانے کی جگہ، روٹی کے ایک ٹکڑے یا پینے کو کسی گرم چیز کی ایک پیالی ملنے کی آس بھی نہ تھی۔ اس کے پیر... کیا وہ اسے آگے لے جا سکینگے؟ کیا وہ چل سکیگا؟..

وہ ریچھ کے ڈھانچے پر سے آہستہ آہستہ اٹھا۔ اس نے پھر وہی درد محسوس کیا جو پیروں سے شروع ہوکر پورے جسم میں اوپر دوڑ جاتا تھا۔ مارے کرب کے اس کے منہ سے ایک چیخ نکلی اور وہ پھر بیٹھ گیا۔ اس نے سمور کے بوٹ اتارنے کی کوشش کی لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئے۔ ہر جھٹکے کے ساتھ اس کے منہ سے ایک کراہ نکل جاتی۔ پھر دانت بھینچ کر اور آنکھوں کو زور سے بند کرتے ہوئے اس نے زور لگایا اور اپنے دونوں ہاتھ سے ایک بوٹ کھینچ لیا — اور فوراً بےہوش ہو گیا۔ جب دوبارہ اسے ہوش آیا تو اس نے بڑی احتیاط سے پیر کی پٹی کھولی۔ اس کا پیر سوج گیا تھا اور چوٹ کی وجہ سے پورا کا پورا نیلا پڑ گیا تھا۔ اس کے جوڑ جوڑ میں ٹیس اور جلن ہو رہی تھی۔ اس نے اپنا پیر برف پر رکھ دیا اور اس طرح اس کا درد کچھ کم ہو گیا۔ اسی طرح ایک بار پھر دانت بھینچ کر، جیسے وہ خود اپنا دانت کھینچ رہا ہو، اس نے دوسرا بوٹ بھی اتار ہی لیا۔

اس کے دونوں پیر بیکار ہو چکے تھے۔ ظاہر تھا کہ جب وہ اپنے ہوائی جہاز کے کاک‌پٹ سے گرا تو کسی چیز میں اس کے پیر الجھے ہونگے اور اس کے پیروں اور پنجوں کی ہڈیاں ٹوٹ کر رہ گئیں۔ ظاہر ہے معمولی حالات میں، اس خوفناک چوٹ کے بعد اس نے کھڑا ہونے کا خواب بھی نہ دیکھا ہوتا۔ لیکن وہ تو ایک ویران و بیابان جنگل میں اکیلا تھا۔ وہ دشمنوں کے محاذ کے عقب

میں تھا جہاں کسی آدمی سے مڈبھیڑ کا مطلب آرام و سکون نہیں بلکہ موت تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ جنگلوں کے اندر ہی اندر پورب کی طرف بڑھتا رہے اور کسی آسان راستے یا انسانی آبادی کی تلاش نہ کرے— ہر قیمت پر آگے بڑھتا رہے۔

پکے عزم کے ساتھ وہ ریچھ کے ڈھانچے پر سے اٹھا، کراہتے ہوئے دانت جکڑے اور پہلا قدم اٹھایا۔ وہ ایک لمحے اسی طرح کھڑا رہا، دوسرا پیر برف میں سے کھینچا اور دوسرا قدم اٹھایا۔ اس کے سر میں ایک گھنگھناہٹ سی اٹھنے لگی اور اس کی آنکھوں کے سامنے میدان ناچتے ناچتے تیرتا ہوا غائب ہو گیا۔

الکسئی مارے تھکن اور درد کے نڈھال ہونے لگا۔ وہ ہونٹ کاٹتا ہوا آگے بڑھتا رہا اور ایک جنگلی راستے پر پہنچ گیا جو ایک برباد ٹینک اور ہاتھ میں بم پکڑے ہوئے مردہ ازبک کے پاس سے ہوتا ہوا پورب کی طرف جنگل کی گہرائیوں میں کھو گیا تھا۔ نرم برف پر اس طرح بھٹک بھٹک کر چلنا اتنا برا نہ تھا لیکن جیسے ہی اس کا پیر ہوا سے سخت ہو جانے والی برف سے ڈھکی ہوئی سڑک کے کوہان جیسے اٹھے ہوئے حصے سے چھو جاتا اس کا درد اتنا جان لیوا ہو جاتا کہ دوسرا قدم اٹھانے کی ہمت نہ ہوتی اور وہ ٹھٹک کر کھڑا ہو جاتا۔ وہ کھڑا ہو گیا۔ اس کی دونوں ٹانگیں کچھ عجیب بے ڈھنگے پن سے دور دور تھیں۔ اس کا جسم جھوم رہا تھا جیسے ہوا کے جھونکوں میں لہرا رہا ہو۔ اچانک اس کی نگاہوں میں سرمئی سی دھند بھرنے لگی۔ سڑک، چیڑ کے پیڑ، چیڑ کے درختوں کی سرمئی ٹہنیاں، گنبدنما آسمان کا نیلا دھبہ اس دھند میں کھو گیا... وہ اپنے ہوائی اڈے پر تھا، اپنے لڑاکو ہوائی جہاز کے پاس اور اس کا مستری لمبا تڑنگا یورا جس کے دانت اور آنکھیں ہمیشہ کی طرح اس کی بڑھی ہوئی سونچھ داڑھی اور میلے چہرے سے چمکتی ہوئی جھانک رہی تھیں اور وہ ہوائی جہاز کے کاک پٹ کی طرف اشارہ کر رہا تھا جیسے کہہ رہا ہو ”لو تیار ہے، ژوں ہو جاؤ!..“، الکسئی نے ہوائی جہاز کی طرف ایک قدم اٹھایا لیکن زمین جل اٹھی اور اس کے پیر جھلس کر رہ گئے جیسے اس نے دہکتی ہوئی سرخ دھات پر قدم رکھ دئے ہوں۔ اس نے اس آگ سے چھلانگ لگا کر اپنے ہوائی جہاز کے پر تک پہنچنے کی کوشش کی لیکن وہ اس کے ٹھنڈے دھڑ سے ٹکرا گیا۔ وہ

یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ہوائی جہاز کا وہ حصہ چکنا نہ تھا اور نہ اس پر پالش کی چمک تھی، بلکہ وہ بہت ہی کھردار تھا جیسے چیڑ کے چھلکے ہوں... لیکن کوئی لڑا کو ہوائی جہاز وہاں نہ تھا — وہ تو سڑک پر کھڑا ایک درخت کے تنے کو ہاتھ سے تھپتھپا رہا تھا۔

''وہم؟ مجھے جو چوٹ پہنچی ہے اس سے میرا دماغ خراب ہوا جا رہا ہے!،، الکسئی نے سوچا ''اس سڑک پر چلنا ایک عذاب ہوگا۔ کیا میں سڑک سے اتر جاؤں؟ لیکن اس سے چلنے کی رفتار بہت آہستہ ہو جائیگی...،، وہ برف پر بیٹھ گیا اور اسی طرح دانت پیس کر اس نے اپنے سمور کے بوٹ اتار لئے اور دانتوں اور ناخنوں سے نوچ نوچ کر اس کا اوپر کا حصہ چیرا تاکہ ٹوٹے ہوئے پیروں کو آرام ملے۔ اس نے اپنا بڑا سا انگورے کا خوب روئیں‌دار اسکارف اتارا، اس کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے پٹیاں بنائیں اور ان کو اپنے پیروں پر لپیٹا اور پھر بوٹ پہن لئے۔

اب چلنا کچھ آسان ہو گیا۔ لیکن اسے چلنا کہنا درست نہ ہوگا: اس نے چلنا نہیں بلکہ آگے کھسکنا شروع کیا، وہ بڑی احتیاط سے پیر خوب اٹھا اٹھا کر ایڑیوں کے بل آگے بڑھنے لگا جس طرح آدمی دلدل میں چلتا ہے۔ ہر چند قدم کے بعد تھکن اور درد سے نڈھال ہو کر اس کا سر گھومنے لگتا اور ہر بار وہ رکنے پر مجبور ہو جاتا، وہ آنکھیں موند لیتا، کسی درخت کے تنے کے سہارے یا برف کے کسی ڈھیر پر آرام کرنے کے لئے بیٹھ جاتا اور اس وقت اس کو اپنی رگوں میں خون کے ہیجان کا احساس ہوتا۔

اسی طرح وہ کئی گھنٹے تک آگے بڑھتا رہا۔ لیکن جب اس نے مڑ کر دیکھا تو اس کو اب بھی جنگل کا کنارا نظر آیا، جو سڑک کے دھوپ میں چمکتے ہوئے اس موڑ کو کاٹ رہا تھا جہاں مردہ ازبک برف پر ایک چھوٹے سے سیاہ دھبے کی طرح پڑا ہوا تھا۔ الکسئی کو بہت زیادہ مایوسی ہوئی۔ وہ مایوس ضرور ہوا مگر ہراساں نہ ہوا۔ اس چیز نے اس میں اور تیزی سے آگے بڑھنے کی خواہش بیدار کی۔ وہ برف کے ڈھیر پر سے اٹھا۔ اس نے دانت بھینچ لئے اور آگے بڑھا اور تمام تر توجہ کسی قریب ترین منزل پر مرکوز کرتے ہوئے چلنے لگا — ایک چیڑ کے درخت سے دوسرے درخت تک، ایک تنے سے

دوسرے تنے تک، برف کے ایک ڈھیر سے دوسرے ڈھیر تک۔ آگے بڑھتے ہوئے وہ اپنے پیچھے ویران جنگل کی سڑک کے پاک برف پر ناھموار اور پیچ وخم کھاتے ہوئے نشان چھوڑے جا رہا تھا، جیسے یہ کسی زخمی جانور کے چھوڑے ہوئے نشان ہوں۔

۴

اور اسی طرح وہ شام تک چلتا رہا۔ جب سورج نے، اس کے پیچھے کہیں دور غروب ہوتے ہوتے، اپنی ٹھنڈی اور لال شفق سے درختوں کے سروں کو جگمگا دیا اور سرمئی پرچھائیاں جنگل میں گہری ہونے لگیں تو وہ ایک چھوٹی سی گھاٹی میں جا نکلا جو سدا بہار صنوبری جھاڑیوں سے ڈھکی ہوئی تھی۔ وہاں اسے جو منظر نظر آیا اسے دیکھ کر محسوس ہوا جیسے اس کی پیٹھ پر بھیگا ہوا ٹھنڈا تولیہ پھسل رہا ہے۔ خود کے نیچے اس کے بال کھڑے ہو گئے۔

معلوم ہوتا تھا جب اس میدان میں لڑائی ہو رہی تھی تو اس وقت کوئی میڈیکل کمپنی اس گھاٹی پر تعینات کی گئی تھی۔ یہاں زخمی لا کر چیڑ کی سوئیوں جیسی چبھتی ہوئی شاخوں پر لٹائے جاتے ہونگے۔ یہاں وہ اب تک ان جھاڑیوں کی پناہ میں پڑے ہوئے تھے۔ بعض برف میں نیم دفن تھے اور بعض بالکل دب گئے تھے۔ یہ بالکل صاف تھا کہ وہ اپنے زخموں کی وجہ سے نہیں مرے تھے۔ کسی نے بڑی صفائی کے ساتھ چاقو سے ان کی گردنیں اڑا دی تھیں۔ وہ سب کے سب ایک ھی انداز میں پڑے تھے۔ ان کے سر پیچھے کی طرف ڈھلکے ہوئے تھے جیسے وہ دیکھنا چاہ رہے ہوں کہ ان کے پیچھے کیا کچھ ہو رہا ہے۔ اور یہاں بھی اس بھیانک منظر پر سے پردہ سا ہٹتا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ چیڑ کے ایک پیڑ تلے سوویت فوجی کے برف سے ڈھکے ہوئے جسم کے پاس ایک نرس بیٹھی تھی جو کمر تک برف میں دھنسی ہوئی تھی۔ سپاھی کا سر اس کی گود میں تھا۔ وہ بوٹے سے قد کی بڑی دبلی پتلی نازک سی لڑکی تھی۔ وہ سمور کی ٹوپی پہنے ہوئے تھی جس کے کان ڈھکنے والے فیتے اس کی ٹھوڑی کے نیچے بندھے ہوئے تھے۔ اس کے شانوں کے درمیان ایک خنجر

کا چمکدار دستہ جگمگا رہا تھا۔ قریب ہی ایک فاشست کی لاش پڑی تھی جو «SS» والی سیاہ وردی میں لپٹی ہوئی تھی۔ پاس ہی ایک سوویت سپاہی کی لاش تھی جس کے سر پر خون میں لتھڑی ہوئی پٹی بندھی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کی گردن کو موت کی آخری گرفت میں جکڑے پڑے تھے۔ الکسئی فوراً بھانپ گیا کہ کالی وردی والے سپاہی نے زخمیوں کو قتل کیا تھا اور سوویت سپاہی نے جو ابھی زندہ ہوگا، جھپٹ کر اسی لمحے اسے آلیا تھا جبکہ وہ نرس پر خنجر کا وار کر رہا تھا۔ اس نے اپنی انگلیوں کی رہی سہی طاقت سے کام لیتے ہوئے دشمن کو جکڑ لیا تھا۔

اس طرح برف کے طوفان نے ان سب کو دفن کر دیا تھا — سمور کی ٹوپی پہنے ہوئے پتلی دبلی لڑکی کو، اور ان دونوں، قاتل اور اس سے انتقام لینے والے سوویت سپاہی کو جو ایک دوسرے کی گردن کو جکڑے ہوئے نرس کے چوڑے فوجی بوٹوں میں چھپے ہوئے قدموں میں پڑے تھے۔

الکسئی وہاں چند لمحے بالکل مبہوت کھڑا رہا۔ پھر نرس کی طرف بڑھا اور اس کی پشت سے خنجر کھینچ لیا۔ یہ ایک نازی خنجر تھا۔ یہ پرانی جرمن تلوار کے طرز کا خنجر تھا اور اس کے دستے کے مٹھہ پر «SS» کا روپہلا نشان بنا ہوا تھا۔ خنجر کے زنگ آلود پھل پر اب یہ الفاظ بھی پڑھے جا سکتے تھے «Alles für Deutschland»* الکسئی نے جرمن کے جسم سے خنجر کے چمڑے کا خول الگ کیا۔ اسے راستے میں خنجر کی ضرورت ہوگی۔ اس نے برف ہٹا کر برف سے جما ہوا لبادہ کھودا اور نرس کی لاش کو بڑی محبت کے ساتھ لبادے سے ڈھک دیا اور اس کے اوپر چیڑ کی چند ڈالیاں رکھ دیں...

جب تک شام کا دھندلکا پھیل گیا۔ درختوں کے درمیان روشنی کے پردے غائب ہو گئے۔ گہرے اور پالے بھرے اندھیرے نے اس چھوٹی سی گھاٹی کو ڈھک لیا۔ خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ لیکن شام کی ہوا درختوں کے سروں پر تیر رہی تھی اور جنگل گا رہا تھا۔ کبھی یہ نغمہ ایک لوری بن جاتا اور کبھی اضطراب اور ہراس میں ڈوبی ہوئی تان۔ بہت ہی باریک لطیف برف اب دکھائی نہ دے

---

* ''سب کچھ جرمنی کے لئے''۔

رہی تھی لیکن آہستہ آہستہ سرسراتی ہوئی اڑ رہی تھی اور چہرے میں چبھتی ہوئی اس گھاٹی میں اتر اتر کر جمع ہو رہی تھی۔

وہ والگا کے اسٹیپی میدانوں میں، کامی‌شین میں پیدا ہوا تھا اور شہر کا باشندہ تھا، اس لئے لکڑھارے کے فن سے بالکل نابلد تھا۔ اس نے رات کے لئے تیار ہونے یا الاؤ جلانے کی زحمت ہی نہیں اٹھائی۔ گہرے اندھیرے نے اسے آ لیا اور اب اس کے ٹوٹے اور تھکے ہوئے پیروں کے روح فرسا درد نے اس میں لکڑیاں چننے کی سکت ہی کب چھوڑی تھی۔ وہ چیڑ کے ایک نئے درخت کے نیچے گھنی جھاڑیوں کے اندر رینگتا ہوا گھس گیا اور درخت کے نیچے بیٹھ گیا، کندھے جھکا لئے اور سر گھٹنوں پر ٹکا لیا جن کو اس نے اپنے بازوؤں کے گھیرے میں لے لیا تھا اور خود کو سانس سے گرم کرتے ہوئے بالکل خاموش بیٹھا سکوت اور سکون سے لطف اندوز ہوتا رہا۔

اس نے اپنے پستول کا گھوڑا چڑھا لیا لیکن شبہ ہی ہے کہ وہ جنگل کی اس پہلی رات کو اسے استعمال بھی کر سکتا تھا۔ وہ تو لکڑی کے کندے کی طرح غافل پڑا تھا، وہ نہ تو چیڑ کے درختوں کی مسلسل سرسراہٹ سن رہا تھا اور نہ قریب کہیں سڑک کے پاس سے آتی ہوئی الو کی چیخ، اور نہ دور سے آتی ہوئی بھیڑیوں کی غراہٹ۔ جنگل کا کوئی شور بھی اسے سنائی نہ دے رہا تھا جو اس گہرے اندھیرے میں گونج رہا تھا، جس نے اس کو اپنی آغوش میں چھپا رکھا تھا۔

جیسے ہی صبح کی پہلی کرنیں پھوٹیں اور پالے کے جکڑے ہوئے اندھیرے میں درختوں کے دھندلے نقوش ابھرے، وہ چونک کر اٹھ بیٹھا جیسے کسی نے اس کو جھنجھوڑ دیا ہو۔ جاگنے پر اسے یاد آیا کہ اس پر کیا بیتی تھی اور وہ کہاں تھا اور اس نے جس بے پروائی سے جنگل میں یہ رات کاٹی تھی اس کے خیال نے اسے خوف زدہ کر دیا۔ تیز ٹھنڈک اس کے سمور کے فلائنگ سوٹ کو چیر کر اندر گھس رہی تھی اور اس کا کلیجہ چھلنی کئے دے رہی تھی۔ وہ کانپ رہا تھا۔ لیکن سب سے برا حال تو اس کے پیروں کا تھا۔ اب بھی جب کہ وہ آرام کر رہا تھا اس کا درد پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گیا تھا۔ کھڑے ہونے کے خیال سے ہی اس کا دم نکلا جا رہا تھا۔ لیکن وہ پورے عزم کے ساتھ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا — جس طرح کل

اس نے دانت بھینچ کر اپنے سمور کے بوٹ اتارے تھے۔ وقت کی بڑی قیمت تھی۔

الکسئی کو جو مصیبتیں ستا رہی تھیں ان میں اب بھوک کا اضافہ ہو گیا تھا۔ پچھلے دن جب اس نے نرس کی لاش لبادے سے ڈھکی تھی تو اس نے اس کے پاس پڑا ہوا تھیلا دیکھا تھا جس پر ریڈ کراس کا نشان تھا۔ کسی چھوٹے سے جانور نے اس تھیلے کو کترنا شروع کر دیا تھا اور اس میں جانور کے بنائے ہوئے سوراخوں کے پاس چھوٹے چھوٹے ٹکڑے بکھرے پڑے تھے۔ الکسئی نے پچھلے دن جب ان کو دیکھا تھا، تو کوئی خاص توجہ نہ دی تھی لیکن اب اس نے تھیلا اٹھایا۔ اس میں اسے میدان جنگ میں مرہم پٹی کے سامان کے ساتھ گوشت کا ایک ٹین، خطوں کا ایک پیکٹ اور ایک چھوٹا سا آئینہ ملا جس کی پشت پر پتلے منہ کی ایک بوڑھی عورت کی تصویر تھی۔ جیسا کہ ظاہر تھا اس تھیلے میں روٹی بھی تھی لیکن چڑیوں اور جانوروں نے اس کا صفایا کر دیا تھا۔ الکسئی نے اپنے فلائنگ سوٹ کی جیبوں میں ٹین اور پٹیاں رکھ لیں اور آپ ہی آپ بولا ”شکریہ میری جان۔“ اس نے جوان لڑکی کے پیروں کو لبادے سے ڈھک دیا جس کو ہوا نے ہٹا دیا تھا اور آہستہ آہستہ پورب کی طرف چل پڑا جو درختوں کی شاخوں کی جالیوں کے پیچھے نارنجی رنگ کے شعلے سے دھک رہا تھا۔

اب اس کے پاس ایک کلوگرام گوشت تھا اور اس نے طے کیا کہ روزانہ ایک بار دو پہر کو کھایا کریگا۔

۵

درد سے اپنا دھیان بٹانے کے لئے الکسئی نے اپنے راستے کے بارے میں سوچنا اور اس کا حساب لگانا شروع کیا۔ اگر اس نے روزانہ دس بارہ کلومیٹر کا فاصلہ طے کیا وہ زیادہ سے زیادہ تین دن میں اپنی منزل پر پہنچ جائیگا۔

”یہ ٹھیک ہے! اچھا، دس بارہ کلومیٹر کا مطلب کیا ہوتا ہے؟ ایک کلومیٹر دو ہزار قدموں کے برابر ہوتا ہے۔ اس کا مطلب

یہ ہے کہ دس کلومیٹر میں بیس ہزار قدم ہونگے۔ لیکن یہ تو بہت ہوتے ہیں کیونکہ مجھے ہر پانچ چھہ سو قدم کے بعد آرام کرنا پڑے گا...،،

پچھلے دن سفر کو آسان بنانے کے لئے الکسئی نے بعض منزلیں مقرر کر لی تھیں: چیڑ کا ایک درخت، درخت کا کوئی تنا یا سڑک کا کوئی گڈھا اور وہ ان میں سے ہر ایک کی طرف یہ سوچ کر بڑھتا کہ وہاں پہنچ کر اسے سستانا ہے۔ اب اس نے اسے عددوں میں بدل دیا ــ کہ اتنے قدموں کے بعد سستانے کی منزل آئیگی۔ اس نے فیصلہ کیا کہ ہر دوڑ ایک ہزار قدموں کی ہوگی، یعنی آدھا کلومیٹر۔ اور گھڑی دیکھہ کر آرام کیا جائیگا ــ پانچ منٹ اور بس! اس نے یہ اندازہ قائم کیا کہ وہ سورج کے طلوع ہونے سے غروب ہونے تک بڑی مشکل سے دس کلومیٹر کا فاصلہ طے کر سکتا ہے۔

لیکن پہلے ایک ہزار قدم کتنے کٹھن تھے۔ اس نے درد کی طرف سے دھیان بٹانے کے لئے اپنے قدم گننے شروع کئے۔ لیکن پانچ سو کے بعد وہ گننا بھول گیا اور اس کے بعد اپنے جلتے اور ٹیس مارتے ہوئے درد کے سوا اور کچھہ نہ سوچ سکا۔ ہاں، پھر بھی اس نے ایک ہزار قدم پورے کرکے ہی دم لیا۔ اس میں بیٹھنے کی سکت نہ تھی۔ وہ منہ کے بل برف میں گر گیا اور بڑے ندیدےپن سے برف چاٹنے لگا۔ اس نے اپنی پیشانی اور جلتی ہوئی کنپٹیاں برف پر رکھہ دیں اور اس برفیلے لمس میں ایک ناقابل بیان راحت محسوس کی۔

وہ کانپ گیا اور گھڑی دیکھی۔ سکنڈ کی سوئی ٹک ٹک کرتی ہوئی مقررہ پانچ منٹ کے آخری سکنڈ ختم کر رہی تھی۔ اس نے بڑی سراسیمگی کے ساتھہ اس کھسکتی ہوئی سوئی کو دیکھا جیسے اس کے چکر خاتمے پر کوئی بڑی خوفناک بات ہونے والی ہو۔ لیکن جیسے ہی سوئی ساٹھہ پر پہنچی وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا اور کراہتے ہوئے آگے بڑھنے لگا۔

دو پہر تک جب جنگل کی نیم تاریکی چیڑ کی گھنی شاخوں سے چھنتی ہوئی سورج کی باریک کرنوں سے جگمگانے لگی اور جب سارا جنگل درختوں کی رال اور پگھلتی ہوئی برف کی خوشبو سے بس گیا تو اس نے ابھی ان منزلوں میں سے صرف چار منزلیں طے کی تھیں۔ آخری منزل پر وہ برف میں گر گیا کیونکہ اب اس میں اس برچ کے

درخت کے تنے تک رینگنے کی بھی سکت باقی نہیں رہی تھی جو مشکل سے ہاتھ بھر کی دوری پر تھا۔ وہاں وہ بہت دیر تک بیٹھا رہا۔ اس کا سر سینے پر ڈھلک آیا تھا۔ وہ کچھ بھی نہ سوچ رہا تھا، وہ نہ کچھ دیکھ رہا تھا اور نہ سن رہا تھا، اب تو بھوک کا احساس بھی مٹ گیا تھا۔

اس نے گہری سانس لی، کئی بار چٹکیوں سے برف منہ میں ڈالی اور اپنی بےحسی اور غفلت پر قابو پاتے ہوئے جس نے اس کے جسم کو جکڑ رکھا تھا اپنی جیب سے زنگ آلود ٹین نکال کر اسے جرمن خنجر سے کھولا۔ اس نے برف کی طرح شل بےمزہ چربی کا ایک ٹکڑا منہ میں رکھا اور اسے نگلنا چاہتا تھا کہ وہ پگھل گیا۔ لیکن دفعتاً اسے ایسی زبردست بھوک نے آدبوچا کہ وہ ٹین کو لاکھ ہٹائے نہ ہٹا سکا آخر اس نے برف پھانکنا شروع کیا تاکہ کچھ تو ہو کھانے کو — کچھ تو گلے سے اترتا رہے۔

لیکن آگے بڑھنے سے پہلے اس نے صنوبری جھاڑی سے اپنے لئے دو چھڑیاں کاٹیں۔ وہ ان چھڑیوں کے سہارے کھڑا ہوا اور چلنے لگا لیکن ہر تازہ قدم کے ساتھ اس کے لئے اگلا قدم اٹھانا دو بھر ہوتا گیا۔

٦

...اس گھنے جنگل میں الکسئی کے دردناک سفر کا تیسرا دن تھا۔ اب تک اسے آدم یا آدم زاد کا دور دور کوئی نشان نظر نہ آیا تھا۔ لیکن تیسرے دن ایک غیر متوقع واقعہ پیش آیا۔

وہ سورج کی پہلی کرن کے ساتھ اٹھا تو مارے ٹھنڈ اور اندرونی بخار کے لرز رہا تھا۔ اپنے فلائنگ سوٹ کی ایک جیب میں اسے ایک لائٹر ملا جو اس کے مستری نے رائفل کے ایک خالی کارتوس سے بنایا تھا اور اس کو بطور یادگار دیا تھا۔ وہ اس کے بارے میں بالکل بھول گیا تھا اور یہ بھی بھول گیا تھا کہ وہ آگ روشن کر سکتا تھا اور اسے آگ روشن کرنا چاہئے تھا۔ اس نے فر کے درخت کی کچھ سوکھی اور کائی سے ڈھکی ہوئی شاخیں توڑیں جن کے سائے میں وہ سویا تھا اور ان پر چیڑ کی ٹہنیاں ڈال کر ان کو جلایا۔ سرمئی دھوئیں کے

نیچے سے تیز اور پیلے شعلے بھڑکنے لگے ۔ خشک اور گوند بھری لکڑی بڑی تیزی سے مہک کر جلنے لگی ۔ شعلے چیڑ کی ٹہنیوں تک پہنچ گئے، ہوا نے اپنا کام کیا اور شعلے سنسناتے اور چرچراتے ہوئے بھڑک اٹھے ۔

آگ بھڑکتی چٹختی رہی اور اس سے خشک اور آرام‌دہ گرمی نکلتی رہی ۔ الکسئی کو آرام و سکون کا احساس ہوا ۔ اس نے فلائنگ سوٹ کی زنجیر کھینچی اور وردی کی جیب سے کچھہ مڑے تڑے خط نکالے ۔ ان سب کی لکھائی ایک ہی جیسی تھی ۔ ان میں سے ایک خط میں باریک سے کاغذ میں لپٹی ہوئی ایک تصویر ملی ۔ یہ ایک نازک سی لڑکی کی تصویر تھی ۔ لڑکی چھینٹ کا فراک پہنے گھاس پر گھٹنوں کے بل بیٹھی تھی ۔ اس نے کچھہ دیر تک تصویر کو غور سے دیکھا اور پھر اس کو باریک کاغذ میں لپیٹ دیا اور واپس لفافے میں رکھہ دیا، ایک لمحے کے لئے کچھہ سوچتے ہوئے اسے اپنے ہاتھہ میں تھامے رہا اور دوبارہ لفافہ اپنی جیب میں رکھہ لیا ۔

,,کوئی پروا نہیں، سب ٹھیک ٹھاک ہو جائیگا،، اس نے یہ بات لڑکی سے کہی یا اپنے آپ سے یہ بتانا مشکل ہے ۔ اس نے سوچتے ہوئے دوہرایا ,,کوئی بات نہیں !،،

اب اس نے ایک جھٹکے سے جس کا وہ عادی ہو چکا تھا، اپنے سمور کے بوٹ اتارے، اونی اسکارف کی پٹیاں کھولیں اور اپنے پیروں کا معائنہ کرنے لگا ۔ پیر پہلے سے زیادہ سوج گئے تھے اور انگلیاں پھول کر ہر سمت میں بھاگتی نظر آ رہی تھیں ۔ اس کے پیر ہوا سے بھرے ہوئے غبارے دکھائی دے رہے تھے اور ان کا رنگ پچھلے دن سے بھی زیادہ عنابی ہو گیا تھا ۔

الکسئی نے ٹھنڈی سانس لی اور بجھتی ہوئی آگ پر الوداعی نظر ڈالتے ہوئے آگے بڑھنے لگا ۔ سخت برف پر اس کی چھڑیاں چرمراہٹ کی آواز پیدا کر رہی تھیں ۔ وہ ہونٹ چباتے ہوئے آگے بڑھتا رہا ۔ کبھی کبھی تو وہ نیم ہوش ہو جاتا ۔ دفعتاً جنگل کے عام شور کے درمیان ایک نئی آواز سنائی دی ۔ اس کے کان جنگل کی آواز کے اتنے عادی ہو چکے تھے کہ وہ مشکل سے نئی آواز سن سکتا تھا ۔ اب اس نے دور سے موٹر کی گھنگھناہٹ سنی ۔ پہلے تو اس نے سوچا کہ تھکن کی وجہ سے اسے وہم ہو رہا ہے ۔ لیکن آواز تیز ہوتی گئی ۔

کبھی تو یہ آواز تیز ہو جاتی. اور کبھی بالکل دب جاتی ۔ صاف تھا کہ یہ جرمن تھے اور اس کی طرف بڑھ رہے تھے ۔ الکسئی کو فوراً اپنے پیٹ میں ایک عجیب سی ٹھنڈک محسوس ہوئی ۔

ڈر نے اس کے اندر شکتی پیدا کر دی ۔ وہ اپنی تھکن اور پیروں کا درد بھول گیا اور سڑک سے ہٹ کر برف کی ہموار سطح پر بھٹکتا ہوا فر کے درختوں کے ایک جھنڈ تک پہنچا اور اس کی گہرائیوں میں گھس کر وہ برف پر گر گیا ۔ یقینی سڑک سے اس کو دیکھنا مشکل تھا لیکن وہ سڑک کو صاف طور سے دیکھ سکتا تھا جو دو پہر کی دھوپ میں جھلملا رہی تھی ۔ سورج فر کے درختوں کے کنج کے اوپر اٹھ چکا تھا ۔

آواز اور قریب آ گئی ۔ الکسئی کو یاد آیا کہ اس نے جو سڑک چھوڑی تھی اس پر وہ اپنے قدموں کے نمایاں نشان چھوڑ آیا تھا ۔ لیکن اب اور دور بھاگنے کا وقت نکل چکا تھا ۔ اگلی موٹر سے انجن کی آواز بہت قریب آ رہی تھی ۔ الکسئی اور بھی زیادہ برف میں دھنس گیا ۔ اس نے شاخوں کی جالیوں میں سے ایک چپٹی سفید رنگ کی بکتربند موٹر دیکھی ۔ موٹر ہچکولے کھاتی ہوئی اور اپنی زنجیریں بجاتی ہوئی اس جگہ پر پہنچ گئی جہاں سے الکسئی کے قدموں کے نشان سڑک سے ایک طرف کو مڑ گئے تھے ۔ الکسئی نے سانس روک لی ۔ بکتربند موٹر آگے بڑھ گئی ۔ اس کے بعد ایک کھلی ہوئی گاڑی آئی جو ہر جگہ دوڑ بھاگ سکتی ہے ۔ ایک آدمی جو اونچی ٹوپی پہنے ہوئے تھا اور جس کی ناک سمور کے کالر میں کھوئی ہوئی تھی، ڈرائیور کے پہلو میں بیٹھا تھا ۔ اس کے پیچھے مشین گن چلانے والے کئی سپاھی بھورے رنگ کے کوٹ اور فولاد کے خود پہنے، اونچی بنچوں پر بیٹھے اور گاڑی کے ساتھ ساتھ ہچکولے کھا رہے تھے ۔ ایک اور بڑی کھلی گاڑی سب سے پیچھے پیچھے آ رہی تھی ۔ اس کا انجن گرج رہا تھا اور زنجیریں بج رہی تھیں ۔ اس میں قطار اندر قطار کوئی پندرہ جرمن بیٹھے تھے ۔

الکسئی برف میں اور بھی دھنس گیا ۔ موٹریں اتنے قریب آ گئیں کہ جلے ہوئے پٹرول کا دھواں اس کے چہرے تک تیرتا چلا آیا ۔ اس نے محسوس کیا کہ اس کی گدی کے روئیں کھڑے ہو گئے ھیں اور اس کے پٹھے سکڑ کر گیندوں کی طرح جکڑنے لگے ۔

لیکن موٹریں آگے بڑھتی چلی گئیں۔ پٹرول کے دھوئیں کی جلی ہوئی بو دور ہوتی گئی اور جلد ہی انجنوں کی آواز دور، بہت دور سے سنائی دینے لگی۔

جب ہر طرف خاموشی چھا گئی تو الکسئی سڑک پر نکل آیا۔ سڑک پر گزری ہوئی موٹروں کے نشان صاف نمایاں تھے۔ وہ ان ہی نشانوں پر چلتا ہوا پورب کی طرف بڑھتا رہا۔ وہ اسی حساب سے منزل بہ منزل بڑھتا رہا اور آدھے دن کا راستہ طے کرنے کے بعد اس نے اسی طرح آرام کیا اور کھانا کھایا۔ لیکن اب وہ ایک جنگلی جانور کی طرح بڑھ رہا تھا اور انتہائی احتیاط سے کام لے رہا تھا۔ ہلکی سے ہلکی سرسراہٹ پر اس کے کان کھڑے ہو جاتے، اس کی نگاہیں کسی طرف سے دوسری طرف تیرتی چلی جاتیں جیسے اسے معلوم ہو کہ ایک بہت بڑا خطرناک درندہ آس پاس منڈلا رہا ہے۔

ہواباز ہونے کی وجہ سے وہ ہوا کی بلندیوں میں لڑنے کا عادی تھا اور اس نے پہلی بار دشمن کو زمین پر دیکھا تھا۔ اور اب وہ ان کے ابھارے ہوئے نقش قدم پر چل رہا تھا۔ وہ انتقاماً ہنسا۔ ان پر کڑا وقت گزر رہا ہے۔ انہوں نے جس سر زمین پر قبضہ جما رکھا تھا، وہاں انہیں کوئی آرام نہ ملا، ان کی کوئی آؤبھگت نہ ہوئی! اس جنگل بیابان میں بھی، جہاں تین دن میں اس کی نظر ایک انسان پر بھی نہیں پڑی تھی، ان کا افسر اتنے زبردست پہرے اور نگہبانی کے ساتھ سفر کرنے پر مجبور تھا!

"کوئی پروا نہیں۔ سب ٹھیک ٹھاک ہو جائیگا!" الکسئی نے اپنی ڈھارس بندھانے کے لئے کہا اور یہ بھولنے کی کوشش کی کہ اس کے پیروں کا درد مستقل بڑھتا جا رہا ہے اور اس کی طاقت زائل ہو رہی ہے۔ اب اس کے پیٹ نے فر کے پودوں کی چھال سے دھوکا کھانے سے انکار کر دیا تھا جن کو وہ مستقل چباتا اور نگلتا رہتا تھا۔ نہ اب اس پر برچ کی کسیلی کلیوں کا جادو چلتا تھا اور نہ لائم کے درخت کی نرم اور چپچپی چھال کا جو اس کے منہ میں پہنچ کر چیونگ گم کی طرح پھیلنے لگتی تھی۔

شام کا دھندلکا پھیلنے تک اس نے صرف پانچ منزلیں طے کی تھیں۔ رات کے وقت اس نے زمین پر پڑے ہوئے برچ کے ایک بڑے تقریباً گلے سڑے تنے پر چیڑ کی ٹہنیاں اور سوکھی ہوئی لکڑیاں جمع کر

کے ایک بڑا سا الاؤ جلایا۔ درخت کا تنا مدھم مدھم روشنی کے ساتھ جلتا اور دھواں پھینکتا رہا اور وہ مزے میں اس کی خوشگوار گرمی میں ٹانگیں پھیلائے برف پر سویا رہا۔ اسے نیند میں بھی یہ زندگی بخش گرمی کبھی ایک کروٹ، کبھی دوسری کروٹ محسوس ہوتی رہی۔ وہ خود بخود نیند سے چونک کر اٹھتا، آگ میں تازہ لکڑیاں ڈالتا اور کندے کے کنارے کو کرید کر آہستہ آہستہ شعلوں کو بھڑکاتا۔

آدھی رات کو برف کا طوفان آیا۔ اوپر چیڑ کے درخت لرزتے اور جھکتے، سرسراتے، چیختے اور وحشت کے ساتھ کراہتے رہے۔ چبھتی ہوئی برف کے بادل زمین پر امنڈتے رہے۔ سرسراتی ہوئی تاریکی بھڑکتی اور چمکتی ہوئی آگ کے چاروں طرف ناچتی رہی۔ لیکن اس طوفان نے الکسئی کو نہ چھیڑا۔ وہ گہری نیند میں کھویا ہوا تھا اور آگ کی گرمی اس کی نگہبانی کر رہی تھی۔

آگ نے اس کو جنگل کے درندوں سے بچایا — رہے جرمن سو ایسی رات میں ان کے بارے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہ تھی۔ وہ برف کے طوفان میں جنگل کی گہرائیوں میں قدم رکھنے کی ہمت نہیں کر سکتے تھے۔ ان سب باتوں کے باوجود، اس وقت جب کہ اس کا جسم تھکن سے چور چور دھواں بھری گرمی میں آرام کر رہا تھا، اس کے کان جو جنگل کی اجنبی خاموشی کے عادی ہو چکے تھے، ہر آواز پر کھڑے ہو جاتے تھے۔ پو پھٹنے والی تھی۔ جب برف کے طوفان کا زور تھما اور خاموش دھرتی پر گہری دودھیا دھند چھا گئی تو الکسئی کو لگا کہ چیڑ کے جھومتے ہوئی پیڑوں اور گرتی ہوئی برف کی سرسراہٹ کے اوپر دور سے لڑائی کی آواز تیرتی ہوئی آ رہی ہے — دھماکے، مشین گنوں کی تڑ تڑ اور رائفلوں کی دھائیں دھائیں۔

”کیا محاذ اتنا قریب ہو سکتا ہے؟ اتنی جلدی؟“

۷

لیکن جب صبح کے وقت ہوا کہرے کو بہا لے گئی اور جنگل جو رات کے وقت چاندی کے رنگ میں ڈوب گیا تھا، دھوپ اور پالے میں چمکنے لگا جیسے وہ اس اچانک تبدیلی پر کھل اٹھا ہو۔

جب پرندے آمدبہار کی خوشی میں چہچہانے، چہکنے اور گانے لگے تو اس وقت الکسئی اپنے کانوں پر زیادہ سے زیادہ زور دینے کے باوجود لڑائی کی کوئی آواز نہ سن سکا — نہ رائفلوں کی دھائیں دھائیں، نہ توپوں کی گھن گرج۔

برف کے گالے دھوپ میں بلور کی طرح چمکتے ہوئے، سفید دھواں دھواں چشمے کی طرح درختوں سے گر رہے تھے۔ کہیں پگھلتی ہوئی برف کے قطرے زمین پر ٹپکتے اور ان سے ٹپ ٹپ کی آواز پیدا ہوتی۔ بہار! پہلی بار بہار نے اپنی آمد کا اعلان دھوم دھام اور اتنے بھرپور عزم کے ساتھ کیا تھا۔

الکسئی نے صبح کے وقت ٹین میں بچا کھچا گوشت کھانے کا فیصلہ کیا... گوشت کیا گوشت کے چند ریشے رہ گئے تھے جو لزیز چربی میں لتھڑے ہوئے تھے۔ اس نے محسوس کیا کہ اگر اس نے ایسا نہیں کیا تو اس کے اندر اٹھنے کی سکت بھی پیدا نہ ہو سکیگی۔ اس نے انگلیوں سے خوب اچھی طرح ٹین کو صاف کیا، دانتوں کی طرح نکلے ہوئے تیز کناروں سے اس کی انگلیاں کٹ کٹ گئیں لیکن اس کو محسوس ہوا کہ اب بھی ٹین کے اندر چربی کے چند ٹکڑے چپکے ہوئے ہیں۔ اس نے ٹین کو برف سے بھر دیا، بجھتی ہوئی آگ پر سے سرمئی راکھ ہٹائی اور ٹین کو دھکتے ہوئے انگاروں پر رکھ دیا۔ اس کے بعد وہ گرم پانی کو چسکیاں لے لے کر بڑے ذوق وشوق سے پی گیا جس میں سے گوشت کی ہلکی ہلکی بو آ رہی تھی۔ پانی پی چکنے کے بعد اس نے ٹین کو جیب میں ڈال لیا۔ اس کا ارادہ تھا اس میں کبھی کبھی چائے گرم کریگا اور گرم چائے پئیگا۔ گرم چائے! یہ ایک خوش گوار انکشاف تھا اور جب وہ دوبارہ اپنی راہ پر روانہ ہوا تو اس خیال سے اس کے دل میں خوشی کی ایک کرن پھوٹ گئی۔

لیکن یہاں اسے ایک بڑی مایوسی سے دوچار ہونا تھا۔ برف کے طوفان نے راستہ بالکل مٹا دیا تھا اور برف کے ڈھلواں اور مخروطی ڈھیروں نے جابجا راستے کو روک دیا تھا۔ ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیلی ہوئی نیلگوں چمک اس کی آنکھوں میں نشتر کی طرح چبھنے لگی۔ اس کے پیر پھولے پھولے برف کے ڈھیروں میں دھنسنے لگے جو اب تک سخت نہیں ہوئے تھے۔ وہ ان ڈھیروں میں سے اپنے پیر بڑی مشکل سے کھینچ سکتا تھا۔ اس کی چھڑیاں بھی بہت کم اس

کی مدد کر سکتی تھیں کیونکہ ہر بار وہ بھی برف میں دھنس جاتی تھیں ۔

دو پہر تک، جب درخت کے نیچے سائے سیاہ ہو گئے اور سورج درختوں کے اوپر سے جھانکنے لگا، الکسئی نے صرف پندرہ سو قدم کا فاصلہ طے کیا تھا ۔ وہ تھک کر اتنا چور ہو گیا تھا کہ ہر تازہ قدم اٹھانے کے لئے اس کو بےپناہ قوت ارادی کی ضرورت ہوتی تھی ۔ اس کا سر چکرانے لگا ۔ اس کے پیروں کے نیچے سے زمین کھسکنے لگے ۔ ہر تھوڑی تھوڑی دیر پر وہ گر جاتا، برف کے ڈھیر پر بے حس و حرکت ایک لمحے کو پڑا رہتا اور چرمراتی ہوئی برف پر اپنی پیشانی کو دباتا، پھر اٹھتا اور چند قدم آگے چلتا ۔ اس کو سونے، لیٹ جانے اور ہر چیز کو بھلا دینے اور بےحس و حرکت ہو کر پڑ رہنے کی نا قابل تسخیر خواہش نے آن دبوچا ۔ اب چاہے جو بھی ہو ! وہ رک گیا ۔ بالکل سن کھڑا ہوا جھومتا رہا ۔ اس نے پھر اپنے ہونٹ کاٹتے ہوئے اپنی ساری طاقت اکٹھی کی اور مشکل سے اپنے پیروں کو گھسیٹتے ہوئے چند قدم اٹھائے ۔

آخر اسے محسوس ہوا کہ اب وہ ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتا ۔ کوئی طاقت بھی اسے اپنی جگہ سے نہیں ہلا سکتی، اگر اس وقت وہ بیٹھ گیا تو پھر کبھی نہ اٹھ سکیگا ۔ اس نے اپنے چاروں طرف حسرت بھری نظریں دوڑائیں ۔ سڑک کے کنارے گھنگھریالے سر والا ایک نیا چیڑ کھڑا تھا ۔ اپنی طاقت کا آخری قطرہ استعمال کرتے ہوئے الکسئی اس کی طرف بڑھا اور خود کو اس پر گرا دیا ۔ اس کی ٹھوڑی دوشاخے پر رکھی ہوئی تھی ۔ اس چیزنے اس کے ٹوٹے ہوئے پیروں کا بوجھ کچھ ہلکا کر دیا اور اس کو کچھ آرام محسوس ہوا ۔ وہ پر پیچ شاخوں کے سہارے لیٹ گیا اور آرام کا لطف اٹھانے لگا ۔ اور زیادہ آرام کرنے کے ارادے سے اس نے اپنا ایک پیر گھسیٹا اور اس کے بعد دوسرا ۔ اب تک اس کی ٹھوڑی شاخ کے دوشاخے پر رکھی ہوئی تھی ۔ اور اس کے پیر جن پر سے جسم کا بوجھ بالکل ہٹ گیا تھا اب آسانی کے ساتھ برف کے ڈھیر میں سے نکل آئے ۔ اسے ایک شاندار تدبیر سوجھی ۔

”ارے واقعی ! اس چھوٹے سے پودے کو کاٹنا آسان ہوگا ۔ اس کی شاخیں کاٹ کر الگ کر دی جائیں اور یہ دوشاخا باقی رہ

جائے، ڈنڈے کو آگے پھینکا جائے اور ٹھوڑی اس دوشاخے پر اس طرح رکھی جائے کہ جسم کا سارا بوجھ اس پر پڑے اور تب میں اپنے پیر آگے بڑھاؤں، جس طرح میں اس وقت کر رہا ہوں۔ اس طرح رفتار بہت سست ہو جائیگی۔ ہاں سست تو ہو جائیگی لیکن میں اتنا زیادہ نہیں تھکونگا اور اس وقت تک برابر آگے بڑھتا رہونگا جب تک کہ برف کے ڈھیر سخت نہ پڑ جائیں۔،،

وہ گھٹنوں کے بل گر گیا اور اپنے خنجر سے چھوٹے سے درخت کو کاٹ گرایا، شاخوں کو چھانٹ کر الگ کیا۔ اس نے اپنا رومال نکالا، پٹیاں لیں اور انہیں چھڑی کے اوپر لپیٹ کر فوراً اپنے راستے پر چل پڑا۔ اس نے چھڑی کو آگے بڑھایا، اپنے ہاتھوں اور ٹھوڑی کو اس کے دوشاخے پر ٹکایا، ایک پیر آگے رکھا اور پھر دوسرا اور پھر چھڑی کو آگے بڑھایا اور دو قدم آگے بڑھائے۔ اور اسی طرح وہ چلتا رہا اور اپنے قدم گنتا اور اپنی رفتار اور منزلیں مقرر کرتا رہا۔

اس میں شک نہیں کہ اگر کوئی اس آدمی کو صبح سے شام تک اتنی عجیب طرح برف کے ڈھیروں پر کچھوے کی رفتار سے یوں چلتے اور صرف پانچ کلومیٹر کا فاصلہ طے کرتے ہوئے دیکھتا تو اسے یہ سب کچھ عجیب سا لگتا۔ لیکن سروکاؤں کے سوا ان تمام باتوں کو دیکھنے والا اور کوئی نہ تھا۔ اور جب ان کو یقین ہو گیا کہ تین ٹانگوں‌والا یہ عجیب و غریب بھونڈا جانور بالکل بے ضرر ہے تو وہ اس کے قریب آنے سے اڑکر نہ بھاگتیں، بلکہ ذرا سا پھدک کر بڑی بے دلی کے ساتھ اس کے راستے سے ہٹ جاتیں اور سر گھما کر اپنی کالی کالی موتیوں جیسی تجسس بھری آنکھوں سے بڑے تمسخر کے ساتھ اسے گھورتیں۔

۸

اس طرح وہ دو دن تک برف پوش راستے پر لنگڑاتا ہوا چلتا رہا۔ وہ اپنی چھڑی کو آگے پھینکتا، اس کے سہارے آرام کرتا اور پھر پیر گھسیٹتا۔ اس وقت تک اس کے پیر سن ہو گئے تھے اور ان میں کوئی حس باقی نہیں رہی تھی لیکن اس کا جسم ہر قدم پر مارے

درد کے کانپ جاتا تھا۔ اب بھوک کی ٹیس باقی نہیں رہی تھی اب اس کے پیٹ میں چبھن اور کاٹتی ہوئی ٹیس ایک مستقل اور بوجھل درد میں بدل گئی تھی جیسے اس کا خالی پیٹ سخت ہو کر پلٹ گیا ہو اور اندر سے اس کے معدے اور آنتوں کو دبا رہا ہو۔

الکسئی کا کھانا نو نہال چیڑ کے درختوں کی چھالیں تھیں جو وہ آرام کے لمحوں میں اپنے خنجر سے اتارتا تھا اور ساتھہ ھی برچ اور لائیم کی کلیاں اور نرم اور ھریٰ کائی بھی جن کو وہ برف کی تہہ کھود کر نکالتا تھا اور اپنے رات کے آرام کے دوران میں پانی میں ڈال کر ابالتا تھا۔ پگھلی ہوئی برف کے نیچے سے جھانکتی ہوئی گوندنیوں کا "جوشاندہ" ابال کر پیتا تو اس کا جی باغ باغ ہو جاتا تھا۔ یہ گرم "جوشاندہ" اس کے پورے جسم میں ایک روشنی کی لہر سی دوڑا دیتا اور اس میں آرام و آسودگی کا ایک دلفریب احساس پیدا کر دیتا۔ دھوئیں اور پتوں کی بو میں بسا ہوا "جوشاندہ" پیتے ہوئے اسے بڑے سکون کا احساس ہوتا اور اس کا سفر اتنا بےمنزل اور ہولناک نہ معلوم ہوتا۔

یہ اس کی چھٹی رات کا پڑاؤ تھا اور وہ پھر فر کے ایک چھتنار پیڑ کے شامیانے تلے لیٹا ہوا تھا۔ اس نے رال ٹپکاتے ہوئے ایک تنے کے چاروں طرف آگ روشن کر رکھی تھی جو اس کے خیال میں رات بھر بھڑکتے رہنے اور گرمی پیدا کرنے کے لئے کافی تھی۔ ابھی رات کا اندھیرا نہیں چھایا تھا۔ اوپر فر کے پیڑ پر ایک گلہری نظر سے اوجھل اپنی دھن میں محو تھی۔ وہ فر کے پھل کو کھٹک کھٹک کر اس کے ٹوٹے ہوئے چھلکوں کو زمین پر گرا رہی تھی۔ الکسئی کا دماغ اب مستقل کھانے کے خیال میں کھویا ہوا تھا۔ اور وہ سوچ رہا تھا کہ آخر گلہری کو ان پھلوں میں کیا ملتا ہوگا۔ اس نے ایک پھل اٹھایا اور اس کا چھلکا اتار کر دیکھا تو اندر باجرے جتنا بڑا ایک بیج نظر آیا۔ دیکھنے میں وہ صنوبر کی چھوٹی چھوٹی پھلیوں جیسا معلوم ہوتا تھا۔ اس نے بیج کو منہ میں رکھا اور دانتوں سے دبا کر توڑ دیا اور اسے صنوبر کے مزےدار تیل کا ذائقہ محسوس ہوا۔

پھر اس نے چند پھل جمع کئے جو اس کے آس پاس بکھرے ہوئے تھے، ان کو آگ کے پاس ڈالا اور جب گرمی سے پھل پھوٹنے لگے تو اس نے ان کو اپنی مٹھیوں میں لے کر ملا اور ہتھیلیوں کے

درمیان دبا کر ان کے اندر سے بیج نکال لئے اور پھونک پھونک کر ان کی پردار بھوسی اڑائی اور چھوٹے چھوٹے دانے پھانک لئے۔

جنگل میں مدھم مدھم آواز گونج رہی تھی۔ گوند بھرے درخت کا ٹھنٹھ بھڑک رہا تھا اور اس سے ہلکا ہلکا خوشبودار دھواں نکل رہا تھا اور الکسئی کو لوبان کی یاد دلا رہا تھا۔ چھوٹے چھوٹے شعلے جھلملا رہے تھے، کبھی تووہ تیز چمک کے ساتھ جلتے اور کبھی بجھنے لگتے اور اس طرح سنہرے چیڑ اور نقرئی برچ کے تنے کبھی تو روشنی کے ایک دائرے میں بہت نمایاں ہو جاتے اور کبھی گنگناتے ہوئے اندھیرے میں غرق ہو جاتے۔

الکسئی نے کچھ اور جھاڑیاں آگ پر ڈال دیں اور کچھ اور پھل بھونے۔ صنوبر کے تیل کی خوشبو نے اس کے ذہن میں بچپن کی ایک بھولی بسری یاد تازہ کر دی... ایک چھوٹا سا کمرہ جو مانوس چیزوں سے بھرا پڑا تھا۔ چھت سے لٹکتے ہوئے لیمپ کے نیچے ایک میز۔ اس کی ماں، تہوار کے زرق برق لباس میں ملبوس، ابھی شام کی عبادت سے لوٹی ہے، وہ بڑے تزک واحتشام سے صندوق سے کاغذ کا ایک تھیلا نکالتی ہے اور اس میں سے صنوبر کی پھلیاں نکال کر قاب میں رکھتی ہے۔ پورا خاندان — ماں، دادی اماں، اس کے دو بھائی اور وہ خود جو سب میں چھوٹا ہے— سب میز کے چاروں طرف بیٹھ کر صنوبر کی پھلیوں کے چھلکے اتارنا شروع کرتے ہیں۔ اور تہوار کے جشن کی ابتدا ہوتی ہے۔ کوئی بھی منہ سے ایک لفظ نہ نکالتا، دادی اماں بالوں کے کانٹے کی مدد سے چھلکے کے اندر سے بیج نکالتیں، ماں بھی سوئی سے بیج نکالتی جاتی۔ وہ بڑی صفائی اور خوبی سے پھلیوں کو توڑتی اور بیج میز پر جمع کرتی جاتی اور جب اس کے پاس پورا ایک ڈھیر سا لگ جاتا تو وہ کسی ایک بچے کے کھلے منہ میں پورا ڈھیر ڈال دیتی۔ خوش نصیب بچہ اپنے ہونٹوں پر اس کے ہاتھ کا لمس محسوس کرتا۔ یہ ہاتھ کھردرا تھا اور محنت و مشقت سے سخت ہو گیا تھا۔ لیکن تہوار کی وجہ سے اس دن اس کے ہاتھ سے معطر صابن کی خوشبو آتی۔

کامی‌شین... بچپن! شہر کے مضافات میں وہ گھر خاصا آرام‌دہ تھا!.. لیکن یہاں، جنگل کے شور میں چہرہ تو آگ کی گرمی سے تپنے لگتا ہے لیکن دوسری طرف پیٹھ میں چبھتی ہوئی ٹھنڈک

کچوکے لگاتی ہے۔ تاریکی میں ایک الو کی چیخ گونج جاتی ہے اور لومڑی کی غراہٹ ابھرتی ہے۔ الاؤ کے پاس ایک تھکا ہارا، بھوکا، بیمار انسان بیٹھا تھا اور سمٹا سمٹایا بھڑکتے ہوئے انگاروں کو گھور رہا تھا۔ اس وسیع اور گھنے جنگل میں بالکل اکیلا۔ اور اس کے سامنے ایک بالکل انجانی سڑک سوئی ہوئی تھی جو انجانے خطروں اور آزمائشوں سے بھری پڑی تھی۔

''کوئی پروا نہیں، سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہو جائیگا!،، اس آدمی کے منہ سے بےاختیار نکلا اور آگ کی آخری سرخ جھلملاہٹ میں اس کے پھٹے ہوئے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ ابھرتی ہوئی نظر آئی جو نہ جانے کن دوردراز بھٹکے ہوئے خیالات کی غماز تھی۔

۹

ساتویں دن الکسئی کو معلوم ہو گیا کہ برفانی طوفان والی رات کو دور سے سنائی دینے والی جنگ کی آواز کہاں سے آ رہی تھی۔

وہ تھک کر بالکل چور ہو چکا تھا۔ وہ ہر ہر قدم پر سستانے کے لئے رکتا، لیکن پھربھی خود کو جنگل کی سڑک پر گھسیٹتا رہا جس پر برف پگھل رہی تھی۔ اب بہار صرف دور سے مسکرا کر اپنی چھب نہیں دکھا رہی تھی۔ اب وہ اس سنسان جنگل میں اپنی گرم گرم ہوا اور اپنے چمکتے ہوئے سورج کی کرنوں کے ساتھ امنڈ آئی تھی۔ کرنیں شاخوں سے چھن رہی تھیں اور ٹیلوں اور ڈھیروں سے برف کو بہائے لئے جا رہی تھیں۔ بہار ان شاموں کے ساتھ آ گئی تھی جب کوؤں کی اداس کائیں کائیں ہوا میں گونجنے لگتی ہے، بہار اپنے ساتھ شاندار اورسست گراچ چڑیوں کو لے آئی تھی جو اب سڑکوں پر اٹھے ہوئے سرمئی رنگ کے کوھانوں پر پھدکتی پھرتی تھیں۔ بہار آ گئی تھی اپنی نم برف کے ساتھ جو شہد کی مکھیوں کے چھتے کی طرح مساموں سے بھری ہوئی تھی، گڈھوں میں پگھلتی ہوئی برف سے چمکتے ہوئے جوھڑوں کے ساتھ اور پھر اس مست بنا دینے والی زوردار خوشبو کے ساتھ جو ہر ذی روح کو مارے نشاط اور سرمستی کے مدھوش کر دیتی ہے۔

الکسئی بچپن سے اس موسم پر جان دیتا تھا۔ آج، بھی جب کہ وہ پانی سے پھولے ہوئے اور مٹی میں لتھڑے ہوئے سمور کے جوتوں میں چھپے ہوئے دکھتے پیروں کو جوھڑوں میں گھسیٹ رہا تھا جبکہ وہ بھوکا پیاسا تھا اور درد اور تھکن سے نڈھال تھا، جبکہ وہ کیچڑ بھری برف اور آغازبہار کی کیچڑ میں لت پت، جوھڑوں کو کوستا ہوا زبردستی پیروں کو گھسیٹ رہا تھا — ہاں آج بھی وہ بڑے چاؤ سے نمی اور خمار آگیں خوشبو اپنے ہرھر سانس کے ساتھ پی رہا تھا۔ اب وہ جوھڑوں کے درمیان اپنا راستہ ڈھونڈنے میں ناکام تھا۔ وہ ٹھوکر کھاتا، گرتا، اٹھتا، اپنا پورا بوجھ چھڑی پر ڈالتا اور زیادہ سے زیادہ دور اپنی چھڑی کو پھینکتا۔ وہ آہستہ آہستہ اپنے راستے پر مشرق کی طرف بڑھتا رہا۔

یکایک ایک نقطے پر پہنچ کر جہاں جنگلی سڑک اچانک بائیں ہاتھ کو مڑ گئی تھی، وہ رک گیا اور اس کے پیر زمین میں جکڑ کر رہ گئے۔ اس جگہ پر جہاں سڑک بہت زیادہ تنگ ہو گئی تھی اور دونوں طرف چیڑ کے نوخیز درختوں کے جھنڈ ایک دوسرے کی طرف جھکتے اور بڑھتے ہوئے معلوم ہوتے تھے، اس کو جرمن موٹریں نظر آئیں جو چند دن قبل اس کے پاس سے گزری تھیں۔ ان کا راستہ چیڑ کے دو تناور درختوں سے رکا ہوا تھا۔ ان درختوں کے بالکل پاس بکتربند موٹر کھڑی تھی۔ اس کا ریڈی‌ایٹر تنے سے اٹکا ہوا تھا، اب اس کا رنگ دھبہ دار سفیدی مائل نہیں رہا تھا۔ اب وہ زنگ جیسا لال ہو گیا تھا۔ موٹر اپنے پہیوں کے فریم پر کھڑی تھی کیونکہ اس کے پہیوں کے ٹائر جل گئے تھے۔ اب اس کا مشین گن والا مینار ایک درخت کے نیچے سانپ کی دیونما چھتری کی طرح پڑا تھا۔ بکتر بند موٹر کے پاس تین لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ کالی، چکٹ وردیوں اور کپڑے کے خود میں ملبوس۔ یہ تھے اس کے چلانے والے۔

دو کھلی گاڑیاں، جن کا رنگ بھی مٹیالا لال تھا اور جو جل کر برباد ہو چکی تھیں، بکتر بند گاڑی کے بالکل پیچھے پگھلتی ہوئی برف میں کھڑی تھیں — برف دھوئیں، راکھ اور جلی ہوئی لکڑی سے سیاہ پڑ گئی تھی۔ سڑک کے کنارے، جھاڑیوں کے اندر، اور گڈھوں میں، چاروں طرف جرمن سپاہیوں کی لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔ یہ صاف ظاہر تھا کہ وہ دہشت کھاکر بھاگے اور ان کی

سمجھ میں نہ آیا کہ یہ ہو کیا رہا ہے۔ ہر درخت، ہر جھاڑی کے پیچھے موت چھپی ہوئی ان کا انتظار کر رہی تھی۔ برفانی طوفان نے موت کو اپنی چادر میں چھپا لیا تھا۔

افسر کا جسم جو پتلون سے محروم تھا، ایک درخت سے بندھا ہوا تھا۔ اس کی سبز وردی کے سیاہ کالر میں کاغذ کا ایک ٹکڑا چپکا ہوا تھا، لکھا تھا: ''چلو تمہاری مراد بر آئی!،، اور اس عبارت کے نیچے دوسری لکھائی میں پنسل سے لکھا تھا: ''رذیل کتے،،۔

الکسئی نے جنگ کے اس منظر کا جائزہ لیا اور کھانے کی کسی چیز کے لئے نظر دوڑائی۔ اسے ایک باسی اور پھپھوند بھرے رسک کے سوا اور کچھ نہ ملا۔ رسک برف میں دھنسا پڑا تھا اور چڑیوں نے چونچ مار مار کر اسے جگہ جگہ سے نوچ دیا تھا۔ وہ فوراً اسے اٹھا کر منہ کے قریب لایا اور بڑے چاؤ سے رئی کی روٹی کی کھٹی مہک کو اپنی سانس میں بسا کر پینے لگا۔ اس کا جی چاہا کہ رسک کو اپنے منہ میں رکھ لے اور خوشبودار، پھولے پھولے رسک کو چوسے، چبائے اور چباتا چلا جائے لیکن اس نے اپنی اس خواہش کو دبا دیا اور رسک کے تین ٹکڑے کر دئے۔ دو ٹکڑے تو اس نے اپنی ران والی جیب کے اندر چھپا دئے اور تیسرا ٹکڑا لے کر اس کے چھوٹے چھوٹے ریزے بنانے لگا۔ وہ ایک ایک ریزہ منہ میں لیتا اور چوستا جیسے وہ کوئی مٹھائی ہو وہ اس کا لطف زیادہ سے زیادہ دیر تک اٹھانا چاہتا ہو۔

ایک بار پھر اس نے جنگ کے منظر کا جائزہ لیا اور اب کے ایک خیال اس کے ذہن میں کوند گیا ''یہاں قریب ہی کہیں چھاپہ مار ساتھی ضرور ہونگے! جھاڑیوں اور درختوں کے ارد گرد کیچڑ بھری برف کو ان کے ہی قدموں نے روندا ہوگا!،، شاید انہوں نے پہلے ہی اس کو ان لاشوں کے درمیان منڈلاتے ہوئے دیکھ لیا ہوگا اور اب شاید فر کے کسی درخت کے اوپر سے، جھاڑیوں کے پیچھے سے کوئی چھاپہ مار اسکاؤٹ اس کو گھور رہا ہوگا؟ اس نے اپنی ہتھیلیوں کو منہ پر رکھ کر بھونپو سا بنایا اور اپنی پوری طاقت سے چلایا:

''اوھو! چھاپہ مارو ! چھاپہ مارو !،،

وہ حیران رہ گیا اس کی آواز کتنی مدھم اور کمزور تھی۔ یہاں تک کہ صدائے بازگشت بھی جو جنگل کی پہنائیوں سے ٹکرا کر

گونجتی ہوئی آئی اور درخت کے تنوں سے ٹکرا کر دوبارہ گونجی، اس کی آواز سے زیادہ زوردار تھی۔

''چھاپہ مارو! چھا... چھاپہ مارو! اوہو!،، تیل سے سیاہ اور داغدار برف میں دشمن کی خاموش لاشوں کے درمیان بیٹھا ہوا الکسئی باربار پکارتا رہا۔

اس نے جواب سننے کے لئے کان پر زور دیا۔ اس کی آواز بھاری اور بیٹھی بیٹھی سی تھی۔ اس نے محسوس کر لیا کہ چھاپہ‌مار اپنا کام انجام دے کر اور مال غنیمت سمیٹ کر کب کے جا چکے تھے۔ واقعی، اس سنسان ویرانے میں ان کے ٹھہرنے کا مطلب بھی کیا تھا؟ لیکن وہ پکارتا رہا، اسے آس تھی کہ شاید کوئی معجزہ ہو جائے، شاید یکایک وہ داڑھی والے لوگ جن کے بارے میں اس نے بہت کچھ سن رکھا تھا، جھاڑیوں سے نمودار ہوں اور اس کو اٹھا کر ایک ایسی جگہ لے جائیں جہاں وہ ایک دن آرام کر سکے، کچھ نہیں تو ایک گھنٹے کو ہی سہی، کسی چیز کی فکر کئے بغیر اور کہیں جانے کی جدوجہد کئے بغیر آرام تو کر سکے۔

صرف جنگل نے اپنی لرزتی ہوئی صدائے بازگشت اور گونج سے اس کی آوازوں کا جواب دیا۔ لیکن اچانک اس نے چیڑ کے گہرے اور پر آہنگ ترنم میں تیرتی ابھرتی اور ڈوبتی ہوئی ایک اور آواز سنی — یا کم از کم جس طرح ہمہ‌تن گوش ہو کر وہ سن رہا تھا، اس سے اسے محسوس ہوا کہ اس کے کانوں میں بوجھل اور تیز دھمک کی آواز آئی جو کبھی بہت صاف ہو جاتی اور کبھی بہت مدھم اور مبہم۔ وہ چونک گیا، جیسے اس ویرانے میں اس کے کانوں تک دور سے کسی دوستانہ پکار کی آواز پہنچ رہی تھی۔ اس کو اپنے کانوں پر یقین نہ آیا۔ اور وہ گردن تان کر دیر تک بڑے غور سے آواز سننے کی کوشش کرتا رہا۔

نہیں! اسے غلط فہمی نہیں ہوئی تھی! پورب سے نم ہوا آئی اور اپنے ساتھ دور سے توپوں کی دھمک لائی۔ یہ آواز ان آوازوں کی طرح اکادکا اور کبھی کبھار ابھرنے والی نہ تھی جو اس نے پچھلے چند مہینوں میں سنی تھیں جب فوجوں کے سپاہی خندقیں کھود لینے اور اچھی طرح اپنا مورچہ جما لینے کے بعد محض دشمن کو ڈرانے اور گھبرانے کے لئے گولیاں چلاتے رہتے تھے۔ اب کے یہ گولیاں

تیزی اور شدت کے ساتھ چل رہی تھیں۔ لگتا تھا جیسے کوئی ڈھیر کے ڈھیر پتھر گرا رہا ہے یا شاہ‌بلوط کے ٹھنٹھہ پر دھواں دھار مکے برسا رہا ہے۔

بے شک! یہ توپوں کی گھمسان لڑائی تھی۔ آواز سے ظاہر تھا کہ مورچہ وہاں سے کوئی دس کلومیٹر کی دوری پر تھا اور وہاں کوئی زبردست اور سنگین واقعہ ہو رہا تھا، کوئی حملہ کر رہا تھا اور کوئی زندگی اور موت کی بازی لگا کر اس کا مقابلہ کر رہا تھا۔ الکسئی کے گالوں پر خوشی کے آنسو تیرنے لگے۔

اس نے آنکھیں پورب کی طرف جما دیں۔ واقعی، جہاں وہ کھڑا تھا، سڑک اچانک الٹی سمت میں مڑ گئی تھی اور اس کے سامنے برف کا غالیچہ بچھا ہوا تھا۔ لیکن یہ بلاتی ہوئی آواز پورب کی طرف سے آرہی تھی۔ چھاپہ ماروں کے کالے نقش قدم اسی طرف غائب ہو گئے تھے۔ جنگل کے یہ بہادر سپوت یہیں کہیں جنگل میں رہتے تھے۔

الکسئی بڑبڑایا ''کوئی بات نہیں ٹھیک ہے ساتھیو، سب ٹھیک ٹھاک ہو جائیگا،، اس نے پورے زور سے اپنی چھڑی آگے کو بڑھائی، ٹھوڑی اس پر رکھی اور چھڑی پر اپنے جسم کا پورا بوجھہ ڈالتے ہوئے برف پر ایک پیر آگے بڑھایا اور پھر دوسرا اور سڑک سے ہٹتے ہوئے جان جوکھوں میں ڈال کر مگر بڑے عزم و استقلال کے ساتھ آگے بڑھنے لگا۔

۱۰

اس دن تو وہ برف پر ایک سو پچاس قدم بھی نہ چل سکا۔ شام کے جھٹپٹے نے اس کو رکنے پر مجبور کر دیا۔ پھر اس نے درخت کا ایک ٹھنٹھہ چنا اور اس کے گرد سوکھی ہوئی جھاڑیوں کا ڈھیر جمع کیا، اپنا کارتوس‌والا سگریٹ لائٹر کھولا، اس کے چھوٹے سے لوہے کے پہیے کو گھمایا، اس کو دوبارہ جھٹکا دیا — اس کو پسینہ آگیا۔ لائٹر خالی ہو چکا تھا۔ اس نے لائٹر کو بار بار ہلایا اور اس کے اندر پھونک ماری تاکہ اس کی بچی کھچی گیس جلدی سے کام دے جائے، مگر بے کار! رات آئی۔ ننھے ننھے کوندوں کی طرح پہیے سے جو چنگاریاں نکلتیں وہ بجلیوں کی طرح چھن بھر کے لئے اس کے چہرے پر

چھائے ہوئے اندھیرے کو دھو دیتیں۔ وہ پہیے کو چھیڑتا رہا یہاں تک کہ اس کا پتھر ختم ہو گیا اور وہ آگ نہ جلا سکا۔

اس نے مجبوراً اندھیرے میں ٹٹولتے ہوئے چیڑ کے نوخیز درختوں کا ایک جھنڈ تلاش کیا اور سمٹ سمٹا کر، ٹھوڑی گھٹنوں پر رکھہ کر گھٹنوں کو اپنے بازوؤں کے گھیرے میں لےلیا اور خاموش بیٹھہ کر جنگل کی سرسراہٹ سننے لگا۔ اس رات اس کی ہمت جواب دے دیتی لیکن اس سوئے سوئے سے جنگل میں توپوں کی گھن گرج اور بھی زیادہ صاف سنائی دے رہی تھی۔ اس کو محسوس ہوا کہ وہ گولیوں کی تیز تیز تڑتڑاہٹ اور بموں کے لمبے لمبے دھماکوں کو الگ الگ پہچان سکتا ہے۔

صبح کے وقت وہ ایک ناقابل بیان تشویش اور دکھہ کے احساس کے ساتھہ اٹھا۔ اس نے اپنے آپ سے فوراً پوچھا "کیا تھا یہ؟ ایک برا سپنا؟" اس کو یاد آیا — سگریٹ لائٹر! لیکن سورج کی مہربان کرنوں سے گرم ہو کر اپنے چاروں طرف ہر چیز کو— کیچڑ بھری برف، درختوں کے تنوں اور چیڑ کی ٹہنیوں — ہر چیز کو چمکتا دمکتا دیکھہ کر — اپنی بدقسمتی کا احساس کچھہ کم ہو گیا۔ لیکن ایک بات اور بھی بری ہوئی۔ اس نے اپنے سن ہاتھوں کو الگ کیا اور اٹھنے کی کوشش کی تو اسے معلوم ہوا کہ وہ بالکل اٹھہ نہیں سکتا۔ اس نے اٹھنے کی کئی بار کوشش کی تو اس کی دو شاخوں والی چھڑی ٹوٹ گئی اور وہ زمین پر بورے کی طرح ڈھیر ہو گیا۔ وہ اپنے جسم کو آرام دینے کے لئے کروٹ لے کر چت لیٹ گیا اور چیڑ کی شاخوں میں سے جھانکتے ہوئے اتھاہ نیلے آسمان کو گھورنے لگا جس میں پھولے پھولے سے بادل اپنے گھنگھریالے سنہرے کناروں کے ساتھہ تیزی سے تیر رہے تھے۔ اس کے جسم میں رفتہ رفتہ جان آگئی۔ لیکن اس کے پیروں کو کچھہ ہو گیا تھا۔ وہ اس کا بوجھہ ایک لمحے کو بھی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ چیڑ کے درخت کو پکڑتے ہوئے اس نے اٹھنے کی ایک بار اور کوشش کی۔ آخر کامیاب ہوگیا لیکن جیسے ہی اس نے درخت تک اپنی ٹانگوں کو بڑھانے کی کوشش کی، کمزوری اور پیروں میں ایک خوفناک اور نئی چبھتی ہوئی ٹیس سے نڈھال ہو کر گر گیا۔

کیا یہ چل چلاؤ ہے؟ کیا میں یہیں، چیڑ کے پیڑوں کے سائے میں دم توڑ دونگا؟ یہاں تو جنگلی درندے میری لاش کو نوچ کر

کھا جائینگے ۔ صرف چچوڑی ہوئی ہڈیاں رہ جائینگی ۔ اور شاید کوئی بھی میری لاش نہ پا سکیگا، کوئی بھی اسے دفن نہ کر سکیگا ۔ کمزوری کے آہنی ہاتھہ نے اسے زمین پر دے مارا ۔ لیکن دور توپیں دھڑکتی رہیں ۔ وہاں گھمسان کا رن پڑا تھا اور اسکے اپنے لوگ وہاں تھے ۔ کیا وہ یہ آخری آٹھہ دس کلومیٹر کا سفر طے کرنے کے لئے طاقت جمع نہیں کر سکیگا؟

توپوں کی گھن گرج نے اس کے اندر ایک نیا حوصلہ پیدا کیا، اسے باربار للکارا اور آخر وہ لبیک کہہ کر اٹھا ۔ وہ اپنے ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل جھک گیا اور جانور کی طرح آگے چلنے لگا، پہلے تو جبلی طور پر اور بعد میں شعوری اور ارادی طور پر ۔ اس نے سمجھہ لیا کہ جنگل میں اس طرح چلنا چھڑی کی مدد سے چلنے کے مقابلے میں زیادہ آسان ہے ۔ پیروں پر سے بوجھہ ہٹ گیا تھا اس لئے ان میں کم تکلیف ہو رہی تھی اور وہ اپنے ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل زیادہ تیز چل سکتا تھا ۔ اور پھر مارے خوشی کے اس کے گلے میں کوئی چیز اٹکنے لگی ۔ اس نے زور سے کہا جیسے وہ کسی ایسے شخص کی ڈھارس بندھا رہا ہو جو جی چھوڑ چکا ہو اور جسے اس طرح آگے بڑھنے کا ذرا یقین نہ ہو :

''کوئی پروا نہیں میرے یار، اب سب کچھہ ٹھیک ٹھاک ہوجائے گا!''

ایک مقررہ منزل طے کرنے کے بعد الکسئی نے اپنے ہاتھوں کو بغلوں میں دبا کر گرم کیا، پھر رینگتا ہوا نوخیز فر کے ایک پیڑ کے پاس گیا اور اس میں سے دو مربع ٹکڑے چھال کے نکالے ۔ چھال نکالنے میں اس کے ہاتھوں کے ناخن بھی ٹوٹ گئے ۔ اس نے تنے سے کئی لمبے ریشے نکالے ۔ اس نے سمور کے بوٹوں سے اپنے اونی اسکارف کے ٹکڑے نکالے اور ان کو ہاتھوں پر لپیٹ لیا ۔ ہتھیلی کی الٹی طرف اس نے چھال کے ٹکڑے رکھے، ان کو ریشوں سے باندھا اور پھر پورے حصے کو پٹی سے لپیٹا ۔ اس طرح دایاں ہاتھہ تو بڑا گدیلا گدیلا ہو گیا مگر بایاں ہاتھہ اتنا آرام نہیں پا سکا کیونکہ وہ دانت کی مدد سے باندھا گیا تھا ۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود اب اس نے ہاتھوں میں ''جوتے'' پہن لئے تھے ۔ اب پھر الکسئی اپنے

سفر پر روانہ ہوا اور اب اسے چلنا زیادہ آسان معلوم ہوا۔ اگلی منزل پر اس نے اپنے گھٹنوں پر بھی چھال کے ٹکڑے باندھ لئے

دو پہر تک جب خاصی گرمی پڑنے لگی تو وہ اپنے ہاتھوں کی مدد سے کافی راستہ طے کر چکا تھا۔ آواز زیادہ تیز ضرور سنائی دے رہی تھی شاید وہ اس جگہ کے قریب آ رہا تھا جہاں سے توپوں کی گھن گرج سنائی دے رہی تھی یا شاید اس کے کان بج رہے تھے۔ اس وقت اتنی گرمی ہو گئی تھی کہ الکسئی نے اپنے فلائنگ سوٹ کی زنجیر کھول دی۔

جب وہ کائی سے ڈھکی ہوئی دلدل میں سے گزر رہا تھا، جہاں پگھلتی ہوئی برف میں سے کہیں کہیں گھاس کے چپے جھانک رہے تھے تو اسے قسمت سے ایک اور نعمت نصیب ہوئی۔ اس نے دیکھا کہ سرمئی سی نرم اور نم کائی پر ایک پودے کی کونپلیں پھوٹ رہی ہیں جس کی عجیب و غریب نکیلی اور چمکیلی پتیاں ابھری ہوئی ہیں اور ان کے درمیان گھاس کے چپوں کی سطح پر، عنابی رنگ کے قدرے روندے ہوئے مگر رسیلے کروندے پھل رہے ہیں۔ الکسئی نے سر گھاس کے چپے پر جھکایا اور ہونٹوں سے جلدی جلدی ایک کے بعد دوسرا کروندا گرم اور مخملیں کائی پر سے چننے لگا جس کی نمی سے دلدل کی بو آ رہی تھی۔

پچھلے چند دن میں الکسئی کو پہلی بار کوئی سچ مچ کی چیز کھانے کو ملی تھی اور ان کروندوں کے خوشگوار کھٹ مٹھے مزے نے اس کے پیٹ میں ایک جھرجھری سی پیدا کر دی۔ لیکن اس کے دماغ میں اتنی سکت باقی نہیں رہی تھی کہ وہ ان کچوکوں کے گزر جانے کا انتظار کرتا۔ وہ ایک گھاس کے چپے سے دوسرے چپے پر ٹوٹتا اور ریچھ کی طرح زبان اور ہونٹوں سے کام لیتے ہوئے، کھٹی گوندنیاں چنتا رہا۔ اس طرح اس نے گھاس کے کئی چپے صاف کردئے۔ اور اس کو اب نہ تو اپنے پھولے ہوئے بوٹوں میں موسم بہار کے پانی کا احساس تھا، نہ پیروں میں جلتی ہوئی ٹیس کا اور نہ تھکن کا — اسے اپنے منہ میں شیریں اور کھٹے مزے اور پیٹ میں خوشگوار بھاری پن کے سوا اور کسی چیز کا احساس نہ تھا۔

اس نے قے کر دی لیکن پھر بھی وہ خود کو روک نہ سکا اور پھر گوندنیاں چننے لگا۔ اس نے اپنے ہاتھوں کے ''جوتے،، اتارے اور

گوشت کا پرانا ٹین گوندنیوں سے بھر لیا۔ اس نے اپنا خود بھی بھر لیا اور اس کو فیتے سے کمر میں باندھ لیا اور بڑی مشکل سے پورے جسم پر چھاتی ہوئی سستی اور غنودگی پر قابو پاتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔

رات کو اس نے رینگ کر فر کے ایک بوڑھے درخت کے سائے تلے پناہ لی، گوندنیاں کھائیں اور چھال اور فر کے پھل کی گٹھلیاں چبائیں اور لیٹ گیا۔ لیکن اس کی نیند ایک بےقرار پہرےدار کی نیند کی طرح تھی۔ کئی بار اس کو لگا کہ کوئی دبے پاؤں اندھیرے میں اس کی طرف رینگ رہا ہے۔ وہ آنکھیں پھاڑ کر دیکھتا اور کانوں پر اتنا زور دیتا کہ وہ بجنے لگتے، وہ اپنا پستول نکالتا اور چوکس ہو کر بے حس‌وحرکت بیٹھ جاتا۔ فر کا کوئی پھل گرتا اور وہ چونک جاتا۔ رات کی خشک برف کی چرمراہٹ اور برف کے اندر ہی اندر بہتے ہوئے چھوٹے چھوٹے چشموں کی قل قل سن کر اس کا دل دھک سے ہو جاتا۔

وہ صرف پو پھٹتے سو سکا۔ وہ اٹھا تو اجالا پھیل چکا تھا اور اس درخت کے چاروں طرف جس کے نیچے وہ سویا تھا اس نے لومڑی کے پنجوں کے پر پیچ نشان ابھرے ہوئے دیکھے۔ ان نشانوں کے درمیان اس کی گھسٹتی ہوئی دم کا لمبا نشان تیرتا چلا گیا تھا۔

اچھا، اسی وجہ سے نیند میں گڑبڑ ہو رہی تھی! نشان سے صاف ظاہر تھا کہ لومڑی اس کے چاروں طرف منڈلائی تھی، بیٹھی تھی اور پھر منڈلائی تھی۔ ایک پریشان کن خیال الکسئی کے دماغ میں کوند گیا۔ شکاریوں کا کہنا ہے کہ یہ عیار جانور انسان کے قریب آتی ہوئی موت کو بھانپ لیتا ہے اور اس کا پیچھا کرنے لگتا ہے۔ کیا یہی پیش آگاہی اس ذلیل درندے کو اس کے پاس کھینچ لاتی ہے؟

''بکواس! کتنی فضول بات ہے! سب ٹھیک ٹھاک ہو کر رہے گا!،، اس نے اپنا دل خوش کرنے کو کہا اور ہاتھوں اور گھٹنوں پر جھکتے ہوئے اس ہولناک جگہ سے نکلنے کے لئے زیادہ سے زیادہ پھرتی کے ساتھ رینگنے لگا اور رینگتا رہا۔

اس دن اس کی قسمت ستارہ ایک بار پھر چمکا۔ سدابہار خوشبودار صنوبری جھاڑی میں، ہونٹوں سے سرمئی گوندنیاں چنتے ہوئے اسے جھڑ جھڑ کر گرے ہوئے پتوں کا ایک ڈھیر نظر آیا۔ اس نے ہاتھ

سے اس ڈھیر کو چھوا۔ لیکن اس کی انگلیاں کسی ٹھوس چیز سے ٹکرائیں۔ اس نے پتوں کو ہٹانا شروع کیا اور یکایک کوئی چیز اس کی انگلیوں میں چبھ گئی۔ وہ فوراً تاڑ گیا کہ یہ ساہی ہے۔ یہ ایک بڑا سا بوڑھا ساہی تھا جو اس جھاڑی میں محض جاڑے کی نیند کا لطف اٹھانے کے لئے آ گیا تھا اور خود کو گرم کرنے کے لئے موسمِ‌خزاں کے ٹپکے ہوئے پتوں کے ڈھیر میں چھپ گیا تھا۔ الکسئی کو ایک دیوانگی بھری خوشی نے آ لیا۔ اپنے پورے سفر میں وہ کوئی جانور یا چڑیا مارنے کا خواب دیکھتا آیا تھا۔ کتنی بار اس نے اپنا پستول نکالا تھا اور سروکا، سوئیکا یا خرگوش پر نشانہ باندھا تھا اور ہر بار اس نے کتنی مشکل سے گولی چلانے کی خواہش کو دبایا تھا۔ کیونکہ اس کے پاس صرف تین گولیاں بچ رہی تھیں۔ دو دشمن کے لئے اور ضرورت پڑی تو ایک اپنے لئے۔ اس نے بڑی مشکل سے پستول کو الگ کیا۔ وہ کسی قسم کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

اور یہاں واقعی اسے گوشت کا ایک ٹکڑا ہاتھ آ گیا۔ ایک لمحہ بھی اس نے نہ سوچا کہ عام عقیدے کے مطابق ساہی ایک ناپاک جانور ہے۔ جانور، سمٹا سمٹایا، سویا رہا۔ وہ کچھ عجیب سا بڑے سے لوبھئے کی طرح نظر آ رہا تھا جس پر کانٹے اگے ہوئے ہوں۔ الکسئی نے خنجر سے اس جانور کو ہلاک کیا، اس کی کھال ادھیڑی، بے ڈھنگے پن سے اس کی نسوں کو کاٹا اور اندر سے پیلی کھال اتاری، دھڑ کے ٹکڑے ٹکڑے کئے، اور ندیدوں کی طرح دانتوں سے بھورے رنگ کے، گرم اور نسیلے گوشت کو نوچنے لگا جو ہڈی پر بری طرح چپکا ہوا تھا۔ وہ جانور کی بوٹی بوٹی چٹ کر گیا۔ الکسئی نے تمام چھوٹی چھوٹی ہڈیاں چبائیں اور ان کو نگل گیا اور تب جا کر اسے کتے کے گوشت جیسے گھناونے مزے کا احساس ہوا۔ لیکن پورے جسم میں تیرتی ہوئی آسودگی، گرمی اور غنودگی کے احساس کے سامنے اس بو کی کیا حقیقت تھی؟

اس نے پھر ہر ہر ہڈی کو دیکھا بھالا، چوسا اور برف میں لیٹ کر گرمی اور آرام دہ سکون کا لطف اٹھانے لگا۔ وہ پڑ کر سو گیا ہوتا مگر اسے قریب کی جھاڑی سے ایک لومڑی کی غراہٹ سنائی دی۔ الکسئی کے کان کھڑے ہو گئے اور یکایک اسے پورب سے آتی

ہوئی مستقل گھن گرج کے اوپر تیرتی ہوئی تڑ تڑ کی گرجدار آواز سنائی دی۔ اس نے پہچان لیا کہ یہ مشین گنوں کی آواز ہے۔

اس نے ساری تھکن کو جھٹک ڈالا اور لومڑی اور آرام کی ضرورت کو بالکل بھلا دیا اور پھر جنگل کی گھنی پہنائیوں میں رینگنے لگا۔

۱۱

وہ جس دلدل سے رینگتا ہوا گزرا تھا اس کے آگے ایک میدان تھا جس میں کائی سے سیاہ کھمبوں کا ایک احاطہ تھا۔ اس میں دوھرے تار درخت کے ریشوں اور گھاس کے ریشوں سے کھونٹوں میں بندھے ہوئے تھے اور کھمبے زمین میں گڑے ہوئے تھے۔

کھمبوں کی قطاروں کے درمیان جہاں تہاں برف کے اندر سے ایک سنسان اور ویران سڑک کا نشان جھانک رہا تھا۔ قریب ہی کہیں ضرور انسانی آبادی ہوگی! الکسئی کا دل بلیوں اچھل پڑا۔ یہ قرین قیاس نہ تھا کہ جرمن اس دور افتادہ مقام تک پہنچ گئے ہونگے۔ اور اگر وہ پہنچ بھی گئے ہوں تو کیا ہوا، قریب ہی کہیں اس کے اپنے لوگ بھی ہونگے اور یقینی وہ ایک زخمی انسان کو پناہ دینگے اور اس کی ہر طرح مدد کرینگے۔

اپنی صحرا نوردی کی منزل قریب محسوس کرتے ہوئے الکسئی نے آرام کئی بغیر تیز تیز آگے کی طرف رینگنا شروع کیا۔ وہ رینگتا رہا، رینگتے رینگتے ھانپنے لگتا، منہ کے بل برف پر گر جاتا اور مارے تھکن کے بےھوش ھو جاتا۔ وہ ٹیلے پر پہنچنے کے لئے تیز تیز رینگنے لگا جہاں سے اسے یقین تھا کہ وہ اس گاؤں کو دیکھہ سکیگا جو اس کی جنت، اسکی پناہ گاہ بننے والا تھا۔ اس نے اپنی ایک ایک رگ کی طاقت کو کام میں لاتے ہوئے آبادی تک پہنچنے کی کوشش کی لیکن اس احاطے اور سڑک کے نشان کے سوا جو اب زیادہ سے زیادہ صاف طور پر برف سے ابھرتی جا رہی تھی اسے کوئی ایسی چیز نظر نہ آئی جس سے معلوم ہوتا کہ قرب و جوار میں انسانی آبادی ہے۔

آخرکار ھانپتے اور لرزتے ہوئے وہ ٹیلے پر پہنچا۔ اس نے آنکھیں اٹھائیں — اور فوراً جھکا لیں۔ اس کی نگاھوں کے سامنے کتنا بھیانک منظر تھا!

اس میں کوئی شبہہ نہ تھا کہ کچھہ دنوں پہلے تک یہ ایک چھوٹا سا جنگلی گاؤں رہا ہوگا۔ اس کا ابھرے ہوئے نقوش نمایاں تھے اور آسانی سے دیکھا جا سکتا تھا کہ یہ چمنیوں کی دو ناہموار قطاریں ہیں جو جلے ہوئے برف‌پوش مکانوں کے اوپر سر بلند ہیں۔ اسے صرف چند باغ کے احاطے اور جنگلے، ریبی‌نا کے درخت نظر آرہے تھے جو کبھی کھڑکیوں کے پاس جھومتے ہونگے۔ اب یہ سب کچھہ برف سے جھانک رہے تھے — بےجان اور جل کر کوئلہ۔ یہ ایک ویران اور برف سے ڈھکا ہوا میدان تھا جس میں چمنیاں گردن اٹھائے جھانک رہی تھیں جیسے جنگل کے کٹے ہوئے درختوں کے ٹھنٹھہ نظر آتے ہیں اور ان کے درمیان ایک کنویں کی گردن اٹھی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ اس فضا میں یہ کنواں کچھہ عجیب بے جوڑ سا معلوم ہوتا تھا جس میں لوہے سے منڈھی ہوئی لکڑی کی بالٹی زنگ آلود زنجیر میں لٹکی ہوئی ہوا میں آہستہ آہستہ جھول رہی تھی۔ گاؤں کے اندر داخل ہونے کے راستے پر سبز احاطے کے پاس ایک خوبصورت محراب تھی جس کے نیچے ایک پھاٹک اپنی زنگ‌آلود چولوں پر آہستہ آہستہ چیختا ہوا ہل رہا تھا۔

ایک آدم یا آدم‌زاد نہیں، ایک آواز نہیں، دھوئیں کا ایک تار نہیں... ویرانہ ہے ویرانہ۔ لگتا ہے جیسے یہاں کبھی کسی انسان کی جھلک نہ دکھائی دی ہوگی۔ ایک خرگوش، الکسئی سے ڈر کر تڑپتا پھدکتا بھاگا اپنی پچھلی ٹانگوں کو بڑے مضحکہ‌خیز انداز میں پھینکتے ہوئے سیدھا گاؤں کی طرف چل دیا۔ وہ جا کر پھاٹک کے پاس رکا، اگلے پنجے اٹھائے اور کان کھڑے کر کے سننے لگا۔ لیکن جب اس نے دیکھا کہ یہ بڑا سا عجیب و غریب جانور اس کے نقش قدم پر رینگتا چلا ہی آرہا ہے تو وہ پھر جلے ہوئے ویران باغوں کی طرف تڑپتا ہوا بھاگ گیا۔

الکسئی میکانکی طور پر آگے بڑھتا رہا۔ اس کی داڑھی اور مونچھوں سے ڈھکے ہوئے گالوں پر آنسوؤں کے موٹے قطرے ڈھلکے اور گر کر برف میں جذب ہو گئے۔ وہ اس پھاٹک پر رک گیا جہاں چند لمحے پہلے خرگوش کھڑا تھا۔ پھاٹک پر ایک تختی کا بچا کھچا حصہ لٹک رہا تھا جس پر یہ حروف دکھائی دے رہے تھے "کنڈ..."۔ یہ جاننا مشکل نہ تھا کہ اس سبز احاطے کے اندر کبھی کنڈرگارٹن

آباد تھا۔ وہاں نیچی بنچیں اب تک تھیں جو گاؤں کے بڑھئی نے بنائی تھیں اور اس نے بچوں سے اپنی محبت کی وجہ سے ان کو چھیل چھیل کر اور شیشے سے رگڑ رگڑ کر چکنا کر دیا تھا۔ الکسئی نے پھاٹک کھولا، رینگتا ہوا بنچ تک گیا۔ وہ اس پر بیٹھنا چاہتا تھا۔ لیکن اس کا جسم اس جھکاؤ کا اتنا عادی ہو گیا تھا کہ وہ سیدھا نہ ہو سکا۔ جب وہ آخر بنچ پر بیٹھنے میں کامیاب ہو گیا تو اس کی ریڑھ کی ہڈی دکھنے لگی۔ آرام کرنے کی خاطر وہ برف پر لیٹ گیا اور ایک تھکے ہوئے جانور کی طرح خود کو سکیڑ کر پڑرہا۔

اس کا دل بوجھل اور غم گین تھا۔

بنچ کے پاس برف پگھل رہی تھی اور اس کے اندر سے کالی زمین جھانک رہی تھی، اس میں سے گرم گرم بھاپ سی نکل رہی تھی اور پیچ وتاب کھاتی اور لرزتی ہوئی نظر آرہی تھی۔ الکسئی نے مٹھی بھر پگھلتی ہوئی مٹی اٹھائی۔ یہ اس کی انگلیوں کے درمیان سے رس رس کر ٹپکنے لگی اور اس سے سیلن اور گوبر، گوشالے اور گھر کی بو آنے لگی۔

لوگ یہاں رہتے تھے۔ انہوں نے کبھی، بہت دنوں قبل، سیاہ جنگل سے زمین کا یہ چپہ چھینا تھا، اس کو ہل سے جوتا تھا، اس پر لکڑی کا سراون پھیرا تھا، اس میں کھاد ڈالی تھی اور اسے زر خیز بنایا تھا۔ یہ ایک کٹھن زندگی تھی، جنگل اور جنگل کے درندوں سے مستقل کشمکش کی زندگی — اگلی فصل کاٹنے تک مشکل سے دو وقت روٹی کھانے کی فکر میں ڈوبی ہوئی زندگی۔ سوویت دور میں یہاں ایک پنچائتی فارم قائم ہوا اور لوگ ایک بہتر زندگی کا خواب دیکھنے لگے۔ کھیتی باڑی کی مشینیں آئیں اور ان کے ساتھ اطمینان اور آسودگی۔ گاؤں کے بڑھئیوں نے ایک کنڈرگارٹن بنایا اور شام کے وقت گلابی گالوں والے بچوں کو اسی باغ میں دوڑتے اور کھیلتے دیکھ کر گاؤں کے لوگوں نے سوچا ہوگا کہ اب وقت آگیا ہے کہ گاؤں میں ایک کلب گھر بنایا جائے، ایک مطالعے کا کمرہ قائم کیا جائے جہاں وہ آرام سے گرم گرم بیٹھیں اور جب باہر برفانی طوفان بپھر رہا ہو تو وہ اپنی جاڑے کی شام اچھی طرح مزے میں کاٹیں۔ انہوں نے اپنے ہاں بجلی لانے کا خواب بھی دیکھا ہوگا، یہاں جنگل کی ان اتھاہ گہرائیوں

میں ۔ اب یہاں ایک ویران جنگل اور بیابان کے سوا کچھ نہ تھا — جہاں ایک جاوداں، شور ناآشنا خاموشی چھائی ہوئی تھی...

الکسئی جتنا زیادہ سوچتا اتنا ہی زیادہ تیز اس کا دماغ کام کرتا ۔ کامی‌شین کا تصور اس کی آنکھوں میں ابھرا — اتھلے اسٹیپی‌میدان میں دریائے‌والگا کے کنارے گرد و غبار میں اٹا ہوا وہ چھوٹا سا شہر ۔ موسم گرما اور موسم خزاں میں اسٹیپی‌میدان کی تیز ہوائیں شہر کو جھنجھوڑتی ہوئی بہتیں اور اپنے ساتھ گردوغبار اور ریت کے بادل اڑاتی چلتیں، جو چہروں اور ھاتھوں میں چبھتے، بند کھڑکیوں کی دراڑوں سے گھروں میں گھستے، آنکھیں اندھی ہو جاتیں اور ریت دانتوں میں بجتی ۔ اسٹیپی میدان کی اس ریت کو لوگ ”کامی‌شین کی بارش،، کہتے تھے اور کئی نسلوں سے کامی‌شین کے لوگ اس ریت کو روکنے اور صاف شفاف تازہ ہوا میں جی بھر کے سانس لینے کے خواب دیکھتے آئے تھے ۔ لیکن یہ خواب صرف سوشلسٹ دیس میں پورا ہوسکا ۔ لوگوں نے آپس میں سر جوڑ کر صلاح مشورہ کیا اور ہوا اور ریت کے خلاف ایک مہم چلا دی ۔ ہر سنیچر کو پوری آبادی کدالوں، پھاوڑوں اور کلہاڑیوں کے ساتھ باہر نکل آتی اور کچھ ہی دنوں میں شہر کے چوک میں جو پہلے خالی خالی نظر آتا تھا، ایک پارک لہلہا اٹھا اور توپل کے نوخیز پیڑ تنگ سڑکوں کے کنارے قطار باندھ کر کھڑے ہو گئے ۔ لوگ بڑی احتیاط سے ان میں پانی ڈالتے اور ان کی کاٹ چھانٹ کرتے رہتے جیسے یہ ان کی اپنی کھڑکیوں میں کھلنے‌والے پھولوں کے پودے ہوں ۔ الکسئی کو یاد آیا کہ جب پتلی پتلی چھوٹی شاخوں میں کونپلیں پھوٹیں اور انہوں نے ہرے لباس زیب تن کر لئے تو تمام لوگوں نے، جوان اور بوڑھوں نے کتنی خوشیاں منائی تھیں... دفعتاً اس نے تصور کی آنکھوں سے اپنے پیدائشی شہر کامی‌شین کی سڑکوں پر جرمنوں کو دیکھا ۔ وہ ان درختوں کو کاٹ کاٹ کر گرا رہے تھے جن کو لوگوں نے اتنی احتیاط سے پال پوس کر جوان کیا تھا اور اب وہ ان کو جلانے کے لئے کاٹ رہے تھے ۔ اس کا اپنا شہر دھوئیں کی چادر میں لپٹا ہوا تھا اور اس جگہ پر جہاں اس کا گھر تھا، جہاں وہ پلا بڑھا تھا اور جہاں اس کی ماں رہتی تھی، اسی چمنی کی طرح، کالک سے تپی ہوئی ایک بھیانک چمنی سر اٹھائے نظر آ رہی تھی ۔

درد اور تکلیف سے اس کے دل کے پرزے اڑنے لگے۔

''ان کو اور زیادہ آگے بڑھنے کی ہرگز اجازت نہیں دینی چاہئے! جب تک ہمارے جسم میں ایک سانس بھی باقی ہے، ہمیں ان سے لڑنا چاہئے۔ اس روسی سپاہی کی طرح جو جنگلی میدان میں دشمنوں کی لاشوں پر گر پڑا تھا۔''

سورج درختوں کے سرمئی سروں کو چھو رہا تھا۔

الکسئی اس راستے پر رینگنے لگا جو کبھی گاؤں کی سڑک رہا ہوگا۔ راکھ کے ڈھیروں میں سے لاشوں کی بو آ رہی تھی۔ گاؤں جنگل سے بھی زیادہ ویران معلوم ہورہا تھا۔ دفعتاً ایک عجیب وغریب آواز سنائی دی اور وہ چونک گیا۔ سڑک کے آخری نکڑ پر راکھ کے ڈھیر کے قریب اسے ایک کتا نظر آیا۔ وہ ایک جھبرا گھریلو کتا تھا اور اس کے لٹکے ہوئے کان بڑے بڑے تھے۔ کوئی معمولی ''بوبک'' یا ''ژوچکا''۔ وہ آہستہ آہستہ غراتا ہوا، اپنے پنجوں سے گوشت کے ایک ٹکڑے کو دبوچے ہوئے اس پر منہ مار رہا تھا۔ الکسئی کو دیکھ کر یہ کتا، جو تمام جانوروں میں سب سے زیادہ نیک اور انسان دوست سمجھا جاتا ہے، جو ہمیشہ گھر گرہستی کرنے والی عورتوں کی گالیاں اور کوسنے سنتا رہتا ہے اور جو سڑک کے چھوکروں کے لئے مرغوب مشغلہ بن جاتا ہے، ہاں اسی کتے نے اچانک کھیسیں نکال کر غرانا شروع کر دیا۔ اس کی آنکھیں اتنی شدت سے جلنے لگیں کہ الکسئی کو محسوس ہوا کہ اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے ہیں۔ اس نے ''جوتے'' اتاردئے اور پستول کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ چند لمحے آدمی اور کتا (جو ایک وحشی درندہ بن چکا تھا) دونوں ایک دوسرے کو گھورتے رہے، پھر اس جانور کو کچھ یاد آگیا، کیونکہ اس نے سر جھکایا اور مجرمانہ انداز سے دم ہلاتے ہوئے گوشت کی بوٹی اٹھائی اور دم دبا کر راکھ کے ڈھیر کے پیچھے غائب ہو گیا۔

بھاگو! یہاں سے جتنی جلدی ہو سکے، بھاگ جاؤ! الکسئی روشنی کی آخری کرنوں کا سہارا لیتے ہوئے، کوئی راستہ ڈھونڈے بنا، برف کو پار کرتے ہوئے، رینگتے ہوئے جنگل میں گھس گیا اور بغیر کسی خاص خیال اور ارادے کے اس سمت میں بڑھنے لگا جدھر

سے توپوں کی گھن گرج صاف آرہی تھی - یہ آواز مقناطیس کی طرح اس کو اپنی طرف کھینچ رہی تھی اور وہ اس آواز سے جتنا قریب ہوتا گیا اس کی کشش بڑھتی گئی -

۱۲

اور اس طرح الکسئی آئندہ دو تین دن تک رینگتا رہا - وہ وقت کا اندازہ بالکل بھول چکا تھا - ہر چیز ایک بے اختیار جد و جہد کی زنجیر میں جکڑ کر رہ گئی تھی - کبھی کبھی نیند اسے آ لیتی تھی یا شاید وہ بے ہوش ہو جاتا تھا - وہ رینگتے رینگتے سو جاتا لیکن پورب سے جو طاقت اسے کھینچ رہی تھی اتنی زور دار تھی کہ اس بے ہوشی اور خودفراموشی کے عالم میں بھی وہ آہستہ آہستہ رینگتا رہتا، یہاں تک کہ کسی درخت یا جھاڑی سے ٹکرا جاتا یا اس کے ہاتھ پھسلتے اور وہ منہ کے بل پگھلتی ہوئی برف میں گر جاتا - اس کی ساری قوتارادی، اس کے تمام مبہم خیالات ایک ہی جگہ روشنی کی کرن کی طرح ٹھہرے ہوئے تھے : رینگتے رہو، آگے بڑھتے رہو، ہر قیمت پر آگے بڑھتے رہو-

اپنے راستے پر وہ اس امید میں ہر جھاڑی کو دیکھتا چلتا کہ شاید پھر کوئی ساھی مل جائے - برف اور کائی کے نیچے جو گوندنیاں ملتیں وہی اس کی غذا تھیں - ایک بار اس کے راستے میں ایک بہت بڑا دمکوڑا ملا جوجنگل میں پیال کے ڈھیر کی طرح معلوم ہوتا تھا جس کو بارش نے دھو اور سنوار دیا ہو - چیونٹیاں اب تک سو رہی تھیں اور لگتا تھا کہ ان کی دنیا پر موت کی خاموشی طاری ہے - الکسئی نے ہاتھ اس ڈھیر کے اندر گھسا دیا اور جب نکالا تو اس پر چیونٹیاں چمٹی ہوئی تھیں - وہ ان کیڑوں کو بڑے شوق سے کھانے لگا اور اس کو اپنے خشک اور پھٹے ہوئے منہ میں چیونٹیوں کے اندر سے نکلنے والے رقیق مادے کا تیز اور میٹھا میٹھا سا مزا محسوس ہوا - اس نے اس ڈھیر کے اندر دو بارہ ہاتھ ڈالا اور بار بار ڈالا یہاں تک کہ اس حملے نے پوری آبادی میں ایک ہنگامہ اور کھلبلی مچا دی -

ان چھوٹے چھوٹے کیڑوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ انھوں نے الکسئی کے ھاتھ، ہونٹ اور زبان کو کاٹنا شروع کیا۔ وہ اس کی وردی کے اندر گھس گئے اور اس کے جسم کو کاٹنے لگے، لیکن اس جلن کا احساس اسے خوشگوار لگا اور رقیق مادے کی چبھن نے ماء اللحم کا کام کیا۔ اسے پیاس محسوس ہوئی۔ اس کو گھاس کے چپوں کے درمیان بھورے رنگ کے پانی کا ایک جوھڑ نظر آیا۔ وہ پانی پینے کے لئے لیٹ گیا مگر فوراً ھی دور ھٹ گیا۔ سیاہ پانی میں سے، آسمان کے نیلے عکس میں، اسے ایک بھیانک چہرہ اپنی طرف جھانکتا ہوا نظر آیا۔ یہ ھڈیوں کے ڈھانچے کا چہرہ تھا جس کو سیاہ کھال نے چھپا رکھا تھا اور جو میلے اور کانٹوں جیسے گھنگھریالے بالوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ آنکھوں کے گہرے گڈھوں میں سے بڑی بڑی، گول گول، وحشت سے چمکتی ہوئی آنکھیں جھانک رہی تھیں اور الجھے ہوئے چکٹ بال، جٹوں کی طرح، اس کی پیشانی پر جھول رہے تھے۔

''کیا یہ میں ہوں؟،، الکسئی نے اپنے آپ سے پوچھا اور خود کو دوبارہ دیکھنے کے ڈر سے اس نے پانی نہ پیا بلکہ منہ میں پانی کے بجائے برف رکھ لی اور پھر اسی زبردست مقناطیس کے زیراثر پورب کی طرف رینگنے لگا۔

اس رات کو اس نے اپنے پڑاؤ کے لئے بم کا بنایا ہوا ایک بڑا گڑھا چنا۔ بم نے ریت اڑا کر اس کے دھانے کے کنارے منڈیر سی بنا دی تھی۔ اس گڈھے کا پیٹ اسے پر سکون اور آرام دہ معلوم ہوا۔ اس میں ہوا کا گزر نہ تھا۔ ہوا تو ریت میں محض سرسراھٹ پیدا کر رہی تھی جو دھانے سے ناچتی ہوئی گر رہی تھی۔ یہاں سے ستارے ذرا زیادہ ھی بڑے لگ رہے تھے اور معلوم ہوتا تھا کہ وہ سر کے اوپر قریب ھی فضا میں معلق ہیں۔ چیڑ کی ایک گھنی شاخ ستاروں کے نیچے ادھر ادھر ھل رہی تھی۔ وہ ایک ھاتھ کی طرح نظر آ رہی تھی جو کپڑے کا ایک ٹکڑا پکڑے ہوئے ہو اور چمکتی ہوئی روشنیوں کا منہ صاف کر رہی ہو اور ان کو چمکا رہی ہو۔ پوپھٹنے سے پہلے ٹھنڈ بہت بڑھ گئی۔ جنگل پر تازہ دھند چھا گئی۔ ہوا کا رخ بدل گیا۔ اب یہ ہوا اتر سے بہہ رہی تھی۔ یہ دھند کو برف کے سانچے میں ڈھالنے لگی۔ جب آخر، شاخوں سے روشنی چھننے لگی تو دھند اتری اور رفتہ رفتہ مٹنے لگی اور چاروں طرف زمین

پھسلوان برف سے ڈھکی نظر آئی۔ اب اوپر کی شاخ کپڑے کا ایک ٹکڑا اٹھائے ہوئے ہاتھ کی طرح نہیں نظر آرہی تھی۔ اب تو یہ شاخ بلور کا شاندار فانوس دکھائی دے رہی تھی جس کے چھوٹے چھوٹے قمقمے ہوا میں معلق ہولے ہولے ہل رہے تھے۔

صبح کو الکسئی اٹھا تو اسے اور بھی زیادہ کمزوری محسوس ہوئی۔ اس نے چیڑ کی چھال بھی نہیں چبائی جس کا پورا ڈھیر وہ اپنی وردی کے اندر سینے سے لگائے رہتا تھا۔ اس نے بڑی مشکل سے خود کو زمین سے الگ کیا جیسے رات کے دوران میں اس کا بدن اس سے چپک کر رہ گیا ہو۔ اپنے کپڑوں، داڑھی اور مونچھوں سے برف جھاڑے بغیر اس نے گڈھے کی دیوار پر چڑھنے کی کوشش کی لیکن اس کے ہاتھ اس ریت پر پھسل پھسل جاتے جس کو رات کے پالے نے جما دیا تھا۔ اس نے نکلنے کی بار بار کوشش کی لیکن ہر بار وہ پھسل کر گڈھے کے پیٹ میں پہنچ گیا۔ اس کی کوشش زیادہ سے زیادہ کمزور پڑنے لگی۔ آخر یہ محسوس کرکے وہ کانپ گیا کہ وہ کسی مدد کے بغیر اس میں سے نہیں نکل سکیگا۔ اس خیال نے اس کو ایک بار پھر اس پھسلوان دیوار پر چڑھنے کی کوشش کرنے پر مجبور کیا۔ لیکن ابھی مشکل سے وہ ذرا سا اوپر چڑھا تھا کہ پھر پھسلا اور تھک کر نڈھال اور بے بس اس کی تہہ میں چلا آیا۔

"بس قصہ ختم ہوا! اب سب ٹھیک ہے!"

وہ سمٹ سمٹا کر گڈھے میں بیٹھ گیا۔ اسے ایک خوفناک سکون واطمینان کا احساس ہوا جس نے اس مقناطیسی عمل کو توڑ دیا اور اس کی قوت ارادی کو مفلوج کر دیا۔ یہ احساس اس کے انگ انگ میں تیرتا چلا جا رہا تھا۔ اس نے بے خیالی کے ساتھ کچلے ہوئے خط اپنی جیب سے نکالے لیکن ان کو پڑھنے کی سکت کب تھی اس میں۔ اس نے کاغذ کے اندر سے اس لڑکی کی تصویر نکالی جو چھینٹ کا فراک پہنے ہوئے چراگاہ کی گھاس پر بیٹھی تھی۔ اس نے ایک غم ناک مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا:

"کیا یہ واقعی الوداع ہے؟" — اور یکایک وہ لرز گیا اور پھر تصویر کو اپنے ہاتھ میں لئے وہ بے حس وحرکت بیٹھ گیا۔ اس کو محسوس ہوا جیسے اس نے ٹھنڈی اور پالے بھری ہوا میں جنگل کے اوپر ایک مانوس آواز تیرتی ہوئی سنی ہو۔

اس نے فوراً اپنی کاہلی کا لبادہ اتار پھینکا۔ آواز میں کوئی خاص بات نہ تھی۔ یہ اتنی مدھم تھی کہ جنگلی جانور کے تیز کان بھی برف سے ڈھکے ہوئے درختوں کی مستقل سرسراہٹ اور اس بھنبھناہٹ میں کوئی تمیز نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن اس آواز میں دوڑتی ہوئی سیٹی کی ایک لہر سے الکسئی نے یہ بھانپنے میں ذرا غلطی نہ کی کہ یہ ''ایل۔۱٦'' کی آواز ہے۔ وہ یہی ہوائی جہاز اڑایا کرتا تھا۔

انجن کی گھنگھناہٹ قریب آتی اور تیز ہوتی گئی، ہوا کو کاٹتے ہوئے ہوائی جہاز کی آواز کبھی سیٹی کی طرح معلوم ہوتی اور کبھی رخ بدلتے وقت کراہ کی طرح سنائی دیتی۔ آخر الکسئی نے دور آسمان کی بلندیوں میں آہستہ آہستہ تیرتی ہوئی ایک صلیب دیکھی، جو کبھی سرمئی دھند جیسے بادلوں میں غائب ہوجاتی اور کبھی نکل آتی۔ اب اس کے پروں پر اسے سرخ ستارے صاف نظر آ رہے تھے۔ ٹھیک اس کے سر پر ہوائی جہاز نے غوطہ لگایا اور سورج کی کرنوں میں چمک اٹھا، چکر کاٹا اور دور نکل گیا۔ جلد ہی انجن کی گھنگھناہٹ ہوا میں ہلتی ہوئی برف‌پوش شاخوں کی سرسراہٹ میں کھو گئی۔ لیکن اس کے بہت دیر بعد تک لکسئی سمجھتا رہا کہ وہ اب تک وہ لطیف اور سیٹی بجاتی ہوئی آواز سن رہا ہے۔

اس نے تصور ہی تصور میں خود کو ہوائی‌جہاز کے کاک‌پٹ میں دیکھا۔ ایک ہی آن میں میں خود اپنے جنگل کے ہوائی اڈے پر پہنچ سکتا ہوں، اتنی دیر میں تو آدمی ایک سگریٹ بھی نہیں پی سکتا۔ کون ہو سکتا ہے اس ہوائی جہاز میں؟ شاید اندرئی دیگتیارینکو ہو اور صبح ہی صبح پٹرولنگ کر رہا ہو۔ وہ ایسی اڑانوں کے وقت دشمنوں سے مڈ بھیڑ کی امید میں اپنا ہوائی جہاز بہت اوپر اڑاتا تھا... دیگتیارینکو... ہوائی جہاز... ساتھی...

الکسئی کے اندر طاقت کا ایک تازہ طوفان اٹھا اور اس نے گڈھے کی برفیلی دیوار کو دیکھا۔ ''میں اس طرح تو کبھی بھی نہیں نکل سکونگا،، اس نے اپنے آپ سے کہا ''لیکن میں یہاں پڑا پڑا موت کا انتظار نہیں کر سکتا!،، اس نے نیام سے خنجر نکالا اور بے جان اور کمزور ضربوں سے برف کو کھودنے اور جمی ہوئی ریت کو ناخنوں سے ہٹانے لگا تا کہ برفیلی دیوار میں پیر جمانے کی جگہیں بن جائیں۔ وہ ریت ہٹاتا رہا یہاں تک کہ اس کے ناخن ٹوٹ گئے اور انگلیوں

سے خون ٹپکنے لگا۔ لیکن وہ انتھک قوت سے اپنا خنجر چلاتا رہا۔ پھر وہ ان چھوٹے چھوٹے گڈھوں میں ھاتھہ اور گھٹنے جماتے ہوئے آخر آہستہ آہستہ اوپر چڑھہ آیا۔ اگر وہ اس کی منڈیر پر چڑھہ کر لڑھک جائے تو اس کی جان بچ جائیگی۔ لیکن اس کے پیر پھسلے اور وہ نیچے آرھا اور اس کا چہرہ برف پر رگڑ کھاتا چلا گیا اور اس سے اسے بڑی تکلیف محسوس ہوئی۔ اس کو بہت زیادہ چوٹ آئی۔ مگر اب تک اس کے کانوں میں ہوائی جہاز کی گھنگھناھٹ تیر رھی تھی۔ وہ پھر اس دیوار پر چڑھا اور پھر پھسل کر نیچے چلا گیا۔ پھر اس نے اپنے بنائے ہوئے طاقوں کو غور سے دیکھا اور ان کو گھرا کرنا شروع کیا۔ اور اوپر والے طاقوں کے کناروں کو اور تیز کیا۔ اور جب یہ کام پورا کر چکا تو اس نے دوبارہ چڑھائی شروع کی۔ ابکے وہ اپنی جواب دیتی ہوئی طاقت کو بڑی احتیاط سے استعمال کر رہا تھا۔

اس نے بےحد مشکل سے خود کو ریت کی منڈیر پر پھینک دیا اور لڑھکتا ہوا زمین پر جا رہا۔ پھر وہ اس سمت میں رینگنے لگا جدھر ہوائی‌جہاز گیا تھا اور جدھر سے سورج برف پر چھائی ہوئی دھند کو مٹا کر جنگل کے پیچھے سے جھانک رہا تھا اور برف کی پرت کو بلور کی چادر کی طرح جگمگا رہا تھا۔

۱۳

لیکن رینگنے میں اسے انتہائی کرب محسوس ہوا۔ اس کے بازو کانپتے اور اس کے جسم کا بوجھہ برداشت کرنے سے انکار کر دیتے۔ کئی بار اس کا چہرہ پگھلتی ہوئی برف سے جا ٹکرایا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زمین کی قوت کشش میں بےپناہ اضافہ ہو گیا ہے اور اس کا مقابلہ کرنا ناممکن ہے۔ الکسئی کا بہت دل چاہ رہا تھا کہ لیٹ جائے اور کم از کم آدھے گھنٹے کو آرام کرلے لیکن آگے بڑھتے رہنے کا عزم آج جنون کی شکل اختیار کر گیا تھا۔ اس لئے وہ رینگتا رہا، رینگتا رہا۔ وہ گرتا، اٹھتا اور پھر رینگتا۔ اس کو اب نہ تو بھوک کا احساس تھا اور نہ درد کا۔ اسے کچھہ سجھائی نہ دیتا۔

اس کو توپوں کی گھن گرج اور مشین گنوں کی تڑتڑ کے سوا کچھہ سنائی نہ دیتا۔

جب اس کے بازوؤں نے سہارا دینے سے انکار کردیا تو اس نے کہنیوں پر رینگنے کی کوشش کی، لیکن یہ بہت مشکل معلوم ہوا۔ اس لئے وہ لیٹ گیا اور اپنی کہنیوں کو کانٹے کے طور پر استعمال کرتے ہوئے وہ لڑھکنے لگا۔ اس نے دیکھا کہ یہ کام تو اس سے ہوسکتا ہے۔ باربار لڑھکنا رینگنے سے زیادہ آسان تھا اور اس میں اتنی تھکن نہیں ہوتی تھی۔ لیکن اس سے اس کا سر چکراتا تھا اور وہ باربار بے ہوش ہو جاتا۔ اس کو بہت زیادہ رکنا پڑتا اور بیٹھہ کر زمین، جنگل اور آسمان کے ناچ کے رکنے کا انتظار کرنا پڑتا۔

جنگل کا گھناپن غائب ہونے لگا اور جگہ جگہ پر کھلے ہوئے حصے نظر آنے لگے جہاں سے درخت کاٹ دئے گئے تھے۔ برف پر جاڑے کی سڑکوں کے نشان ابھر آتے۔ الکسئی اب اس کے بارے میں بالکل نہیں سوچ رہا تھا کہ وہ اپنے لوگوں تک پہنچ سکیگا یا نہیں۔ اس نے پکا ارادہ کرلیا تھا کہ جب تک اس میں سکت باقی ہے وہ اسی طرح لڑھکتا رہےگا۔ جب وہ اس خوفناک تھکن سے بےہوش ہو جاتا جس کی تکلیف سے اس کا ایک ایک کمزور پٹھا دکھہ رہا تھا تو اس کے بازو اور اس کا پورا جسم خود بخود لڑھکنے کا یہ پیچیدہ کام پورا کرتے رہتے اور وہ برف میں لڑھکتا رہتا — توپوں کی گھن گرج کی طرف، پورب کی طرف۔

الکسئی کو یاد نہ تھا کہ اس نے وہ رات کس طرح گزاری تھی یا اگلی صبح اس نے کتنی منزلیں سر کی تھیں۔ ہر چیز نیم خودفراموشی کے اندھیرے میں کھو کر رہ گئی تھی۔ اس کو صرف ان رکاوٹوں کا ایک دھندلا سا خیال تھا جو اس کے راستے میں آئی تھیں — گرے ہوئے چیڑ کے پیڑ کا سنہرا تنا جس سے کہربائی رنگ کا گوند ٹپک رہا تھا، لکڑی کے کندوں کا ایک ڈھیر، برادے اور چھپٹیوں کے ڈھیر جو ہر طرف پڑے ہوئے تھے، ایک درخت کا ٹھنٹھہ جس کی کٹی ہوئی سطح پر ہر سال پیدا ہوجانے والے دائرے نظر آ رہے تھے۔

ایک غیرمعمولی آواز نے اسے اپنی خود فراموشی کی حالت سے

چونکا کر نکال لیا۔ اس کو ہوش آگیا۔ وہ بیٹھ گیا اور اپنے ارد گرد دیکھنے لگا۔ وہ جنگل کے ایک کھلے ہوئے حصے میں تھا، جہاں درخت کاٹ کر گرا دئے گئے تھے، جہاں دھوپ سے جل تھل ہو رہا تھا اور ہر طرف گرے ہوئے درخت اور لکڑی کے کندے بکھرے پڑےتھے۔ دور ایک طرف جلانے والی لکڑیوں کے صاف ستھرے ڈھیر لگے تھے۔ دو پہر کا سورج آکاش میں بلند تھا اور گوند اور گرم گرم صنوبری ٹھنیوں کی بو اور برف کی نمی ہوا میں بسی ہوئی تھی۔ اور اس زمین سے بہت اوپر، جس پر سے اب تک برف پگھلی نہیں تھی، بلندیوں میں ایک چکاوک گارہا تھا اور اس کی پوری روح نغمے میں کھنچ آئی تھی۔

ایک ناقابل بیان خطرے کے احساس سے الکسئی نے جنگل کے اس کھلے قطعے میں چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ یہ قطعہ تازہ تازہ صاف ہوا تھا اور معلوم ہوتا تھا کہ اس کو یوں ہی نہیں چھوڑا گیا ہے۔ درخت حال ہی میں گرائے گئے تھے کیونکہ درختوں کی شاخیں اب تک تازہ اور ہری تھیں، ان کے زخموں سے اب بھی شہد جیسا گوند ٹپک رہا تھا۔ اور ہر طرف بکھری ہوئی چھپٹیوں اور کچی چھال سے تازہ تازہ سی خوشبو اٹھ رہی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اس حصے میں زندہ انسان موجود تھے۔ ممکن ہے کہ جرمن یہاں اپنے مورچوں اور خندقوں کے لئے لکڑی کے کندے جمع کر رہے ہوں؟ اس صورت میں تو اسی میں خیر ہے کہ وہ جلد از جلد یہاں سے رفوچکر ہو جائے۔ اس لئے کہ لکڑہارے کسی آن بھی وہاں آسکتے تھے۔ لیکن اس نے اپنے جسم کو بے جان اور بوجھل اور سخت درد سے جکڑا ہوا محسوس کیا۔ اس میں ہلنے کی سکت بھی باقی نہ رہی۔

کیا میں اسی طرح آگے رینگتا رہوں؟ جنگل میں زندگی گزارنے کے دوران میں اس کے اندر جو ایک خاص حس جاگ گئی تھی اس نے اسے چوکس کر دیا۔ وہ دیکھ نہ سکتا تھا مگر محسوس کر رہا تھا کہ قریب ہی کوئی ہے اور برابر اس کی نگرانی کر رہا ہے۔ وہ کون ہوگا؟ جنگل پر خاموشی چھائی ہوئی تھی، اس کھلے ہوئے قطعے کے اوپر آسمان میں ایک چکاوک گا رہا تھا، کھٹ بڑھئی کی کھٹ کھٹ کی کھوکھلی آواز گونج رہی تھی، سینیتسا چڑیاں گرے ہوئے درختوں کی جھکی جھکی شاخوں میں پھدکتی ہوئی غصے میں

چہک چہک کر ایک دوسرے سے کچھہ کہہ رہی تھیں ۔ لیکن سب کچھہ ہونے کے باوجود الکسئی کے جسم کے ایک ایک تار کو احساس تھا کہ کوئی اس کی کڑی نگرانی کر رہا ہے ۔

ایک شاخ چٹخی ۔ اس نے مڑ کر دیکھا ۔ چیڑ کے نو خیز درختوں کے سرمئی جھنڈ میں، جن کے گھنگھریالے سر ہوا میں جھوم رہے تھے، اسے چند شاخیں ایسی نظر آئیں جن کے جھومنے کا انداز کچھہ اور تھا ۔ وہ دوسری شاخوں کے ساتھہ نہیں ہل رہی تھیں ۔ اور وہاں سے اسے جوش و خروش سے بھری ہوئی دبی سرگوشی کی آواز سنائی دی : انسانوں کی سر گوشی ۔ جس طرح کتے کو دیکھہ کر اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے اسی طرح پھر ایک بار اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے ۔

اس نے جلدی سے اپنی وردی کے گریبان والی جیب سے پستول نکال لیا ۔ پستول پر زنگ لگ چکا تھا اور اس کا گھوڑا چڑھانے کے لئے اسے دونوں ہاتھوں سے کام لینا پڑا ۔ ایسا معلوم ہوا جیسے پستول کے گھوڑے کی آواز سن کر چیڑوں کے پیچھے کوئی چونک گیا ہو ۔ کئی درختوں کے سر زور سے جھوم گئے جیسے کوئی ان سے ٹکرا گیا ہو ۔ لیکن پھر جلد ہی سکون چھا گیا ۔

”یہ ہے کیا، آدمی یا جانور؟“ الکسئی نے اپنے آپ سے پوچھا اور اس کو محسوس ہوا کہ اس نے درختوں کے جھنڈ میں بھی کسی کو یہ پوچھتے ہوئے سنا ”کیا یہ آدمی ہے؟“ کیا یہ اس کا محض وہم تھا یا واقعی اس نے اس جھنڈ کے پیچھے کسی کی روسی بولتی ہوئی آواز سنی تھی؟ ہاں، واقعی روسی! اور چونکہ یہ روسی تھی اس لئے دفعتاً وہ خوشی سے پاگل ہو گیا اور ایک لمحہ یہ سوچے بغیر کہ یہ دوست ہے یا دشمن، اس کے منہ سے بے اختیار خوشی کی چیخ نکل گئی، وہ اچھلا اور اس جگہ کی طرف لپکا جہاں سے آواز آئی تھی اور فوراً ڈھیر ہو گیا، جیسے کسی نے اسے دھکیل کر گرا دیا ہو، اور اس کا پستول برف میں گر گیا...

۱۴

الکسئی اٹھنے کی ایک ناکام کوشش کے بعد گرا اور بے ہوش ہو گیا ۔ لیکن خطرے کا احساس اسے فوراً دوبارہ ہوش میں لے آیا ۔

اس میں کوئی شبہہ نہیں تھا کہ کچھ لوگ چیڑ کے درختوں میں چھپے ہوئے اسے دیکھ رہے تھے اور سرگوشی کر رہے تھے۔

وہ اپنے بازوؤں پر اٹھا۔ اس نے برف پر سے اپنا پستول اٹھایا، اس کو چھپا کر زمین سے قریب رکھا اور ادھر ادھر نگاہیں دوڑانے لگا۔ خطرے نے اس کی خود فراموشی بالکل ختم کر دی تھی۔ اس کا دماغ بالکل ٹھیک ٹھیک ناپ تول کر کام کررہا تھا۔ کون لوگ تھے یہ؟ شاید یہ لکڑھارے تھے جن کو جرمنوں نے یہاں آکر لکڑیاں کاٹنے پر مجبور کر دیا ہوگا؟ شاید وہ روسی ہوں جو اسی کی طرح یہاں گھر گئے ہونگے اور اب وہ جرمن مورچے سے گزر کر اپنے لوگوں تک پہنچنے کی کوشش کررہے ہوں؟ یا شاید آس پاس رہنےوالے کسان ہوں؟ آخر اس نے کسی کو یہ کہتے ہوئے صاف سنا ”آدمی!“

رینگتے رینگتے سن پڑے ہوئے ہاتھہ میں پستول لرز رہا تھا۔ لیکن وہ مرنے مارنے اور آخری تین گولیوں کا اچھا استعمال کرنے کے لئے تیار تھا...

ٹھیک اس وقت درختوں کے جھنڈ کے پیچھے سے ہانپتی ہوئی بچکانی آواز سنائی دی:

”اے! کون ہو تم؟ Fershteh? Doitch؟“ *

ان اجنبی الفاظ نے الکسئی کو ہوشیار کر دیا۔ لیکن بلاشبہہ پکارنےوالا روسی تھا اور بچہ۔

”کیا کر رہے ہو تم یہاں؟“ ایک اور بچکانی آواز نے پوچھا۔

”اور تم کون ہو؟“ الکسئی نے پوچھا اور رک گیا اور اپنی مدھم آواز کی کمزوری پر حیران رہ گیا۔

اس آواز نے درختوں میں ضرور ہیجان پیدا کر دیا ہوگا کیونکہ وہاں جو لوگ بھی تھے، ان میں سر گوشی میں بات چیت کا لمبا سلسلہ شروع ہو گیا، وہ بڑے ہیجان اور جوش و خروش سے بول رہے تھے کیونکہ شاخیں زوروں پر جھوم رہی تھیں۔

”بنو مت! تم ہمیں جل نہیں دے سکتے! میں کوسوں دور سے جرمن کو پہچان سکتا ہوں! کیا تم Doitch ہو؟“

”اور تم کون ہو؟“

---

* جرمن؟ سمجھے؟

''یہ تم کیوں جاننا چاہتے ہو؟ Nicht fershteh '' *

''میں روسی ہوں۔ ''

''تم جما رہے ہو... میں غلط کہوں تو میری آنکھیں پھوٹ جائیں — تم فاشست ہو!''

''میں روسی ہوں، روسی! ہواباز۔ جرمنوں نے مجھے مار گرایا۔''

الکسئی نے اب ساری احتیاط کو خیر باد کہا۔ اس کو یقین آگیا کہ ان درختوں کے پیچھے اس کے اپنے لوگ تھے، سوویت لوگ! ان کو اس پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ یہ قدرتی بات تھی۔ جنگ احتیاط کا سبق پڑھاتی ہے۔ اور جب سے وہ اس سفر پر روانہ ہوا تھا اس کے بعد سے پہلی بار وہ اتنی بری طرح نڈھال ہو گیا۔ اس نے محسوس کیا کہ وہ اپنے ہاتھ پیر بھی نہیں ہلا سکتا، نہ تو وہ ہل سکتا ہے اور نہ اپنی حفاظت کرسکتا ہے۔ اس کے رخساروں کے سیاہ گڈھوں میں آنسو دوڑنے لگے۔

''ذرا دیکھنا وہ تو رو رہا ہے!'' درختوں کے پیچھے سے ایک آواز آئی۔ ''اے سنتے ہو! رو کیوں رہے ہو؟''

''میں روسی ہوں، تمہاری طرح روسی، ہواباز...''

''کس ہوائی اڈے کے ہو؟''

''لیکن تم کون ہو؟''

''تم یہ کیوں جاننا چاہتے ہو؟ جواب دو!''

''مونچالوفسکی ہوائی اڈے کا ہوں۔ تم میری مدد کیوں نہیں کرتے؟ باہر نکل آؤ! لعنت ہو، آخر تم...''

درختوں کے پیچھے اور بھی زیادہ زور شور اور جوش و خروش کے ساتھ پھر صلاح ہوئی۔ الکسئی نے صاف صاف یہ جملے سنے:

''سنا تم نے؟ وہ کہتا ہے کہ وہ مونچالوفسکی ہوائی اڈے سے آیا ہے... شاید وہ سچ ہی کہہ رہا ہے... اور وہ رو رہا ہے...''

پھر ایک پکار سنائی دی ''اے، ہوا باز! اپنا پستول پھینک دو! میں کہتا ہوں گرا دو اسے ہاتھ سے، ورنہ ہم باہر نہیں آئینگے! ہم نودو گیارہ ہو جائینگے!''

الکسئی نے اپنا پستول پھینک دیا۔ درختوں کی شاخیں الگ

---

* نہیں سمجھتا...

ھوئیں اور دو لڑکے، چوکنا چوکس، دو گوریوں کی طرح، جو اڑنے کے لئے پر تول رھی ھوں، بڑی ھوشیاری سے، ھاتھہ میں ھاتھہ ڈالے، الکسئی کے پاس آئے۔ بڑے لڑکے کے ھاتھہ میں، جو دبلا پتلا اور نیلی آنکھوں اور سنہرے بالوں‌والا تھا، ایک کلہاڑی تھی۔ چھوٹے لڑکے کے بال لال تھے اور چہرے پر چھائیاں پڑی ھوئی تھیں، آنکھیں دبائے نہ دبنےوالے تجسس سے چمک رھی تھیں۔ وہ پہلے لڑکے سے ایک قدم پیچھے پیچھے چل رھا تھا اور سر گوشی میں کہہ رھا تھا:

''یہ تو رو رھا ھے۔یہ تو سچ مچ رو رھا ھے۔ ذرا دیکھنا کتنا دبلا ھے یہ۔ ھڈی سے چمڑا لگا ھوا ھے اس کا!''

بڑا لڑکا، جو اب تک کلہاڑی پکڑے ھوئے تھا الکسئی کے پاس پہنچا، اس نے اپنے بھاری بھر کم فیلٹ بوٹ سے پستول کو ٹھوکر مارکر اور بھی دور کردیا — شاید یہ اس کے باپ کے بوٹ تھے — اور بولا:

''تم کہتے ھو ھواباز ھو؟ کیا تمھارے پاس کاغذ ھے؟ ذرا دیکھیں!''

''کون ھے یہاں، ھمارے لوگ یا جرمن؟'' بےاختیار الکسئی نے مسکراتے ھوئے پوچھا۔

''میں کیا جانوں، میں تو یہاں جنگل میں رھتا ھوں! کوئی مجھے اطلاع نہیں پہنچاتا'' بڑے لڑکے نے مدبرانہ شان سے جواب دیا۔

الکسئی کے سامنے اور کوئی چارہ نہ تھا۔ اس نے اپنی وردی کی جیب میں ھاتھہ ڈالا اور اپنا شناختی کارڈ نکالا۔ افسر کے لال کارڈ نے، جس کے اوپر ستارہ ابھرا ھوا تھا، لڑکوں پر جادو کا کام کیا۔ ایسا معلوم ھوا کہ ان کا بچپن، جو جرمنوں کے قبضے میں ان سے چھن گیا تھا، اپنے ایک پیارے ھواباز پر نظر پڑتے ھی دوبارہ انہیں واپس مل گیا۔

''ھاں، ھاں، ھمارے لوگ یہاں ھیں۔ وہ یہاں تین دن سے ھیں۔''

''تم اتنے دبلے کیوں ھو؟''

''...ھمارے لوگوں نے ان کے چھکے چھڑا دئے، ھاں! انہوں نے خوب اچھی طرح خبر لی ان کی! یہاں بڑے زوروں کی لڑائی ھوئی! اور ان کے بہت سے آدمی مارے گئے، ارے بہت سے!''

"...اور کس طرح بھاگے ھیں وہ سر پر پاؤں رکھہ کر! ان کو دیکھہ کر ھنسی آتی تھی۔ ایک تو کٹھوت میں گھوڑا جوت کر چلتا بنا۔ اور دو زخمی تھے۔ دونوں نے ایک گھوڑے کی دم پکڑ لی، تیسرا اس کی پیٹھہ پر بیٹھا، جیسے کوئی نواب ہو! ذرا دیکھتے ان کو!.. انھوں نے تم کو کہاں مار گرایا؟"

تھوڑی دیر تک زبان کی قینچی چلانے کے بعد لڑکوں کو کچھہ کرنے کی دھن ھوئی۔ انھوں نے بتایا کہ وہ پانچ کلومیٹر کی دوری پر رھتے ھیں۔ الکسئی اتنا کمزور ھو گیا تھا کہ وہ آرام کی خاطر چت لیٹنے کی غرض سے کروٹ بھی نہیں بدل سکتا تھا۔ لڑکے برف پر چلنے والی گاڑی "لکڑیوں کے جرمن کیمپ" (وہ اس کھلی ھوئی جگہ کو اسی نام سے یاد کرتے تھے) سے لکڑی لاد کر لےجانے کے لئے لائے تھے۔ یہ گاڑی الکسئی کے لئے بہت چھوٹی تھی۔ اور دوسرے، وہ ان لڑکوں کے لئے بہت زیادہ بھاری ثابت ھوتا اور وہ اس کو جمی ھوئی برف پر گھسیٹ کر نہیں لےجا سکتے تھے۔ بڑے لڑکے نے، جس کا نام سیریونکا تھا، اپنے بھائی فیدکا سے کہا تم سرپٹ دوڑتے ھوئے گاؤں جاؤ اور میں یہاں رہ کر جرمنوں سے الکسئی کی حفاظت کرونگا۔ اس نے کہا تو سہی مگر وہ دل میں اس پر پورا اعتماد نہیں کر پا رھا تھا۔ "کون جانے" اس نے اپنے آپ سے کہا "یہ فاشست بڑے عیار ھیں — یہ تو مزے میں مردے کا سوانگ بھی رچالیں اور سوویت کاغذات بھی اڑا لائیں..." رفتہ رفتہ اس کے اندیشے مٹ گئے اور وہ بڑے دھڑلے سے کھل کر بات کرنے لگا۔

الکسئی چیڑ کی ٹہنیوں پر لیٹا اونگھہ رھا تھا۔ اس کی آنکھیں نیم وا تھیں۔ اور وہ کھویا کھویا لڑکے کی ٹرٹر سن رھا تھا۔ صرف چند بےربط الفاظ آرام‌دہ سکون اور غنودگی کی دھند کو چیر کر اس کے دماغ تک پہنچ سکے جو اس کے پورے جسم پر فوراً ھی چھا گئی تھی۔ اس کے بالکل پلے نہیں پڑ رھا تھا کہ ان الفاظ کا مطلب کیا ھے، پھر بھی اپنی مادری زبان کی آواز سے اسے انتہائی راحت حاصل ھو رھی تھی۔ ھاں صرف بعد میں اسے اس بپتا کا حال معلوم ھوا جو پلاونی گاؤں کے لوگوں پر پڑی تھی۔

اکتوبر ہی میں جرمن اس جنگل اور جھیل کے علاقوں میں آگئے تھے جبکہ برچ کے پیڑ اپنے پیلے پتوں سمیت دھک رہے تھے اور جب اوسینا کے درخت بےچین سرخ آگ میں جلتے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ پلاونی کے بالکل آس پاس کسی قسم کی لڑائی نہیں ہوئی تھی۔ گاؤں سے کوئی تیس کلومیٹر پرے پچھم میں، جرمنوں نے اپنے ٹینکوں کے ایک زبردست دستے کی سرکردگی میں ایک سوویت دستے کا قصہ پاک کیا جس نے جلدی جلدی تیار کئے ہوئے دفاعی مورچہ پر قدم جمائے تھے۔ جرمن پلاونی کے پاس سے کتراتے ہوئے گزرے جو سڑک سے دور ایک جھیل کے کنارے چھپا ہوا تھا۔ پھر جرمن پورب کی طرف آگے بڑھ گئے۔ ان کو بڑے ریلوے جنکشن بولوگوئے پہنچنے اور اس پر قبضہ کرنے کی جلدی تھی تاکہ وہ مغربی اور شمال مغربی مورچوں کو کاٹ کے الگ کر دیں۔ یہاں، شہر سے دور مضافات میں، پورے موسم گرما اور موسم خزاں میں، کالینن علاقے کے لوگوں — شہر کے باسیوں، کسانوں، عورتوں، بوڑھوں اور بچوں — غرض ہر عمر اور ہر پیشے کے لوگوں نے دن رات ایک کرکے موسلا دھار بارش میں، گرمی میں، دلدل کی سیلن، مچھروں اور خراب پانی کی مصیبتیں برداشت کرتے ہوئے دفاعی مورچے بنائے۔ مورچہ بندی جنوب سے شمال کی طرف سینکڑوں کلومیٹر تک جنگلوں اور دلدلوں کے درمیان، جھیلوں کے ساتھ ساتھ چھوٹے چھوٹے نالوں اور چشموں کے کنارے کنارے دوڑتی چلی گئی تھی۔

مورچہ بنانے والوں کو بہت دکھ جھیلنے پڑے لیکن ان کی محنت رائگاں نہ گئی۔ جرمنوں نے اپنے جوش میں ان میں سے چند مورچوں کو ضرور توڑ دیا مگر آخری مورچے پر انہیں رکنا پڑا۔ لڑائی نے مورچہ‌بندی کی لڑائی کی شکل اختیار کرلی۔ جرمن بولوگوئے پہنچنے میں ناکام رہے۔ ان کو اپنے حملے کا بوجھ اور دکھن کی طرف کھسکانا پڑا اور اس علاقے میں پہنچ کر انہیں دفاعی لڑائی لڑنی پڑی۔

پلاونی کے کسانوں نے عام طور پر اپنی ریت اور مٹی بھری زمین پر اگنے والی معمولی فصل میں جنگل کی جھیلوں سے نکالی ہوئی مچھلیوں کا اضافہ کیا کرتے اور وہ ابھی سے اس پر خوشی منانے لگے تھے کہ جنگ ان کا بال بیکا کئے بغیر ان کے پاس سے گزر گئی تھی۔

وہ جرمنوں کے حکم کی تعمیل میں اپنی پنچائتی فارم کے صدر کو گاؤں کا مکھیا کہنے لگے مگر حقیقت میں انہوں نے پنچائتی فارم کی حیثیت قائم رکھی۔ اور اس امید میں رہے کہ یہ فاشست ہمیشہ سوویت سرزمین کو پامال نہیں کرتے رہینگے، وہ اپنی اس دور افتادہ پناہ‌گاہ میں آرام و سکون سے زندگی گزار سکینگے اور یہ طوفان ان کے سر پر سے گزر جائیگا۔ لیکن سرمئی وردیوں والے جرمنوں کے پیچھے پیچھے کالی وردیوں والے جرمن آئے جن کی ٹوپیوں پر کھوپڑی اور ھڈیوں کی صلیبیں بنی ھوئی تھیں۔ پلاونی کے باشندوں کو حکم ھوا کہ وہ چوبیس گھنٹے کے اندر جرمنی میں مستقل کام کرنے کے لئے پندرہ والنٹیر مہیا کریں ورنہ انہیں عبرت ناک سزا دی جائیگی۔ والنٹیروں کو گاؤں کے کنارے پنچائتی فارم اور مچھلیوں کے گودام والی عمارت میں جمع ھونا تھا۔ ان سے کہا گیا تھا کہ ہر آدمی اپنے ساتھہ کپڑوں کا ایک جوڑا، ایک چمچہ، ایک چاقو، ایک کانٹا لائے اور دس دن کی خوراک۔ لیکن کوئی بھی وقت مقررہ پر نہیں پہنچا۔ یہ ماننا پڑیگا کہ کالی وردیوں والے جرمنوں نے تجربے سے سیکھہ لیا تھا اور ان کو زیادہ امید نہیں تھی کہ کوئی بھی آئیگا۔ گاؤں کو سبق دینے کے لئے انہوں نے پنچائتی فارم کے صدر، یعنی گاؤں کے مکھیا کو، کنڈر گارٹن کی بوڑھی میٹرن ویرونیکا گریگوریونا کو، پنچائتی فارم کی دو ٹولیوں کے سرداروں کو اور دس اور کسانوں کو جن پر وہ ھاتھہ ڈال سکے پکڑ لیا اور ان کو گولیوں سے اڑا دیا۔ انہوں نے حکم دیا کہ ان کی لاشیں دفن نہ کی جائیں اور کہا کہ اگر اگلے دن اسی مقررہ جگہ پر والنٹیر حاضر نہ ھوئے تو سارے گاؤں کا یہی حشر ھوگا۔

پھر بھی کوئی نہ آیا۔ اگلی صبح جب SS Sonderkommando کے جرمنوں نے گاؤں کی چھان بین کی تو ان کو ہر گھر ویران اور بھائیں بھائیں کرتا نظر آیا۔ کوئی بھی اپنی جگہ پر نہیں تھا، نہ ایک بوڑھا، نہ جوان۔ لوگ اپنا گھر بار، اپنی زمین، اپنا سارا سامان جو انہوں نے برسوں میں جمع کیا تھا، تقریباً اپنے سارے مویشی، اپنا سب کچھہ چھوڑ کر راتوں رات، گہری دھند میں چھپتے چھپاتے، جو ان علاقوں میں چھائی رہتی ہے، غائب ھو گئے اور اس طرح غائب ھوئے کہ ہزار ڈھونڈے ان کا کوئی نشان اور کوئی سراغ

نہ ملا۔ پورا گاؤں، ایک ایک آدمی، جنگل کے اندر اٹھارہ کلومیٹر دور گھنے حصے میں جابسا۔ رہنے کے لئے خندقیں بنا کر مرد تو چھاپہ ماروں سے جاملے اور عورتیں اپنے بچوں کے ساتھ یہاں رہ کر موسم بہار کا انتظار کرنے لگیں۔ کالی وردیوں والے جرمن فوجیوں نے سارا گاؤں جلا کر راکھ کر دیا، جیسا کہ انہوں نے اس علاقے کے اکثر گاؤوں کے ساتھ کیا تھا۔ اس کو وہ مردہ علاقہ کہتے تھے۔

''...میرے ابا پنچائتی فارم کے صدر تھے، جرمن ان کو مکھیا کہتے تھے،، سیریونکا نے کہا اور اس کے یہ الفاظ الکسئی کے دماغ میں اتر گئے، جیسے وہ یہ آواز دیوار کی دوسری طرف سے سن رہا ہو۔ ''انہوں نے ابا کو مار ڈالا۔ میرے بڑے بھائی کو بھی مار ڈالا۔ وہ اپاہج تھے۔ ان کے صرف ایک ہاتھ تھا۔ ان کا ہاتھ کھلیان میں غلہ گاہتے ہوئے کچل کر رہ گیا تھا۔ اسے کاٹنا پڑا۔ انہوں نے سولہ آدمیوں کو مار ڈالا... میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ جرمنوں نے ہم سب کو یہ تماشا دیکھنے پر مجبور کیا۔ میرے ابا نے غصے میں للکار کر کہا ''بدمعاشو، تم اس کا خمیازہ بھگتو گے! تم اپنے ان کرتوتوں پر خون کے آنسو روؤ گے!،،

الکسئی نے بڑی بڑی غم‌زدہ اور تھکی ہوئی آنکھوں اور سنہرے بالوں‌والے اس لڑکے کو دیکھتے ہوئے اپنے اندر ایک عجیب سی سنسنی محسوس کی۔ اسے محسوس ہوا کہ وہ گہری دھند میں تیر رہا ہے۔ ایک ناقابل شکست تھکن نے اس کے پورے جسم کو آدبوچا جو غیر انسانی بوجھ اور تکلیف برداشت کرتا رہا تھا۔ وہ ایک انگلی بھی نہ ہلا سکتا تھا اور اسے اب یقین بھی نہ آسکتا تھا کہ صرف دو گھنٹے قبل وہ آگے بڑھ رہا تھا۔

''تو تم جنگل میں رہتے ہو؟،، اس نے خود کو نیند کے چنگل سے بمشکل چھڑاتے ہوئے لڑکے سے پوچھا۔ اس کی آواز اتنی مدھم تھی کہ اسے سننا بھی مشکل تھا۔

''ہاں، بےشک! ہاں اب ہم تین ہیں۔ فیدکا، ماں اور میں۔ میری ایک بہن تھی۔ نیوشکا نام تھا اس کا۔ وہ جاڑے میں مر گئی۔ وہ سر سے پاؤں تک پھول گئی اور مر گئی۔ اور میرا منا بھائی...

ہاں وہ بھی مر گیا۔ سو اب ہم تین ہیں... جرمن واپس تو نہیں آئینگے، ہیں؟ کیا خیال ہے تمہارا؟ میرے نانا اب صدر ہیں۔ وہ کہتے ہیں ''اب جرمن نہیں آئینگے۔ کہیں مردے بھی قبر سے واپس آتے ہیں۔،، لیکن ماں ڈرتی ہے۔ وہ بھا گ جانا چاہتی ہے۔ وہ کہتی ہے شاید وہ پھر واپس آجائیں... دیکھو وہ رہے، نانا اور فیدکا۔،،

اس کھلی جگہ کے کنارے پر کھڑا فیدکا، الکسئی کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ گول شانوں والا لمبا بڈھا تھا۔ وہ گھر کا بنا ہوا، بھورے رنگ کا چیتھڑے چیتھڑے کوٹ پہنے ہوئے تھا جو کمر پر ایک رسی سے کسا ہوا تھا۔ اس کے سر پر جرمن افسروں والی اونچی ٹوپی تھی۔

لڑکوں کے قول کے مطابق یہ تھے نانا میخائل۔ اس کا چہرہ سنٹ نکولاس کی طرح تھا جس سے مہر و محبت کا نور چھن رہا تھا۔ ایسا ہی نور گاؤں میں دیوتاؤں کی سادہ تصویروں سے جھلکتا ہے — بچے جیسی صاف شفاف، روشن روشن آنکھیں اور نرم نرم سی، پتلی پتلی آب رواں سی داڑھی، جو چاندی جیسی سفید تھی۔ اس نے الکسئی کو بھیڑ کی کھال کے ایک پرانے کوٹ میں لپیٹا، جو رنگ برنگے پیوندوں سے پٹا ہوا تھا اور جب اس نے اس کا ہلکا اور مضمحل جسم اٹھایا اور لپیٹا تو بھولپن بھرے تعجب کے ساتھ بڑبڑایا:

''بیچارا، بیچارا لڑکا! ارے، تم تو گھل کر کانٹا ہو گئے ہو! خدا کی پناہ، تم تو ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گئے ہو اور بس! اوہ یہ لڑائی لوگوں پر کیا کیا ستم توڑ رہی ہے! کیسا عذاب ہے یہ!،،

اس نے بڑی احتیاط اور نرمی سے الکسئی کو برف والی گاڑی میں ڈالا جیسے وہ کوئی نوزائیدہ بالک ہو۔ اس کو ایک رسی سے باندھا، ایک لمحے کو سوچا، اپنا کوٹ اتارا، اس کو لپیٹا اور الکسئی کے سر کے نیچے رکھ دیا۔ تب وہ گاڑی کے آگے گیا اور ٹاٹ سے بنا ہوا جوا اپنی گردن پر رکھا اور دونوں لڑکوں کو ایک ایک رسہ پکڑاتے ہوئے بولا ''اللہ ہمارا نگہبان!،، ان تینوں نے پگھلتی ہوئی برف پر گاڑی کو کھینچنا شروع کیا۔ برف گاڑی کی نچلی پٹریوں سے چمٹ جاتی، چرمراتی اور ان کے پیروں تلے دھنس دھنس جاتی۔

۱۵

اگلے دو تین دن تک، الکسئی کو محسوس ہوا جیسے وہ ایک گہری اور گرم دھند میں لپٹا ہواھو جس میں سے اسے اپنے ارد گرد ہونے والی باتوں کی دھندلی دھندلی تصویر نظر آ رہی تھی۔ حقیقت ہذیانی وہم و خیال میں مدغم ہو رہی تھی اور کہیں بہت دیر بعد اسے اتنا ہوش آیا کہ وہ حقیقی واقعات کو الگ الگ کرکے دیکھه سکے۔

پناہ گزیں اس گھنے جنگل میں رہتے تھے۔ ان کی خندقیں جن پر چیڑ کی شاخوں کے چھپر پڑے ہوئے تھے، اب تک برف سے ڈھکی ہوئی تھیں اور ان کا کھوج لگانا مشکل تھا۔ ان میں سے جو دھواں نکلتا تھا، سیدھے زمین سے نکلتا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ جس دن الکسئی وہاں پہنچا تھا فضا میں سکون اور شادابی تھی۔ دھواں کائی میں ٹھہرتا اور درختوں میں پیچ وخم کھاتا تو الکسئی کو لگتا کہ یہ جگہ جنگل کی بجھتی ہوئی آگ سے گھری ہوئی ھے۔

سبھی لوگ — زیادہ تر عورتیں اور بچے اور چند بوڑھے — جب انہوں نے سنا کہ میخائل ایک سوویت ہوا باز کو یہاں لانے والا ھے، جو یہاں نہ جانے کس طرح چلا آیا تھا، اور جو بقول فیدکا ''بس ھڈیوں کا ڈھانچہ،، معلوم ہوتا تھا، تو سب کے سب اس کا سواگت کرنے کو دوڑ پڑے۔ جب درختوں کے جھرمٹ سے ''تروئیکا،، نظر آئی تو عورتیں اس کی طرف دوڑیں اور ان بچوں کو بھگاتے ہوئے، جو آگے پیچھے دوڑ رہے تھے، خود گاڑی کے چاروں طرف گھیرا ڈال کر کھڑی ہو گئیں۔ پھر روتی اور بسورتی ہوئی اس کے ساتھه ساتھه اسی طرح خندقوں تک گئیں۔ وہ سب چیتھڑوں میں تھیں اور سب کی سب یکساں بوڑھی معلوم ہوتی تھیں۔ دھوئیں اور چولھے کی کالک نے خندقوں میں ان کے چہروں کو سنولا دیا تھا اور جوان عورتوں کو محض ان کی جگمگاتی ہوئی آنکھوں اور دانتوں سے جو سیاہ چہروں میں خوب چمکتے تھے، پہچانا جا سکتا تھا۔

''عورتو! اوہ عورتو! آخر تم لوگوں نے یہاں میلہ کیوں لگا رکھا ھے؟ یہ کوئی تماشا تو ھے نہیں!،، نانا میخائل نے زور لگاکر جوئے کو کھینچتے ہوئے غصے میں کہا ''خدا کے لئے راستے

سے ہٹ جاؤ! خدا کی پناہ، تم بالکل بھیڑوں کا گلہ معلوم ہوتی ہو! دھت تیری!،،

عورتوں کے ہجوم سے الکسئی نے یہ آوازیں سنیں:

''ہائے کتنا دبلا ہے دکھیا! بالکل ہڈیوں کا ڈھانچہ ہے۔ یہ تو ہلتا ڈولتا بھی نہیں۔ کیا زندہ ہے؟،،

''بےہوش ہے۔ کیا ہوا ہے اسے؟ اوہ کیسا گھل گیا ہے، کیسا کانٹا ہے بیچارا!،،

اور تب حیرت کے فقرے ختم ہو گئے۔ ان عورتوں پر ان انجانے اور خوفناک تجربوں کے خیال سے بہت اثر ہوا جن سے ہوا باز گزرا تھا۔ ادھر گاڑی خندقوں میں چھپے ہوئے گاؤں کے قریب آ رہی تھی اور ادھر ان میں آپس میں ایک بحث چھڑ گئی تھی کہ آخر الکسئی کس کی خندق میں جائے۔

''میری خندق سوکھی ہے— ریت ہر طرف ریت، اور وہاں ہوا بھی خوب آتی ہے... اور میرے پاس ایک چولھا بھی ہے،، بوٹے سے قد اور ہنستی چہکتی آنکھوں اور گول چہرے والی ایک عورت نے کہا، اور اس کے دیدوں کی سفیدی نوجوان حبشی کی آنکھوں کی طرح چمک رہی تھی۔

''چولھا! لیکن تم سب کتنے ہو وہاں؟ وہاں کی بو ہی تمھیں دوسری دنیا کی سیر کرانے کو کافی ہے! اس کو میری جگہ رکھو میخائل۔ میرے تین بیٹے سوویت فوج میں ہیں اور میرے پاس کچھہ آٹا بچا ہوا ہے۔ میں اس کے لئے اچھی سی نان بناؤنگی!،،

''نہیں، نہیں! اس کو میرے ہاں رکھو۔ میرے پاس بہت جگہ ہے۔ ہم صرف دو آدمی ہیں اور ہمارے پاس بہت ساری جگہ ہے۔ تم اپنی نان وہیں لا کردے دینا۔ وہ کہیں بھی کھائے اس سے اس کے لئے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کسیوشا اور میں اس کی پوری دیکھہ بھال کرینگے، تم بےفکر رہو۔ میرے پاس کچھہ ٹھنڈی مچھلی اور سانپ کی چھتریاں ہیں... میں اس کے لئے مچھلی اور سانپ کی چھتریوں کا شوربہ پکاؤنگی...،،

''بھلا مچھلی سے اس کو کیا فائدہ ہوگا جبکہ وہ قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہے؟ اس کو میرے یہاں لے آؤ، نانا جان، ہمارے پاس گائے ہے اور ہم اس کو دودھہ دینگے پینے کو!،،

لیکن میخائل گاڑی کو کھینچتے ہوئے اپنی خندق کے پاس گیا جو اس ''زمیں دوز،، گاؤں کے بیچ میں تھی۔

...الکسئی کو یاد تھا کہ وہ زمین کے اندر ایک چھوٹی سی اندھیری خندق میں ایک تخت پر لیٹا ہوا تھا اور ایک مشعل دیوار پر گڑی ہوئی، دھواں دھواں سی روشنی دے رہی تھی اور اس کی چنگاریاں ہوا میں بھڑک رہی تھیں۔ اس روشنی میں اس نے ایک میز دیکھی جو جرمن مائن کے لکڑی کے تختوں سے بنائی گئی تھی۔ میز لکڑی کے ایک کھونٹے کے سہارے کھڑی تھی جو زمین میں ٹھکا ہوا تھا، آرے سے کٹے ہوئے کئی کندے میز کے چاروں طرف رکھے تھے جو تپائیوں کا کام دیتے تھے۔ ایک نازک سا پیکر، سر پر سیاہ رومال باندھے اور بوڑھی عورت کا لباس پہنے میز پر جھکا نظر آ رہا تھا — یہ تھی واروارا، نانا میخائل کی سب سے چھوٹی بہو۔ ساتھ ہی اسے میخائل کا سر بھی، اپنی پتلی پتلی سفیدی مائل لٹوں کے ساتھ نظر آتا۔

الکسئی پیال کے ایک دھاری دار گدے پر پڑا ہوا تھا۔ وہ اب تک بھیڑ کی کھال کے رنگا رنگ پیوندوں والے کوٹ سے ڈھکا ہوا تھا جس سے ایک خوشگوار، کھٹاس بھری، گھریلو بو نکل رہی تھی... اگرچہ اس کا بدن ٹوٹ اور دکھ رہا تھا، جیسے اسے سنگسار کیا گیا ہو، اور پیر جل رہے تھے جیسے ان پر گرم اینٹیں رکھ دی گئی ہوں، پھر بھی اس طرح پڑے رہنا اور یہ محسوس کرنا کہ وہ محفوظ ہے اس کے لئے بہت خوشگوار تھا۔ اس احساس میں بڑی راحت تھی کہ اسے اب اپنی جگہ سے ہلنے کی ضرورت نہیں، یا سوچنے یا ہر وقت چوکس اور چوکنا رہنے کی ضرورت نہیں۔

کونے میں چولھے سے دھواں سرمئی لچھوں اور پرپیچ تہوں کے ساتھ چھت تک اٹھتا چلا جاتا اور الکسئی کو لگتا کہ صرف یہ دھواں ہی نہیں بلکہ میز، نانا میخائل کا چاندی جیسا چمکتا ہوا سر، جو ہر وقت کسی نہ کسی ادھیڑبن میں مصروف رہتا تھا اور واروارا کا کومل جسم بھی ہوا میں تیر رہے ہیں، جھوم رہے ہیں اور پگھل رہے ہیں۔ اس نے آنکھیں بند کرلیں۔ جب ٹاٹ کے لگے ہوئے دروازے سے ٹھنڈی ہوا کا جھونکا آیا تو اس نے آنکھیں کھول دیں۔ میز کے پاس ایک عورت کھڑی تھی۔ اس نے اپنا تھیلا میز پر رکھ دیا تھا۔

اس کے ھاتھہ تھیلے پر دھرے ھوئے تھے جیسے سوچ رھی ھو کہ کیوں نہ وہ اسے واپس اٹھا لے ۔ اس نے ٹھنڈی سانس لی اور واروارا سے بولی :

''لو یہ کچھہ سوجی ھے جو لڑائی سے پہلے ھی سے پڑی ھے ۔ میں اسے اپنے کوستیونکا کے لئے بچا بچا کر رکھہ رھی تھی ۔ لیکن اب اس کو کسی چیز کی ضرورت نہیں ۔ لو اس میں سے کچھہ پکا کر اپنے مہمان کو کھلاؤ ۔ یہ بچوں کے لئے ھے اور اسی کی اس وقت اسے ضرورت ھے ۔''

وہ مڑی اور خندق میں ھر شخص کو اپنے غم سے متاثر چھوڑ گئی ۔ کوئی اور پالے میں جمائی ھوئی ٹھنڈی مچھلی بریم لے آیا، کوئی چولھے کے پتھر پر سنکی ھوئی نان لایا اور اس طرح پوری خندق تازہ روٹی کی ترش اور گرم خوشبو سے بس گئی ۔

سیریونکا اور فیدکا آئے ۔ سیریونکا نے کسان کی سی گمبھیرتا سے ٹوپی اتارتے ھوئے کہا ''آداب'' اور میز پر شکر کے دو ٹکڑے رکھے جن پر بھوسا اور تمباکو کے ریزے لگے ھوئے تھے ۔

''یہ ماں نے بھیجی ھے ۔ تمہارے لئے شکر بہت اچھی ھے ۔ کھاؤ ۔'' اور اس نے نانا میخائل کی طرف مڑتے بہت ھی کاروباری انداز میں کہا ''ھم پھر جلے ھوئے گاؤں گئے تھے ۔ ھمیں لوھے کا ایک برتن، دو کدالیاں، جو قریب قریب بالکل اچھی حالت میں ھیں، اور ایک کلھاڑی ملی ۔ یہ چیزیں کام آ سکتی ھیں ۔''

اسی اثنا میں فیدکا اپنے بھائی کے پیچھے کھڑا للچائی ھوئی نظروں سے شکر کے ٹکڑوں کو دیکھتا رھا اور کافی زور زور سے تھوک گھونٹتا رھا ۔

بعد میں، جب الکسئی نے ان سب باتوں پر غور کیا تو اسے ان تحفوں کی قدر و قیمت کا پورا اندازہ ھوا جو گاؤں میں اسے دئے گئے تھے — اس گاؤں میں جس کی ایک تہائی آبادی، جاڑے میں فاقے سے تڑپ تڑپ کر مر گئی تھی، جہاں ایک خاندان بھی ایسا نہ تھا جسے اپنے دو ایک جگر پاروں کو رونا نہ پڑا ھو ۔

''اوہ، عورتو، عورتو، تم بے بہا دولت ھو ! سنا تم نے، الکسئی، میں کیا کہہ رھا ھوں؟ میں کہتا ھوں روسی عورت ایک بے بہا دولت ھے ۔ بس ذرا سا اس کے دل کو چھونے کی ضرورت ھے اور وہ

اپنی آخری دولت بھی تم پر نچھاور کردیگی، ضرورت پڑے تو اپنا سر بھی تمہاری نذر کر دیگی۔ کیا خوب ہوتی ہیں ہماری عورتیں۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟،، نانا میخائل الکسئی کے لئے تحفے قبول کرتے جاتے اور اس طرح کی باتیں کہتے جاتے اور پھر اپنے کام میں جٹ جاتے جس سے ان کا ہاتھ ہمیشہ بھرا رہتا تھا — لگام، گھوڑے کے جوئے یا پھٹے پرانے فیلٹ بوٹ کی مرمت کرتے رہتے۔ ''اور کام میں بھی ہماری عورتیں ہم سے پیچھے نہیں ہیں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ وہ ہم سے دو قدم آگے ہی ہیں! بس مجھے جو چیز پسند نہیں وہ ان کی زبان ہے! یہ میری جان لے کر رہینگی، میں کہتا ہوں یہ عورتیں میری جان لے کر رہینگی! جب میری انیسیا چل بسی تو میں نے دل میں سوچا 'اللہ تیرا شکر ہے، اب مجھے ذرا سکون نصیب ہوگا!'، لیکن دیکھو خدا نے مجھے اس کی سزا دی۔ ہمارے سارے مرد جو فوج میں نہ جا سکے، جرمنوں سے لڑنے کے لئے چھاپہ ماروں میں شامل ہو گئے اور میں اپنے گناہ کی سزا بھگتنے کے لئے عورتوں کا سردار بنا دیا گیا — جیسے ایک جنگلی بکرا بھیڑوں کے گلے میں آن پھنسا ہو... یہ کام بڑا کٹھن ہے، کہتا ہوں میں!،،

الکسئی کو جنگل کی اس انسانی آبادی میں بہت سی ایسی باتیں نظر آئیں جن پر اسے بڑی حیرانی ہوئی۔ جرمنوں نے پلاونی کے رہنے والوں سے ان کے گھر، ان کا ساز و سامان، ان کی کھیتی باڑی کا سامان، مویشی، گھر کے برتن اور کپڑے، ہر چیز چھین لی تھی، جو کئی پشتوں کی محنت سے انہیں حاصل ہوئی تھی اور اب لوگ اس جنگل میں انتہائی دکھ کے دن کاٹ رہے تھے۔ ہمیشہ انہیں یہ خطرہ ستاتا رہتا کہ جرمن ان کی مہک نہ پالیں۔ وہ بھوکے رہتے اور ٹھنڈ میں ٹھٹھرتے۔ لیکن پنچائتی فارم تباہ نہ ہوا۔ اس کے برعکس جنگ کی بلائے ناگہانی نے ان کو اور بھی مضبوطی سے متحد کر دیا تھا۔ وہ ایک ساتھ مل کر خندقیں کھودتے اور ان زمیں دوز گھروں میں مل جل کر رہتے۔ وہ یہ کام بےترتیبی سے نہیں کرتے تھے بلکہ وہ اپنی اپنی ٹولیوں کے اعتبار سے رہتے تھے، جو انہوں نے فارم میں بنائی تھیں۔ جب نانا میخائل کے داماد کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تو انہوں نے پنچائتی فارم کے صدر کے فرائض سنبھال لئے اور جنگل میں وہ پنچائتی فارم کے تمام رسم و رواج پر ایک مقدس

فریضے کی طرح عمل کرتے رہے ۔ اور اب، ان کی رهنمائی میں، جنگل کی اس گھنی پہنائی میں، خندقوں کا یه گاؤں، بریگیڈوں اور ٹیموں کی شکل میں موسم بہار کا سواگت کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا ۔

سب فاقه کر رہے تھے، پھر بھی کسان عورتیں اپنا سارا غله لے کر مشترکه خندق میں جمع هو گئیں ۔ یه وہ غله تھا جو انہوں نے اپنے گاؤں سے بھاگتے بھاگتے بچا لیا تھا — اب اس کا ایک ایک دانه یہاں جمع کر دیا گیا تھا ۔ ان بچھڑوں کا سب سے زیادہ خیال کیا جاتا جن کو جرمن بدمعاشوں کی دست برد سے بچ جانے والی گایوں نے جنم دیا تھا ۔ یه لوگ فاقه کرتے لیکن پنچائتی ملکیت کو، مویشیوں کو ذبح نه کرتے ۔ سر ہتیلی پر رکھه کر گاؤں کے چھوکرے جلے ہوئے گاؤں میں جاتے اور راکھه کے ڈھیروں کو الٹ پلٹ کر، هل کے پھل نکالتے جو تپ کر نیلے پڑ گئے تھے ۔ یه هل کے پھل وہ اپنے زمیں دوز گاؤں لاتے اور ان میں سے جو سب سے زیادہ قابل استعمال ہوتے ان کو لکڑی کے دستوں میں لگاتے ۔ عورتوں نے بوروں سے جوئے بنائے تاکه موسم بہار میں ان کی مدد سے گایوں کو هلوں میں جوتا جا سکے ۔ عورتوں کی ٹولیوں نے جھیل میں مچھلیاں پکڑنے کے لئے باری بنا لی تھی اور اس طرح انہوں نے جاڑے بھر سارے گاؤں کے لئے خوراک مہیا کی تھی ۔

اگرچه نانا میخائل ''اپنی عورتوں،، پر غراتے اور بڑبڑاتے رہتے تھے اور اس وقت اپنے کانوں پر هاتھه رکھه لیتے تھے جب وہ اس کی خندق میں پنچائتی فارم سے کسی مسئلے کے متعلق لمبے لمبے اور گرم گرم جھگڑے چکانے لگتیں، جن کے اور چھور کا الکسئی کو کوئی پته نه چلتا — جب اس کے صبر کا پیمانه چھلک پڑتا تو وہ اپنی تیز باریک آواز میں ان پر برس پڑتا، پھر بھی ساری باتیں سننے والے مہمان کی خاموشی کا فائدہ اٹھا کر وہ ''عورتوں کی امت،، کے گن گاتا اور زمین اور آسمان کے قلابے ملا دیتا ۔

''لیکن دیکھنا بات کیا ہے، الکسئی،، وہ کہتا ''عورت هر چیز کو دونوں هاتھوں سے دبوچ کر پکڑتی ہے ۔ کیا میں صحیح نہیں کہه رہا هوں؟ وہ ایسا کیوں کرتی ہے؟ اس لئے که عورت کنجوس هوتی ہے؟ ذرا بھی نہیں ! وہ ایسا اس لئے کرتی ہے که یه چیز اسے عزیز ہے ۔ وهی بچوں کو کھلاتی پلاتی ہے ۔ چاہے

تم جو بھی کہو وہی گھر کا کاروبار چلاتی ہے۔ اب سنو ذرا یہاں کیا ہوا۔ تم خود ہی دیکھ سکتے ہو ہم یہاں کس طرح کی زندگی گزار رہے ہیں۔ ہم ایک ایک ریزے کو گنتے ہیں۔ ہاں، ہم فاقہ کر رہے ہیں۔ لیکن یہ قصہ جنوری کا ہے۔ چھاپہ ماروں کا ایک گروہ یکایک یہاں آگیا۔ نہیں وہ ہمارے آدمی نہیں تھے۔ ہم نے سنا ہے ہمارے آدمی تو کہیں اولینن کے قریب لڑ رہے ہیں۔ یہ لوگ ہمارے لئے اجنبی تھے۔ یہ ریلوے کے چھاپہ مار تھے۔ یہ لوگ ہمارے پاس آئے اور بولے 'ہم بھوکے مر رہے ہیں۔، اب بتاؤ تم کیا کہتے ہو؟ اگلے دن ان عورتوں نے ان لوگوں کے تھیلے خوراک سے بھر دئیے، اور کب جب ان کے بچے بالے بھوک سے پھول پھول کر جان دے رہے تھے۔ آئیں؟ میں ٹھیک ہی کہہ رہا ہوں نا؟ ہاں میں ٹھیک ہی کہہ رہا ہوں۔ اگر میں کوئی بڑا کمانڈر ہوتا تو جرمنوں کو مار بھگانے کے بعد اپنی تمام بہترین فوجوں کو ایک عورت کے سامنے قطار اندر قطار کھڑا کراتا اور ان کو حکم دیتا کہ مارچ کرو اور اس روسی عورت کو سلامی دو۔ میں تو یہی کرتا!..،،

بڈھے کی باتیں الکسئی پر لوری کا اثر کرتیں اور وہ اکثر ایسے وقت جب اس کی زبان طوفان میل کی رفتار سے چلتی رہتی، نیند کی ایک دو جھپکیاں لے لیتا۔ لیکن کبھی کبھی اس کا جی چاہتا کہ اپنی جیب سے خط اور لڑکی کی تصویر نکالے اور اسے دکھائے لیکن اس میں تو جنبش کی بالکل سکت نہ تھی۔ لیکن جب نانا میخائل اپنی عورتوں کے گن گاتے تو الکسئی کو لگتا کہ وہ اپنی وردی کے کرتے میں سے خطوں کی گرمی محسوس کر رہا ہے۔

میز پر نانا میخائل کی بے زبان بہو بیٹھی، کسی نہ کسی کام میں لگی رہتی۔ شروع میں تو الکسئی بوڑھی عورت سمجھ بیٹھا تھا، شاید نانا میخائل کی بیوی۔ بعد میں اس نے دیکھا کہ وہ بیس بائس برس سے زیادہ کی نہیں ہو سکتی۔ اس کی چال بڑی سبک تھی۔ وہ من موہنی اور سندر بھی۔ اور اس نے دیکھا کہ جب کبھی وہ اپنی خوف زدہ اور تردد بھری نگاہوں سے اس کو دیکھتی تھی تو ہمیشہ لرزجاتی اور ٹھنڈی سانس لیتی، جیسے آنسو پینے کی کوشش کر رہی ہو۔ کبھی کبھی رات کو، روشنی بجھ جاتی اور خندق کی دھوئیں بھری تاریکی میں جھینگر بولتا — (اسے نانا میخائل جلے ہوئے گاؤں

1950.

سے کسی برتن کے ساتھه ، دستانے میں چھپا لائے تھے تاکہ گھر کا مزا آجائے) — تو الکسئی کو محسوس ہوتا کہ دوسرے تختے سے کسی کے ہولے ہولے رونے کی آواز آ رہی ہے اور کوئی اپنی سسکیوں کو دبانے کے لئے تکیے کو منہ میں ٹھونس رہا ہے۔

۱۶

نانا میخائل کے ساتھه الکسئی کے قیام کے تیسرے دن، صبح کے وقت بڈھے نے اس سے بڑی قطعیت کے ساتھه کہا:

''الکسئی تمہارے جسم پر تو جوئیں دوڑتی پھرتی ہیں، ہاں! جوئیں تو گوبر کے کیڑوں سے بھی بد تر ہیں۔ اور کھجانے میں تمہیں بڑی مشکل ہوتی ہے۔ بتاؤں کیا کرنا چاہئے۔ میں تمہیں نہلاؤںگا۔ کیا رائے ہے تمہاری؟ گرم گرم اشنان۔ بڑا مزا آئیگا! میں تمہارا بدن دھوؤںگا۔ بھاپ سے تمہاری ہڈیوں ذرا گرمی پہنچیگی۔ تم جتنی مصیبتیں جھیل چکے ہو اس کے بعد تمہیں اس سے آرام ہوگا۔ کیا کہتے ہو تم؟ ٹھیک ہے نا؟''

اور اس نے نہلانے کا انتظام کرنا شروع کر دیا۔ اس نے کونے کے چولھے میں آگ اتنی تیز کردی کہ چولھے کے پتھر زور زور سے چٹخنے لگے۔ خندق کے باہر ایک زوردار الاؤ جلایا گیا اور (جیسا کہ الکسئی کو بتایا گیا) ایک بڑے سے پتھر کو گرم کیا گیا۔ واریا نے لکڑی کے ایک ٹب کو پانی سے بھر دیا۔ سنہری پیال زمین پر بچھائی گئی۔ اس کے بعد، نانا میخائل کمر تک ننگ دھڑنگ، صرف جانگھیا پہنے، جلدی جلدی لکڑی کی ایک چھوٹی سی بالٹی میں سوڈا پوٹاش گھولنے لگے اور چھال سے نہانے کا اسفنج بنایا۔ جب خندق اتنی گرم ہو گئی کہ چھپر سے ٹھنڈے پانی کے قطرے ٹپکنے لگے تو بوڑھا لپک کر باہر گیا اور جلد ہی لوہے کے ایک پترے پر دھکتا ہوا سرخ پتھر اٹھائے ہوئے واپس آ گیا۔ اس نے پتھر ٹب میں گرا دیا۔ بھاپ کا ایک بادل اٹھا اور چھت تک تیرتا چلا گیا اور چھت سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گیا اور پھر پر پیچ مرغولوں میں بدل گیا۔ دھند میں کچھه بھی نظر نہ آ رہا تھا۔ لیکن الکسئی

نے محسوس کیا کہ بوڑھے کے تیز اور چست ھاتھ اس کے کپڑے اتار رہے ھیں۔

واریا سسر کا ھاتھ بٹا رھی تھی۔ اس نے مارے گرمی کے اپنا روئی دار کوٹ اور رومال اتار پھینکا۔ اس کی گھنی چوٹیاں جن کا تصور بھی پھٹے ھوئے رومال کے نیچے نہ ھو سکتا تھا، اس کی پیٹھ پر لہراتی ھوئی گر گئیں اور وہ آن کی آن میں بدل گئی۔ اب وہ بوڑھی راھبہ نہیں تھی۔ وہ اب کومل، بڑی بڑی آنکھوں والی، سبک خرام لڑکی بن گئی۔ یہ تبدیلی اتنی اچانک ھوئی تھی کہ الکسئی، جس نے اب تک اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی تھی، اپنی عریانی پر کٹ کر رہ گیا۔

"پروا نہ کرو، الکسئی، میرے بچے،" نانا میخائل نے اس کو حوصلہ دلاتے ھوئے کہا۔ "کوئی چارہ نہیں۔ تمہارا یہ کام تو ھمیں کرنا ھی ھے۔ میں نے سنا ھے فن‌لینڈ میں مرد اور عورتیں ایک ساتھ نہاتے ھیں۔ کیا یہ سچ نہیں؟ شاید یاروں نے اڑائی ھوگی۔ لیکن واریا، اس وقت یہاں ھسپتال کی نرس کی طرح ھے۔ وہ ایک سپاھی کی تیمارداری کر رھی ھے۔ اس لئے اس میں شرمانے کی کوئی بات نہیں۔ واریا ذرا سنبھالنا اسے اور میں اس کی قمیص اتارتا ھوں۔ خدا کی پناہ، یہ تو بالکل سڑی ھوئی ھے۔ یہ تو چیتھڑے چیتھڑے ھو رھی ھے!"

اسی آن الکسئی کو اس نوجوان عورت کی بڑی بڑی سیاہ آنکھوں میں خوف نظر آیا۔ اس تباھی اور حادثے کے بعد سے اس نے پہلی بار بھاپ کے تھرتھراتے ھوئے پردے میں سے خود اپنا جسم دیکھا۔ سنہری پیال پر ایک انسانی ڈھانچہ پڑا ھوا تھا جس پر کھال منڈھی ھوئی تھی اور گھٹنے کی ھڈیاں بہت نمایاں اور ابھری ھوئی تھیں۔ پیٹ ایک خالی گڈھا نظر آ رہا تھا اور پسلیاں بہت ابھری ھوئی تھیں۔

بڈھے نے بالٹی میں پانی کو خوب ھلایا، اسفنج بھورے رنگ کے تیل جیسے پانی میں ڈبویا اور اس کو الکسئی کے جسم کے اوپر اٹھایا۔ گرم گرم بھاپ میں سے اسے پیال پر ایک مریل اور ھڈیالا سا ڈھانچہ نظر آیا اور اس کا بازو اسفنج لئے ھوئے ھوا میں اٹھا کا اٹھا رہ گیا۔

''خدا کی پناہ!،، اس کے منہ سے نکلا ''قابل رحم ہے تمہاری حالت الکسئی ! تمہاری حالت خراب ہے، میں کہتا ہوں۔ سمجھے؟ تم جرمنوں کے چنگل سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے، لیکن کیا تم موت سے...،،

اور یکایک وہ واریا کی طرف غصے سے مڑ گیا جو الکسئی کی پیٹھ کو سہارا دے رہی تھی۔

''بے وقوف تو ننگے آدمی کو کیوں تک رہی ہے؟ تو ہونٹ کیوں چبا رہی ہے؟ تم عورتیں... سب ایک ہی جیسی ہو! اور تم الکسئی ،تم کسی چیز کے بارے میں نہ سوچو، پریشان نہ ہو! ہم موت کے دیو کو تمہارا بال بیکا نہ کرنے دینگے۔ یہ ہم ہر گز نہ ہونے دینگے! ہم تمہاری دیکھہ بھال کرینگے، تمہاری صحت واپس لائینگے اور تمہیں بالکل ٹھیک ٹھاک کر دینگے۔ میرے کہے پر یقین کرو!،،

بڑی احتیاط اور مستعدی سے اس نے الکسئی کا بدن پانی سے دھونا شروع کیا جیسے وہ کوئی دودھہ پیتا بچہ ہو۔ اس کو ایک کروٹ سے دوسری کروٹ کیا، اس کے اوپر پانی ڈالا اور اتنے زوروں سے اسے ملنا شروع کیا کہ اس کی ابھری پسلیاں چٹخنے لگیں۔

واریا خاموشی سے اس کا ہاتھہ بٹاتی رہی۔

لیکن بڈھے نے اسکو بیکار ہی ڈانٹ بتائی تھی۔ وہ اس خوفناک اکڑے ہوئے جسم کو نہیں دیکھہ رہی تھی جو بالکل بے بس اس کے بازوؤں میں پڑا تھا۔ اس نے اس سے اپنی نگاہیں ہٹانے کی پوری کوشش کی لیکن غیر ارادی طور پر اس کی نگاہیں، بھاپ کو چیرتی ہوئی الکسئی کے پیر یا بازو پر پڑتیں تو خوف کا شعلہ سا اس کی آنکھوں میں چمک اٹھتا۔ وہ سوچتی کہ یہ ہواباز جو اس کے گھر نہ جانے کس طرح آ گیا تھا، کوئی اجنبی نہیں تھا۔ نہیں وہ تو اس کا اپنا میشا تھا۔ یہ کوئی انجان سہمان نہ تھا، وہ اس کا اپنا شوہر تھا جس کے ساتھہ اس نے بس صرف ایک بہار کاٹی تھی — چوڑے چکلے شانوں والا، جس کے چہرے پر بڑی بڑی، روشن روشن سی چھائیاں پڑی ہوئی تھیں۔ اس کی بھویں اتنی سنہری تھیں کہ ان کے ہونے نہ ہونے کا فرق مٹ گیا تھا۔ اس کے ہاتھہ بہت بڑے بڑے اور مضبوط تھے۔ اور یہ وہ تھا جس کی فاشست راکھششوں

نے یہ درگت بنا دی تھی۔ یہ اس کے اپنے میشا ہی کا بے جان جسم تھا جسے وہ اپنے بازوؤں میں تھامے ہوئے تھی۔ خوف نے اسے آدبوچا، اس کا سر گھومنے لگا اور وہ صرف ہونٹ چبا کر ہی خود کو گرنے سے باز رکھ سکی۔

... کچھ دیر بعد، الکسئی، پتلے دھاری دار گدے پر نانا میخائل کی پیوند سے پٹی ہوئی ایک صاف اور نرم قمیص پہنے، پڑا تھا۔ اس کو اپنے پورے جسم میں ایک تازگی اور قوت سی محسوس ہو رہی تھی۔ جب چولھے کے اوپر چھت والے سوراخ سے بھاپ پگھل پگھل کر اڑگئی تو واریا نے اس کو گرم اور دھوئیں کی بو بھرا ہوا گوندنیوں کا جوشاندہ دیا۔ وہ شکر کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے منہ میں ڈال کر چائے کی چسکیاں لیتا رہا۔ یہ وہ شکر تھی جو لڑکے لائے تھے۔ واریانے ان کو توڑکر اور برچ کی چھال پر رکھ کر اس کے سامنے پیش کیا تھا۔ پھر وہ سو گیا — جب سے اس پر مصیبتوں کا پہاڑ ٹوٹا تھا، یہ اس کی پہلی گہری نیند تھی جو خواب کی رسائی سے بھی باہر تھی۔

زور زور سے بات چیت کی آواز نے اسے جگا دیا۔ خندق میں قریب قریب اندھیرا ہو رہا تھا۔ مشعل برائے نام جل رہی تھی۔ دھوئیں سے بھری ہوئی اس تاریکی میں اس نے نانا میخائل کی تھرتھراتی ہوئی پاٹ دار آواز سنی۔

"بالکل عورت ہو، نری عورت۔ تمہارا دماغ کہاں ہے؟ گیارہ دن تک باجرے کا ایک دانہ اڑکر اس آدمی کے منہ میں نہیں گیا اور تم نے کیا کیا، گئیں اور اتنا سخت پکا لائیں!.. ان سخت انڈوں سے اس کی جان کے لالے پڑ جائیں گے!" پھر اس کی آواز میں التجا بھی شامل ہو گئی۔ "اس کو انڈوں کی ضرورت نہیں۔ جانتی ہو اس کے لئے کیا چیز اچھی ہو گی واسی‌لیسا؟ مرغی کا اچھا سا شوربہ! ہاں یہ چیز! اس سے اس میں ایک نئی جان پڑ جائیگی۔ اب البتہ تم ہمیں اپنی 'پارتی‌زانکا' * لاکر دے دو تو..."

لیکن ایک بوڑھی عورت کی سراسیمہ سی، جھرجھراتی ہوئی آواز نے اس کی بات کاٹ دی۔

---

* چھاپہ مار۔

”نہیں میں نہیں دونگی! نہیں دونگی! مجھه سے کہنا بیکار ہے، بڈھے خناس اس کے بارے میں اور نہ کہنا! اپنی 'پارتی‌زانکا، دے دوں؟.. مرغی کا شوربه!.. دیکھتے نہیں لوگ کتنا لا کر دے چکے ھیں۔ اتنا تو پوری ایک شادی کے لئے کافی ہے! آگے تم اور کیا مانگنے کی سوچ رہے ہو؟“

”واسی‌لیسا! تمہیں یوں عورت کی طرح ٹرانے پر شرم آنی چاھئے!“ مرد کی جھنجھناتی ہوئی آواز پھر ابھری ”خود تمہارے دو بیٹے مورچے پر ھیں اور پھر بھی تم ایسی حماقت کی باتیں کرتی ہو! اس آدمی نے خود کو ہماری خاطر اپاھج بنا لیا ہے، اس نے خون بہایا ہے..“

”میں اس کا خون نہیں چاھتی! میرے بیٹے میرے لئے اپنا خون بہا رہے ھیں! مجھه سے کہنے کی ضرورت نہیں۔ میں نے کہه جو دیا، میں نہیں دونگی — اور بس میں نہیں دونگی!“

ایک بڑھیا کا ھیولا دروازے کی طرف چلا اور جب دروازہ کھلا تو بہار کی روشنی کی ایک کرن خندق میں تیر گئی۔ یه روشنی اتنی تیز تھی که الکسئی کی آنکھوں میں چکا چوند سی مچ گئی، اس کے منه سے کراہ نکل گئی اور اس نے آنکھیں کس کر بند کر لیں۔ بڈھا لپک کر اس کے پاس پہنچا۔

”تم سو نہیں رہے تھے الکسئی؟ کیا تم نے یه باتیں سنیں؟ سنیں؟ لیکن الکسئی اس کی باتوں کا برا نه مانو، اس کی باتوں پر اسے برا بھلا مت کہو۔ الفاظ کیا ھیں، چھلکے ھیں چھلکے۔ الفاظ کے اندر کا مغز اچھا ہے۔ کیا تم سمجھتے ہو که اس کو مرغی کا اتنا موہ ہے؟ الیوشا! نہیں بالکل ایسا نہیں۔ جرمنوں نے اس کے پورے خاندان کا صفایا کر دیا۔ اور وہ ایک بڑا خاندان تھا۔ سب ملکر دس آدمی تھی۔ اس کا سب سے بڑا بیٹا کرنل ہے۔ جرمنوں کو اس کا پته چل گیا۔ واسی‌لیسا کے سوا، کرنل کا پورا خاندان ایک ساتھه ختم کر دیا گیا۔ انھوں نے ان کا گھر جلا دیا۔ تم سمجھه سکتے ہو، اس عمر میں ایک عورت کے لئے سب کچھه کھو بیٹھنے کا مطلب کیا ھوتا ہے! اس کے پاس صرف ایک مرغی رہ گئی ہے۔ میں تمہیں بتاؤں الیوشا، بڑی کائیاں ہے یه مرغی۔ پہلے ھی ہفتے، جرمنوں نے ساری مرغیوں اور بطخوں کا صفایا کر دیا۔ ان

جرمنوں کو مرغیاں بہت پسند ہیں، بس ان کے منہ سے صرف اتنا سنائی دیتا ''مرغی، ماں، مرغی!'' لیکن یہ مرغی ان کے نرغے سے نکل بھاگی! یہ معمولی مرغی نہیں ہے، ہاں میں کہتا ہوں! یہ مرغی تو سرکس میں کرتب دکھا سکتی ہے۔ جب کوئی فاشست احاطے میں آتا تو یہ ڈربے میں گھس جاتی اور یوں چپکی بیٹھ جاتی جیسے اس کا وجود ہی نہ ہو لیکن جب کبھی ہمارا کوئی آدمی آتا وہ مگن رہتی۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے وہ اس فرق کو کیسے بھانپ لیتی تھی۔ اور اس طرح یہی واحد مرغی ہے جو گاؤں بھر میں بچ رہی۔ اور اس کی اسی چالاکی کی وجہ سے ہم نے اس کا نام 'پارتی‌زانکا' رکھ دیا۔''

الکسئی آنکھیں کھولے کھولے اونگھ گیا۔ وہ جنگل میں اس کا عادی ہو چکا تھا۔ اس کی خاموشی نے نانا میخائل کو ضرور پریشان کر دیا ہوگا۔ اس نے خندق میں چکر لگاتے ہوئے اور میز پر کوئی کام کرتے ہوئے آخر دوبارہ یہی مسئلہ چھیڑ دیا۔

''الکسئی اس عورت کو برا نہ سمجھو! میرے دوست اس کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ وہ ایک بڑے سے جنگل میں برچ کے ایک بوڑھے پیڑ کی طرح تھی جو ہر طرف سے ہوا سے محفوظ ہو۔ لیکن اب وہ جنگل کے کٹے ہوئے حصے میں ایک سڑے ہوئے ٹھنٹھ کی طرح ہے اور اکیلی یہ مرغی ہی اس کے دل کا پھایا ہے۔ تم کچھ بولتے کیوں نہیں؟ کیا تم سو رہے ہو؟ اچھا، سوؤ سوؤ!''

الکسئی جاگ بھی رہا تھا اور سو بھی رہا تھا۔ وہ بھیڑ کی کھال کے نیچے پڑا ہوا تھا اور اس کھال سے روٹی کی بو آ رہی تھی — ایک ایسی بو جو کسانوں کے پرانے گھروں میں بسی ہوتی ہے۔ وہ جھینگر کی سکون بخش آواز سنتا رہا۔ اسے اپنی انگلی ہلانے میں بھی جھجک محسوس ہو رہی تھی۔ اس کو محسوس ہوا جیسے اس کا جسم بغیر ہڈیوں کا ہو جس میں گرم روئی بھر دی گئی تھی اور اس کے اندر خون دوڑ اور دھڑک رہا تھا۔ اس کے ٹوٹے ہوئے اور سوجے ہوئے پیروں میں بھنبھوڑتے ہوئے شدید درد سے جلن ہو رہی تھی۔ لیکن اس میں کروٹ لینے یا ذرا سا ہلنے کی بھی سکت نہ تھی۔

اس نیم خود فراموشی کے عالم میں، الکسئی کو اپنے گرد و پیش کی زندگی کا کچھ کچھ احساس تھا — جیسے یہ کوئی حقیقی

زندگی نہ ہو، جیسے فلم کے پردے پر محض خیالی اور بے ربط مناظر جھلملا رہے ہوں۔

بہار آگئی تھی۔ پناہ گزینوں کا یہ گاؤں بڑے کٹھن دن کاٹ رہا تھا۔ یہاں کے رہنے والوں نے زمین میں جو کھانے پینے کی چیزیں چھپا رکھی تھیں، ان کا بچا کھچا حصہ ختم کر رہے تھے۔ یہ وہ ساسان تھا جس کو انہوں نے چپکے چپکے رات کے وقت نکالا تھا اور جلے ہوئے گاؤں سے جنگل میں لے آئے تھے۔ زمین پر برف پگھل رہی تھی۔ جو خندقیں جلدی جلدی بنائی گئی تھیں اب ''آنسو بہا رہی تھیں،،۔ ان کی دیواروں اور چھتوں سے پانی ٹپک رہا تھا۔ وہ لوگ جو گاؤں کے پچھم کی اور، اولینن کے جنگل میں چھاپہ ماروں کے دستے میں دشمن سے لڑ رہے تھے، اکادکا، رات کے وقت یہاں آتے تھے۔ لیکن اب مورچے کی لائن نے ان کا رستہ کاٹ دیا تھا۔ ان کا کچھ اتہ پتہ نہ تھا۔ اس چیز نے عورتوں کی مصیبتوں میں اور بھی اضافہ کر دیا۔ اور اب بہار آگئی تھی، برف پگھل رہی تھی اور انہیں فصل بونے اور ترکاریوں کے باغ لگانے کی فکر کرنی تھی۔

عورتیں تردد میں ڈوبی ہوئی، جھنجھلائی جھنجھلائی ادھرادھر چلتی پھرتی نظر آتیں۔ نانا میخائل کی خندق میں بار بار زور شور سے جھگڑے شروع ہو جاتے اور ایک دوسرے سے توتو میں میں ہونے لگتی اور ان جھگڑوں کے دوران میں عورتیں اپنے سارے پرانے اور نئے، کچھ سچے، کچھ جھوٹے گلوں شکوؤں کی گردان شروع کر دیتیں۔ کبھی کبھی تو محض شور مچتا رہتا اور کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی۔ مگر اس کائیاں بڈھے کے منہ سے کام کی بات پھوٹنے کی دیر ہوتی اور ہر طرف سناٹا چھا جاتا۔ وہ ان کے پنچائتی فارم کے بارے میں بعض کام کی صلاح دیتا ''کیا ابھی اس کا وقت نہیں آیا کہ ہم میں سے کوئی ہمارے جلے ہوئے گاؤں میں جائے اور دیکھے کہ زمین سوکھی ہے یا نہیں؟،، یا ''اب بڑی اچھی ہوا چل رہی ہے۔ کیوں نہ ہم بیج ہوا میں رکھیں۔ زمین کے اندر کھلیان میں چھپا کر رکھنے کی وجہ سے بیج نم ہو گئے ہیں۔،، بس اتنا کہنا کافی ہوتا۔ یہ سنتے ہی لڑائی جھگڑا ختم ہو جاتا۔

ایک دن نانا میخائل خندق میں داخل ہوا تو وہ بیک وقت خوش بھی نظر آ رہا تھا اور پریشان بھی۔ وہ اپنے ساتھ ہری گھاس

کا ایک تنکا لایا تھا۔ اس نے آہستہ سے اسے اپنی کھردری ھتیلی پر رکھا اور الکسئی کو دکھایا۔

''دیکھنا اسے،، اس نے کہا ''میں ابھی ابھی کھیت سے آ رہا ھوں۔ زمین پر سے برف پگھل رھی ہے اور خدا کا شکر ہے کہ جاڑے کی فصل اپنی بہار دکھا رھی ہے۔ بہت برف گرتی رھی تھی۔ اگر ہم بہار کی فصل نہیں بھی کاٹ سکیں تو کوئی بات نہیں، جاڑے کی فصل سے ھمیں روٹی ملتی رھیگی۔ میں جاکر عورتوں کو بلاتا ھوں۔ اس سے ان بیچاریوں کا دل نہال ھو جائیگا!،،

خندق کے باھر عورتیں گالکاؤں * کے جھنڈ کی طرح چہکنے لگیں۔ کھیت سے لائی ھوئی ھری گھاس نے امید کی تازہ کرن جگا دی۔ شام کے وقت نانا میخائل ھاتھہ ملتے ھوئے آئے اور بولے:

''کیوں تمہارا کیا خیال ہے، الکسئی، ھماری لمبے لمبے بالوں والی وزیروں نے کیا فیصلہ کیا ھوگا؟ فیصلہ برا نہیں، میں بتاؤں۔ ایک ٹولی تو اس چھوٹی سی گھاٹی میں، جہاں ھل چلانا مشکل ہے، جتائی کریگی۔ وہ گائے جوتینگی ھلوں میں اگرچہ ایسا نہیں ہے کہ ان سے بہت زیادہ کام چل سکیگا۔ پورے گلے میں سے صرف چھہ بچ رھی ھیں۔ دوسری ٹولی اتھلے حصے میں جتائی کریگی جہاں نسبتاً زیادہ خشکی ہے۔ وہ کدالوں اور پھاوڑوں سے کھدائی کرینگی۔ ھم ترکاریوں کے کھیت اسی طرح کھودتے ھیں، ہے نا؟ تیسری ٹولی پہاڑی پر جائیگی۔ وھاں کی زمین ریت بھری ہے۔ ھم اس کو آلوؤں کے لئے تیار کرینگے۔ یہ کام آسان ھوگا۔ ھم اس کام پر لڑکوں اور ذرا کمزور قسم کی عورتوں کو لگائینگے۔ ور جلد ھی ھمیں حکومت سے بھی مدد مل جائیگی۔ لیکن اگر ھمیں یہ مدد نہ بھی ملے تو ھم کام چلا لینگے۔ ھم یہ کام خود ھی کر لینگے۔ میں تم کو یقین دلاتا ھوں کہ ھم زمین کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا بھی بیکار نہیں جانے دینگے۔ ھمارے سپاھیوں کا بھلا ھو کہ انھوں نے فاشستوں کو ٹھوکریں مار کر یہاں سے نکال دیا۔ اب ھم زندہ رہ سکینگے۔ ھم ایک مضبوط نسل لوگ ھیں اور ھر چیز کا مقابلہ کر سکتے ھیں، چاہے وہ کتنی ھی کٹھن ھو!،،

---

* گالکا — روسی چڑیا۔

نانا میخائل بہت دیر تک سو نہ سکا۔ وہ اپنے پیال کے بستر پر کروٹیں بدلتا رہا۔ کبھی وہ کھانستا، کبھی بدن کھجاتا اور کبھی کراہتا ”یا خدا، او میرے اللہ!“، وہ کئی بار اٹھا، پانی کی بالٹی کے پاس گیا، ڈونگا بجایا اور ہانپتے ہوئے گھوڑے کی طرح غٹ غٹ پانی چڑھا گیا۔ آخر وہ اسے برداشت نہ کر سکا۔ اس نے مشعل جلائی، الکسئی کو چھو کر دیکھا جو نیم بےہوشی کی حالت میں آنکھیں کھولے پڑا تھا۔ وہ بولا:

”الکسئی کیا تم سو رہے ہو؟ میں تو یہاں پڑا پڑا سوچ رہا ہوں۔ وہاں، گاؤں میں، گاؤں کے چوپال میں شاہ بلوط کا ایک پیڑ ہے۔ تیس برس پہلے پہلی جنگ عظیم کے زمانے میں، جب زار نکولائی کا راج تھا، اس شاہ‌بلوط پر بجلی گری جس نے اس کا اوپر کا حصہ جلا کر راکھ کر دیا۔ لیکن یہ درخت بڑا زوردار تھا۔ اس کی جڑیں مضبوط تھیں۔ جڑوں سے بہت سی ٹہنیاں پھوٹیں اور جب ان کو اوپر جانے کا راستہ نہ ملا تو چاروں طرف پہلو میں پھوٹ نکلیں اور اب ذرا دیکھتے تم، کتنا گھنگھریالا شاندار پھیلاؤ ہے اس کا... یہی حال پلاونی کا ہے... بس اگر ذرا دھوپ چمکتی رہے اور زمین زرخیز ثابت ہو تو ہم اپنی سوویت سرکار کے سائے میں، بھیا الکسئی، بس پانچ برس کے اندر اندر سب کچھ ٹھیک ٹھاک کر دینگے۔ ہم بڑے سخت جان ہیں۔ بھولنا مت! ہاں کاش یہ جنگ جلد ہی ختم ہو جائے! ہم ان کے پرخچے اڑا دینگے اور پھر ہم سب ملکر اپنے کام میں جٹ جائیں گے۔ کیا خیال ہے تمہارا؟“

اس رات کو الکسئی کی حالت زیادہ نازک ہو گئی۔

نانا نے جو غسل دلوایا تھا اس نے محرک کا کام کیا اور اس کی بےحسی اور غفلت دور کردی۔ اسے انتہائی تھکن اور خستگی کا احساس اور ٹانگوں کا درد بڑی شدت کے ساتھ ستانے لگا۔ وہ بخار میں اپنے گدے پر کروٹیں بدلتا، کراہتا، دانت پیستا، کسی کو پکارتا، کسی پر جھپٹتا اور طرح طرح کے مطالبے کرتا رہا۔

واریا نے ساری رات اس کے پاس بیٹھ کر آنکھوں میں کاٹ دی۔ اس کے گھٹنے اوپر اٹھے ہوئے تھے، ٹھوڑی گھٹنوں پر رکھی ہوئی تھی اور اس کی بڑی بڑی گول گول غم‌زدہ سیاہ آنکھیں، سیدھے سامنے گھور رہی تھیں۔ تھوڑی تھوڑی دیر پر وہ ایک ٹھنڈا بھیگا ہوا

کپڑا الکسئی کے ماتھے یا سینے پر رکھتی، بھیڑ کی کھال کا کوٹ برابر کرتی رہتی جو وہ برابر اٹھا اٹھا کر پھینک رہا تھا۔ پورے وقت وہ اپنے شوہر کے بارے میں سوچتی رہی جو اس سے بہت دور تھا، جو جنگ کی آندھی میں ادھر ادھر بھٹکتا پھر رہا تھا۔

پو پھٹتے ہی بڈھا اٹھ گیا، اس نے الکسئی پر ایک نظر ڈالی جو اب خاموش پڑا اونگھ رہا تھا۔ اس نے واریا سے سرگوشی میں کچھ کہتے ہوئے سفر کی تیاری شروع کردی۔ اس نے دھکیل کر فیلٹ بوٹ میں چھپے ہوئے پیروں کو ربر کے جوتوں میں گھسایا جو اس نے خود ہی موٹر کے ٹائر سے بنائے تھے۔ پھر زور سے اپنے کوٹ پر ریشے کی پیٹی باندھی صنوبر کا ایک ڈنڈا ہاتھ میں لیا جو لمبے سفر پر ہمیشہ اس کا همراہی رہتا تھا اور اس کے ہاتھ کی گرفت سے چکنا ہو گیا تھا۔

وہ الکسئی سے ایک لفظ بھی کہے بغیر باہر نکل گیا۔

۱۷

میریسئف کی حالت کچھ ایسی تھی کہ اس کو اپنے میزبان کی روانگی کا کچھ پتہ ہی نہ چلا۔ اگلے پورے دن وہ بے ہوش رہا اور کہیں تیسرے دن جا کر اسے ہوش آیا۔ اس وقت سورج چڑھ آیا تھا اور ایک تابناک اور موٹی کرن، آتش دان کے سرمئی تہہ در تہہ دھوئیں کو چیرتی ہوئی، الکسئی کے پیروں تک دوڑتی چلی گئی تھی۔ اس سے اندھیرا دور کیا ہوتا الٹا اور گہرا اور شدید ہو گیا تھا۔

خندق میں کوئی نہیں تھا۔ دروازے سے واریا کی دبی دبی سی کھسر پھسر سنائی دی۔ ظاہر تھا کہ وہ کسی کام میں محو تھی اور وہ کوئی پرانا گیت گنگنا رہی تھی جو اس جنگلی علاقے میں بہت مقبول تھا۔ یہ گیت ریبی‌نا کے پیڑ کے بارے میں تھا۔ ریبی‌نا شاہ بلوط کے پاس جانے کو تڑپ رہی ہے جو اس سے کچھ ہی دور اکیلا کھڑا ہے

الکسئی پہلے بھی کئی بار یہ گیت سن چکا تھا۔ یہ گیت وہ لڑکیاں گاتی تھیں جو چہکتی ہوئی ٹولیوں میں ہوائی اڈے کو

برابر اور صاف کرنے کے لئے آس پاس کے گاؤں سے آیا کرتی تھیں- اس کو گیت کا نرم رو اور حزن انگیز نغمه پسند تھا- لیکن پہلے اس نے اس گیت کے بولوں کی طرف دھیان نه دیا تھا اور فوجی زندگی کے ہنگامے میں یه بول کوئی اثر چھوڑے بغیر ھی ذھن سے نکل گئے تھے- لیکن اب وھی بول اس نوجوان، بڑی بڑی آنکھوں والی عورت کے ھونٹوں سے کتنے نازک جذبات کے ساتھه پھوٹ رھے تھے اور ان میں محض شاعرانه جذبات ھی نہیں بلکه اتنی سچی نسوانی تڑپ رچی ھوئی تھی که الکسئی نے اس نغمے کی پوری گہرائی محسوس کر لی اور اب اس کی تھاہ ملی که واریا جو ریبی‌نا کا پیڑ تھی، اپنے شاہ بلوط کے لئے کتنا تڑپ رھی تھی-

...لیکن یه ریبی‌نا کے نصیب میں نہیں
که وہ اکیلے شاہ بلوط سے ھم کنار ھو
یه روشن ھے که اس بیچاری یتیم کو
صدیوں اسی طرح برھا کی آگ میں جلنا ھے

واریا گا رھی تھی اور اس کی آواز میں سچے آنسوؤں کی تلخی تھی- الکسئی نے تصور کی آنکھوں سے دیکھا که وہ باھر درختوں تلے بیٹھی ھے اور ان درختوں میں بہار کی دھوپ کھیل رھی ھے اور اس کی بڑی بڑی ، گول گول، بیقرار آنکھیں ڈبڈبائی ھوئی ھیں- اس کو گلے میں کوئی چیز پھنستی ھوئی محسوس ھوئی اور اس کے دل میں ان خطوں کو دیکھنے کی — ھاں پڑھنے کی نہیں، بس دیکھنے کی — خواھش پیدا ھوئی- وہ خط جن کا مضمون اسے زبانی یاد تھا — وہ خط جو اس کی وردی کی جیب میں پڑے ھوئے تھے- اس کا جی چاھا که وہ اس نازک لڑکی کو دیکھے جو چراگاہ میں بیٹھی ھوئی ھے- اس نے تصویر نکالنے کی کوشش کی مگر اس کا بےجان ھاتھه گدے پر آ رھا- پھر ھر چیز سرمئی رنگ کے اندھیرے میں تیرنے لگی، جو دھنک کے رنگ کے دائروں سے داغ داغ تھا- اندھیرے سے عجیب وغریب آواز ابھر رھی تھی جیسے کوئی خنجر کی ضربیں لگائے جا رھا ھو- اسی اندھیرے سے اسے دو آوازیں سنائی دیں — واریا کی آواز اور ایک اور آواز — دوسری آواز کسی بوڑھی عورت کی تھی- یه آواز بھی جانی پہچانی تھی- دونوں سرگوشیوں میں باتیں کر رھی تھیں -

''کیا نہیں کھاتا وہ؟''

''نہیں وہ کھا نہیں سکتا۔ کل اس نے کیک کا ایک ٹکڑا چبانا چاہا — بس ایک چھوٹا سا ٹکڑا — اور اس سے اسے متلی ہو گئی۔ اس کے لئے یہ غذا ٹھیک نہیں۔ وہ کچھ دودھ پی لیتا ہے، اس لئے ہم اسے تھوڑا سا دودھ دیتے ہیں۔''

''دیکھو، میں تھوڑا سا شوربہ لائی ہوں... شاید بیچارا لڑکا شوربہ پی لے۔''

''خالہ واسی‌لیسا!'' واریا کے منہ سے نکلا ''کیا تم نے سچ مچ...''

''ہاں یہ مرغی کا شوربہ ہے۔ کیوں تمہیں تعجب کاہے پر ہو رہا ہے؟ یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ اسے جگاؤ شاید تھوڑا سا پی لے —''

اور اس سے پہلے کہ الکسئی (جس نے یہ پوری بات چیت نیم بےہوشی میں سنی تھی) آنکھیں کھولے واریا نے اسے زور زور اور بے تکلفی سے جھنجھوڑا اور خوش ہوکر چلائی:

''الکسئی پیتروویچ! الکسئی پیتروویچ! اٹھ جاؤ! خالہ واسی‌لیسا تمہارے لئے مرغی کا شوربہ لائی ہیں۔ میں کہتی ہوں، جاگ جاؤ!''

مشعل دروازے کے قریب دیوار پر لٹکی ہوئی اور زیادہ تب‌وتاب کے ساتھ روشنی بکھیرنے لگی۔ جھلملاتی ہوئی دھواں دھواں سی روشنی میں الکسئی کو ایک چھوٹی سی، کمر سے جھکی ہوئی بڑھیا نظر آئی۔ اس کی ناک عقابی تھی اور چہرے سے جو جھریوں سے بھرا ہوا تھا، چڑچڑاپن جھانک رہا تھا۔ وہ میز پر کسی کام میں لگی ہوئی تھی۔ وہ کوئی بڑی سی چیز کھول رہی تھی۔ پہلے تو اس نے ٹاٹ الگ کیا، اس کے بعد بڑھیا کا کوٹ، پھر کاغذ کا ایک تختہ اور آخرکار لوہے کا ایک برتن نکلا، جس سے پوری خندق میں مرغی کے شوربے کی اتنی لذیذ خوشبو پھیل گئی کہ الکسئی کے خالی پیٹ میں چوہے دوڑنے لگے۔

خالہ واسی‌لیسا کے جھریوں بھرے چہرے پر وہی سختی اور چڑچڑاپن قائم رہا۔

''لو یہ لائی ہوں میں تمہارے لئے'' اس نے کہا ''لینے سے

انکار نہ کرنا۔ شوربہ پیو اور جلدی سے اچھے ہو جاؤ۔ شاید، خدا کی مہربانی سے، تم کو اس سے فائدہ ہو۔،،

اور الکسئی کو اس بوڑھی عورت کے خاندان کا المناک قصہ اور اس مرغی کا قصہ یاد آگیا جس کا نام ''پارتیزانکا،، پڑ گیا تھا۔ اور ہر ہر چیز — بوڑھی عورت، واریا، میز پر بھاپ پھینکتے ہوئے لوہے کے برتن سے نکلتی ہوئی مزیدار خوشبو— ہر چیز آنسوؤں کے ریلے میں تیرنے لگی۔ اس نے آنسوؤں کی دھند میں سے جھانک کر دیکھا تو اسے بڑھیا کی کڑی نگاہیں نظر آئیں جو بے پناہ رحم کے ساتھہ اس پر جمی ہوئی تھیں۔

''نانی، بہت بہت شکریہ،، جب بڑھیا جانے کے لئے دروازے کی طرف مڑی تو وہ صرف اتنا کہہ سکا۔

حب وہ دروازے پر پہنچ گئی تو صرف اتنا بولی:

''اس کی ضرورت نہیں۔ اس میں شکرئے کی کیا بات ہے؟ میرے بیٹے بھی لڑرہے ہیں۔ شاید ان کو بھی کوئی شوربہ دیگا۔ پیو۔ خدا کرے اس سے تمہیں فائدہ ہو۔ جلدی سے اچھے ہو جاؤ۔،،

''نانی! نانی!،، الکسئی نے اٹھنے کی کوشش کی۔ لیکن واریا نے اس کو روک دیا اور ہولے سے اسے گدے پر لٹا دیا۔

''لیٹ جاؤ، لیٹ جاؤ! لو یہ رہا شوربہ، پی لو۔،، اس نے جرمن برتن کا الیمونیم کا ڈھکن بڑھایا جس سے بڑی لذیذ خوشبودار بھاپ نکل رہی تھی اور سر دوسری طرف پھیر لیا۔ شاید وہ ان آنسوؤں کو چھپانے کی کوشش کر رہی تھی جو بے اختیار آنکھوں میں امڈے چلے آرہے تھے۔ ''ذرا سا پی لو،، اس نے دوہرایا۔

''نانا میخائل کہاں ہیں؟،،

''وہ باہر گئے ہوئے ہیں۔ وہ کام سے گئے ہیں۔ ان کو پتہ لگانا ہے کہ ضلع کمیٹی کہاں ہے۔ وہ بہت دنوں تک واپس نہ آسکینگے۔ لیکن تم یہ شوربہ پیو۔ پی لو نا۔،،

ٹھیک اپنی ناک کے نیچے الکسئی کو کہربائی رنگ کے شوربے سے بھرا ہوا لکڑی کا ایک بڑا سا چمچہ نظر آیا۔ چمچہ اتنا پرانا تھا کہ اس کا رنگ سیاہ پڑگیا تھا اور کنارہ کٹ چھٹ گیا تھا۔

شروع کے چند چمچے پی کر تو اس کی بھوک چمک اٹھی اور وہ خود کو بھیڑئیے کی طرح بھوکا محسوس کرنے لگا۔ اس کی بھوک

اتنی بڑھ گئی تھی کہ اسے پیٹ میں درد محسوس ہونے لگا۔ لیکن اس نے دس چمچے شوربہ پیا اور مرغی کے خستہ گوشت کے چند ریشے ہی کھا سکا۔ اگرچہ اس کا پیٹ زیادہ سے زیادہ مانگ رہا تھا لیکن اس نے پوری قطعیت کے ساتھہ شوربے کا برتن ایک طرف ہٹا دیا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کی موجودہ حالت میں اور ایک چمچہ بھی زہرہلاھل ثابت ہو سکتا ہے۔

خالہ واسیلیسا کے شوربے نے تو معجزے کا کام کیا۔ کھانے کے بعد الکسئی سو گیا۔ یہ بےہوشی نہیں تھی بلکہ یہ سچی اور گہری نیند تھی، صحت بخش اور مفرح نیند۔ وہ جاگا۔ اس نے کچھہ اور کھایا اور دوبارہ سو گیا اور نہ تو وہ آتش‌دان کے دھوئیں سے جاگا، نہ عورتوں کی چیخ چخ سے اور نہ واریا کے چھونے سے — اس ڈر سے کہ کہیں وہ چل نہ بسا ہو، واریا باربار اس کے اوپر جھکتی اور یہ محسوس کرنے کی کوشش کرتی کہ اس کا دل دھڑک رہا ہے یا نہیں۔

وہ زندہ تھا۔ وہ بڑے آھنگ سے گہری سانس لے رہا تھا۔ وہ پورے دن سویا، رات بھر سویا اور مستقل سویا رہا جیسے دنیا کی کوئی طاقت اسے جگا نہ سکتی ہو۔

اگلی صبح سویرے سویرے، جنگل پر چھائی ہوئی آوازوں کو چیرتی ہوئی دور سے ایک مدھم مدھم سی گھنگھناھٹ سنائی دی۔ الکسئی چونک گیا، اس نے تکیے سے سر اٹھایا اور گہری توجہ سے سننے لگا۔

ایک ناقابل تسخیر، مجنونانہ مسرت کی لہر اس کی رگ رگ میں سرائت کر گئی۔ وہ بے حس وحرکت پڑا رہا۔ اس کی آنکھوں سے مارے جوش جذبات کے چنگاریاں سی نکلنے لگیں۔ اس نے چولھے کے پتھروں کے آھستہ آھستہ چٹخنے کی آواز سنی، جو ٹھنڈے ہو رہے تھے، جھینگر کی مدھم مدھم ٹراھٹ کی آواز آ رہی تھی، جو رات بھر جیخنے کے بعد تھک چکا تھا۔ خندق کے چاروں طرف چیڑ کے پرانے جھومتے ہوئے درختوں کا پرسکون اور مسلسل آھنگ اور دروازے سے باھر موسم بہار کی بھاری بھاری بوندوں میں ٹپکنے کی آواز آ رہی تھی۔ لیکن ان سب آوازوں سے الگ مستقل گھنگھناھٹ آسانی سے پہچانی جا سکتی تھی۔ الکسئی نے تاڑ لیا کہ یہ آواز ہوائی جہاز

''او۔ ۲،، کے انجن کی تھی۔اب آواز زیادہ تیز ہوتی جا رہی تھی۔ کبھی یہ گھنگھناھٹ دب جاتی کبھی پھر ابھر آتی اور ایک منٹ کو بھی اس کا سلسلہ نہ ٹوٹتا۔ الکسئی نے سانس روک لی۔ یہ صاف تھا کہ ہوائی جہاز کہیں قریب ہی تھا اور جنگل کے اوپر چکر لگا رہا تھا۔ یا تو ہوائی جہاز اسکاؤٹنگ کر رہا تھا یا اترنے کے لئے جگہ ڈھونڈ رہا تھا۔

''واریا، واریا!،، الکسئی نے کہنیوں پر اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے آواز دی —

لیکن واریا خندق میں نہ تھی۔ باہر سے عورتوں کی جوش سے بھری ہوئی آوازیں اور تیز تیز قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ وہاں کچھہ ہو رہا تھا۔

خندق کا دروازہ کھلا اور فیدکا کا چھائیوں بھرا چہرہ جھانکتا ہوا نظر آیا۔

''چچی واریا، چچی واریا!،، لڑکا چلایا اور پھر جوش وخروش کے ساتھہ بولا ''ہوائی جہاز! ہمارے اوپر چکر لگا رہا ہے!،، اور اس سے پہلے کہ الکسئی کچھہ کہے وہ رفو چکر ہو گیا۔

بڑی کوشش کرکے الکسئی اٹھہ بیٹھا۔ اس کے دل کی دھڑکن، کنپٹیوں میں دھڑکتے ہوئے خون اور زخمی پیروں کے درد نے اس کے پورے جسم میں زلزلہ سا پیدا کر دیا۔ وہ گننے لگا کہ ہوائی جہاز کتنے چکر لگا رہا ہے۔ ایک، دو، تین اور مارے جوش کے کچھہ ایسا بےقابو ہوا کہ گدے پر گر گیا اور پھر تیزی سے اسی ناقابل تسخیر، گہری، صحت بخش نیند کی آغوش میں چلا گیا۔

ایک جوان، خوش آھنگ، گرج‌دار، بھاری آواز نے اس کو جگا دیا۔ وہ اس آواز کو نقارخانے میں بھی پہچان سکتا تھا۔ پورے لڑاکو رجمنٹ میں اس آواز کا واحد آدمی، اسکواڈرن کمانڈر اندرئی دیگتیارینکو تھا۔

الکسئی نے آنکھیں کھولیں لیکن سوچا کہ اب تک سو رہا ہے اور وہ محض خواب میں اپنے دوست کا رخساروں کی ابھری ہڈیوں والا، چوڑا کھردرا چہرہ دیکھہ رہا ہے جس سے نیکی ٹپک رہی ہے اور جس کی پیشانی پر زخم کا سرخ نشان ہے، ہلکے ہلکے رنگ کی آنکھیں اور اسی طرح ہلکی اور بےرنگ پلکیں جن کو اندرئی کے

دشمن ''سور کی پلکیں،، کہتے تھے — دو ہلکی نیلی آنکھیں دھواں دھواں سی نیم تاریکی کو چیرتی ہوئی سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھیں ۔

''اب، نانا، ذرا اپنا مال غنیمت دکھاؤ،، دیگتیارینکو نمایاں یوکرینی لہجے میں دھاڑا ۔

اس کا خواب مٹا نہیں ۔ واقعی یہ تو دیگتیارینکو ہی تھا اگرچہ یہ بات ناقابل یقین معلوم ہوتی تھی کہ اس کا دوست یہاں ہو سکتا ہے، جنگل کی گھنی پہنائیوں کے اندر، اس زمیں دوز گاؤں میں ۔ وہ کھڑا تھا، لمبا تڑنگا چوڑے چکلے شانے اور حسب دستور اپنی وردی کے بٹن کھولے ہوئے ۔ وہ اپنا خود ریڈیو فون کے تاروں سے پکڑے ہوئے تھا اور ساتھ ہی اس کے ہاتھ میں کچھ بنڈل اور پیکٹ بھی تھے ۔ مشعل اس کے پیچھے جل رہی تھی اور اس کے چھوٹے چھوٹے کھڑے سنہرے بال ہالے کی طرح چمک رہے تھے ۔

دیگتیارینکو کے پیچھے نانا میخائل کا زرد اور تھکا ہوا چہرہ دکھائی دے رہا تھا ۔ جوش کے مارے اس کی آنکھیں نکلی پڑ رہی تھیں ۔ اس کے پاس ہی ہسپتال کی ایک نرس کھڑی تھی ۔ یہ تھی مڑی ہوئی ناک والی، شوخ لڑکی لینوچکا، جو اندھیرے میں تجسس بھری نظروں سے جھانک رہی تھی ۔ اس کی بغل میں کینوس کا تھیلا تھا جس پر ریڈ کراس بنا ہوا تھا ۔ وہ عجیب و غریب قسم کے پھولوں کا گچھا سینے سے لگائے ہوئے تھی ۔

ہر شخص خاموش تھا ۔ دیگتیارینکو غالباً اندھیرے کی وجہ سے گھبرایا گھبرایا چندھیائی ہوئی آنکھوں سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا ۔ ایک دو بار اس کی نگاہیں الکسئی کے چہرے پر سے بےنیازی کے ساتھ پھسلتی چلی گئیں ۔ الکسئی اس خیال کو اپنا نہ سکا کہ اس کا دوست اچانک یہاں نمودار ہو سکتا ہے اور وہ کانپ گیا کہ کہیں یہ سب محض سرسامی خواب نہ ثابت ہو ۔

''خدا کی پناہ، کیا تم اس کو دیکھ بھی نہیں سکتے؟ یہ رہا وہ،، واریا میریسئف پر سے بھیڑ کی کھال کا کوٹ کھینچتے ہوئے سرگوشی میں بولی ۔

پھر دیگتیارینکو نے الکسئی پر حیرت بھری نظر دوڑائی ۔

''اندرئی!،، خود کو کہنیوں کے سہارے اٹھانے کی کوشش کرتے ہوئے میریسئف نے بڑی نحیف آواز میں کہا۔

اندرئی نےاس کو حیرت بھری نظر سے دیکھا اور بڑی مشکل سے اپنے خوف کو چھپا سکا۔

''اندرئی! کیا تم مجھے پہچانتے نہیں؟،، میریسئف زیر لب بولا اور اسے محسوس ہوا کہ وہ سر سے پیر تک کانپ رہا ہے۔

اندرئی ایک لمحہ اور اس زندہ ڈھانچے کو دیکھتا رہا جو سیاہ کھال میں چھپا ہوا تھا، جو بالکل جلا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔ وہ اپنے خوش رو دوست کے دلکش خد وخال ڈھونڈنے کی کوشش کرتا رہا۔ وہ صرف اس کی بڑی بڑی اور تقریباً گول آنکھوں میں میریسئف کے کھرے اور پر عزم خد و خال کی جھلک کا سراغ پا سکا جن سے وہ اتنا مانوس تھا۔ اس کا خود فرش پر گر گیا، پیکٹ اور بنڈل اس کے ھاتھہ سے نیچے آ رہے اور سیب، سنترے اور بسکٹ فرش پر بکھر گئے۔

''الیوشکا! کیا تم ہو؟،، جذبات سے اس کی آواز بھاری ہو گئی اور اس کی لمبی لمبی بے رنگ پلکیں بھیگ گئیں۔ ''الیوشکا! الیوشکا!،، وہ پھر چلایا۔ اس نے بہت ہولے ہولے اس کمزور جسم کو بستر سے اٹھایا جیسے وہ کوئی دودھہ پیتا بچہ ہو، اس کو اپنے کلیجے سے لگایا اور مستقل رٹ لگاتا رہا ''الیوشکا! الیوشکا!،،

اس نے الکسئی کو ایک لمحہ اپنے سینے سے الگ کرکے غور سے دیکھا جیسے وہ خود کو قائل کرنے کی کوشش کر رہا ہو کہ یہ واقعی اس کا دوست ہے اور پھر دوبارہ اس کو کلیجے سے لگا لیا۔

''ھاں تم ھی ہو! الیوشکا! شیطان کے بچے!،،

واریا اور نرس نے اس کے جسم کو اندرئی کی ریچھہ جیسے مضبوط گرفت سے چھڑانے کی کوشش کی۔

''خدا کے لئے اس کو چھوڑ دو، اس میں ذرا جان نہیں!،، واریا نے بپھر کر کہا۔

''اس کے لئے جذباتی ھیجان برا ہے۔ اس کو نیچے اتار دو!،، نرس نے تیزی سے کہا۔

لیکن اندرئی نے جب یقین کر لیا کہ یہ سیاہ، سکڑا ہوا، بے وزن جسم واقعی الکسئی میریسئف کا ہے، اس کے اپنے ساتھی کا، اپنے فوجی

دوست کا، جس کو پورے رجمنٹ نے مردہ سمجھہ لیا تھا تو اس نے اسے بستر پر لٹا دیا، اپنا سر پکڑا اور فاتحانہ نعرہ لگایا، پھر اس نے الکسئی کے شانوں کو پکڑا اور اس کی سیاہ آنکھوں میں گھور کر دیکھا جو اپنے گھرے گڈھوں میں مارے مسرت کے چمک رہی تھیں اور چلایا :

"زندہ! پاک مریم! زندہ، شیطان کے بچے! کہاں رہے اتنے دنوں؟ کیا ہوا تھا تمہیں؟"

لیکن نرس نے جذبات میں پاگل ہواباز کو زور سے پرے دھکیلا، گول مٹول سی بوٹے سے قد کی نرس، جس کی ناک اوپر کی طرف اٹھی ہوئی تھی۔ پورے دستے میں لوگ اس کے لفٹیننٹ کے عہدے کا خیال کئے بغیر، محض لینوچکا یا "طبی سائنس کی بہن" کہتے تھے کیونکہ اس نے بد قسمتی سے خود ھی اپنے افسر سے ان ھی الفاظ میں اپنا تعارف کرایا تھا۔ لینوچکا، جو ہر وقت گاتی اور ہنستی رہتی تھی، جو بیک وقت سارے لفٹیننٹوں پر لطف و کرم کی بارش کرتی تھی، آخر سختی سے بولی :

"کامریڈ کپتان، مریض کو چھوڑ دو!"

اس نے پھولوں کا گچھا میز پر پھینک دیا۔ ان پھولوں کے لئے پچھلے دن وہ ہوائی جہاز سے علاقے کے مرکز میں گئی تھی۔ اب یہ پھول بالکل غیر ضروری تھے۔ اس نے اپنا ریڈ کراس والا کینوس کا تھیلا کھولا اور کاروباری انداز میں مریض کا معائنہ کرنے لگی۔ اس نے موٹی موٹی سبک انگلیوں سے اس کی ٹانگوں کو ٹھونک بجا کر دیکھا اور پوچھا :

"دکھتا ہے یہاں؟ یہاں؟ اور یہاں؟"

الکسئی نے پہلی بار اپنی ٹانگوں کو اچھی طرح دیکھا۔ پیر بری طرح سوجے ہوئے تھے اور کالے کالے سے نظر آ رہے تھے۔ ذرا سا چھونے سے بھی درد بجلی کی لہر کی طرح اس کے انگ انگ میں دوڑ جاتا۔ پیر کی انگلیوں کا رنگ دیکھہ کر لینوچکا کا ماتھا سب سے زیادہ ٹھنکا۔ انگلیاں بالکل سیاہ پڑ گئی تھیں اور ان میں کوئی حس باقی نہیں رہی تھی۔

نانا میخائل اور دیگتیارینکو میز پر بیٹھہ گئے۔ انھوں نے چپکے سے ہوا باز کے فلاسک سے، اس موقع کی خوشی میں، دو گھونٹ

پی اور جوش وخروش سے بات چیت کرنے لگے۔ نانا میخائل نے پھٹی پھٹی سی پاٹ‌دار آواز میں پوری داستان سنانی شروع کی کہ الکسئی ان کو کس طرح ملا تھا۔ ظاہر ہے کہ وہ یہ کہانی پہلی بار نہیں سنا رہا تھا۔

''ہاں ہمارے چھوکروں کو وہ جنگل میں ملا۔ جرمنوں نے اپنی خندقوں کے لئے درخت کاٹ گرائے تھے اور ان لڑکوں کی ماں نے یعنی میری بیٹی نے ان کو لکڑی کی چھپٹیاں جمع کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ وہاں ان کو الکسئی مل گیا۔ 'اہا! وہاں وہ کیا عجیب سی چیز پڑی ہے؟' پہلے تو وہ سمجھے کہ یہ کوئی زخمی ریچھ ہے جو لوٹ لگا رہا ہے اور وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔ لیکن انہیں ٹوہ لگانے کی سوجھی اور وہ پلٹ کر گئے۔ 'دیکھیں کیسا ریچھ ہے یہ؟ یہ لڑھک کیوں رہا ہے؟ یہ عجیب بے تکا سا معلوم ہوتا ہے!' وہ لوٹ کر گئے اور انہوں نے اس کو بار بار لڑھکتے ہوئے دیکھا۔ وہ کراہ رہا تھا...''

''کیا مطلب ہے تمہارا 'لڑھکتے ہوئے'؟'' دیگتیارینکو نے مشکوک نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا اور اپنا سگریٹ کا ڈبہ نانا میخائل کے سامنے پیش کیا ''کیا آپ سگریٹ پیتے ہیں؟''

نانا میخائل نے ڈبے سے سگریٹ لی، جیب سے اخبار کا مڑا ہوا ایک ٹکڑا نکالا، اس سے ایک دھجی پھاڑی، سگریٹ سے تمباکو جھاڑ کر اس میں رکھا، اس کو لپیٹ کر سگریٹ بنائی اور سلگا کر ایک زوردار کش لیا۔

''سگریٹ پیتا ہوں! ضرور پیتا ہوں'' اس نے ایک اور کش لے کر کہا۔ ''ہاں بس، جب سے جرمن آئے ہیں ہم نے تمباکو کی صورت نہیں دیکھی ہے۔ میں تو کائی اور سوکھی گھاس پیتا ہوں، ہاں! ...جہاں‌تک اس کے لڑھکنے کا تعلق ہے، اس سے پوچھو۔ میں نے تو اس کو لڑھکتے دیکھا نہیں۔ چھوکروں کا کہنا ہے کہ وہ کروٹ بدل کر پیٹ کے بل لڑھکتا اور پھر پیٹ سے پیٹھ کے بل۔ دیکھو بات یہ ہے کہ اس میں گھٹنوں اور ہاتھوں کے بل رینگنے کی سکت باقی نہیں رہی تھی۔ کس دل گردے کا آدمی ہے یہ!''

تھوڑی تھوڑی دیر پر دیگتیارینکو اپنے دوست کو دیکھنے کے

لئے اچھلتا جس کو عورتیں سرمئی رنگ کے فوجی کمبلوں میں لپیٹ رہی تھیں۔ یہ کمبل نرس اپنے ساتھ لائی تھی۔

''لڑکے میرے، نچلے بیٹھو۔ بچے کے لنگوٹی باندھنا مردوں کا کام نہیں!،، نانا نے کہا۔ ''سنو تم میری بات اور اپنے اعلی افسروں کو یہ بتانا نہ بھولنا کہ اس آدمی نے ایک بڑا کام کیا ہے۔ دیکھتے ہو اب وہ کیا سے کیا ہو گیا ہے۔ ہم سب، پورا پنچائتی فارم، ایک ہفتے سے اس کی تیمارداری کر رہا ہے اور وہ اپنے ہاتھ پیر بھی نہیں ہلا سکتا۔ لیکن اس میں ہمارے جنگلوں اور دلدلوں میں رینگنے کی سکت تھی۔ ایسے لوگوں کی تعداد بہت نہیں ہو سکتی جو ایسا کر سکتے ہوں۔ بڑے بڑے سادھو بھی اپنے تپسیا کے دوران میں ایسا کارنامہ انجام نہیں دے سکتے۔ کھمبے پر کھڑے ہوجانے میں کیا رکھا ہے؟ کیا میں ٹھیک کہہ رہا ہوں؟ میں سمجھتا ہوں ٹھیک ہی کہہ رہا ہوں۔ لیکن میرے لڑکے ذرا میری بات تو سنو!..،،

بڈھا، دیگتیارینکو کے کان پر جھک گیا اور اپنی نرم فرفری قسم کی داڑھی چبھوتے ہوئے بولا:

''لیکن مجھے امید ہے مریگا نہیں۔ کیا خیال ہے تمہارا؟ وہ جرمنوں کے چنگل سے بچ نکلا۔ لیکن کیا آدمی ملک الموت سے بچ کر نکل سکتا ہے؟ کھال اور ہڈیاں اور بس۔ وہ کس طرح رینگتا رہا، میں تو تصور بھی نہیں کر سکتا! اس کا جی بے حد چاہتا ہوگا اپنے لوگوں کے پاس پہنچنے کو... ایں؟ اپنی بیہوشی میں وہ برابر بکتا رہا 'ہوائی اڈہ! ہوائی اڈہ!'، اور بھی کچھ الفاظ تھے۔ ہاں اس نے اولگا کا نام بھی لیا تھا۔ کیا تمہارے ہاں کوئی لڑکی ہے اس نام کی؟ شاید وہ اس کی بیوی ہو۔ کیا تم میری بات سن رہے ہو؟ سنا تم نے میں نے کیا کہا؟ ائے، ہواباز۔،،

لیکن دیگتیارینکو اس کی بات نہیں سن رہا تھا۔ وہ اس آدمی کے بارے میں، اپنے دوست کے بارے میں سوچنے کی کوشش کر رہا تھا، جو ایک معمولی لڑکا دکھائی دیتا تھا، جو پالے سے ٹھٹھرے اور ٹوٹے ہوئے پیروں کے ساتھ پگھلتی ہوئی برف پر، جنگل اور دلدل میں رینگ رہا تھا جو دشمن سے دور ہونے کے لئے اور اپنے لوگوں میں پہنچنے کے لئے رینگ اور لڑھک رہا تھا۔ ایک لڑاکو ہواباز کی حیثیت سے اس کے اپنے تجربے نے اس کو خطرے کے سامنے نڈر

بنا دیا تھا - وہ جب فضائی جنگ کے شعلوں میں کودتا تھا تو اسے موت کا خیال بھی نہ ستاتا تھا بلکہ اسے ایک مسرت انگیز ترنگ کا احساس ہوتا تھا - لیکن اکیلے جنگل میں آدمی کے لئے یہ سب کچھ کرنا...

''تمہیں یہ ملا کب؟،،

''کب؟،، بڈھے کے ہونٹ ہلے اور اس نے سگریٹ کے کھلے ہوئے ڈبے سے ایک اور سگریٹ نکالی - ''بھلا کب؟ ہاں ہاں ٹھیک ہے! پورا ایک ہفتہ ہوا -،،

دگتیارینکو نے دل ھی دل میں تاریخیں گنیں اور اس نے حساب لگایا کہ الکسئی میریسئف اٹھارہ دن تک رینگتا رہا تھا - ایک زخمی آدمی اتنے دنوں رینگتا رہے اور وہ بھی بغیر کھائے پئے — یہ بات ناقابل یقین معلوم ہوتی تھی -

''اچھا، نانا ابا، بہت بہت شکریہ!،، ہواباز نے زور سے بڈھے کو گلے سے لگایا اور سینے پر دبایا - ''شکریہ، میرے بھیا!،،

''اس کی ضرورت نہیں - شکریہ کاھے کا - 'شکریہ، کہتے ہو - میں ہوں کون؟ اجنبی، کوئی پردیسی یا کیا؟،، پھر وہ غصے سے اپنی بہو پر چیخا جو اپنے ہاتھہ پر گال رکھے تلخ تصورات میں بہی چلی جا رہی تھی - ''یہ سامان فرش سے اٹھاؤ! ذرا دیکھنا کیا عمدہ چیزیں زمین پر پھینک رکھی ہیں!.. اور وہ کہتا ہے، شکریہ،!،،

اسی اثنا میں، لینوچکا نے میریسئف کو سفر کے لئے تیار کرلیاتھا -

''ٹھیک ہے، یہ ٹھیک ہے، کامریڈ سینئر لفٹیننٹ،، وہ چہکی - اس کے الفاظ منہ سے یوں نکل رہے تھے جیسے تھیلے سے مٹر کے دانے گرتے ہیں - ''ہاں،، ماسکو میں وہ لوگ یوں چٹکیوں میں اچھا کر دینگے - ماسکو بڑا شہر ہے، کیوں ہے نا؟ وہ تم سے زیادہ برے مریضوں کو بھی اچھا کر دیتے ہیں -،،

وہ جتنے زور شور سے اور جس طرح باربار یہ دوہرا رہی تھی کہ میریسئف یوں چٹکیوں میں اپنے پیروں پر کھڑا ہو جائیگا، اس سے دیگتیارینکو نے بھانپ لیا کہ اس کے معائنے نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ مریض کی حالت نازک ہے اور اس کا دوست خطرے میں ہے - ''سروکا کی طرح چہک رہی ہے،، وہ دل ھی دل میں غرایا اور بپھری ہوئی نظروں سے ''طبی سائنس کی بہن،، کو دیکھا - یکایک اسے یاد آیا کہ اس کے ہوائی دستے میں کوئی بھی اس لڑکی کو سنجیدگی سے نہیں

دیکھتا اور ہر شخص مذاقاً کہا کرتا ہے کہ اگر وہ کسی کی کوئی بیماری دور کر سکتی ہے تو وہ ہے محبت کا روگ — اور یہ سوچ کر دیگتیارینکو کے دل پر کچھ پھایا پڑا۔

الکسئی کمبلوں میں اچھی طرح لپٹا ہوا تھا اور صرف اس کا سر دکھائی دے رہا تھا۔ اس کو دیکھ کر دیگتیارینکو کو کسی فرعون کی ممی یاد آئی جس کی تصویر اس نے قدیم تاریخ کی درسی کتاب میں دیکھی تھی۔ اس نے اپنے بڑے بڑے ہاتھ سے اپنے دوست کے گالوں کو سہلا کر دیکھا جو سرخی مائل گھنی داڑھی سے ڈھکے ہوئے تھے۔

''یہ ٹھیک ہے الکسئی! تم پھر اپنے پیروں پر کھڑے ہو جاؤ گے! ہمیں ہدایت ملی ہے کہ ہم تمہیں ماسکو کے ایک اچھے ہسپتال میں بھیج دیں۔ بہت عمدہ ہسپتال ہے۔ سب ڈاکٹر پروفیسر ہیں! جہاں تک نرسوں کا تعلق ہے،، اس نے اپنی زبان سے چٹخارے کی آواز پیدا کی اور لینوچکا کی طرف آنکھ ماری ''یہ تو مردوں کو بھی چلنے پر مجبور کر دیتی ہیں! تم اور میں — دونوں اب بھی ہوا کے کان کتر سکیں گے...،، اور یہاں پہنچ کر دیگتیارینکو کو محسوس ہوا کہ وہ خود بھی اسی بے جان اور نقلی خوشی کے ساتھ بات کر رہا ہے جو انداز لینوچکا نے اختیار کیا تھا۔ یکایک جب اس نے اپنے دوست کے گال تھپتھپائے تو اس نے ایک نمی سی محسوس کی۔ ''اسٹریچر کہاں ہے؟،، اس نے غصے میں پوچھا۔ ''آؤ ہم اس کو باہر لے چلیں! وقت برباد کرنے کی کیا ضرورت ہے؟،،

بڈھے کی مدد سے انہوں نے الکسئی کو احتیاط سے اٹھایا، جو کمبلوں میں لپٹا ہوا تھا، اور اسے اسٹریچر پر ڈال دیا۔ واریا نے اس کا تمام سامان سمیٹا اور ان کو لپیٹ کر ایک بنڈل بنایا۔

''نانا!،، جب واریا نازی خنجر بنڈل میں رکھنے لگی تو الکسئی نے پکار کر کہا۔ گھر گرہستی کی بدولت نانا میخائل نے کئی بار بڑے تجسس کے ساتھ اس خنجر کا معائنہ کیا تھا، اس کو صاف اور تیز کیا تھا اور اپنے انگوٹھے پر اس کی دھار کا امتحان بھی لیا تھا۔ ''یہ ہے میری نشانی، لیجئے!،،

''شکریہ الکسئی! شکریہ! اس کا لوہا خوب ہے۔ اور ذرا دیکھنا! اس پر کچھ لکھا ہوا بھی ہے۔ لیکن یہ ہماری زبان میں

نہیں ہے۔،، اس نے دیگتیارینکو کو خنجر دکھاتے ہوئے کہا۔ دیگتیارینکو نے خنجر پر ابھری ہوئی عبارت پڑھی،، Alles für Deutschland،، اور اس کا ترجمہ کر کے سنایا — ''سب کچھہ جرمنی کے لئے،،۔

''سب کچھہ جرمنی کے لئے،، الکسئی نے دوھرایا اور اسے یاد آگیا کہ اس نے یہ خنجر کس طرح حاصل کیا تھا۔

''اچھا اب بڑے میاں، اسے اٹھاؤ، اٹھاؤ!،، ایک طرف اسٹریچر کا دستہ پکڑتے ہوئے دیگتیارینکو چلایا۔

اسٹریچر ھلتا ہوا بڑی مشکل سے خندق کے تنگ دروازے سے نکل سکا اور اس کی رگڑ سے دیوار کی مٹی جھڑجھڑ کر نیچے آرھی۔

وہ سب لوگ جو خندق میں جمع ہو گئے تھے اس ''یتیم،، کو الوداع کہنے کے لئے دوڑے۔ واریا اکیلی پیچھے رہ گئی۔ اس نے بڑی سستی سے مشعل کی لو کتری، دھاری دار گدے کے پاس گئی جس پر اب تک ایک انسانی جسم کا نشان موجود تھا۔ اس نے اس گدے کو تھپتھپایا۔ اس کی نگاھیں ان پھولوں پر پڑیں جو جلدی میں بھول سے پیچھے رہ گئے تھے۔ پود گھر میں کھلنے والے بنفشئی پھول، جو زرد اور مرجھائے مرجھائے سے تھے — ٹھیک اس پناہ گزیں گاؤں کے لوگوں کی طرح جنھوں نے ٹھنڈی اور سیلی خندقوں میں جاڑا کاٹا تھا۔ اس جوان عورت نے پھول اٹھائے، ان کی پر بہار لطیف مہک سانسوں میں بسائی۔ یہ مہک اتنی بھینی، اتنی ھلکی تھی کہ دھوئیں اور کالک کی بو میں اس کی تمیز مشکل سے کی جا سکتی تھی۔ اس نے خود کو ایک تختے پر گرا دیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

۱۸

پلاونی کی پوری آبادی اس غیرمتوقع مہمان کو الوداع کہنے کے لئے جمع ہو گئی۔ ھوائی جہاز جنگل کے پیچھے، ایک چھوٹی سی لمبوتری جھیل پر کھڑا ہوا تھا۔ اس کی برف، جو کنارے پر پگھلنے لگی تھی، بیچ میں مضبوط اور ٹھوس تھی۔ اس جھیل کی طرف کوئی سڑک نہیں جاتی تھی۔ اس کی طرف ایک پگڈنڈی جاتی تھی۔ ایک گھنٹہ قبل پگھلتی ہوئی نرم برف پر چلتے ہوئے نانا میخائل، دیگتیارینکو

اور لینوچکا نے یہ پگڈنڈی بنائی تھی۔ اسی راستے پر ایک پورا ہجوم اس وقت جھیل کی طرف جا رہا تھا۔ ان کے آگے آگے متین صورت سیریونکا اور فیدکا چل رہے تھے۔ وہ مارے جوش کے دندناتے ہوئے بالکل آگے آگے چل رہے تھے۔ سیریونکا ایک پرانے دوست کی طرح جس نے ہواباز کا جنگل میں پتہ لگایا تھا، ٹھیک اسٹریچر کے آگے آگے بڑی شان سے چل رہا تھا اور بڑی محنت سے اپنے پیر، جو اس کے باپ کے بڑے بڑے فیلٹ بوٹوں میں چھپے ہوئے تھے، برف سے اٹھا رہا تھا اور ساتھ ہی سفید سفید دانتوں اور گمبھیر چہرے والے چھوکروں کو کوستا بھی جارہا تھا جو چیتھڑوں میں کچھ عجیب و غریب انداز سے لپٹے ہوئے تھے۔ دیگتیارینکو اور نانا میخائل قدم سے قدم ملا کر اسٹریچر اٹھائے ہوئے چل رہے تھے۔ لینوچکا ہموار برف پر، اسٹریچر کے پہلو میں چل رہی تھی۔ کبھی تو وہ الکسئی کے کمبل برابر کرتی اور کبھی اس کا سر رومال سے ڈھکتی۔ سب سے پیچھے عورتیں، لڑکیاں اور بڑی بوڑھیاں چل رہی تھیں اور ساتھ ہی ان کی زبانیں بھی زوروں پر چل رہی تھیں۔

شروع میں تو برف پر پھیلی ہوئی تیز دھوپ کی چمک سے الکسئی کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ موسم بہار کے شاندار دن نے اس کی آنکھوں میں اتنے زور سے چکاچوند پیدا کی کہ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور بے ہوش ہوتے ہوتے رہا۔ اس نے پلکوں کو آہستہ آہستہ اوپر اٹھاتے ہوئے روشنی کا مقابلہ کیا اور پھر اپنے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ زمیں دوز گاؤں کی تصویر اس کی نگاہوں میں ابھرنے لگی۔

جدھر بھی نظر اٹھتی بوڑھا جنگل دیوار کی طرح سینہ تانے نظر آتا۔ اوپر درختوں کی پھننگیں ایک دوسرے کے گلے میں بانہیں ڈالے دے رہی تھیں اور نیچے زمین پر نیم تاریکی پھیلا رہی تھیں۔ یہ مختلف قسم کے پیڑوں اور پودوں کا جنگل تھا۔ برچ کے ننگے درختوں کے سفید تنے جن کی پھننگیں ہوا میں جمے ہوئے دھوئیں کی طرح دکھائی دیتی تھیں، چیڑ کے درختوں کے سنہرے تنوں کے ہم پہلو نظر آتے تھے۔ ان کے درمیان یہاں وہاں فر کے سیاہ پیڑوں کے چوٹی نما سرے نظر آرہے تھے۔

ان درختوں کے نیچے، جو ہوائی اور زمین کے دشمن کی نظروں سے انہیں چھپائے ہوئے تھے، ایک نقطے پر جہاں برف سینکڑوں قدموں

تلے روندی جا چکی تھی، خندقیں آباد تھیں - سینکڑوں برس کے بوڑھے فر کے درختوں کی شاخوں پر پوتڑے سوکھ رہے تھے - چیڑ کے درختوں کے ٹھنٹھوں پر برتن اور ہانڈیاں رکھی تھیں - فر کے ایک بوڑھے درخت کے تنے سے بھوری کائی داڑھی کی طرح لٹک رہی تھی اور ہوا میں ہل رہی تھی - اس کی مضبوط جڑوں کے درمیان، جہاں قاعدے کے مطابق، کسی خوفناک درندے کو ہونا چاہئے تھا چیتھڑوں کی ایک چکٹ گڑیا پڑی ہوئی تھی جس کے چپٹے اور بھولے بھالے مکھڑے پر رنگین پنسل سے نقوش ابھارے گئے تھے -

اسٹریچر کے پیچھے پیچھے یہ قافلہ کائی سے ڈھکی، روندی ہوئی ''سڑک،، پر آہستہ آہستہ چل رہا تھا -

کھلی ہوا میں الکسئی کو پہلے تو فطری مسرت کا احساس ہوا لیکن پھر ایک شیریں اور خاموش اداسی نے اس کی جگہ لے لی -

لینوچکا نے ایک چھوٹے سے رومال سے اس کے آنسو پونچھے اور ان آنسوؤں کا مطلب کچھ اور سمجھتے ہوئے اس نے لوگوں سے کہا کہ اسٹریچر آہستہ آہستہ لے چلو -

''نہیں، نہیں! تیز! تیز چلو!،، میریسئف نے ان کو للکارتے ہوئے کہا -

اس کو محسوس ہو رہا تھا کہ وہ حد سے زیادہ آہستہ آہستہ چل رہے ہیں - اس کو یہ اندیشہ ہونے لگا کہ وہ یہاں سے نہیں نکل سکیگا، ماسکو کا ہوائی جہاز اس کا انتظار کئے بغیر اڑ جائیگا اور وہ کبھی بھی ہسپتال نہیں پہنچ سکیگا - اسٹریچر لے جانے والوں کے تیز قدموں سے اس کے درد کی ٹیس بڑھ گئی اور وہ دھیرے سے کراہ اٹھا - لیکن وہ بار بار یہی دوہراتا رہا ''مہربانی سے تیز، اور تیز!،، وہ ان کو آگے بڑھنے کے لئے للکارتا رہا حالانکہ اسے نانا میخائل کے ہانپنے کی آواز سنائی دے رہی تھی - وہ دیکھ رہا تھا کہ وہ بار بار پھسل رہا ہے اور ٹھوکر کھا رہا ہے - دو عورتوں نے اسٹریچر لے جانے والوں میں بڑے میاں کی جگہ لے لی - نانا میخائل لینوچکا کے دوسری طرف اسٹریچر کے پہلو میں چلتا رہا - اس نے افسروں والی ٹوپی سے پسیجتی ہوئی چندیا، لال چہرہ اور جھریوں بھری گردن پونچھی اور اطمینان کے ساتھ بڑبڑایا:

''ہمیں چابک لگا رہے ہو، ایں؟ جلدی میں ہو! ٹھیک ہے الکسئی۔ تم ٹھیک کہتے ہو، ان سے جلدی چلنے کے لئے کہو! جب آدمی جلدی میں ہو تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں زندگی ہے اور یہ زندگی تیزی سے دھڑک رہی ہے۔ میرے پیارے بچے، کیا میں سچ نہیں کہتا؟.. ہسپتال سے ہمیں خط لکھنا۔ پتہ یاد رکھنا: کالینن علاقہ، بولوگوئے ضلع، بننے والا گاؤں پلاونی، کیا؟ بننے والا، کہا میں نے۔ گھبراؤ مت، خط ہمیں ضرور مل جائیگا۔ بھولنا مت۔ پتہ ٹھیک ہے!''

جب اسٹریچر اٹھا کر ہوائیجہاز میں ڈالا گیا اور ہوائیجہاز کے تیل کی تیز بو الکسئی کو اپنی ناک میں گھستی ہوئی محسوس ہوئی تو مسرت کے ایک اور طوفان نے اسے آلیا۔ سلولائڈ کا ہوڈ اس کے سر پر کھینچ دیا گیا۔ اس نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اس کو الوداع کہنے آئے تھے اور ہاتھ ہلا رہے تھے۔ اس نے عقابی ناک اور بوٹے سے قد والی بڑھیا کو نہیں دیکھا جو اپنے سرمئی رومال میں بپھرے ہوئے کوے کی طرح نظر آرہی تھی۔ اس نے نہیں دیکھا کہ یہ بڑھیا کس طرح خوف اور ہوائی جہاز کے پنکھے کی اڑائی ہوئی ہوا سے لڑتی ہوئی آگے بڑھی اور مرغی کے بچے کھچے حصے کا بنڈل بھی دیگتیارینکو کے ہاتھ میں پکڑا دیا، جو اس وقت کاک پٹ میں بیٹھ چکا تھا۔ اس نے نہیں دیکھا کہ نانا میخائل کس طرح ہوائی جہاز کے چاروں طرف شور مچاتا ہوا بھاگ دوڑ کر رہا ہے، کس طرح عورتوں کو ڈانٹ بتا رہا ہے اور بچوں کو بھگا رہا ہے اور جب ہوا کے ایک تیز جھونکے نے اس کے سر سے ٹوپی اڑا کر برف پر گرا دی تو وہ کس طرح اپنی چمکتی ہوئی چندیا کے ساتھ کھڑا رہ گیا۔ وہ گاؤں میں بنائی ہوئی سنٹ نکولاس کی سادہ تصویر سے ملتا جلتا نظر آرہا تھا۔ وہ کھڑا دور ہوتے ہوئے ہوائی جہاز کو ہاتھ ہلا کر خداحافظ کہہ رہا تھا۔ عورتوں کے اس رنگا رنگ ہجوم میں وہ اکیلا مرد تھا۔

دیگتیارینکو نے جھیل کی برفیلی سطح پر ہوائیجہاز کو دوڑا کر اڑایا اور ہجوم کے اوپر سے اڑتے ہوئے اور اونچے اور سیدھے کھڑے کناروں کے ساتھ ساتھ ہوائی جہاز کو بڑی احتیاط سے بلند کرتے ہوئے جنگل سے ڈھکے ہوئے ایک جزیرے کے پیچھے غائب ہو گیا۔ ابکے یہ نڈر ہواباز، جو نہ جانے کتنی بار اپنی بےاحتیاطی کی وجہ

سے اپنے افسروں سے ڈانٹ سن چکاتھا، بڑی احتیاط سے ہوائی جہاز اڑا رہا تھا۔ وہ اڑ نہیں رہا تھا بلکہ رینگ رہا تھا — بالکل زمین سے لگا لگا، چھوٹی چھوٹی ندیوں کے ساتھ ساتھ اور جھیل کے ساحلوں کو پردہ بناتے ہوئے۔ الکسئی نہ تو کچھ دیکھ رہا تھا اور نہ کچھ سن رہا تھا۔ پٹرول اور چکنائی کی مانوس خوشبو اور ہوا میں پرواز کرنے کے نشاط انگیز احساس نے اسے بے ہوش کردیا۔ اسے ہوائی اڈے پر اس وقت ہوش آیا جب اس کا اسٹریچر اتار کر دوسرے اسبولنس ہوائی جہاز میں لے جایا جا رہا تھا جو ابھی ماسکو سے آیا تھا۔

۱۹

وہ اپنے ہوائی اڈے پر انتہائی مصروفیت کے وقت پہنچا تھا۔ وہاں زوروں پر کام ہو رہا تھا، جیسا کہ بہار کے اس پورے ہیجانی موسم میں ہر دن ہوا کرتا تھا۔

انجنوں کی گھنگھناہٹ ایک آن کو نہ رکتی۔ پٹرول لینے کے لئے جو اسکواڈرن زمین پر اترتا اس کی جگہ دوسرا لے لیتا اور اسی طرح پھر تیسرا۔ ہر شخص ہواباز سے لے کر پٹرول کی ٹنکی چلانےوالے ڈرائیور اور گودام کے محافظ تک، اس وقت تک بےتحاشا کام کرتا رہتا جب تک کہ نڈھال ہو کر گر نہ جائے۔ چیف آف اسٹاف کی آواز بیٹھ گئی تھی اور وہ اب صرف دبی دبی آواز میں بات کر سکتا تھا۔ لیکن شدید سر گرمیوں اور عام تناؤ کی فضا کے باوجود، اس دن ہر شخص میریسئف کے آنے کا انتظار کر رہا تھا۔

"کیا وہ اب تک نہیں آیا؟"، ہوا باز ہوائی جہاز کو اپنے ٹھکانے پر پہنچانے سے پہلے ہی انجن کی گھنگھناہٹ کو چیرتی ہوئی آواز میں پکار کر مستریوں سے پوچھتے۔

"کچھ خبر بھی سنی اس کی؟"، جب پٹرول کی ٹنکی چلانے والے ڈرائیور زمیں دوز ٹنکیوں تک پہنچتے تو "پٹرول کے بادشاہ"، ان سے پوچھتے۔

ہر شخص کے کان کھڑے تھے کہ کہیں جنگلوں کے اوپر سے اپنے اسبولنس ہوائیجہاز کی مانوس گھنگھناہٹ تو نہیں سنائی دے رہی ہے۔

جب الکسئی کو ہوش آیا تو اس نے دیکھا کہ وہ ہچکولے کھاتے ہوئے اسپرنگ دار اسٹریچر پر دراز ہے۔ اس کو اپنے چاروں طرف جانے پہچانے چہروں کا ہالہ نظر آیا۔ پورے ہجوم کے منہ سے خوشی کے نعرے پھوٹ نکلے۔ اسٹریچر کے بالکل پاس والے ونگ کمانڈر کا جوان اور جامد چہرہ نظر آیا جس کے ہونٹوں پر ایک دبی دبی سی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے بعد ہی اسے چیف آف اسٹاف کا سرخ اور پسینہ پسینہ چہرہ نظر آیا اور ساتھ ہی ہوائی اڈے کے انتظامی بٹیلین کے کمانڈر کا گول، بھرا بھرا، زرد چہرہ بھی دکھائی دیا جس سے الکسئی اس کی ضابطہ پرستی اور کنجوسی کی وجہ سے نفرت کرتا تھا۔ کتنے بہت سارے مانوس چہرے! آگے آگے جو اسٹریچر اٹھائے چل رہا تھا، وہ تھا یورا۔ وہ ہر بار جب کبھی مڑکر الکسئی کو دیکھنے کی ناکام کوششیں کرتا، ٹھوکر کھا جاتا۔ اس کے پاس پاس سرخ بالوں والی ایک چھوٹی سی لڑکی تھی۔ یہ موسمیات کے اسٹیشن کی سرجنٹ تھی۔ پہلے الکسئی کو یہ گمان تھا کہ وہ کسی وجہ سے اسے ناپسند کرتی ہے۔ وہ اس کی نظروں سے بچنے کی کوشش کرتی تھی اور اس کو چپکے چپکے کچھ عجیب نگاہوں سے دیکھتی تھی۔ وہ مذاقاً اسے ''موسمی سرجنٹ،، کے نام سے یاد کرتا تھا۔ اس سے پاس ہی کوکوشکن پھدکتا ہوا چل رہا تھا۔ یہ چھوٹے قد کا آدمی تھا اور اس کا یرقانی چہرہ دیکھنے میں ناخوشگوار معلوم ہوتا تھا۔ اسکواڈرن میں لوگ اس کی آدم بیزار حرکتوں کی وجہ سے اسے ناپسند کرتے تھے۔ وہ بھی مسکرا رہا تھا اور یورا کے لمبے لمبے ڈگ سے ڈگ ملا کر چلنے کی کوشش کر رہاتھا۔ میریسئف کو یاد آیا کہ اس نے ہوائی‌جہاز میں اڑنے سے ذرا ہی پہلے اس کی خوب خبر لی تھی کیونکہ اس نے اس کا قرض واپس نہیں کیا تھا اور اسی لئے اسے یقین تھا کہ یہ کینہ پرور آدمی اس کو کبھی بھی معاف نہیں کرےگا۔ لیکن اب وہ اسٹریچر کے ساتھ چل رہا تھا اور بڑی احتیاط سے اسٹریچر کو سہارا دے رہا تھا اور راستے میں کھڑے لوگوں کو کہنیاں مارمار کر ہٹاتا جا رہا تھا تاکہ وہ دھکا نہ دے سکیں۔

الکسئی کو کبھی وہم و گمان بھی نہیں ہوا تھا کہ اس کے اتنے دوست ہیں۔ لوگ جب اپنا باطن کھول کر سامنے آتے ہیں تو ایسے ہی نکلتے ہیں! اب اسے ''موسمی سرجنٹ،، کے بارے میں

افسوس ہو رہا تھا جو کسی وجہ سے اس سے خوف زدہ نظر آ رہی تھی۔ ہوائی اڈے کے انتظامی بٹیلین کے کمانڈر کے سامنے اسے ندامت محسوس ہو رہی تھی جس کی کنجوسی کے بارے میں اس نے نہ جانے کتنے لطیفے اور چٹکلے ڈویژن میں پھیلا رکھے تھے۔ اور اسے لگا جیسے اس کا جی کوکوشکن سے معافی مانگنے کو چاہ رہا ہو۔ اس کا دل چاہا کہ وہ لوگوں کو بتائے کہ وہ کوئی ایسا آدم بیزار بھی نہیں۔ الکسئی اتنی مصیبتیں جھیلنے کے بعد آخر اپنے خاندان میں آگیا تھا جہاں اس کی واپسی پر ہر شخص دل سے خوشیاں منا رہا تھا۔

اس کو بڑی احتیاط سے میدان پار کر کے امبولنس ہوائی جہاز تک پہنچایا گیا جو برچ کے ننگے جنگل کے کنارے چھپا ہوا تھا۔ مستریوں نے انجن کو چلانا بھی شروع کر دیا تھا۔

''کامریڈ میجر،، میریسئف نے یکایک ونگ کمانڈر سے مخاطب ہوتے ہوئے اور حتی الامکان بلند آواز اور اعتماد کے ساتھ کہنا شروع کیا۔

کمانڈر اپنی حسب معمول خاموشی اور پر اسرار مسکراہٹ کے ساتھ الکسئی پر جھکا۔

''کامریڈ میجر... مجھے اجازت دیجئے کہ میں ماسکو نہ جاؤں اور یہیں رہوں۔ آپ کے ساتھ...،،

کمانڈر نے اپنا خود اتار لیا جس کی وجہ سے وہ اس کی بات نہ سن سکا۔

''میں ماسکو نہیں جانا چاہتا۔ میں یہیں میڈیکل بٹیلین میں رہنا چاہتا ہوں...،،

میجر نے اپنا سمور کا دستانہ اتارا، کمبل کے اندر ٹٹول کر الکسئی کا ھاتھہ اپنے ھاتھہ میں لیا اور ھاتھہ دباتے ہوئے بولا:

''مسخرے کہیں کے! تمہیں واقعی ذرا اچھے اور کڑے علاج کی ضرورت ہے۔،،

الکسئی نے سر ہلایا۔ یہاں اسے کتنا آرام اور سکون محسوس ہو رہا تھا۔ اب اسے نہ اپنے پچھلے تجربے اتنے ہولناک معلوم ہو رہے تھے نہ پیروں کا درد۔

''وہ کہہ کیا رہا ہے؟'' چیف آف اسٹاف نے بیٹھی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''وہ یہاں ہمارے ساتھ رہنا چاہتا ہے'' کمانڈر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

اس وقت اس کی مسکراہٹ پہلی جیسی نہیں تھی، بلکہ اس کی مسکراہٹ میں دوستی اور غم گساری تھی۔

''بیوقوف! سر پھرا رومانی کہیں کا! 'پیونیرسکایا پراودا' کے لئے ایک اچھی مثال!'' چیف آف اسٹاف بولا۔ ''وہ لوگ تو ماسکو سے براہ راست فوج کے کمانڈر کے حکم سے اس کے لئے ہوائی جہاز بھیجتے ہیں لیکن برخوردار... کیا خیال ہے تمہارا اس کے بارے میں؟..''

میریسئف اس کا جواب دینا چاہتا تھا اور کہنا چاہتا تھا کہ وہ رومانی نہیں ہے، بس اتنی سی بات تھی اور اسے یقین تھا کہ وہ یہاں، اس میڈیکل بٹیلین کے خیمے میں، اس مانوس ماحول میں، ماسکو ہسپتال کے اجنبی آرام و سکون کے مقابلے میں زیادہ جلدی اچھا ہو جائیگا۔ کیونکہ یہیں ایک بار پہلے اس کے ٹخنے کی موچ کا علاج ہو چکا تھا جب اس کے ہوائی جہاز کو مجبوراً نیچے اترنا پڑا تھا۔ اس کے دماغ میں وہ الفاظ بھی آچکے تھے جن کی مدد سے وہ چیف اسٹاف کو چبھتا ہوا جواب دینا چاہتا تھا لیکن اس سے پہلے کہ وہ یہ الفاظ ادا کرسکے سائرن کی المناک چیخ سنائی دی۔

ہر چہرے سے ایک گمبھیر اور کاروباری کیفیت جھلکنے لگی۔ میجر نے بڑے تیکھے انداز میں کئی احکام صادر کئے اور لوگ چیونٹیوں کی طرح دوڑنے بھاگنے لگے۔ کچھ لوگ ان ہوائی جہازوں کی طرف دوڑے جو جنگل کے کنارے چھپے ہوئے تھے، کچھ کمانڈ پوسٹ کی طرف دوڑے، جو میدان کے کنارے ایک چھوٹے سے ٹیلے کی طرح نظر آرہا تھا۔ کچھ لوگ مشینوں کی طرف دوڑے جو جنگل میں چھپی ہوئی تھیں۔ الکسئی کو آسمان میں دھوئیں کی ایک صاف لکیر دکھائی دی اور پھر دمدار راکٹ کی ایک سرمئی دھاری جو آہستہ آہستہ مٹتی جا رہی تھی۔ وہ فوراً تاڑ گیا کہ معاملہ کیا ہے — ''ہوائی حملے'' کا سگنل۔ اس کا دل دھڑکنے لگا، اس کے نتھنے پھڑکنے لگے اور اس نے ایک ٹھنڈی سنسنی سی محسوس کی۔ خطرناک لمحوں میں وہ ہمیشہ ایسا ہی محسوس کیا کرتا تھا۔ جب الارم سنائی دیا

تو لینوچکا، مستری یورا اور ''موسمی سرجنٹ''، جن کو اس ہنگامے میں کوئی خاص فرض انجام دینا نہ تھا — تینوں نے اسٹریچر اٹھایا اور بھاگ کر جنگل کے قریب ترین دامن میں پناہ لی۔ انہوں نے ایک دوسرے سے قدم ملا کر چلنے کی کوشش کی مگر اپنے ہیجان کی وجہ سے ناکام رہے۔

الکسئی کراہا۔ وہ دوڑنے کے بجائے چہل‌قدمی کی رفتار سے چلنے لگے۔ دور طیارہ‌شکن توپیں بےتحاشا گرج رہی تھیں۔ ہوائی‌جہازوں کے ایک دستے کے بعد دوسرا دستہ ''اڑان والی سڑک'' پر نکل کر آتا اور دوڑتا ہوا ہوا میں بلند ہوجاتا۔ ان کے انجنوں کی مانوس گھنگھناہٹ کے ساتھ ساتھ جلد ہی جنگل کے پیچھے سے بےربط اور بھاری گھنگھناہٹ سنائی دینے لگی اور یہ آواز سن کر خود بخود میریسئف کے پٹھے تنے ہوئے تاروں کی طرح سخت ہو گئے۔ اس آدمی نے جو اسٹریچر سے بندھا ہوا تھا یہ محسوس کیا کہ وہ ایک لڑاکو ہوائی جہاز کے کاک پٹ میں بیٹھا ہوا ہے اور اب دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے ہوا کو چیرتا ہوا بڑھ رہا ہے۔

اسٹریچر اس تنگ گڑھے میں نہ سما سکا۔ یورا اور لڑکیاں اس کو اپنے بازوؤں میں اٹھا کر نیچے لے جانا چاہتے تھے لیکن الکسئی نے احتجاج کیا اور ضد کرنے لگا کہ اس کا اسٹریچر برچ کے ایک بڑے سے تناور درخت کے سائے میں رکھ دیا جائے۔ وہاں لیٹا لیٹا وہ ان واقعات کا مشاہدہ کرنے لگا جو بڑی تیزی سے رو نما ہو رہے تھے۔ صرف بھیانک خواب میں واقعات اتنی تیزی سے رو نما ہوتے ہیں۔ ہوا بازوں کو زمین سے فضائی جنگوں کا مشاہدہ کرنے کا موقع کبھی کبھار ہی ملتا ہے۔ میریسئف نے جنگ کے آغاز سے ہی فضائی فوج میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا لیکن اس نے کبھی بھی زمین سے فضائی لڑائی نہیں دیکھی تھی۔ اور اب، فضائی لڑائی میں بجلی کی سی تیز رفتاری کا عادی ہونے کے بعد، وہ حیران تھا کہ زمین سے یہ فضائی لڑائی کتنی سست رو اور بے ضرر نظر آرہی ہے۔ چپٹی ناک والے پرانے لڑاکو ہوائی جہازوں کی حرکت کتنی بےجان معلوم ہوتی تھی اور ان کی مشین گنوں کی گھن گرج زمین سے کتنی بے ضرر سنائی دیتی تھی۔ اسے کسی گھریلو آواز کی یاد آتی تھی، سلائی کی مشین کی چیخ چیخ یا کسی کپڑے کے تھان کے پھٹنے کی آواز۔

بارہ جرمن بمبارے، تیر کے پھل کی شکل میں اڑتے ہوئے ہوائی اڈے کو نظر انداز کرتے ہوئے گزر گئے اور آسمان میں بلند سورج کی تیز شعاعوں میں غائب ہو گئے۔ بادلوں کے پیچھے سے، جن کے کنارے دھوپ کی تیزی سے اتنا چمک رہے تھے کہ آنکھیں خیرہ ہوئی جا رہی تھیں، بھونروں کی بھنبھناہٹ کی طرح، ہوائی جہازوں کی آواز آرہی تھی۔ طیارہشکن توپیں جنگلوں میں اور زیادہ وحشت سے گرجنے اور دھڑکنے لگیں۔ ان کے پھٹتے ہوئے گولوں کا دھواں آسمان میں ککروندے کے پھولے پھولے بیجوں کی طرح تیرنے لگا۔ لیکن لڑاکو جہاز کے پروں کی کوندتی ہوئی چمک کے سوا اور کچھہ دکھائی نہ دیا۔

بار بار کپڑے کے پھٹنے کی آواز بھونروں کی بھنبھناہٹ کو چیرنے لگی — چرچر، چرچر، چرچر! خیرہ کن دھوپ کی چمک میں گھمسان کی ان دیکھی لڑائی ہو رہی تھی۔ لیکن نیچے سے یہ لڑائی، فضائی جنگ کے ان تجربوں سے بالکل مختلف معلوم ہو رہی تھی جن سے ہواباز دوچار ہوتے ہیں۔ یہ لڑائی الکسئی کو اتنی غیراہم اور غیردلچسپ معلوم ہوئی کہ وہ سب کچھہ ذرا بھی سنسنی محسوس کئے بغیر دیکھتا رہا۔

جب تیر کی طرح چبھتی ہوئی چیخ سنائی دیتی اور تیزی سے نیچے آتے ہوئے بم سائز میں بڑھتے چلے جاتے جیسے کسی برش سے سیاہ قطرے ٹپک رہے ہوں، تو اس وقت بھی الکسئی کو ڈر نہ لگتا اور وہ ذرا سا سر اٹھا کر دیکھہ لیتا کہ بم کہاں گرے۔

اس وقت ''موسمی سرجنٹ'' کی حرکات و سکنات نے الکسئی کو بھونچکا کر دیا۔ جب بموں کی چیخ اپنے نقطۂ عروج پر پہنچ گئی اس وقت لڑکی اس گڑھے میں کمر تک دھنسی ہوئی کھڑی تھی اور بدستور چپکے چپکے اسے کنکھیوں سے دیکھہ رہی تھی، دفعتاً وہ اچھل کر باھر نکلی اور اسٹریچر کی طرف دوڑی، زمین پر گری اور اس نے الکسئی کے جسم کو اپنے جسم سے چھپالیا اور مارے ڈر اور ھیجان کے سر سے پاؤں تک کانپنے لگی۔

ایک آن کو اسے، اپنی آنکھوں سے قریب، ایک سنولایا ہوا بالکل بچکانہ چہرہ، بھرے بھرے ھونٹ اور اوپر کی طرف اٹھی ہوئی چھلی چھلی سی ناک نظر آئی۔ جنگل میں کہیں سے ایک دھماکا سنائی دیا اور اس کے بعد تابڑ توڑ دوسرے، تیسرے اور

چوتھے دھماکے کی آواز اور بھی قریب سے آئی۔ پانچواں دھماکا اتنا زوردار تھا کہ زمین لرز اٹھی۔ اس درخت کا سر، جس کے نیچے الکسئی پڑا ہوا تھا، بم کے ایک ٹکڑے سے کٹ کر شور مچاتا ہوا نیچے آرہا۔ اس نے دوبارہ لڑکی کا زرد، دہشت‌زدہ چہرہ دیکھا اور اپنے گال پر اس کے ٹھنڈے گال کا لمس محسوس کیا۔ اور دو بموں کے دھماکوں کے درمیان اس لڑکی نے سرگوشی میں کہا:

''میری جان! میری جان!...''

بموں نے زبردست دھماکے کے ساتھ زمین کو لرزا دیا اور ایسا لگا کہ پورے پورے درخت جن کے سر پھٹ گئے تھے جڑ سے اکھڑ کر ہوا میں بلند ہوئے اور ہوائی اڈے کے اوپر تیرنے لگے، اور پھر زبردست گھڑگھڑاہٹ اور دھمک کے ساتھ مٹی کے تودے زمین پر آ رہے اور ہوا میں بھورے رنگ کا دھانس پھینکتا ہوا دھواں باقی رہ گیا جس میں لہسن جیسی بو بسی ہوئی تھی۔

جب دھواں مٹا تو ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ جنگل کے پیچھے سے فضائی لڑائی کی موہوم سی دھمک سنائی دے رہی تھی۔ لڑکی کھڑی ہو چکی تھی۔ اس کا چہرہ اب زرد نہیں رہا تھا۔ اس پر سرخی چھا چکی تھی۔ اس کے چہرے میں غضب کی تمتماہٹ پیدا ہوگئی اور ایسا لگا کہ وہ آن کی آن میں رو دے گی۔ اس نے معذرت بھری آواز میں الکسئی سے آنکھیں بچاتے ہوئے کہا:

''میں نے تمھیں تکلیف تو نہیں دی، ایں؟ خدا کی پناہ، میں کیسی بےوقوف ہوں، کیسی نادان ہوں! مجھے بہت افسوس ہے!''

''اب معذرت کرنے کی ضرورت نہیں'' یورا غرایا۔ وہ شرمندہ تھا کہ اس کے بجائے موسمیات کے اسٹیشن کی یہ لڑکی اس کے دوست کو بچانے کے لئے جان پر کھیل گئی۔

اس نے بڑبڑاتے ہوئے اپنے فلائنگ سوٹ پر سے ریت جھاڑی، چندیا کھجائی اور برچ کے سر کٹے درخت کو تعجب بھری نظروں سے گھورنے لگا جس کے تنے سے بلور جیسی ڈھیروں رال ٹپک رہی تھی۔ ٹوٹے ہوئے درخت کے گھاؤ سے رال ٹپک ٹپک کر کائی سے ڈھکی ہوئی چھال پر دوڑتی ہوئی زمین پر گر رہی تھی، آنسوؤں کی طرح صاف شفاف اور شیشے کی طرح جھلمل جھلمل۔

”دیکھو ! درخت رو رہا ہے !،، لینوچکا نے کہا جو خطرناک لمحوں میں بھی اپنا طرار تجسس نہیں کھوتی تھی۔

”اسی طرح تم بھی روؤ گی!،، یورا نے یاس انگیز آواز میں کہا۔

”چلو تماشا ختم، پیسہ ھضم! چلو اب چلیں! امید تو یہی ہے کہ امبولنس ہوائی جہاز کو نقصان نہ پہنچا ہوگا۔،،

”بہار آگئی!،، میریسئف نےدرخت کے پاش پاش تنے کو دیکھتے ہوئے زمین پر ٹپکتی ہوئی چمکتی اور جھلملاتی رال اور ڈھیلے ڈھالے کوٹ میں ملبوس، مڑی ہوئی ناک والی ”موسمی سرجنٹ،، کو دیکھتے ہوئے کہا جس کا نام بھی اسے معلوم نہ تھا۔

یورانے آگے سے اور دونوں لڑکیوں نے پیچھے سے اسٹریچر اٹھایا اور بم کے دھماکوں کے بنائے ہوئے گڈھوں کے درمیان چکر کھاتے ہوئے اسے لے چلے۔ ان گڈھوں میں پگھلتی ہوئی برف کا پانی دوڑ رہا تھا۔ الکسئی نے کنکھیوں سے چھوٹے سے مضبوط ھاتھ کو دیکھا جوبڑے فوجی کوٹ کی آستین سے جھانک رہا تھا اور اسٹریچر کو کس کر پکڑے ہوئے تھا۔ آخر اس کو ہوا کیا تھا؟ یا اس نے خوف کے عالم میں محض یہ تصور کر لیا کہ اس کے منہ سے ایسے الفاظ نکلے تھے؟

اس دن، جو اس کے لئے گوناگوں واقعات سے بھرا ہوا تھا، الکسئی میریسئف کو ایک اور واقعے سے دو چار ہونا پڑا۔ چاندی کے رنگ کا امبولنس ہوائی جہاز نظر آنے لگا تھا اور ہوائی مستری بھی جو اس کے چاروں طرف گھوم رہا تھا، سر ھلا رہا تھا اور یہ دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ بم کے کسی ٹکڑے یا دھماکے سے ہوائی جہاز کو کوئی نقصان تو نہیں پہنچا ہے۔ اسی وقت یکے بعد دیگرے، لڑاکو طیارے لوٹے اور اترنا شروع ہوئے۔ وہ سیدھے جنگل کے اوپر سے تیرتے ہوئے آئے اور عام دستور کے مطابق چکر لگائے بغیر اتر گئے اور دوڑتے ہوئے جنگل کے کنارے اپنی اپنی جگہوں میں جا کر کھڑے ہو گئے۔

جلد ہی آسمان پر بالکل خاموشی چھا گئی۔ ہوائی اڈے کو صاف کیا گیا اور انجنوں کی گھنگھناھٹ بند ہوگئی۔ لیکن لوگ اب ایک کمانڈ پوسٹ میں موجود تھے اور اپنی آنکھوں پر ھاتھوں کی آڑ کر کے آسمان کو چھاننے کی کوشش کر رہے تھے۔

''نمبر نو، نہیں لوٹا! لگتا ہے کوکوشکن کہیں بھٹک گیا،،
یورا بولا۔

الکسئی کو کوکوشکن کا چھوٹا سا یرقانی چہرہ یاد آگیا جس سے ہمیشہ بےاطمینانی جھلکتی رہتی تھی اور اسے یاد آیا کہ اس نے کتنی احتیاط سے اس دن صبح کو اس کے اسٹریچر کو سہارا دیا تھا۔ کیا وہ؟.. اس قسم کے گرما گرم دنوں میں اس قسم کا خیال، ایک هواباز کے لئے کوئی اهمیت نه رکھتا تھا۔ لیکن اب اس وقت جبکه وہ هوائی اڈے کی زندگی سے کٹ چکا تھا، اس خیال نے اس کے بدن میں جھرجھری سی دوڑا دی۔

اسی لمحے انہیں ایک انجن کی گھنگھناهٹ سنائی دی۔

خوشی سے یورا کی چیخ نکل گئی:

''وہ آگیا وہ!،،

کمانڈ پوسٹ میں جو لوگ کھڑے تھے ان میں کھلبلی سی مچ گئی۔ کوئی حادثه هو گیا تھا۔ ''نمبر نو،، اترا نہیں بلکه هوائی اڈے کے اوپر بڑا سا چکر کاٹنے لگا۔ الکسئی نے اس کو اپنے سر پر اڑتے هوئے دیکھا۔ اس نے فوراً دیکھه لیا که اس کے پر کا ایک حصه ٹوٹ کر الگ هو گیا تھا اور سب سے بری بات یه تھی که اس کے نیچے صرف ایک هی ''ٹانگ،، نظر آرهی تھی۔ یکے بعد دیگرے دو سرخ راکٹ هوا میں سنسنائے۔ ایک بار پھر کوکوشکن اوپر سے اڑتا هوا گزر گیا۔ اس کا هوائی جہاز ایک ایسے پرندے کی طرح نظر آ رها تھا جو اپنے اجڑے هوئے گھونسلے کے اوپر منڈلا رها هو اور اس کی سمجھه میں نه آ رها هو که کہاں اترے۔اس نے تیسرا چکر کاٹنا شروع کیا۔

''ایک منٹ میں وہ چھتری لے کر نیچے اتر آئیگا۔ اس کا تیل ختم هو چکا ہے۔ وہ آخری قطروں سے هوائیجہاز اڑا رها ہے!،، یورا نے زیر لب کہا۔ اس کی آنکھیں گھڑی پر جمی هوئی تھیں۔

ان حالات میں جبکه اترنا ناممکن هو جائے تو هوابازوں کو اجازت تھی که هوائی جہاز بلندیوں میں لے جائیں اور وهاں سے هوائی چھتری کے ذریعه نیچے اتر آئیں۔ غالباً ''نمبر نو،، کو اس قسم کی هدایت مل چکی تھی۔ لیکن وہ پوری هٹدھرمی سے اسی طرح چکر لگاتا رها۔

یورا باربار ہوائی جہاز کو دیکھتا اور پھر اپنی گھڑی کو۔ جب اسے محسوس ہوا کہ ہوائی جہاز کی رفتار سست پڑ گئی ہے تو وہ بیٹھ گیا اور منہ پھیر لیا۔ ''کیا اسے ہوائی جہاز کو بچانے کی سوجھی ہے؟'' وہاں پر موجود ہر شخص کے دماغ میں ایک ہی خیال گونج رہا تھا۔ ''کود جاؤ! کود جاؤ! بھلے آدمی!''

ایک لڑاکو طیارہ، جس کی دم پر ''۱'' کا نشان بنا ہوا تھا، جھٹ سے ہوا میں بلند ہوا اور پہلے ہی جھونکے میں بڑی خوبی سے زخمی ''نمبر نو'' کے برابر آگیا۔ لیکن جس سکون اور چابکدستی سے ہوائی جہاز اڑایا جا رہا تھا، اس سے الکسئی تاڑ گیا کہ اس کو خود ونگ کمانڈر اڑا رہا ہے۔ معلوم ہوتا تھا کہ جب اس کو اندازہ ہو گیا کہ کوکوشکن کا ریڈیو کام نہیں کر رہا ہے یا ہواباز ہوش و حواس کھو بیٹھا ہے تو وہ اس کی مدد کو پہنچا۔ اس نے اپنے پروں سے اشارہ کیا کہ ''جو میں کروں کرو'' اور ایک طرف جھکتے ہوئے اوپر اٹھنے لگا۔ اس نے کوکوشکن کو حکم دیا کہ ایک طرف ہٹتے ہوئے چھتری لے کر کود جاؤ۔ لیکن اسی لمحے کوکوشکن نے گیس کم کی اور اترنے کی تیاری کی۔ اس کا ہوائی جہاز ٹوٹے ہوئے پیر کے ساتھ، ٹھیک الکسئی کے سر کے اوپر جھکا اور تیزی سے زمین کے قریب آنے لگا۔ یکایک وہ ہوائی اڈے پر اپنی سلامت ''ٹانگ'' کے سہارے اترا اور ایک ہی پہیے پر دوڑنے لگا، اس کی رفتار کم ہوئی، وہ دائیں طرف جھکا اور اس کا محفوظ پر زمین سے جا لگا۔ ہوائی جہاز گھوما اور برف کا ایک بادل سا اٹھا۔

جب برف کے بادل ذرا تھمے تو کوئی سیاہ سی چیز لنگڑے ہوائی جہاز کے پاس پڑی نظر آئی۔ لوگ اس کالی چیز کی طرف دوڑ پڑے اور ایک امبولنس کار سائرن بجاتی ہوئی بھاگی۔

''اس نے اپنا ہوائی جہاز بچا لیا! کیسا جیوٹ کا آدمی نکلا کوکوشکن! اس نے یہ سب کرنا کب سیکھا؟'' میریسئف اسٹریچر میں پڑا سوچ رہا تھا اور اپنے ساتھی پر رشک کر رہا تھا۔

بار بار اس کے دل میں ایک خواہش سر اٹھا رہی تھی کہ وہ اس جگہ کی طرف دوڑے جہاں وہ چھوٹا سا آدمی پڑا تھا جس کو سبھی ناپسند کرتے تھے — جو اتنا بہادر اور ہوشیار ہواباز ثابت ہوا تھا۔ لیکن وہ تو اسٹریچر سے بندھا ہوا تھا اور ایک جان لیوا درد تھا

کہ اسے جکڑے لے رہا تھا۔ جیسے ہی اعصابی تناؤ ختم ہوا اس درد نے پھر اسے بے دست و پا کردیا۔

ان تمام واقعات میں ایک گھنٹے سے زیادہ نہ لگا۔ لیکن یہ سب، اتنی بہت ساری باتیں اتنی تیزی سے رو نما ہوئی تھیں کہ الکسئی اپنے ذہن میں ان کا تجزیہ نہ کر سکا۔ ہاں صرف اس وقت جبکہ اس کا اسٹریچر اسبولنس ہوائی‌جہاز کے اندر خانے میں رکھا گیا اور جب پھر ایک بار اس کی آنکھیں ''موسمی سرجنٹ،، کی آنکھوں سے چار ہوئیں تو وہ واقعی ان الفاظ کا صحیح مطلب سمجھہ سکا جو بمباری کے وقت اس لڑکی کے زرد ہونٹوں سے پھوٹے تھے۔ اس کو یہ سوچ کر شرمندگی محسوس ہوئی کہ وہ اس شاندار جانباز لڑکی کا نام بھی نہ جانتا تھا۔

''کامریڈ سرجنٹ...،، اس نے ممنونیت بھری آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے ہولے سے کہا۔

کہا نہیں جا سکتا کہ اس نے انجن کے شور میں اس کی آواز سنی یا نہیں لیکن وہ آگے بڑھی اور اس نے ایک چھوٹا سا پیکٹ بڑھاتے ہوئے کہا:

''کامریڈ سینئر لفٹیننٹ۔ یہ آپ کے خط ہیں۔ میں نے ان کو بچا کر رکھا اس لئے کہ میں جانتی تھی آپ زندہ سلامت ہیں اور ایک دن لوٹ آئینگے۔ میں یہ جانتی تھی۔ میرا دل کہتا تھا۔،،

اس نے خطوں کا چھوٹا سا پلندہ اس کے سینے پر رکھہ دیا۔اس نے دیکھا کہ ان میں کئی اس کی ماں کے خط ہیں جو مثلث کی طرح مڑے ہوئے تھے۔ ان پر پتہ بے‌ربط اور بوڑھے ہاتھوں نے لکھا تھا اور کئی خط ان مانوس لفافوں میں تھے۔ ایسے ہی لفافے اس کی وردی کی جیب میں ہمیشہ موجود رہتے تھے۔ اس کا چہرہ ان لفافوں کو دیکھہ کر کھل اٹھا اور اس نے کمبل سے اپنے ہاتھہ کو چھڑانے کی کوشش کی۔

''کیا یہ خط کسی لڑکی کے ہیں؟،، ''موسمی سرجنٹ،، نے اداسی کے ساتھہ دوبارہ سرخ ہوتے ہوئے پوچھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور اس کی لمبی لمبی حسین پلکیں بھیگ گئیں۔

میریسئف نے محسوس کیا کہ اس نے وہ الفاظ بمباری کے وقت

محض تصور کے کانوں سے نہیں سنے تھے۔ اور یہ جاننے کے بعد اسے سچ بتانے کی ہمت نہ ہوئی۔

''یہ میری شادی شدہ بہن کے خط ہیں۔ اب اس کا نام بدل گیا ہے،، اس نے جواب دیا اور اسے اپنے آپ سے نفرت سی محسوس ہوئی۔

انجن کی گھنگھناہٹ کو چیرتی ہوئی آوازیں سنائی دیں۔ پہلو کا دروازہ کھلا اور ایک سرجن داخل ہوا۔ یہ ایک اجنبی تھا اور اپنے بھاری کوٹ کے اوپر سفید لبادہ پہنے ہوئے تھا۔

''اچھا ایک مریض یہاں پہلے ہی سے موجود ہے؟ اچھا!،، اس نے میریسئف کو دیکھتے ہوئے کہا ''دوسرے کو بھی اندرلے آؤ۔ ہم ایک منٹ میں چل دینگے۔ اور مادام آپ کیا کر رہی ہیں یہاں؟،، اس نے بھاپ سے دھندلائی ہوئی عینک سے ''موسمی سرجنٹ،، کو گھورتے ہوئے پوچھا جو یورا کے پیچھے چھپنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ''جاؤ اب۔ ہم ایک منٹ میں روانہ ہو رہے ہیں۔ اے! اسٹریچر کو اندر رکھو!،،

''خط ضرور لکھنا! خدا کے لئے مجھے خط لکھنا، میں انتظار کروں گی!،، الکسئی نے لڑکی کی سر گوشی سنی۔

یورا کی مدد سے سرجن نے اسٹریچر کو ہوائی جہاز کے اندر کھینچا جس میں کوئی شخص پڑا آہستہ کراہ رہا تھا۔ اسٹریچر کو اپنے خانے میں رکھا جا رہا تھا کہ اس پر سے چادر کھسک گئی اور الکسئی نے کوکوشکن کا چہرہ دیکھا جس سے درد جھلک رہا تھا۔ سرجن نے ہاتھ ملے، کیبن میں نظریں دوڑائیں اور میریسئف کے پیٹ کو تھپکتے ہوئے بولا:

''خوب، بہت خوب! چلو تمہیں ایک ہمسفر مل گیا، میرے نوجوان۔ خوب ہوا؟ اور اب وہ سب جو ہمارے ساتھ نہیں جا رہے ہیں، ہوائی‌جہاز سے اتر جائیں! اچھا تو وہ سرجنٹ کے فیتوں والی لوریلی چل دی، ایں؟ ٹھیک! اچھا اب ہم چل دیں!..،،

یورا کو اترنے میں جھجک ہو رہی تھی۔ سرجن نے آخر اسے دھکیل کر اتار دیا۔ دروازہ بند ہو گیا۔ ہوائی‌جہاز کانپنے لگا، اس نے دوڑنا شروع کیا اور پھر سکون اور آہنگ کے ساتھ ہوا میں پرواز کرنے لگا۔ اس کے انجن کی ہموار گھنگھناہٹ سنائی دینے لگی۔ سرجن، دیوار کے سہارے میریسئف کے پاس ٹک گیا۔

''کیسے ہو تم؟،، اس نے پوچھا۔ ''آؤ تمہاری نبض دیکھیں۔،، اس نے سوالیہ نظروں سے مریض کو دیکھا اور بڑبڑایا ''زوردار کردار ہے!،، اور پھر اس نے میریسئف سے کہا ''تمہارے دوست تمہارے کارناموں کے ایسے ایسے قصے سناتے ہیں کہ ان پر یقین نہیں آتا، جیسے جیک لنڈن کی کہانی ہو۔،،

وہ اپنی جگہ پر بیٹھ گیا، آرام سے ہاتھ پیر پھیلائے اور فوراً ڈھلک کر سو گیا۔ صاف ظاہر تھا کہ یہ پیلے چہرے والا آدمی، جو اب کسی طرف سے جوان نہیں تھا، تھک کر کتنا نڈھال ہو چکا تھا۔

''جیک لنڈن کی کہانی،، میریسئف نے سوچا اور اس کے ذہن میں اپنے لڑکپن کی یادیں لہرانے لگیں، ایک آدمی کی کہانی جس کی ٹانگ چوٹ سے سوج گئی تھی۔ وہ ایک ویرانے سے رینگتا ہوا گزر رہا تھا اور ایک نیم مردہ اور بھوکا بھیڑیا اس کا پیچھا کر رہا تھا۔ ہر چیز انجن کی گھنگھناہٹ سے خواب آلود ہوکر تیرنے لگی، ہر چیز کے خطوط مٹنے لگے، ہر چیز سرمئی اندھیرے میں گھلنے لگی اور نیند آنے سے پہلے ایک آخری خیال الکسئی کے ذہن میں کوند گیا — کہ جنگ کہیں نہیں ہو رہی ہے، نہ بم گر رہے ہیں اور نہ پیروں میں مستقل جان لیوا درد اور ٹیس ہے، ماسکو کی طرف کوئی ہوائی جہاز نہیں اڑ رہا ہے۔ ہاں یہ ساری باتیں تو اس کی اس پر لطف کتاب میں تھیں جو اس نے اپنے دور افتادہ شہر کامی‌شین میں پڑھی تھی۔

دوسرا حصہ

۱

جب اندرئی دیگتیارینکو اور لینوچکا نے اپنے دوست کے سامنے راجدھانی کے اس ہسپتال کی شان اور آن بان کے گن گائے تھے جس میں میریسئف اور لفٹیننٹ کونستانتن کوکوشکن کا داخلہ ہوا تھا، تو یقینی انھوں نے کسی مبالغے سے کام نہیں لیا تھا۔

جنگ سے پہلے، یہ ہسپتال ایک انسٹی‌ٹیوٹ کا کلینک تھا۔ یہاں ایک نامور سوویت سائنس‌داں نے بیماروں اور زخمیوں کو تیزی سے پوری طرح صحت‌یاب کرنے کے نئے طریقوں کے سلسلے میں تجربے کئے تھے۔ انسٹی‌ٹیوٹ اپنی مستحکم روائتوں پر قائم تھا اور اسے عالمگیر شہرت حاصل تھی۔

جب جنگ چھڑی تو اس سائنس‌داں نے کلینک کو فوجی افسروں کے لئے ایک ہسپتال کی شکل دے دی۔ ہسپتال اپنے مریضوں کے لئے اس زمانے کی جدیدترین ترقی پذیر سائنس کی تمام سہولتیں مہیا کرتا۔ جب ماسکو کے قریب گھمسان کا رن پڑا تو کلینک کی مقررہ گنجائش کے مقابلے میں پلنگوں کی تعداد چوگنی ہو گئی۔ تمام ضمنی جگہیں — ملاقاتیوں کے کمرے، مطالعے اور تفریح کے کمرے، عملے کے کمرے اور کھانے کے کمرے — سبھی وارڈ میں بدل دئے گئے۔ خود سائنس‌داں نے لیبارٹری سے متصل اپنا مطالعے کا کمرہ چھوڑ دیا اور اپنی کتابوں سمیت اس چھوٹے سے کمرے میں اٹھ آیا جو ڈیوٹی پر موجود نرس کے کام آتا تھا۔ اس پر بھی اکثر گلیاروں میں مریضوں کے پلنگ بچھانے کی ضرورت ہوتی تھی۔

ان چمکتی ہوئی سفید دیواروں کے پیچھے سے، جو معلوم ہوتا تھا کہ خاص طور پر علم‌طب کے اس شوالے کی مقدس خاموشی کے

لئے بنائی گئی تھیں، مریضوں کی کراھیں، بڑبڑاھٹیں اور سوئے ہوئے مریضوں کے خراٹے اور سرسامی مریضوں کی ہذیانی باتیں سنائی دیتی تھیں۔ اس جگہ جنگ کی تکلیف دہ گھٹن پیدا کرنے والی بو بسی ہوئی تھی — خون میں لتھڑی ہوئی پٹیوں کی بو، سوجے اور دھکتے ہوئے زخموں کی بو، زندہ انسانوں کے سڑتے ہوئے زخموں کی بو — تازہ سے تازہ ہوا کے جھونکے بھی اس بو کو مٹانے میں ناکام رہتے۔ سائنس‌داں کے اپنے ڈیزائن کے مطابق بنائے ہوئے آرام‌دہ پلنگوں کے پہلو میں ٹوٹ کی چارپائیاں بھی پڑی تھیں۔ برتنوں کی کمی تھی۔ کلینک کے چینی کے حسین برتنوں کے ساتھہ الیمونیم کے برتن بھی استعمال ہوتے تھے۔ قریب ھی ایک بم آکر پھٹا تھا اور اس کے دھماکے سے بڑی بڑی اطالوی کھڑکیوں کے شیشے چکناچور ہو گئے تھے اور ان کو لکڑی کے تختوں سے گھیرنا پڑا تھا۔ پانی کا بھی بڑا ٹوٹا تھا۔ باربار گیس بند ہو جاتی تھی اور اوزاروں کو اسپرٹ سے جلنے والے دقیانوسی اسٹوو پر ابالنا پڑتا تھا۔ لیکن زخمیوں کی ریل پیل جاری رہی۔ ان کی تعداد بڑھتی ھی جاتی تھی — وہ ہوائی جہازوں، موٹروں اور گاڑیوں میں لائے جاتے۔ اور ان کی تعداد ہمارے جوابی حملے اور پیش قدمی کی بڑھتی ہوئی طاقت اور زور کے تناسب سے بڑھتی جاتی۔

لیکن ان سب باتوں کے باوجود، ہسپتال کا سارا عملہ — اس کے چیف، نامور سائنس‌داں اور اعلی سوویت کے رکن سے لے کر، وارڈ کی نرسوں، وارڈ کے خادموں اور قلیوں تک — سبھی، اپنے انسٹی‌ٹیوٹ کے دیرینہ ضابطوں کی پابندی کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے تھے، حالانکہ سب کے سب، تھک کر نڈھال ہو چکے تھے اور کبھی کبھی انہیں نیم‌فاقہ بھی کرنا پڑتا تھا۔ وارڈ کی خادمائیں کبھی کبھی آرام کئے بغیر، تابڑ توڑ تین تین بار ڈیوٹی پوری کرتی تھیں اور انہیں فرصت کے جو لمحے میسر آ جاتے ان کو صفائی ستھرائی اور دھلائی وغیرہ میں صرف کرتیں۔ دبلی پتلی، تھکی ھاری نڈھال نرسیں پہلے کی طرح اپنے سفید اور صاف ستھرے کپڑوں میں کام پر آتیں اور ڈاکٹروں کی ھدایتوں پر پوری طرح عمل کرنے میں پہلے کی طرح اسی مستعدی اور تندھی سے کام لیتیں۔ ھاؤس سرجن پہلے کی طرح سختی سے کام لیتے اور مریض کے بستر کی سفید چادر پر ایک دھبہ بھی برداشت نہ کرتے، وہ دیواروں، کٹھروں اور دروازوں کے دستوں کو اپنے

رومالوں سے رگڑ رگڑ کر صاف کرتے اور دیکھتے کہ آیا انہیں پوری طرح صاف بھی کیا گیا ہے یا نہیں - دن میں دو بار، مقررہ وقت پر، ہسپتال کا چیف معائنے پر نکلتا - وہ لمبا، سرخ چہرے والا بوڑھا آدمی تھا - وہ ہمیشہ گرجتا برستا رہتا تھا - اس کے کھچڑی بال پیشانی پر جھکے ہوئے تھے، اس کی مونچھیں کالی تھیں اور شاہی داڑھی میں سفید تار نمایاں تھے - وہ جنگ سے پہلے کی طرح، اسی شان سے دن میں دو بار، ھاؤس سرجنوں کے قافلے کے ساتھہ وارڈ کے معائنے پر نکلتا - ساتھہ ھی سفید لبادوں میں اسسٹنٹ بھی ہوتے - وہ نئے مریضوں کا پروانہ دیکھتا اور جن مریضوں کی حالت نازک ہوتی ان کے بارے میں مشورے دیتا -

ان اضطراری دنوں میں ہسپتال سے باھر بھی اسے بہت زیادہ کام کرنا پڑتا تھا، لیکن وہ اپنی نیند اور آرام حرام کر کے اپنے چہیتے انسٹی ٹیوٹ کے لئے ضرور وقت نکال لیتا - کوئی بھی لغزش ہوتی تو عملے پر خوب برستا — اس کی خفگی میں ایک عجیب لڑکپن اور جوش ہوتا - وہ اپنی بھڑاس ''موقعہ واردات،، پر ھی نکال لیتا اور ہمیشہ اصرار کرتا کہ جنگ کے دور کے ماسکو میں بھی، چاھے بلیک آوٹ ہو، سائرن بج رہا ہو، کلینک کو اپنا فرض ایک نمونے کے ادارے کے طور پر پورا کرنا چاھئے - ھٹلر اور گوئرنگ کا جواب یہی ہے - وہ جنگ کی بنا پر پیدا ہونے والی مشکلات کی کوئی داد فریاد نہ سنتا اور کہتا کہ کام چور اور کاھل قسم کے لوگ یہاں سے دفان ہوں اور جہنم کا راستہ لیں اور خاص طور پر اس وقت جبکہ کڑا وقت آن پڑا ہے، یہاں سخت نظم وضبط ہونا چاھئے - وہ خود اتنی پابندی سے اپنا دورہ کرتا کہ وارڈ کی آیائیں اس کو دیکھہ کر وارڈ کی گھڑی ملا لیتیں - بمباری بھی اس کی پابندی وقت میں رکاوٹ نہ پیدا کرتی - اسی کی بدولت عملے میں معجزے کر دکھانے کا جوش پیدا ہوتا اور وہ ناقابل یقین کٹھنائیوں میں بھی کلینک میں جنگ سے پہلے والی ٹیپ ٹاپ اور نظم وضبط قائم رکھتے -

صبح کے ایسے ھی ایک دورے کے وقت، چیف، جس کو ہم واسیتی واسیلی‌وچ کے نام سے یاد کرینگے، دو ہم پہلو پلنگوں کے پاس آیا جو تیسری منزل کے زینے کی لینڈنگ پر بچھے ہوئے تھے -

''یہ کیسی نمائش ہے؟،، وہ گرجا اور اپنی گھنی بھوؤں کی چھاؤں میں تڑپتی ہوئی ایسی شعلہ‌بار نگاہوں سے ھاؤس سرجن کو

دیکھا کہ لمبا تڑنگا، گول شانوں‌والا یہ خوش رو آدمی، جواب جوانی کی منزل سے گزر چکا تھا بالکل اسکول کے لڑکے کی طرح تن کر کھڑا ہو گیا اور بولا:

''رات ہی پہنچے ہیں... ہوا باز ہیں۔ اس کی ایک ران ٹوٹی ہوئی ہے اور سیدھا بازو بھی ٹوٹا ہے۔ حالت نارمل ہے۔ لیکن وہ...''

اس نے ایک دوسرے دبلے پتلے پیکر کی طرف اشارہ کیا جس کی عمر کے بارے میں کچھ کہا نہ جا سکتا تھا۔ وہ آنکھیں بند کئے بےحس و حرکت پڑا تھا۔ ''یہ ایک نازک مریض ہے۔ اس کے پنجے کچلے ہوئے ہیں۔ دونوں پیروں میں گنگرین ہے۔ لیکن سب سے زیادہ یہ مصیبت ہے کہ بالکل نڈھال ہو چکا ہے۔ مجھے یقین نہیں آتا، لیکن اس کے همراہ آنے والے میڈیکل افسر کی رپورٹ ہے کہ یہ آدمی اپنے ٹوٹے پیروں سے اٹھارہ دن تک جرمن مورچے کے پیچھے اپنے مورچے کی طرف رینگتا رہا۔ بےشک یہ مبالغہ ہے...''

ہاؤس سرجن کی باتیں سنی ان سنی کرتے ہوئے واسیلی واسیلی‌وچ نے کمبل اٹھایا۔ الکسئی میریسئف سینے پر ہاتھ باندھے پڑا تھا۔ اس کے سنولائے ہوئے بازو تازہ تازہ سفید قمیص اور چادروں پر بہت نمایاں تھے۔ اس طرح اس شخص کی ہڈیوں کے ڈھانچے کا بھی پورا اندازہ ہوجاتا تھا۔ پروفیسر نے بڑی آہستگی سے کمبل کو رکھ دیا اور ہاؤس سرجن کی بات کاٹتے ہوئے بڑبڑایا:

''یہ یہاں کیوں پڑے ہیں؟''

''گلیارے میں اور جگہ نہیں۔ آپ نے خود...''

''آپ نے خود! آپ نے خود! اور نمبر بیالیس کے بارے میں کیا کہتے ہو؟''

''وہ تو کرنلوں کا وارڈ ہے۔''

''کرنلوں کا!'' پروفیسر دھاڑا ''کس بےوقوف کی ایجاد ہے یہ؟''

''لیکن ہم سے کہا گیا تھا 'سوویت یونین کے سورماؤں' کے لئے جگہ ریزرو رکھو!''

''سورما! سورما! اس جنگ میں سبھی سورما ہیں! لیکن تم مجھے سبق پڑھانے کی کوشش کیوں کررہے ہو؟ یہاں کا انچارج کون

ہے؟ جس کو میری بات پسند نہ آئے یہاں سے چلتا ہو جائے! ان دونوں کو فوراً بیالیس میں پہنچاؤ! 'کرنلوں کا وارڈ!، — کیسی کیسی حماقتوں کی سوجھتی ہے لوگوں کو!"

وہ اپنے بجھے بجھے سے قافلے کے ساتھ آگے چل پڑا لیکن جلد ہی پلٹا میریسئف کے اوپر جھکا اور اپنا پھولا پھولا ہاتھ جس کی جلد بھانت بھانت کی دواؤں کے اثر سے ادھڑ رہی تھی اس نے ہواباز کے شانے پر رکھا اور پوچھا:

"کیا یہ سچ ہے کہ تم جرمن مورچے کے پیچھے دو ہفتے تک رینگتے رہے؟"

"کیا مجھے گنگرین ہے؟" میریسئف نے ڈوبتی ہوئی آواز کے ساتھ پوچھا۔

پروفیسر نے اپنے قافلے پر غصے بھری نظر ڈالی جو دروازے کے پاس کھڑا ہو گیا تھا۔ پھر اس نے اپنی آنکھیں مریض کی بڑی بڑی کالی آنکھوں میں ڈال دیں جن سے دکھ اور بے چینی جھانک رہی تھی اور اس کے منہ سے نکلا:

"تمہارے جیسے آدمی کو دھوکا دینا گناہ ہے۔ ہاں یہ گنگرین ہے۔ لیکن اپنا دل بڑا رکھو۔ کوئی بیماری ناقابل علاج نہیں۔ آدمی کسی مصیبت میں گھرجائے نکلنے کا راستہ ضرور مل سکتا ہے۔ سمجھے تم؟ بس یہ ٹھیک ہے!"

اور وہ جھومتا جھامتا اپنے لمبے ڈیل ڈول کے ساتھ، گرجتا برستا وہاں سے چلا گیا اور جلد ہی کہیں دور سے گلیارے کے دروازے کے شیشے سے اس کی غراتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"خوب آدمی ہے" میریسئف نے اپنی بھاری آنکھوں سے دور جاتے ہوئے ہیولے کا تعاقب کرتے ہوئے کہا۔

"پاگل ہے۔ تم نے سنی اس کی بات؟ وہ ہمارا بننے کی کوشش کررہا ہے۔ ہم ان سادہ لوحوں کو خوب جانتے ہیں" کوکوشکن نے اپنے بستر سے ایک ٹیڑھی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "اچھا تو اب ہمیں 'کرنلوں کے وارڈ، میں رہنے کی عزت حاصل ہوئی ہے۔"

"گنگرین" میریسئف نے دھیرے سے کہا اور پھر دوہرایا "گنگرین!"

۲

یہ 'کرنلوں کا وارڈ'، دوسری منزل کے گلیارے کے آخر میں واقع تھا۔ اس کی کھڑکیاں دکھن اور پورب کی طرف کھلتی تھیں۔ اس لئے دن بھر اس میں دھوپ آتی تھی اور سورج کی کرنیں ایک پلنگ سے دوسرے پلنگ پر رینگتی رہتی تھیں۔ یہ ایک چھوٹا سا وارڈ تھا۔ لکڑی کے فرش پر جو سیاہ دھبے نمایاں تھے ان سے ظاہر تھا کہ پہلے وہاں صرف دو پلنگ رکھے جاتے تھے، دو چھوٹی چھوٹی الماریاں اور بیچ میں ایک گول میز۔ اب کمرے میں چار پلنگ تھے۔ ان میں سے ایک پر زخمی آدمی پڑا تھا اور وہ سر سے پیر تک پٹیوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ کوئی لپٹا لپٹایا نوزائیدہ بچہ ہے۔ وہ چت لیٹا ہوا تھا اور پٹیوں کی اوٹ سے اپنی خالی خالی، بے حس و حرکت آنکھوں سے چھت کو گھور رہا تھا۔ ایک دوسرے بستر پر، بالکل الکسئی کے پہلو میں، ایک اور مریض لیٹا ہوا تھا۔ اس کا فوجی چہرہ جھریوں سے بھرا ہوا تھا جس پر چیچک کے داغ ابھرے ہوئے تھے۔ اس کی مونچھیں سنہری اور پتلی پتلی تھیں۔ وہ بڑا باتونی اور زندہ دل آدمی تھا۔

ہسپتال میں لوگوں کی یاری جلدی جڑ پکڑتی ہے۔ شام ہوتے ہوتے الکسئی کو معلوم ہو گیا کہ چیچک رو آدمی سائبیریا کا رہنے والا ہے۔ وہ پنچائتی فارم کا صدر ہے، شکاری ہے اور فوج میں نشانہ‌باز ہے اور اپنے فن میں یکتا۔ اس نے شروع کیا یلنا کے قریب کی مشہور لڑائیوں سے جبکہ اپنے سائبیریائی ڈویژن کے ساتھ جس میں اس کے دو بیٹے اور داماد بھی شامل تھے، وہ میدان جنگ میں آیا۔ بقول خود وہ ستر فاشستوں کو ''جہنم کا راستہ'' دکھا چکا تھا۔ وہ سوویت یونین کا ہیرو تھا۔ اور جب اس نے الکسئی کو اپنا نام بتایا تو بڑی تجسس بھری نظروں سے اس کے سادہ اور ملنسار چہرے کو دیکھا۔ اس وقت فوج میں اس کے نام کا ڈنکا بجا ہوا تھا اور بڑے بڑے اخباروں نے اس پر اداریے لکھے تھے۔ ہسپتال میں ہر شخص — نرسیں، ہاؤس سرجن اور خود واسیلی واسیلی‌وچ — سبھی بڑے احترام سے اس کو استیپان ایوانووچ کے نام سے یاد کرتے تھے۔

وارڈ کا چوتھا آدمی جو پٹیوں میں جکڑا ھوا تھا، پورے دن اپنے بارے میں ایک لفظ نہیں بولا ۔ سچی بات تو یہ ھے کہ اس کے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکلا تھا ۔ لیکن استیپان ایوانووچ نے، جس کو دنیا میں ہر بات کی خبر تھی، دھیرے دھیرے اس کا سارا قصہ میریسئف کو سنایا ۔ اس کا نام تھا گریگوری گووزدیف ۔ وہ ٹینکوں کے دستے میں لفٹیننٹ تھا اور وہ بھی سوویت یونین کا ھیرو تھا ۔ وہ ٹینک اسکول سے سند لے کر نکلا تھا اور شروع سے ھی جنگ میں شامل تھا ۔ پہلی بار اس نے بریست لیتوفسک کے قریب کسی مورچے پر جنگ میں حصہ لیا ۔ بیلوستوک کے قریب ٹینکوں کی مشہور لڑائی میں اس کا ٹینک پھٹ گیا ۔ وہ فوراً اس میں سے نکل کر دوسرے ٹینک میں گھس گیا جس کا کمانڈر مارا جا چکا تھا اور ٹینک ڈویژن کے بچے کھچے حصے کے ساتھہ مینسک کی طرف پیچھے ھٹتی ھوئی فوج کی حفاظت کرتا رھا ۔ دریائے بوگ کے قریب لڑائی میں وہ زخمی ھوا اور اس کا دوسرا ٹینک بھی ھاتھہ سے جاتا رھا ۔ پھر وہ ایک تیسرے ٹینک میں گھس گیا جس کا کمانڈر ھلاک ھو چکاتھا ۔ اس نے کمپنی کی کمان اپنے ھاتھہ میں لے لی ۔ بعد کو جب دشمنوں کے مورچے کے پیچھے رہ گیا تو اس نے تین ٹینکوں کی ایک گشتی ٹولی بنائی اور ایک مہینے تک دشمنوں کی لائن کے پیچھے رہ کر دشمن کی آمد و رفت کو نقصان پہنچاتا رھا اور دشمنوں کے دل دھلاتا رھا ۔ حال کی لڑائیوں میں اس نے میدان جنگ میں ھی اپنے ٹینک میں ایندھن بھرا، گولہ بارود اکٹھا کیا اور ضروری پرزے وغیرہ جمع کئے — جنگلوں اور دلدلوں میں شاھراھوں کے کنارے سرسبز گڈھے ھر قسم کی ٹوٹی پھوٹی مشینوں سے بھرے پڑے تھے ۔

وہ دوروگوبوژ کے آس پاس کا رھنے والا تھا ۔ جب اس نے سوویت اطلاعاتی بیورو کا اعلان سنا (جو کمانڈر کے ٹینک کے وائرلس سے روزانہ سنا جاتا تھا) کہ لڑائی کا مورچہ اس کی پیدائشی جگہ کے قریب بڑھہ رھا ھے تو وہ اپنے آپ پر قابو نہ رکھہ سکا اور تینوں ٹینکوں کو برباد کر دینے کے بعد اس نے اپنے باقی آٹھہ آدمیوں کو ساتھہ لیا اور دوبارہ اپنی فوج سے جا ملنے کے لئے جنگل جنگل چل پڑا ۔

جب جنگ چھڑی ھے، اس سے کچھہ ھی دن پہلے، گووزدیف چھٹیوں میں اپنے چھوٹے سے گاؤں آیا تھا جو سبزہ زاروں میں بل کھاتی

ہوئی ایک ندی کے کنارے آباد تھا - اس کی ماں، جو گاؤں کے اسکول میں استانی تھی، بری طرح بیمار تھی اور اس کے باپ نے، جو ایک پرانا ماہر زراعت اور محنت کشوں کے نمائندوں کی علاقائی سوویت کا ممبر تھا، تار دے کر اسے بلایا تھا -

گووزدیف کو، اسکول کے قریب، لکڑی کی ایک کٹیا یاد تھی - اس کی ماں — چھوٹے سے قد کی نڈھال عورت، ایک پرانے صوفے پر بے بس پڑی ہوئی - اس کا باپ، جو اس کی ماں کے صوفے کے پاس کھڑا کھانس رہا تھا اور تردد میں اپنی چھوٹی چھوٹی سفید داڑھی کھجا رہا تھا اور اس کی سیاہ بالوں والی تین سیانی بہنیں جو ماں سے بے حد ملتی تھیں - اس کو گاؤں کی ڈاکٹر ژینیا بھی یاد تھی - وہ چھریرے بدن کی لڑکی تھی - اس کی آنکھیں نیلی تھیں - وہ اس کو چھوڑنے کے لئے گھوڑا گاڑی میں بیٹھ کر اسٹیشن تک آئی تھی - اور اس نے لڑکی سے وعدہ کیا تھا کہ وہ ہر روز اسے خط لکھیگا - بیلوروس کے روندے ہوئے کھیتوں اور جلے ہوئے ویران دیہاتوں سے درندے کی طرح رینگ کر گزرتے ہوئے، شاہراہوں اور شہروں سے بچ کر نکلتے ہوئے، وہ دکھی دل کے ساتھ سوچنے کی کوشش کرتا کہ اسے اپنے گاؤں میں کیا رنگ نظر آئیگا - وہ سوچتا کہ آیا اس کے لوگ وہاں سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہوئے یا نہیں - اور اگر وہ وہاں سے نکل کر نہ بھاگ سکے تو ان کا کیا حشر ہوا ہوگا -

جب وہ اپنے گاؤں پہنچا تو وہاں کا حال اسے اپنی تمام تر توقعات سے کہیں زیادہ بھیانک نظر آیا - اسے نہ تو اپنا گھر ملا، نہ اپنے لوگ، نہ ژینیا اور نہ خود گاؤں - اسے ایک سڑی سی بڑھیا ملی جو ناچنے کے انداز میں تھرکتی ہوئی اور آپ ہی آپ بڑبڑاتی ہوئی، جلے ہوئے ملبوں کے بیچوں بیچ ایک چولھے پر کچھ پکا رہی تھی - اس سے معلوم ہوا کہ جب جرمن قریب آ رہے تھے تو اسکول کی استانی اتنی بیمار تھی کہ ماہر زراعت اور اس کی لڑکیاں اس کو وہاں سے لے جانے کی ہمت نہ کر سکے اور نہ اسے چھوڑ کر وہ کہیں جا سکے - جرمنوں کو سراغ مل گیا کہ محنت کشوں کے نمائندوں کی علاقائی سوویت کا ایک ممبر اور اس کا خاندان گاؤں میں ہی رہ گئے ہیں - انہوں نے پورے خاندان کو پکڑ لیا اور اسی رات کو ان سب کو برچ کے ایک درخت سے لٹکا کر پھانسی دے دی -

اور گھر کو جلا کر راکھ کر دیا۔ بڑھیا نے یہ بھی بتایا کہ ژینیا جرمن افسر اعلی کے پاس گووزدیف خاندان کی سفارش اور وکالت کرنے گئی لیکن افسرنے اس پر خوب ظلم توڑے کہ مجبور ہو کر وہ اپنا جسم اس کی آغوش میں ڈال دے۔ آخر ہوا کیا بڑھیا کو ٹھیک ٹھیک معلوم نہ تھا۔ اگلی صبح، اس گھر سے جہاں افسر رہتا تھا، اس لڑکی کی لاش نکالی گئی اور دو دن تک وہ لاش ندی کے کنارے پڑی رہی۔ بعد میں، جرمنوں نے پورے گاؤں میں آگ لگادی کیونکہ کسی نے ایندھن کی ٹنکیوں میں آگ لگا دی تھی جو پنچائتی فارم کے اصطبل میں رکھی ہوئی تھیں۔ اس واقعے کو صرف پانچ دن ہوئے تھے۔

بڑھیا گووزدیف کو اس کے جلے ہوئے گھر کے ملبوں تک لے گئی اور اس کو برچ کا درخت دکھایا۔ اس کے لڑکپن میں اس کا جھولا اسی تناور درخت کی شاخ سے لٹکتا تھا۔ اب یہ درخت بالکل سوکھا ہوا تھا۔ اور اس کی جلی ہوئی شاخ سے پانچ پھندے لٹکے ہوئے ہل رہے تھے۔ بڑھیا پیروں کو ناچنے کے انداز میں اٹھا اٹھا کر چلتے ہوئے اور من ہی من میں کچھ دعا بڑبڑاتے ہوئے، گووزدیف کو ندی تک لے گئی اور اس کو وہ جگہ دکھائی جہاں اس لڑکی کی لاش دو دن تک پڑی رہی تھی جس کو اس نے روز خط لکھنے کا وعدہ کیا تھا مگر جس سے اپنا وعدہ وفا کرنے کا وقت نہ مل سکا تھا۔ وہ سوان کی سرسراتی ہوئی گھاس کے درمیان کچھ دیر کھڑا رہا اور پھر جنگل کی طرف لوٹ گیا جہاں اس کے لوگ اس کا انتظار کر رہے تھے۔ اس نے نہ تو ایک لفظ کہا اور نہ آنکھوں سے آنسو کی ایک بوند ٹپکائی۔

جون کے آخر میں، جب جنرل کونیف نے حملے میں پیش قدمی کی تو اس وقت گریگوری گووزدیف اور اس کے ساتھی جرمن لائن کو توڑ کر نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ اگست میں اس کو ایک نیا ٹینک دیا گیا تھا۔ اس کا نام تھا ''ت۔ ۳۴''، اور جاڑے سے پہلے پہلے وہ بٹیلین میں مشہور ہو گیا اور لوگ کہتے ''اس آدمی نے حد کر دی''۔ اس کے بارے میں کہانیاں کہی اور لکھی جاتیں، جن پر یقین نہ آتا۔ لیکن تھیں وہ سچی کہانیاں۔ ایک رات، وہ گشت کے لئے نکلا۔ وہ انتہائی تیز رفتاری سے جرمن لائن کو چیرتا ہوا

1950

بڑھا، اس نے بخیر تمام ان کا مائن سے پٹا ہوا علاقہ پار کر لیا، اندھا دھند توپیں داغتا دشمن کا دل دہلاتا، وہ ایک ایسے شہر جا پہنچا جو آدھا سوویت فوج سے گھرا ہوا تھا اور دشمن کی صفوں میں خاصی افراتفری مچاتا ہوا وہ دوسری طرف اپنی فوج سے جاملا۔ ایک اور موقع پر جرمن لائن کے پیچھے ایک گشتی ٹولی کے ساتھہ گھومتے ہوئے وہ کمین گاہ سے جھپٹا اور رسل و رسائل کے ایک دستے سے جا ٹکرایا اور سپاہیوں، گھوڑوں اور گاڑیوں کو کچل کر رکھہ دیا۔

جاڑے میں، ٹینک کی ایک ٹولی کی رہنمائی کرتے ہوئے، اس نے شہر رژیف کے قریب ایک قلعه بند گاؤں کے ایک فوجی دستے پر حملہ کیا۔ یہاں دشمن کا ہیڈ کوارٹر تھا۔ ابھی وہ گاؤں کے نکڑ ھی پر تھا اور دفاعی مورچے کو پار کر رہا تھا کہ اس کا اپنا ٹینک کسی ایسی بوتل سے ٹکرا گیا جس میں کوئی آتش گیر چیز بھری ہوئی تھی۔ دھوئیں کے سیاہ شعلے بھڑک اٹھے اور پورا ٹینک شعلوں میں غرق ہو گیا۔ لیکن ٹینک کا عمله اپنا کام کرتا رہا۔ ٹینک ایک بہت بڑی مشعل کی طرح گاؤں کے درمیان دوڑتا رہا اور اس کی ساری توپیں برابر گرجتی برستی رھیں۔ ٹینک مڑتا اور جھپٹتا رہا اور بھاگتے ہوئے جرمنوں کا تعاقب کرکے انہیں کچلتا رہا۔ گووزدیف اور اس کے ساتھی، جو جرمن مورچے کو توڑکر نکل آئے تھے، یہ جانتے تھے کہ کسی وقت بھی ایندھن کی ٹنکی یا گولے بارود کے خزانے میں آگ کا دھماکا ہو سکتا ھے اور ان کے ٹینک کے پرزے اڑ سکتے ھیں۔ وہ دھوئیں میں گھٹ رہے تھے۔ تپتے ہوئے سرخ بکتر سے وہ جل رہے تھے۔ ان کے کپڑے بھڑک اٹھے لیکن وہ لڑتے رہے۔ ایک بھاری شل، جو ٹینک کے نیچے آ گیا تھا، پھٹا اور ٹینک الٹ گیا۔ ہوا کے جھونکے سے یا اس کے اڑائے ہوئے ریت اور برف سے کچھه ایسا ہوا کہ شعلے بجھه گئے۔ گووزدیف جب ٹینک سے نکالا گیا تو وہ خوفناک طور پر جل چکا تھا۔ وہ توپ کے پاس مردہ توپچی کے پہلو میں پڑا تھا جس کی جگہ اس نے لے لی تھی۔

دو مہینے تک یہ ٹینک مین موت اور زندگی کے درمیان لٹکتا رہا۔ صحت کی ذرا بھی امید نہ تھی۔ اس کا جی ہر چیز سے اچاٹ ہوگیا تھا۔ بعض مرتبہ وہ کئی کئی دن تک ایک لفظ بھی منہ سے نہ پھوٹتا۔

سخت مجروح ہونے والے سپاہیوں کی دنیا عام طور پر اپنے ہسپتال کی چار دیواری تک محدود ہوتی ہے۔ ان دیواروں کے اس پار کہیں گھمسان کا رن پڑا ہے، بڑے بڑے اور چھوٹے چھوٹے واقعات رونما ہو رہے ہیں، جذبات اپنے نقطۂ عروج پر ہیں اور ہر نیا دن انسان کی روح پر تازہ نقش چھوڑ جاتا ہے۔ لیکن باہر کی دنیا کی زندگی کو ''سخت مجروح سپاہیوں،، کے وارڈ میں قدم رکھنے کی اجازت نہیں۔ یہاں تو ہسپتال کی چار دیواری کے باہر اس بپھرتے ہوئے طوفان کی محض ہلکی ہلکی دھمک، دور دراز کی صدائے بازگشت ہی سنائی دیتی ہے۔ دھوپ سے گرم کھڑکی کے شیشے پر اونگھتی ہوئی سی میلی کچیلی ایک مکھی بھی آن بیٹھے تو یہ بہت بڑا واقعہ ہوتا ہے۔ وارڈ کی نگراں، نرس کلاودیا میخائلوونا آج اونچی ایڑی کے نئے جوتے اس لئے پہن کر آئی ہے کہ اسے شام کے وقت یہاں سے سیدھے تھیٹر جانا ہے تو جناب یہ بھی ایک بڑی خبر ہے۔ اگر کھانے پر خوبانیوں کی جیلی کے بجائے جس سے لوگوں کا جی اوب گیا ہے، آلوچوں کا اسٹو مل جائے تو یاروں کو اچھا خاصا موضوع بحث ہاتھ آ جاتا ہے۔

لیکن ''سخت مجروح،، آدمی کے ہسپتال کے تکلیف‌دہ دن جس چیز سے معمور ہوتے ہیں، جس پر اس کا تمام تر خیال مرکوز ہوتا ہے، وہ ہے خود اس کا گھاؤ، وہ گھاؤ جس نے اس کو مجاہدوں کی صف سے کھینچ کر الگ کر لیا ہے، جس نے اس کو جنگ کی جانفشانیوں سے بھری ہوئی زندگی سے الگ کر لیا ہے اور اسے اٹھا کر اس نرم اور آرام دہ بستر پر پھینک دیا ہے، جس سے وہ پہلے ہی لمحے سے نفرت کرنے لگا ہے۔ وہ سوتا ہے تو اس زخم کے بارے میں، اس سوجن یا ٹوٹے ہوئے عضو کے بارے میں سوچتا ہوا سوتا ہے، وہ نیند میں بھی اسی کو دیکھتا رہتا ہے اور جس لمحے اس کی آنکھ کھلتی ہے وہ فوراً جاننا چاہتا ہے کہ اس کی سوجن کم ہوئی یا نہیں، اس کا بخار اترا یا بڑھ گیا۔ جس طرح رات کے وقت چوکنا کان ہر ہر سرسراہٹ پر کھڑے ہو جاتے ہیں اسی طرح یہاں اپنی بے بسی اور زخم پر دماغ کی مستقل توجہ زخم کا درد بڑھا دیتی ہے اور مضبوط ترین عقیدے اور قوی‌ترین ارادے والے لوگ بھی، جنھوں نے میدان جنگ میں بڑے دھیرج سے موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا ہے، اب یہاں ڈرتے ڈرتے پروفیسر کی ہلکی سے ہلکی آواز سننے کی کوشش کرتے ہیں

اور دھڑکتے دل سے پروفیسر کے چہرے کے رنگ اور کیفیت سے یہ بھانپنے کی فکر میں رہتے ھیں کہ ان کی بیماری کیا رخ اختیار کر رھی ھے۔

کوکوشکن مستقل چڑچڑاتا اور بڑبڑاتا رھتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ کھپچیاں اچھی طرح نہیں باندھی گئی ھیں اور یہ کہ کھپچیاں بہت کسی ھوئی ھیں اور اس کا نتیجہ یہ ھوگا کہ ھڈیاں اچھی طرح نہیں جڑینگی اور ان کو دوبارہ توڑنا پڑیگا۔ گریگوری گووزدیف ایک یاس انگیز نیم بےھوشی کے عالم میں پڑا رھتا تھا۔ وہ کچھ نہ بولتا۔ لیکن آسانی سے دیکھا جاسکتا تھا کہ وہ اپنے جھلسے ھوئے جسم اور پھٹی ھوئی کھال کو اس وقت کتنی چاؤ بھری بے صبری سے دیکھتا تھا جب کلاودیا میخائلوونا مٹھی بھر بھر کر واسلین اس کے زخموں میں بھرتی تھی اور پٹیاں بدلتی تھی اور وہ کتنے غور سے سرجنوں کے صلاح و مشورے کی بھنک سننے کی کوشش کرتا تھا۔ واحد استیپان ایوانووچ ھی ایسا آدمی تھا، جو دوھرا ھو کر گھومتا رھتا اور پلنگ کی دیواروں کو پکڑتے ھوئے برابر بکتا جاتا ''الو کا پٹھا بم،، جس سے وہ زخمی ھوا تھا اور پھر یہ ''ملعون بیماری،، جو سخت چوٹ کی وجہ سے رونما ھوئی تھی۔

میریسئف اپنے جذبات پر پردہ ڈالنے کی پوری کوشش کرتا اور یوں بن جاتا جیسے اسے سرجنوں کی آپس کی باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ لیکن ھر بار جب بجلی کے علاج کے لئے اس کے پیروں کی پٹیاں کھلتیں اور وہ دیکھتا کہ اس کے پیروں کی دھکتی ھوئی خوفناک سوجن اوپر کی طرف آھستہ آھستہ مگر مستقل بڑھ رھی ھے تو اس کی آنکھیں مارے دھشت کے پھٹی کی پھٹی رہ جاتیں۔

وہ بےچین اور غم زدہ رھنے لگا۔ کسی مریض ساتھی کا بھونڈا مذاق، بستر کی چادر پر ایک شکن، یا وارڈ کی بڑھیا ماما کے ھاتھ سے جھاڑو کا پھسل جانا اسے بھڑکا دینے کے لئے کافی تھا، جس کو وہ بڑی مشکل سے دبا پاتا تھا۔ یہ سچ ھے کہ ھسپتال کی بہترین غذا کی رفتہ رفتہ بڑھتی ھوئی مقدار نے جلد ھی اس کی طاقت بحال کر دی اور اب، پٹیاں بدلتے وقت یا بجلی کے علاج کے وقت اس کے اکڑے ھوئے جسم کو دیکھ کر ڈاکٹری کی نوجوان طالبعلم لڑکیوں کی آنکھوں میں خوف و ھراس نہ پیدا ھوتا۔ لیکن اس کا جسم جتنا مضبوط ھوتا گیا

اس کے پیر اتنے ہی خراب ہوتے گئے۔ سوجن نے اس کے پورے پنجوں کو گھیر لیا تھا اور اب ٹخنوں سے اوپر بڑھ رہی تھی۔ پنجے کی حس تو بالکل مر چکی تھی۔ سرجن سوئیاں چبھوتا اور اندر تک گوشت کی گہرائیوں میں گھونپتا چلا جاتا لیکن الکسئی کو درد کا کوئی احساس نہ ہوتا۔ سرجن سوجن کو ایک نئے طریقے سے روکنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس طریقے کا عجیب وغریب نام تھا — ''ناکہ بندی''۔ لیکن اس کے پیروں کا درد بڑھ گیا۔ درد بالکل ناقابل برداشت ہوگیا۔ دن کے وقت الکسئی تکیے میں منہ چھپائے خاموش پڑا رہتا۔ رات کے وقت کلاودیا میخائلوونا اس کے مارفیا کا انجکشن لگاتی۔

سرجن اپنے صلاح ومشورے کے دوران میں ''کاٹنے'' کا لفظ زیادہ سے زیادہ استعمال کرنے لگے۔ واسیلے واسیلیوچ کبھی کبھی میریسئف کے پلنگ کے پاس رکتا اور پوچھتا:

''اچھا، اس رینگنے والے بہادر کا کیا حال ہے آج؟ ہم کاٹ دیں توکیسا رہے؟ ایک جنبش اور صاف!''

الکسئی ٹھنڈا پڑ جاتا اور کانپ اٹھتا۔ دانت بھینچ کر خود کو چیخنے سے باز رکھتا اور محض سر ہلاتا اور پروفیسر غراتا:

''ہاں جھیلو اسے، جھیلو اسے — یہ تمہارا معاملہ ہے۔ دیکھیں اس سے کیا فائدہ ہوتا ہے'' اور وہ کسی نئی دوا کا نسخہ لکھتا۔

اس کے جاتے ہی دروازہ بند ہو جاتا، اس کے قدموں کی آہٹ گلیارے میں غائب ہو جاتی، لیکن میریسئف اپنے بستر پر آنکھیں میچے پڑا رہتا اور سوچتا ''میرے پیر، میرے پیر، میرے پیر...'' کیا وہ بغیر پیروں کے رہ جائےگا، کیا وہ بوڑھے ملاح ارکاشا کی طرح لکڑی کے نہنٹھوں پر چلیگا، کیا وہ اس بوڑھے کی طرح ندی کے کنارے اپنے پیروں کو کھولیگا اور ان کو کنارے پر چھوڑ کر ہاتھوں کے بل بندر کی طرح پانی میں اتریگا؟

ایک اور بات نے اس کے ان تلخ خیالات کو اور بھی شدید بنا دیا تھا۔ ہسپتال میں آنے کے پہلے دن ہی اس نے وہ خط پڑھے جو کامی‌شین سے آئے تھے۔ چھوٹے چھوٹے تکونے مڑے ہوئے خط اس کی ماں کے تھے اور ہمیشہ کی طرح مختصر۔ آدھا خط تو رشتہ داروں کے دعا سلام اور ان یقین دہانیوں سے بھرا تھا کہ وہ سب بخیر تمام

ہیں، خدا کا سب فضل ہے اور ماں کی طرف سے اسے یعنی الکسئی کو فکر تردد نہیں کرنا چاہئے اور آدھے خط میں یہ تھا کہ اپنا خیال رکھو، سردی اور زکام سے بچو، اپنے پیروں کو بھیگنے نہ دینا، خطروں میں نہ کودنا اور جرمنوں کی عیاریوں سے ہوشیار رہنا، جن کے بارے میں اس نے اپنی پڑوسنوں سے بہت کچھ سن رکھا تھا۔ ان تمام خطوں کا مضمون ایک ہی تھا سوائے اس کے کہ ایک میں ماں نے لکھا تھا کہ اس نے اپنی ایک پڑوسن سے کہا تھا کہ گرجا میں اس کے بیٹے کے لئے دعا کرے۔ ایسی بات نہیں تھی کہ وہ خود مذہبی طبیعت کی تھی، لیکن کون جانے شاید کوئی اوپر آسمان پر واقعی بیٹھا ہو تو یہ دعا کام آ جائے۔ دوسرے میں لکھا تھا کہ وہ اس کے بڑے بھائیوں کی طرف سے بہت پریشان تھی، جو دکھن میں لڑ رہے تھے اور جنہوں نے بہت دنوں سے کوئی خط نہیں لکھا تھا۔ اور آخری خط میں لکھا تھا کہ اس نے خواب میں دیکھا کہ والگا میں موسم بہار میں سیلاب آیا ہوا ہے اور اس کے بیٹے اس کے پاس لوٹ آئے ہیں اور وہ اپنے مرحوم باپ کے ساتھ مچھلی کے کامیاب شکار سے واپس آئے ہیں۔ اس نے ان کے لئے ان کا محبوب کھانا پکایا ہے — ویازیگا پائی *— اور پڑوسنوں نے خواب سن کر یہ تعبیر بتائی ہے کہ اس کے بیٹوں میں سے ایک تو ضرور مورچے سے واپس آ جائے گا۔ اس لئے اس نے الکسئی سے التجا کی تھی کہ وہ اپنے افسر سے کہے کہ کم ازکم ایک دن کے لئے اسے گھر جانے کی اجازت دے دے۔

نیلے لفافوں میں، جن پر لڑکی کے ہاتھ کی بڑی بڑی گول گول لکھائی میں پتے لکھے ہوئے تھے ایک لڑکی کے خط تھے، جو کارخانے کے ٹکنیکل ٹریننگ اسکول میں اس کی ہم‌جماعت تھی۔ اس کا نام تھا اولگا۔ اب وہ کامی‌شین کے کارخانے میں ٹکنیشین تھی جہاں اس نے خود بھی دھات کے ٹرنر کی حیثیت سے کبھی کام کیا تھا۔ یہ لڑکی لڑکپن کے دوست سے کچھ زیادہ تھی اور اس کے خط عام خطوں سے مختلف تھے۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہ تھی کہ اس نے ہر خط کو کئی کئی بار پڑھا، ان کو باربار اٹھایا، اور ان کی ایک ایک سادہ سے سادہ سطر پر اس امید میں نظر دوڑائی کہ شاید ان میں کوئی اور

---

* مچھلی سے بھرا ہوا سموسہ۔

نشاط انگیز معنی پنہاں ہو۔ حالانکہ وہ خود بھی اچھی طرح یہ نہیں سمجھہ پا رہا تھا کہ وہ آخر ان خطوں میں اور کیا ڈھونڈ رہا ہے۔

اس نے لکھا تھا کہ وہ سر سے پاؤں تک کام میں غرق تھی۔ وہ رات کے وقت بھی گھر نہیں جاتی تھی اور وہیں دفتر میں پڑ کر سوجاتی تھی تاکہ گھر آنے جانے میں وقت برباد نہ ہو۔ اور یہ کہ الکسئی تو اب مل کو بالکل پہچان نہ سکیگا اور اگر وہ یہ جان پائے کہ وہاں اب کیا کچھہ تیار ہو رہا ہے تو یقینی وہ خوشی سے دیوانہ ہو جائےگا۔ کبھی کبھار جب ایک دن کی چھٹی ملتی ہے، اور ایسا مہینے میں ایک آدھہ ہی بار ہوتا ہے، تو وہ الکسئی کی ماں کو دیکھنے جاتی ہے۔ بڑی بی اپنے بڑے بیٹوں کی خاموشی سے بڑی بدحواس ہیں، ان پر بڑا کڑا وقت آن پڑا ہے اور پچھلے دنوں ان کی صحت خراب رہنے لگی ہے۔ اس نے الکسئی سے التجا کی تھی کہ اپنی ماں کو زیادہ جلدی جلدی خط لکھا کرو اور ذرا زیادہ تفصیل سے اور ان کو کسی قسم کی بری خبر سے ذرا بھی پریشان نہ کرو کیونکہ شاید تم ان کی واحد خوشی، کلیجے کی آخری ٹھنڈک ہو۔

اولگا کا خط باربار پڑھنے کے بعد، الکسئی اپنی ماں کے خواب کی ننھی سی پہیلی کے بارے میں سمجھہ گیا۔ اس نے محسوس کیا کہ اس کی ماں اس کے لئے تڑپ رہی ہے، وہ اس کی تمام امیدوں کا سہارا ہے اور اس نے یہ بھی محسوس کر لیا کہ اگر اس نے اپنی ٹانگوں کے بارے میں لکھا تو اس سے ماں اور اولگا کو کتنا خوفناک صدمہ پہنچیگا۔ اس نے بہت دیر تک سوچا کہ کیا کرے اور اسے خط لکھنے اور سچ بتانے کی ہمت نہ ہوئی۔ اس نے فیصلہ کیا کہ کچھہ دن اور سب کچھہ چھپایا جائے۔ اس نے دونوں کو لکھا کہ وہ اچھا ہے اور اب اس کا تبادلہ ایک محفوظ علاقے میں ہو گیا ہے۔ اس نے پتے کی تبدیلی کی توجیہہ کرنے کے لئے لکھہ دیا کہ وہ مورچے کے عقب میں ایک خاص کام پر مامور کیا گیا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ وہاں وہ بہت دنوں تک مقیم رہیگا۔

اور اب جبکہ اس کے بستر کے پاس سرجنوں کے آپس کے صلاح ومشورے کے دوران میں ”کاٹنے“ کا لفظ باربار آنے لگا تھا، خوف کا احساس اسے دبوچ لیتا تھا۔ وہ اپاھج بن کر کامی‌شین کیوں کر لوٹ سکیگا؟ وہ کس طرح اولگا کو اپنے لکڑی کے پیر دکھا سکیگا؟

اس سے اس کی ماں کو کتنا روح فرسا صدمہ پہنچیگا جو لڑائی میں اپنے دوسرے بیٹوں کو کھو بیٹھی تھی اور اب آخری بیٹے کی واپسی کا انتظار کر رہی تھی! وہ وارڈ کی حسرت ناک اور اذیت بخش خاموشی میں پڑا پڑا، کوکوشکن کے بے چین جسم کے بوجھہ تلے گدے دار اسپرنگ کی چیخ، خاموش ٹینک مین کی ٹھنڈی سانس اور استیپان ایوانووچ کی انگلیوں کی کھٹ کھٹ سنتا رہتا جو کھڑکی کے پاس دن بھر جھکا جھکا شیشے کو بجاتا رہتا۔ وہ سب کچھہ دیکھتا اور سنتا اور اپنے خیال میں کھویا رہتا۔

''کاٹ دوگے؟ نہیں! چاہے کچھہ کرو یہ نہ کرو! اس سے کہیں بہتر موت ہے... اوہ کتنا ٹھنڈا اور خوفناک لفظ ہے یہ ''کاٹنا،،۔ لگتا ہے جیسے سینے میں خنجر پیوست ہو گیا ہو — کاٹنا؟ نہیں کبھی نہیں! یہ ہرگز نہیں ہو سکتا!،، الکسئی سوچتا۔ وہ خواب میں بھی اس لفظ کو ایک آہنی مکڑے کے روپ میں دیکھتا جو اپنے نکیلے اور ٹیڑھے پنجوں سے اسے نوچتا پھاڑتا رہتا۔

۳

ایک ہفتے تک تو وارڈ نمبر بیالیس میں چار ہی مریض رہے۔ لیکن ایک دن کلاودیا میخائلوونا بہت ہی پریشان سی دو خدمتگاروں کے ساتھہ اندر آئی اور ان سے بولی کہ انہیں ذرا ایک دوسرے کے قریب قریب سونا پڑیگا۔ استیپان ایوانووچ کا پلنگ بالکل کھڑکی تک کھسکا دیا گیا۔ وہ تو اس پر کھل اٹھا۔ کوکوشکن کا بستر استیپان ایوانووچ کے پہلو میں کونے میں کھسکا دیا گیا اور اس کی جگہ ایک اچھا نیچا پلنگ رکھہ دیا گیا جس پر اسپرنگ کا نرم گدا بچھا ہوا تھا۔

اس پر کوکوشکن کا پارہ چڑھہ گیا۔ اس کا چہرہ زرد ہو گیا۔ اس نے پاس والی الماری پر گھونسہ مارنا شروع کیا اور اونچی اور چچیاتی ہوئی آواز میں نرس، ہسپتال اور یہاں تک کہ واسیلی واسیلیوچ کو بھی گالیاں دینے لگا۔ اس نے کسی سے شکائت کرنے کی دھمکی دی اور کچھہ ایسا آپے سے باھر ہوا کہ بیچاری کلاودیا میخائلوونا پر قریب قریب ڈونگا اٹھا مارا۔ وہ اسی طرح ہنگامہ کرتا

رہتا اگر الکسئی جپسیوں جیسی شعلہ بار آنکھوں سے دیکھتے ہوئے اسے ڈانٹ نہ بتاتا۔

ٹھیک اسی لمحہ پانچواں مریض اندر لایا گیا۔

یقینی اس کا وزن بہت زیادہ ہوگا کیونکہ اسٹریچربرداروں کے قدموں کے آہنگ کے ساتھہ اسٹریچر چیختا ہوا بھاری بوجھہ سے لٹکاجاتا تھا۔ بالکل منڈا ہوا ایک چکنا گول سر بڑی بے بسی سے تکیے پر ایک طرف سے دوسری طرف ڈھلک رہا تھا۔ اس کا چوڑا، موم جیسا زرد چہرہ بے جان معلوم ہو رہا تھا۔ بھرے بھرے زرد ہونٹوں سے کرب کی کیفیت عیاں تھی۔

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ نیا مریض بےہوش ہے۔ لیکن جیسے ہی اسٹریچر فرش پر رکھا گیا اس نے آنکھیں کھول دیں، کہنیوں پر ٹک کر اٹھا، تجسس بھری نظروں سے وارڈ میں نگاہیں دوڑائیں، کسی وجہ سے استیپان ایوانووچ کو دیکھہ کر آنکھہ ماری جیسے کہہ رہا ہو ''زندگی کا کیا رنگ ہے، اتنا برا تو نہیں، ایں؟''، اور زور سے کھانسا۔ ظاہر تھا کہ اس کا بھاری جسم بم کے دھچکے سے چور چور تھا اور اسے سخت تکلیف ہو رہی تھی۔ شروع میں کسی وجہ سے میریسئف کو اس آدمی کا بھاری بھر کم ہیولا پسند نہ آیا اور اس نے کچھہ ناخوشگوار نظروں سے خدمتگاروں، وارڈ کی دو ماماؤں اور نرس کو دیکھا جو اسے اسٹریچر سے اٹھا کے پلنگ پر لٹا رہے تھے۔ انہوں نے اس کے کندے جیسے پیر کو جھنجھوڑا اور الکسئی نے دیکھا کہ نئے مریض کا چہرہ دفعتاً زرد پڑ گیا اور اس پر پسینے کے موتی چمکنے لگے اور ساتھہ ہی اس کو کرب کی جھلک بھی اس کے سفید ہونٹوں پر تیرتی ہوئی نظر آ گئی۔ لیکن مریض کے منہ سے ایک آواز بھی نہ نکلی۔ اس نے صرف دانت پیس لئے۔

بستر پر دراز ہوتے ہی اس نے اپنے کمبل کے نیچے کی چادر کا سرا برابر کیا اور کتابوں اور کاپیوں کا جو انبار اس کے ساتھہ لایا گیا تھا، ان کو الماری کے اوپر سجانا شروع کیا۔ اس نے بڑی احتیاط سے منجن اور برش، اوڈی‌کلون، داڑھی بنانے کا سامان اور صابن نیچے کی شلف میں رکھا اور اپنے کارنامے پر ایک تنقیدی نظر دوڑائی اور تب وہ فوراً ہی خانہ بےتکلف سا محسوس کرتے ہوئے گہری اور زوردار آواز میں بولا:

''اچھا، اب تعارف ہو جائے۔ میں ہوں رجمنٹل کمیسار سیمیون وروبیوف۔ مزاج کا مدھم، تمباکو نہیں پیتا۔ مہربانی کرکے مجھے اپنی منڈلی میں شامل کرلو۔''

اس نے ایک خاموش دلچسپی کی نظر سے اپنے وارڈ کے ساتھیوں کو دیکھنا شروع کیا اور میریسئف کی نگاھیں اس کی اشتیاق بھری، چھوٹی چھوٹی سنہری آنکھوں کی تیز اور چبھتی ہوئی نگاھوں سے لڑ گئیں۔

''میں تم لوگوں کے درمیان بہت دنوں نہیں رھونگا۔ میں دوسروں کے بارے میں نہیں جانتا، لیکن میرے پاس اتنا وقت نہیں کہ میں یہاں زیادہ دنوں تک پڑا رھوں۔ میرے شہسوار میرا انتظار کر رہے ھیں۔ ادھر برف پگھلی، سڑکیں سوکھیں اور ادھر میں چل دیا! 'ہم سرخ فوج کے گھوڑ سوار ھیں...، کیا؟''، اس نے اپنی لن ترانی جاری رکھی اور اس کی خوش مزاجی سے بھری ہوئی پاٹ دار آواز وارڈ میں گونجتی رہی۔

''ہم میں سے کوئی بھی یہاں بہت لمبی مدت کے لئے نہیں آیا ہے۔ جیسے ہی برف پگھلیگی — ہم سب چل دینگے... پاؤں پسارے ہوئے پچاس نمبر وارڈ میں''، کوکوشکن نے کہا اور منہ دیوار کی طرف پھیر لیا۔

هسپتال میں کوئی بھی وارڈ نمبر پچاس نہ تھا۔ مریضوں نے آپس میں یہ نام مردہ گھر کو دے رکھا تھا۔ اس میں شک تھا کہ کمیسار اس کے بارے میں سن چکا تھا یا نہیں گو اس نے اس مذاق کا خوفناک مطلب فوراً بھانپ لیا۔ لیکن اس نے اس کا برا نہ مانا۔ اس نے صرف کوکوشکن کی طرف تعجب سے دیکھا اور پوچھا:

''میرے یار تمہاری عمر کیا ہے؟ تمہاری تو داڑھی پک رہی ہے! لگتا ہے تم وقت سے بہت پہلے بوڑھے ہو گئے ہو!''

۴

اس نئے مریض کے آنے سے، جس کو وہ لوگ آپس میں کمیسار کے نام سے یاد کرتے تھے، وارڈ نمبر بیالیس کی زندگی میں بالکل کایاپلٹ سی ہو گئی۔ اگلے دن تک اس بھاری بھر کم اور بری طرح زخمی آدمی نے ان سب سے دوستی کر لی اور جیسا کہ استیپان

ایوانووچ نے بعد میں کہا اس نے ''ہر شخص کے دل کی کنجی پا لی تھی۔ ''

استیپان ایوانووچ سے وہ جی بھر کے گھوڑوں اور شکار کی باتیں کرتا۔ دونوں گھوڑوں اور شکار کے رسیا تھے اور بڑے ماہر۔ میریسئف سے، جو جنگ کے متعلق فلسفیانہ خیال آرائی کیا کرتا تھا، موجودہ جنگ میں ہوائی جہاز، ٹینک اور گھوڑ سوار فوج استعمال کرنے کے متعلق بڑی گرما گرم بحث کیا کرتا اور بعض مرتبہ بپھر کر کہتا کہ یہ ٹھیک ہے کہ ہوائی جہاز اور ٹینک بہت کار آمد چیزیں ہیں لیکن گھوڑے بھی کوئی ایسے بیکار نہیں ہیں اور وہ اب بھی بہت ہی مفید ثابت ہونگے۔ اگر گھوڑ سوار فوج کی اچھی طرح دوبارہ تنظیم ہو اور ٹینک اور توپ خانے اس کا حصہ بن جائیں اور بہت سے بہادر اور ذہین نوجوان افسروں کو تربیت دی جائے اور وہ اپنے پرانے تجربہ کار کمانڈروں کا ہاتھہ بٹائیں تو اب بھی گھوڑ سوار فوج ایسے کارنامے کر دکھائیگی کہ ساری دنیا دانتوں تلے انگلی دبا کر رہ جائیگی۔ اس نے خاموش ٹینک مین سے بھی بات چیت کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی موضوع ڈھونڈ لیا۔ معلوم ہوا کہ جس ڈویژن میں وہ کمیسار کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہا تھا وہ ڈویژن یارتسیوا کے قریب لڑ چکا تھا او بعد میں دوخووشچینا میں جنرل کونیف کے جوابی حملے میں حصہ لے چکا تھا جہاں ٹینک مین اور اس کے گروہ نے جرمنوں کا حصار توڑا تھا۔ کمیسار بڑے جوش سے ان گاوؤں کے نام لیتا جن سے دونوں واقف تھے، وہ قصہ سناتا کہ کس کس طرح اور کہاں کہاں انہوں نے جرمنوں کے دانت کھٹے کر دئے تھے۔ ٹینک مین خاموش رہتا لیکن اب وہ سنتا رہتا اور پہلے کی طرح دوسری طرف منہ نہ پھیرتا۔ پٹیوں کی وجہ سے اس کا چہرہ نظر نہ آتا لیکن وہ اس سے اتفاق کرتے ہوئے سر ہلاتا۔ جیسے ہی کمیسار نے کوکوشکن کو شطرنج کی بساط پر جمنے کی دعوت دی، اس کا غصہ کافور ہو گیا اور وہ مزے میں چہکنے لگا۔ شطرنج کی بساط کوکوشکن کے بستر پر بچھہ گئی اور کمیسار آنکھیں بند کرکے اپنے پلنگ پر پڑاپڑا بازی کھیلتا۔ اس نے بڑبڑاتے، بھنبھناتے لفٹیننٹ کو زبردست مات دی اور اس طرح کوکوشکن کی نظر میں اس کا مرتبہ بہت بڑھہ گیا۔

وارڈ میں کمیسار کی آمد ماسکو کے آغاز بہار کی تازہ اور نم ہوا کی طرح تھی جو ہر صبح، کھڑکی کھلنے پر وارڈ کے اندر لہراتی ہوئی آتی اور سڑک کی گہما گہمی اور شور سے وارڈ کے اندر کی تکلیف‌دہ خاموشی کو درہم برہم کر دیتی۔ یہ جوش وخروش پیدا کرنے کے لئے کمیسار کو کوئی خاص کوشش نہیں کرنی پڑتی تھی۔ وہ تو بس زندگی کی تڑپ سے سرشار تھا۔ اس کے انگ انگ سے زندگی پھوٹتی رہتی۔ وہ درد کی تکلیف کو بھول جاتا یا بھولنے کی کوشش کرتا۔

جب صبح کو اس کی آنکھ کھلتی تو اٹھ کر بیٹھ جاتا اور ”کھینچ تان،، شروع کر دیتا: وہ دونوں ہاتھ سر کے اوپر اٹھاتا اور دھڑ ایک طرف جھکاتا، پھر دوسری طرف۔ وہ آہنگ کے ساتھ سر جھکاتا اور موڑتا۔ جب منہ ہاتھ دھونے کے لئے پانی لایا جاتا تو وہ اصرار کرتا کہ پانی زیادہ سے زیادہ ٹھنڈا ہو۔ وہ دیر تک تسلے میں پانی سے کھیلتا اور پچکاریاں پھینکتا اور تب وہ تولئے سے اپنے بدن کو اتنے زور زور سے رگڑتا کہ اس کا پھولا ہوا جسم سرخ پڑ جاتا۔ اس کو دیکھ کر دوسرے مریضوں میں بھی وہی کرنے کی تڑپ پیدا ہو جاتی۔ جب اخبار آتے تو وہ بڑے شوق سے انہیں نرس کے ہاتھ سے جھپٹ لیتا اور تیزی سے سوویت یونین کی اطلاعاتی بیورو کا اعلان پڑھتا اور اس کے بعد مختلف مورچوں سے نامہ نگاروں کی بھیجی ہوئی رپورٹیں دلجمعی سے پڑھتا۔ اس کا اپنا پڑھنے کا انداز تھا جسے ”جی لگا کر،، پڑھنے کا انداز کہا جا سکتا ہے۔ بعض مرتبہ وہ کسی رپورٹ کا وہ ٹکڑا جو اسے پسند آتا سرگوشی کے انداز میں دو بارہ پڑھتا اور بڑبڑاتا ”یہ ٹھیک ہے،، اور وہ اس حصے پر نشان لگا دیتا۔ یا یکایک بے ساختہ اس کے منہ سے نکلتا ”جھوٹا ہے، کتے کا پلا! میں اپنے سر کی بازی لگا سکتا ہوں یہ آدمی محاذ کے قریب بھی نہیں پھٹکا، بدمعاش! اور پھر بھی لکھتا ہے!،، ایک دن تو وہ بالکل بھڑک اٹھا۔ کسی انتہائی زرخیز دماغ والے جنگی نامہ‌نگار نے کچھ ایسی ویسی باتیں لکھ دی تھیں۔ کمیسار نے فوراً اس اخبار کو جل کر لکھا کہ جنگ میں ایسی باتیں نہ ہوتی ہیں اور نہ ہو سکتی ہیں اور درخواست کی کہ اس ”بے لگام جھوٹے،، کی لگام کھینچی جائے۔ کبھی کسی رپورٹ کو پڑھ کر وہ سوچ

میں پڑ جاتا۔ وہ آنکھیں کھولے ہوئے اپنے تکیے پر چت لیٹ جاتا اور اپنے خیال میں کھو جاتا یا اپنے گھوڑ سوار سپاہیوں کے بارے میں کوئی دلچسپ کہانی سناتا۔ اگر اس کی بات کا یقین کیا جائے تو اس دستے کا ایک ایک سپاہی سورما تھا، ''بڑے کلیجے کا نوجوان''۔ پھر وہ پڑھنا شروع کر دیتا۔ ممکن ہے کہ یہ بات تعجب خیز معلوم ہو لیکن اس کی ان تمام باتوں سے، تمام پرلطف گریز سے سننے والوں کی توجہ نہ ہٹتی بلکہ جو کچھ وہ پڑھتا، اس کو بہتر طور پر سمجھنے میں ان کو مدد ملتی۔

دن میں دو گھنٹے، کھانے اور علاج کے درمیانی وقفے میں، وہ جرمن پڑھتا، الفاظ رٹتا، جملے بناتا اور بعض مرتبہ اجنبی الفاظ کے مطلب پر چونک کر بول اٹھتا:

''جانتے ہو یارو، جرمن زبان میں چوزے کو کیا کہتے ہیں؟ 'Küchelchen'۔ سننے میں یہ آواز بھلی معلوم ہوتی ہے۔ جانتے ہو، اس سے کسی چھوٹی سی، پھولی پھولی اور نازک چیز کا تصور قائم ہوتا ہے۔ اور جانتے ہو، گھونگھرو کو کیا کہتے ہیں؟ 'Glöckling'۔ اس لفظ میں گھنٹی کی گونج ہے، ہے نا؟''

ایک دن، آخر استیپان ایوانووچ نے بے قابو ہو کر پوچھا:

''آخر جرمن کیوں پڑھنا چاہتے ہو، کامریڈ کمیسار؟ بے کار خود کو ہلکان کر رہے ہو۔ تم اپنی طاقت بچاؤ تو زیادہ بہتر ہوگا۔ ۔ ۔''

کمیسار نے چالاک نظروں سے بڈھے سپاہی کو دیکھا اور بولا ''اماں یار! بھلا ایک روسی کے لئے یہ کوئی زندگی ہے؟ جب میں برلن پہنچونگا تو آخر جرمن لڑکیوں سے کس زبان میں بات کرونگا؟ روسی میں؟''

کمیسار کے پلنگ کے کنارے بیٹھ کر، استیپان ایوانووچ نے بڑے منطقی انداز میں جواب دینا چاہا کہ لڑائی کا مورچہ ابھی ماسکو سے بہت زیادہ دور نہیں ہے اور جرمن لڑکیاں تو خیر ابھی بہت دور ہیں۔ لیکن کمیسار کی آواز میں ایک طربناک اعتماد کی ایسی گونج تھی کہ بوڑھا سپاہی کھانسا اور بڑی سنجیدگی سے بولا:

''نہیں، نہیں ظاہر ہے روسی میں نہیں۔ لیکن پھر بھی کامریڈ

کمیسار، تم پر جو کچھ بیتی ہے اس کے بعد اپنی صحت کا خیال رکھنا چاہئے۔،،

''لاڈ اور پیار میں بگڑا ہوا گھوڑا سب سے پہلے خراب ہوتا ہے۔ کیا تم نے یہ کہاوت پہلے نہیں سنی؟ میرے بڑے میاں، یہ ٹھیک نہیں!،،

وارڈ میں کسی کے داڑھی نہیں تھی۔ مگر نہ جانے کیوں کمیسار ان سب کو ''بڑے میاں،، کے لقب سے مخاطب کرتا تھا اور جس طرح وہ کہتا اس میں دل آزاری کا شائبہ تک نہ ہوتا۔ اس کے برعکس اس کے کہنے کے انداز میں نیک دلی سے بھری ہوئی بذلہ سنجی ہوتی اور اس سے مریضوں کے دلوں پر پھایا سا لگ جاتا تھا۔

الکسئی دن دن بھر کمیسار کا جائزہ لیتا رہتا اور یہ بھانپنے کی کوشش کرتا رہتا کہ اس کی اتھاہ زندہ دلی کے سوتے کہاں سے پھوٹتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہ تھا کہ وہ بڑا دکھہ جھیل رہا تھا۔ نیند آتے ہی اس کا ضبط جاتا رہتا اور وہ آہستہ آہستہ کراہنے لگتا، وہ اضطراب میں تڑپتا اور دانت بھینچ لیتا۔ اس کے چہرے پر کرب کی کیفیت طاری ہو جاتی۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ یہ جانتا تھا اور اسی لئے وہ دن کے وقت جاگتے رہنے کی کوشش کرتا تھا۔ اس کو ہمیشہ کوئی نہ کوئی شغل ہاتھہ آ جاتا۔ لیکن جب جاگتا ہوتا تو پر سکون اور شگفتہ رہتا جیسے اسے سرے سے کوئی دکھہ تھا ہی نہیں۔ وہ بڑے اطمینان سے سرجنوں سے بات کرتا اور جب وہ انگلیوں سے دبا دبا کر اس کے زخمی حصے کا معائنہ کرتے تو وہ مذاق کرتا۔ لیکن وہ بستر کی چادر کو جس طرح اپنی مٹھی میں بھینچ لیتا اور جس طرح اس کی ناک پر پسینے کے موتی جھلکنے لگتے، صرف اس سے ہی بھانپا جا سکتا تھا کہ اپنے آپ پر قابو رکھنا اس کے لئے کتنا مشکل تھا۔ ہواباز یہ نہ سمجھہ پاتا کہ آخر یہ آدمی ایسا خوفناک درد کیوں کر برداشت کر لیتا ہے اور اس میں اتنی طاقت، اتنی شگفتگی اور زندہ‌دلی کہاں سے آتی ہے۔ الکسئی اور بھی زیادہ اس گتھی کو سلجھانے کی کوشش کرتا کیونکہ تمام دواؤں کے باوجود وہ رات کے وقت سو نہ پاتا اور بعض مرتبہ صبح تک آنکھیں کھولے پڑا رہتا اور اپنی کراھوں کو دبانے کے لئے کمبل منہ میں ٹھونس لیتا۔

اب سرجنوں کے معائنے کے دوران میں ''کاٹنے،، کا لفظ اور بھی زیادہ سنائی دینے لگا۔ اس نے محسوس کیا کہ وہ ہولناک دن قریب آ رہا ہے اور اس نے فیصلہ کر لیا کہ پیروں کے بغیر زندگی اکارت ہے۔

ہ

اور وہ دن آ ہی گیا۔ ایک دن معائنے کے وقت واسیلی واسیلیوچ دیر تک الکسئی کے کالے اور بالکل بےحس پیروں کو انگلیوں سے دبا دبا کر دیکھتا رہا اور پھر یکایک کمر سیدھی کرتے ہوئے اور سیدھے الکسئی کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا ''کاٹنا ہی پڑیگا!،، اور اس سے پہلے کہ ہواباز جو بالکل زرد پڑ گیا تھا، زبان سے کچھ کہے، پروفیسر نے سختی سے دوہرایا ''کاٹنا ہی پڑیگا! بس فاضل ایک لفظ نہیں، سنا تم نے؟ ورنہ تمہارا قصہ پاک ہو جائے گا! سمجھتے ہو میری بات؟،،

اپنے قافلے پر نظر ڈالے بغیر وہ وارڈ سے نکل گیا۔ وارڈ میں ایک تکلیف دہ خاموشی چھا گئی۔ میریسئف اپنے ستے ہوئے چہرے کے ساتھ آنکھیں پھاڑے پڑا تھا۔ اس کی آنکھوں میں، دھند میں لپٹے ہوئے سے بوڑھے ملاح کے زرد اور مکروہ ٹھنٹھ پھر گئے اور اس نے پھر دیکھا کہ وہ دریا کے کنارے ہاتھوں کے بل بندر کی طرح رینگ رہا ہے۔

''الکسئی،، کمیسار نے اس کو نرمی سے پکارا۔

''کیا؟،، اس نے کھوکھلی اور بے جان آواز میں جواب دیا۔

''میرے دوست، کٹوانا ہی پڑیگا۔،،

اس آن الکسئی کو محسوس ہوا کہ ملاح نہیں بلکہ وہ خود ان ٹھنٹھوں پر رینگ رہا تھا اور اس کی لڑکی، اس کی اپنی اولگا دریا کے ریت بھرے کنارے پر کھڑی تھی۔ وہ بھڑکیلے رنگ کا فراک پہنے ہوئے تھی جس کو ہوا لہرا رہی تھی۔ وہ سبک سبک سی دمکتی ہوئی اور خوبصورت لڑکی تھی۔ وہ الکسئی کو غور سے دیکھ رہی تھی اور اپنے ہونٹ کاٹ رہی تھی۔ یہ انجام ہوگا اپنا! اور وہ تکیے میں منہ چھپا کر، پھوٹ پھوٹ کر، خاموشی سے رونے لگا۔ سب لوگوں پر وحشت سی طاری ہوگئی۔ استیپان ایوانووچ گرجتے

اور کراھتے ہوئے اپنے بستر سے نکلا، لبادہ پہنا اور سلیپر میں چھپے ہوئے پیر گھسیٹتے ہوئے اور پلنگ کی ریلنگ کا سہارا لیتے ہوئے، بھٹکتا بھٹکاتا الکسئی کے بستر کی طرف آیا لیکن کمیسار نے اس کو متنبہ کرتے ہوئے انگلی اٹھائی جیسے کہہ رہا ہو ''مت چھیڑو۔ اسے جی بھر کے رولینے دو۔''

واقعی اس کے بعد الکسئی کا جی ہلکا ہو گیا۔ جلد ہی وہ خاموش اور مطمئن ہو گیا اور اسے وہ سکون محسوس ہوا جو ہر شخص کوئی ایسا مسئلہ طے کرنے کے بعد محسوس کرتا ہے، جو اسے بہت دنوں سے ستا رہا ہو۔ وہ شام تک ایک لفظ بھی نہ بولا۔ شام کے وقت خدمتگار اسے آپریشن کے کمرے میں لے جانے کے لئے آئے۔ اس خیرہ کن سفید کمرے میں بھی اس کے منہ سے ایک لفظ نہ نکلا۔ جب اس سے کہا گیا کہ اس کے دل کی حالت اسے بے ہوش کرنے کی اجازت نہیں دیتی اور آپریشن محض اس حصے کو سن کر کے کرنا پڑیگا تو اس وقت اس نے اثبات میں سر ہلا دیا اور بس۔ آپریشن کے دوران میں نہ تو اس کے منہ سے کراہ نکلی اور نہ چیخ۔ واسیلی واسیلیوچ یہ سادہ آپریشن خود ہی کر رہا تھا۔ حسب معمول، وہ کئی بار اپنی نرسوں اور معاونوں پر جھلایا اور بار بار اس اسسٹنٹ کو دیکھتا رہا جس کے ہاتھہ میں الکسئی کی نبض تھی۔

جب ہڈی کاٹی گئی تو خوفناک درد ہوا۔ لیکن الکسئی اب درد برداشت کرنے کا عادی ہو چکا تھا اور اب یہ بھی اس کی سمجھہ میں نہ آتا کہ سفید لبادوں میں ملبوس، چہرے پر نقاب ڈالے ہوئے یہ لوگ اس کے پیروں کے ساتھہ کیا کچھہ کر رہے ہیں۔ لیکن جب لوگ اسے واپس وارڈ میں لے جا رہے تھے تو وہ بے ہوش ہو گیا۔

جب اس کی آنکھہ کھلی تو سب سے پہلے اس کو کلاودیا میخائلوونا کا ہمدردی بھرا چہرہ نظر آیا۔ تعجب کی بات یہ تھی کہ اسے کچھہ بھی یاد نہ تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ آخر اس خوب صورت، نیک دل، سنہرے بالوں والی عورت کے چہرے پر تردد اور پریشانی کے آثار کیوں ہیں۔ جب کلاودیا میخائلوونا نے دیکھا کہ اس نے آنکھیں کھول دی ہیں تو اس کا چہرہ دمک اٹھا اور اس نے کمبل کے اندر ہی اندر اس کا ہاتھہ دبایا۔

''واقعی تم نے کمال کر دیا،، اس نے کہا اور فوراً اس کی کلائی ہاتھہ میں لے کر نبض دیکھنے لگی۔

''کیا کہہ رہی ہے یہ؟،، الکسئی نے سوچا۔ اس نے پہلے سے کہیں اوپر اپنی ٹانگوں میں درد محسوس کیا۔ اور یہ پہلے والا جلتا، دھکتا اور بھڑکتا ہوا درد نہ تھا۔ یہ درد ایک بوجھل درد تھا جیسے اس کے گھٹنوں کے نیچے زور سے تار باندھہ دئے گئے ہوں۔ یکایک کمبل کی تہوں اور شکنوں سے اس نے محسوس کیا کہ اس کا جسم پہلے کے مقابلے میں چھوٹا ہو گیا تھا اور اسے یاد آگیا: خیرہ کن سفید کمرہ، واسیلی واسیلی‌وچ کی زبردست غراھٹ، تام چینی کے تسلے میں بوجھل کھٹ کھٹ کی آواز۔ ''کٹ بھی چکیں؟،، اس نے کچھہ بے حسی سے سوچا اور ایک زبردستی کی مسکراھٹ ھونٹوں پر لاتے ہوئے نرس سے بولا:

''لگتا ہے کہ میرا قد کچھہ چھوٹا ہو گیا ہے۔،،

یہ ایک کڑوی مسکراھٹ تھی جیسے منہ بگاڑ رہا ہو۔ کلاودیا میخائلوونا نے بڑی نرمی سے اس کے بال برابر کئے اور بولی:

''پروا نہ کرو، میرے پیارے، اب تمہیں آرام ہوگا۔،،

''ہاں کیوں نہیں — سیروں بوجھہ کم ہوگیا۔،،

''یہ مت کہو، یہ مت کہو، پیارے! لیکن واقعی تم نے کمال کر دیا۔ بعض لوگ بہت چیختے ہیں۔ اور بعض کو تو باندھنا پڑتا ہے۔ لیکن تمہارے منہ سے تو آواز بھی نہ نکلی۔ اوہ، یہ لعنت ماری جنگ!،،

شام کے جھٹپٹے میں کمیسار کی غصیلی آواز سنائی دی:

''بس، اپنا بین بند کرو! نرس اس کو یہ خط دے دو۔ بعض لوگ بڑے خوش نصیب ہیں۔ مجھے تو بڑا رشک آتا ہے۔ ذرا سوچو تو بھلا اتنے سارے خط اکٹھے!،،

کمیسار نے میریسئف کو خطوں کا ایک پورا گڈا دے دیا۔ یہ خط الکسئی کے رجمنٹ سے آئے تھے۔ ان پر مختلف تاریخیں تھیں۔ لیکن کسی وجہ سے وہ سب ایک ہی دن موصول ہوئے تھے۔ اور اب الکسئی اپنی کٹی ہوئی ٹانگوں کے ساتھہ پڑا ان دوستی بھرے خطوں کو یکے بعد دیگرے پڑھہ رہا تھا۔ ان خطوں میں ایک دور دراز کی زندگی کی کہانی تھی۔ ایک ایسی زندگی جو بے پناہ محنت وجانفشانی،

سختیوں اور خطروں سے بھری ہوئی تھی، جو اسے ایک مقناطیس کی طرح کھینچ رہی تھی۔ لیکن وہ زندگی اب اس سے ہمیشہ ہمیشہ کو چھن چکی تھی۔ اس نے ان خطوں میں تمام بڑی اور چھوٹی خبروں کو بڑے چاؤ سے پڑھا۔ کور کے ہیڈکوارٹر میں ایک سیاسی افسر کے منہ سے یہ سنا گیا تھا کہ رجمنٹ کی سفارش ''سرخ پرچم،، کے تمغے کے لئے کی گئی ہے۔ ایوانچوک کو ایک ساتھ دو تمغے ملے تھے۔ پاشین شکار کرنے گیا تھا اور ایک لومڑی مار لایا جو کسی وجہ سے دم کٹی نکلی۔ استیوپا روستوف کے مسوڑھے پھول گئے تھے اور لینوچکا سے اس کے عشق کا پتا لگ گیا — یہ ساری باتیں اس کے لئے یکساں دلچسپ تھیں۔ ایک لمحے کو اس کا دماغ اسے لے اڑا اور وہ اپنے ہوائی اڈے پہنچ گیا جو جنگلوں اور جھیلوں کے درمیان چھپا ہوا تھا۔ ہواباز اس ہوائی اڈے کو کوستے تھے کیونکہ یہاں کی زمین بڑی دغاباز تھی۔ اب وہ اسے دھرتی پر سب سے اچھی جگہ معلوم ہوتی تھی۔

وہ خطوں کے مضامین میں اتنا کھویا ہوا تھا کہ اسے تاریخوں کے فرق کا بھی پتہ نہ چلا۔ اس نے یہ بھی نہ دیکھا کہ کمیسار نرس کو آنکھہ مار رہا ہے اور اس کی طرف اشارہ کر کے سر گوشی میں کہہ رہا ہے ''میری دوا تمہاری تمام خواب‌آور دواؤں سے بہتر ہے!،، الکسئی کو کبھی بھی پتہ نہ چل سکا کہ کمیسار نے اس برے دن کا اندازہ کر لیا تھا اور اس نے جان بوجھہ کر اس کے بعض خط روک رکھے تھے تاکہ اس کے محبوب ہوائی اڈے سے آئے ہوئے دوستی‌بھرے پیغاموں اور خبروں سے اس کے اندوہناک صدمے میں کچھہ کمی ہو۔ کمیسار پرانا سپاہی تھا۔ اس کو ان جلدی جلدی لکھے ہوئے کاغذ کے ٹکڑوں کی قدر و قیمت معلوم تھی۔ وہ جانتا تھا کہ یہ کاغذ کے ٹکڑے بعض مرتبہ محاذ پر دوا اور روٹی سے زیادہ کارگر ہوتے ہیں۔

اندرئی دیگتیارینکو کا خط بہت ہی سادہ اور کھردرا تھا۔ بالکل جیسا وہ خود تھا۔ اسی لفافے میں ایک اور چھوٹا سا خط تھا اور اس کی لکھائی باریک اور پر پیچ تھی اور پورا خط استعجابیہ نشانوں سے پٹا ہوا تھا۔

''کامریڈ سینئر لفٹیننٹ! یہ بہت بری بات ہے کہ تم اپنا وعدہ وفا نہیں کرتے!!! رجمنٹ میں اکثر تمہارا ذکر رہتا ہے۔

میں جھوٹ نہیں کہہ رہی ہوں۔ لوگ بس تمہارا ہی ذکر کرتے رہتے ہیں۔ کچھ ہی دن پہلے رجمنٹ کے کمانڈر نے کھانے کے کمرے میں کہا 'یہ الکسئی میریسئف خوب آدمی ہے!!!'، تم خود ہی جانتے ہو کہ اس طرح وہ صرف بہترین لوگوں کے بارے میں بات کرتا ہے۔ جلدی سے آجاؤ، یہاں تمہارا انتظار ہے!!! کھانے کے کمرے والی بڑی لیولیا مجھ سے کہہ رہی ہے کہ میں تمہیں لکھ دوں کہ اب وہ تم سے جھگڑا نہیں کریگی اور کھانے میں وہ تمہیں دوسرے کورس کی تین پلیٹیں دیا کریگی چاہے اس کی بدولت اس کی نوکری کا پتہ کٹ جائے۔ لیکن یہ بہت بری بات ہے کہ تم اپنا وعدہ وفا نہیں کرتے!!! تم نے دوسروں کو خط لکھے ہیں لیکن مجھے نہیں لکھا۔ مجھے اس سے بہت دکھ ہو رہا ہے اور اسی لئے میں تم کو الگ سے خط نہیں لکھ رہی ہوں۔ لیکن مہربانی سے مجھے ضرور خط لکھو — الگ خط لکھو — اور بتاؤ کہ تمہارا کیا حال ہے، اپنے بارے میں سب کچھ لکھو!..،،

اس دلچسپ خط کے آخر میں لکھا تھا ''موسمی سرجنٹ،،۔ میریسئف مسکرایا۔ لیکن اس کی آنکھیں پھر الفاظ پر دوڑنے لگیں ''جلدی سے آجاؤ، یہاں تمہارا انتظار ہے۔،، ان الفاظ کے نیچے ایک لکیر دوڑتی چلی گئی تھی۔ وہ اپنے بستر پر بیٹھ گیا۔ وہ دم بخود ہو کر اس جگہ پر ہاتھ لے گیا جہاں پہلے اس کی ٹانگیں ہوا کرتی تھیں۔ اس کی حالت ایک ایسے آدمی کی طرح تھی جو اپنی جیب میں ہاتھ ڈالتا ہے اور دیکھتا ہے کہ اس کی ایک بہت ہی قیمتی دستاویز کھو گئی ہے اور اس کے ہاتھ خالی جیب کو ٹٹولنے لگے۔

اب جا کر الکسئی کو اپنے سنگین نقصان کی شدت کا پورا احساس ہوا۔ وہ اب کبھی بھی اپنے رجمنٹ میں، ہوائی فوج میں، محاذ پر واپس نہ جا سکیگا۔ وہ اب کبھی بھی ہوا میں بلند نہ ہو سکیگا۔ اب وہ خود کو فضائی لڑائی میں نہ جھونک سکیگا، کبھی نہیں! وہ اب اپاہج تھا، وہ اب اپنے محبوب پیشے سے محروم ہو گیا تھا، اب وہ ایک ہی جگہ سے چپکا رہیگا۔ وہ اپنے گھر کے لئے ایک بوجھ ہوگا۔ زندگی کو اس کی کوئی ضرورت نہ ہوگی۔ اور زندگی کے آخری لمحے تک یہی سلسلہ رہیگا۔

آپریشن کے بعد جو سب سے بری چیز ان حالات میں ایک آدمی کے ساتھ ہو سکتی تھی، الکسئی میریسئف کے ساتھ ہوئی: اس نے خود کو اپنے دل کے اندر نظر بند کرلیا۔ نہ تو وہ شکائت کرتا، نہ روتا اور نہ جھنجھلاتا۔ بس چپ چاپ پڑا رہتا۔

پورے پورے دن وہ چت پڑا رہتا۔ اس کی آنکھیں دیوار کی بل کھاتی ہوئی دراڑ پر جمی رہتیں۔ جب اس کے وارڈ کے ساتھی اس سے بات کرتے تو وہ ''ہاں،، یا ''نہیں،، میں جواب دے دیتا اور اکثر اس کی ''ہاں،، اور ''نہیں،، بے موقع ہوتی۔ پھر وہ خاموش ہو جاتا اور پھر پلاستر کی دراڑ کو گھورنے لگتا جیسے وہ تحریری تصویر ہو۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کو سلجھانے ہی میں اس کی نجات ہے۔ وہ بڑی فرماں برداری سے ڈاکٹروں کے تمام احکام بجا لاتا، ڈاکٹر جو کچھ اسے دوا کے طور پر دیتا وہ کھا لیتا، بے پروائی سے اپنا کھانا کھاتا بغیر کسی شوق اور جوش کے، اور پھر چت دراز ہو جاتا۔

''اے، بڑےمیاں!،، کمیسار پکارتا ''تم کیا سوچ رہے ہو؟،،

الکسئی سر کمیسار کی طرف گھماتا اور ایک کھوکھلی نظر سے اسے گھورتا جیسے وہ اس کو نہ دیکھ رہا ہو۔

''تم کیا سوچ رہے ہو، میں پوچھتا ہوں؟،،

''کچھ بھی نہیں۔،،

ایک دن واسیلی واسیلیوچ وارڈ میں آیا اور اپنے خاص چکمہ دینے والے انداز میں پوچھا:

''اچھا، رینگنے والے آدمی، زندہ سلامت ہو؟ کیا حال چال ہیں؟ تم ایک ہیرو ہو، میں کہتا ہوں، ہیرو ہو ہیرو۔ تم نے تو اف بھی نہیں کی۔ اب میں یقین کر سکتا ہوں کہ تم اٹھارہ دن تک رینگ رینگ کر جرمنوں کے نرغے سے نکل آئے ہو۔ میں نے اپنی زندگی میں جتنے آدمیوں کا آپریشن کیا ہے تم نے اپنی زندگی میں اتنے آلو بھی نہیں کھائے ہونگے۔ لیکن میں نے اب تک تمہارے جیسے آدمی کا آپریشن نہیں کیا تھا۔،، پروفیسر نے ہاتھ ملے۔ اس کے ہاتھ سرخ تھے اور ان پر سے چھلکا سا اتر رہا تھا اور اس کے ناخن گلے

سے جا رہے تھے۔ ''تم منہ کیوں بسور رہے ہو؟ میں اس کی تعریف کر رہا ہوں اور لو یہ منہ بسور رہا ہے! میں میڈیکل کور میں لفٹیننٹ جنرل ہوں۔ میں حکم دیتا ہوں، مسکراؤ!،،

بڑی مشکل سے اس کے ہونٹ پھیلے، جیسے مسکراہٹ نہ ہو بلکہ ربر کا بے جان پھیلاؤ ہو۔ اور اس نے سوچا ''اگر مجھے پتہ ہوتا کہ میرا یہ انجام ہوگا تو میں رینگنے کی تکلیف کیوں اٹھاتا۔ میرے پستول میں تین گولیاں باقی تھیں۔،،

ایک اخبار میں کمیسار نے ایک دلچسپ لڑائی کے بارے میں نامہ نگار کی رپورٹ پڑھی تھی۔ ہمارے چھ لڑاکو طیاروں نے بائیس جرمن ہوائی جہازوں کا مقابلہ کیا اور ان میں سے آٹھ کو مار گرایا اور اپنا صرف ایک ہوائی جہاز برباد ہوا۔ کمیسار نے یہ کہانی اتنے جوش وخروش سے پڑھ کر سنائی جیسے یہ کہانی انجان ہوا بازوں کے بارے میں نہیں بلکہ اس کے اپنے گھوڑ سواروں کے بارے میں ہو، جنہوں نے اتنا کمال کر دکھایا تھا۔ اس کے بعد جو بحث شروع ہوئی اور ہر ایک نے اپنے اپنے طور پر نقشہ کھینچنا شروع کیا کہ سب کس طرح ہوا ہوگا تو کوکوشکن تک نے اس میں پر جوش حصہ لیا۔ لیکن الکسئی پڑا پڑا سوچتا رہا ''خوش نصیب لوگ! وہ اب تک فضا میں پرواز کر رہے ہیں اور لڑ رہے ہیں۔ لیکن میں پھر کبھی ہوا میں پرواز نہ کر سکونگا۔،،

سوویت اطلاعاتی بیورو کے اعلان زیادہ سے زیادہ خشک اور مختصر ہوتے جاتے۔ تمام علامتوں سے معلوم ہوتا تھا کہ کہیں سوویت فوج کے عقب میں ایک اور حملے کے لئے ایک بےپناہ قوت پروان چڑھ رہی تھی۔ کمیسار اور استیپان ایوانووچ بڑی گمبھیرتا سے اس پر بحث کرتے کہ یہ حملہ کہاں پر ہوگا اور جرمنوں پر اس حملے کا کیا اثر ہوگا۔ کچھ ہی دنوں پہلے تک الکسئی اس قسم کی بحثوں میں بڑھ بڑھ کر حصہ لیتا تھا۔ اب وہ سنی ان سنی کرنے کی کوشش کرتا۔ اس نے بھی محسوس کیا کہ کچھ اہم، عظیم الشان واقعات رونما ہونے والے ہیں، شاید یہ لڑائیاں فیصلہ کن ہونگی۔ لیکن یہ خیال اس کے لئے بڑا کڑوا گھونٹ تھا کہ اس کے رفیق، شاید کوکوشکن بھی، جو بڑی تیزی سے صحتیاب ہو رہا تھا، ان لڑائیوں میں حصہ لیں اور وہ محاذ کے پیچھے یونہی دن کاٹتا

رهیگا - اب اس سلسلے میں کچھه بھی نہیں هو سکتا - جب کمیسار اخبار پڑھتا یا جب کبھی جنگ کے بارے میں کوئی بات چیت شروع هوتی تو الکسئی کمبل کے اندر سر چھپا لیتا اور تکیے پر سر کو رگڑنے لگتا تا کہ کچھه سن اور دیکھه نه سکے - اور میکسم گورکی کے ''شاهیں کا گیت،، کے مانوس بول اس کے دماغ میں گونج اٹھتے ''جو رینگنے کے لئے پیدا هوئے هیں پرواز نہیں کر سکتے -،،

کلاودیا میخائلوونا 'ویربا، پودے کے چند گچھے لے آئی - اس نے ایک ایک گچھا گلاس میں رکھه کر هر هر پلنگ کے سرهانے رکھه دیا - خدا جانے یه پودا زمانه جنگ کی کڑی پابندیوں میں گھرے هوئے ماسکو میں کس طرح آگیا تھا - سرخی مائل پودا اور اس کے سفید پھولے پھولے گچھوں کی خوشبو میں اتنی تازگی تھی که معلوم هوا جیسے خود بہار وارڈ نمبر بیالیس میں خراماں خراماں چلی آئی هو - اس دن هر شخص نے بڑی خوشی، بڑی راحت محسوس کی - یہاں تک که خاموش ٹینک‌مین بھی اپنی پٹیوں میں سے چند لفظ بڑبڑایا -

الکسئی پڑا پڑا سوچ رہا تھا: کامی‌شین میں گلیوں اور روشوں پر سے دوڑتے هوئے پانی کے تڑپتے هوئے بیقرار نالے چمکتی هوئی پتھریلی سڑکوں پر دوڑ رهے هیں اور گرم هوتی هوئی دهرتی کی خوشبو اور تازہ نمی اور گھوڑے کی لید کی بو فضا میں بسی هوئی هے - اسی قسم کا ایک دن تھا جب وہ اور اولیا والگا کے ڈھلوان کنارے پر کھڑے تھے اور ایک اتھاہ اور مقدس خاموشی میں، دریا کی بیکراں وسعتوں میں برف بہه رهی تھی - البته اس خاموشی کا دل چکاوکوں کی چاندی کی گھنٹیوں جیسی آواز سے چھلنی هو جاتا تھا - لیکن معلوم هوتا تھا که ان بیکراں وسعتوں میں برف نہیں تیر رهی هے بلکه یه خود الکسئی اور اولیا هیں جو خاموشی سے ایک طوفانی اور هنگامه خیز دریا سے ملنے کے لئے تیر رهے هیں - وہ وهاں ایک لفظ بھی منه سے نکالے بغیر کھڑے رهے - وہ سپنے دیکھه رهے تھے -- مستقبل کی مسرتوں کے سپنے، ایسے سپنے که والگا کے کنارے ان بیکراں وسعتوں میں، جہاں موسم بہار کے جھونکے رواں دواں تھے، ان کے لئے سانس لینا بھی مشکل تھا - اب یه خواب کبھی پورے نه هونگے - اولیا اب اس سے منه پھیر لیگی - اگر وہ منه نه بھی پھیرے تو کیا میں یه

قربانی قبول کر سکتا ہوں؟ کیا میں خود اس شوخ، دمکتی ہوئی، نازک لڑکی کو اپنے پہلو میں چلنے کی اجازت دے سکتا ہوں جبکہ میں خود اس کے پہلو میں لکڑی کے ٹھنٹھوں کے سہارے بھٹکتا ہوا چلوں؟.. اور اس نے نرس سے التجا کی کہ اس کے بستر کے پاس سے بہار کے اس نادان پیغام بر کو ہٹا دیا جائے۔

ویربا کا گچھا ہٹا دیا گیا لیکن وہ اپنے تلخ خیالات سے اتنی آسانی سے نجات حاصل نہ کر سکا۔ جب اولیا کو معلوم ہوگا کہ اس کے پیر کٹ گئے ہیں تو وہ کیا کہیگی؟ کیا وہ اس کو چھوڑ دیگی؟ اس کو بھول جائیگی؟ اس کو اپنی زندگی سے نکال پھینکے گی؟ اس کا پورا وجود اس کے خلاف احتجاج کر رہا تھا۔ نہیں! نہیں وہ ایسی نہیں ہے! وہ اس کو نہیں ٹھکرائیگی، وہ اس سے منہ نہیں موڑیگی! لیکن یہ تو اور بھی برا ہوگا۔ اس نے تصور کیا کہ اولیا نے اس سے، اس اپاہج سے، اپنے وسیع دل کی چاہت سے مجبور ہو کر شادی کر لی ہے اور اس نے اپنی اعلی ٹکنیکی تعلیم کا خواب اس کی خاطر ختم کر دیا ہے اور اپنے لئے، اپاہج شوہر کی خاطر، اور کون جانے بچوں کی خاطر بھی، خود کو دفتری گھس کے لئے وقف کر دیا ہے۔

کیا اسے حق ہے کہ وہ اس قسم کی قربانی قبول کرے؟ وہ اب تک ایک دوسرے سے بندھے نہیں تھے۔ صرف ان کی منگنی ہوئی تھی۔ وہ اب تک شوہر اور بیوی نہیں تھے۔ وہ اس سے محبت کرتا تھا اور دل و جان سے اس پر فریفتہ تھا۔ اس لئے اس نے فیصلہ کیا کہ اسے ایسا کوئی حق نہیں۔ اسے خود فوراً اس سے سارا ناتا توڑ دینا چاہئے، ایک ہی جنبش میں! اور اس طرح اسے نہ صرف ایک بوجھل اور گراں بار مستقبل سے بچانا چاہئے بلکہ موجودہ تذبذب کی اذیت سے بھی نکال لینا چاہئے۔

لیکن اتنے میں اسے ایک خط ملا جس پر کامی‌شین کی مہر تھی۔ اس خط نے اس کے تمام فیصلوں کو درہم برہم کرکے رکھ دیا۔ یہ اولیا کا خط تھا اور اس کی ایک ایک سطر میں پوشیدہ پریشانی اور بیقراری رچی ہوئی تھی جیسے اسے اس بربادی کا اندازہ ہو گیا ہو۔ اس نے لکھا تھا وہ ہمیشہ اس کے ساتھ رہیگی، چاہے اس پر جو بھی بیتے وہ اس کے ساتھ ہوگی۔ وہ صرف اس کے لئے زندہ تھی۔

ایک ایک پل اس کے من میں الکسئی کا خیال بسا ہوا تھا اور یہی خیال اس میں جنگ کی سختیوں کو برداشت کرنے کا حوصلہ پیدا کرتا تھا — وہ اسی کی بدولت مل میں بے خواب راتیں کاٹ دیتی تھی، چھٹی کے دنوں اور راتوں میں خندقیں اور ٹینکوں کو روکنے کے لئے گڈھے کھودتی تھی۔ وہ یہ کیوں چھپاتی بھلا کہ اسی خیال کے بل بوتے پر وہ نیم فاقہ کشی کی زندگی کاٹ رہی تھی۔ ''وہ آخری چھوٹی سی تصویر، جس میں تم ایک کتے کے ساتھ درخت کے چھوٹے سے ٹھنٹھ پر بیٹھے ہو اور مسکرا رہے ہو، ہر وقت میرے ساتھ رہتی ہے۔ میں نے اس کو اماں کے لاکٹ میں رکھ لیا ہے اور اب گلے میں پہنے رہتی ہوں۔ جب کبھی جی اداس ہوتا ہے تو میں لاکٹ کھول کر تمہیں دیکھ لیتی ہوں... مجھے یقین ہے کہ جب تک ہم ایک دوسرے کو چاہتے ہیں ہمیں کسی چیز سے نہیں ڈرنا چاہئے۔،، اس نے یہ بھی لکھا تھا کہ پچھلے کچھ دنوں سے اس کی ماں الکسئی کے لئے بہت بدحواس رہنے لگی ہے۔ اس نے پھر التجا کی تھی کہ وہ اپنی بوڑھی ماں کو ذرا زیادہ خط لکھا کرے۔ لیکن اس کو کوئی بری خبر سنا کر پریشان نہ کرے۔

وطن سے آئے ہوئے یہ خط ہمیشہ اس کے لئے خوشی کا مژدہ ہوا کرتے تھے۔ یہ خط اس کے دل کو گرماتے تھے اور محاذ کی سختیوں کو جھیلنے کا دم خم پیدا کرتے تھے۔ لیکن اب اس وقت پہلی بار ان کو پڑھ کر اسے ذرا خوشی نہ ہوئی۔ان کو پڑھ کر اس کا دل اور بھی بوجھل ہو جاتا۔ اس نے ایک ایسی غلطی کی جس نے بعد میں اس کو اتنا زیادہ دکھ دیا۔ اس نے گھر کے لوگوں کو نہیں لکھا کہ اس کے پیر کاٹ دئے گئے ہیں۔

اگر اس نے کسی کو اپنی حرماں نصیبی اور اپنے غم انگیز اندیشوں کا قصہ ذرا تفصیل سے بتایا تو وہ تھی موسمیات کے اسٹیشن کی لڑکی۔ ان کی آپس میں مشکل ہی سے کوئی جان پہچان تھی۔ اس لئے اس سے یہ سب کچھ کہنا نسبتاً آسان تھا۔ اس کو چونکہ لڑکی کا نام بھی معلوم نہ تھا اس لئے اس نے اس پتے پر خط لکھا ''فوجی ڈاک خانہ فلاں، موسمیاتی اسٹیشن، 'موسمی سرجنٹ، کو ملے،،۔ اس کو معلوم تھا کہ محاذ پر خط کی کیا قدروقیمت ہے۔ اس لئے اسے امید تھی کہ دیر یا سویر اس عجیب وغریب پتے پر بھی یہ

خط پہنچ ہی جائیگا۔ اور یہ خط نہ بھی پہنچا تو کوئی بات نہیں۔ وہ محض اپنے جذبات کا اظہار کرنا چاہتا تھا۔

الکسئی میریسئف اپنے بےکیف دن، تلخ خیالات میں کھویا ہوا، کاٹتا رہا۔ اس کے فولادی بدن نے بڑی ہنرمندی سے کی ہوئی جراحی کی تکلیف آسانی سے برداشت کر لی تھی اور اس کے زخم تیزی سے بھر رہے تھے پھر بھی اس کی کمزوری دن بدن بڑھنے لگی۔ ہر شخص کو نظر آ رہا تھا کہ وہ گھل رہا ہے اور روز بروز نڈھال ہوتا چلا جا رہا ہے، ساری تدبیریں بیکار گئیں۔

۷

باہر بہار پورے جوش سے لہلہا رہی تھی۔

بہار آئڈوفارم کی خوشبو میں بسے ہوئے وارڈ نمبر بیالیس میں دراتی ہوئی آئی۔ بہار کھڑکی سے لہراتی ہوئی آئی اور اپنے ساتھ پگھلتی ہوئی برف کی ٹھنڈی اور نم ہوا لائی۔ بہار آئی اور اپنے ساتھ گورئیوں کی چہچہاہٹ، سڑک کے نکڑ پر مڑتی ہوئی سرسراتی ٹراموں کی گونج اور برف سے آزاد کولتار کی پختہ سڑک پر سے تیز تیز قدموں کی آہٹ لائی۔ بہار شام کے دھندلکے میں ابھرتے ہوئے اکارڈین کے نغمے کی بے رنگ و بے کیف آواز لائی۔ بہار پہلو کی کھڑکی سے جھانکتی جہاں سے چنار کے درخت کی شاخ دھوپ کی چاندی سے منڈھی ہوئی چمکتی نظر آتی۔ اس شاخ پر لمبی لمبی کلیاں زرد رنگ کے گوند سے ڈھکی ہوئی پھولی‌پھولی سی معلوم ہوتی تھیں۔ بہار وارڈ کے اندر کلاودیا میخائلوونا کے زرد چہرے کی سنہری جھائیوں کے روپ میں آئی۔ یہ جھائیاں ہر قسم کے غازے کی لیپ پوت کے باوجود جھانکتی رہتیں اور اس سے نرس کو خاصی جھنجھلاہٹ ہوتی۔ کھڑکی کے باہر ٹین کے تختے پر بوندیں ٹپکتیں اور بجتیں اور لوگوں کا دل بہار کی طرف کھنچ جاتا۔

ہمیشہ کی طرح بہار نے دلوں کو نرم کر دیا اور خوابوں کو پر لگا دئیے۔

”کیوں استیپان ایوانووچ اس وقت اگر ہم کسی جنگل میں بندوق ہاتھ میں لئے کھڑے ہوتے تو کیسا مزا آتا؟“ کمیسار

نے بڑی تڑپ سے کہا۔ ''پو پھٹ رہی ہو اور ہم شکار کے انتظار میں بیٹھے ہوں — کیا اس سے زیادہ کوئی بات پر لطف ہو سکتی ہے؟ تم جانتے ہی ہو گلابی سویرا کیا چیز ہے، اسی اسی فضا اور ساتھ ہی ہلکا ہلکا پالا ہو اور آدمی بیٹھا ہو جنگل میں۔ اچانک ''فرفرفر''... پروں کی پھڑ پھڑاہٹ — ''فوفوفو''... اور چڑیا ٹھیک سر کے اوپر آ بیٹھتی ہے، دم پنکھے کی طرح کھل جاتی ہے، پھر اس کے بعد دوسری چڑیا آتی ہے، پھر تیسری...''

استیپان ایوانووچ نے گہری ٹھنڈی سانس لی۔ اس کے منہ سے کچھ نگلنے کی آواز پیدا ہوئی جیسے اس منہ میں پانی بھر آیا ہو۔ لیکن کمیسار اپنے خواب میں ڈوبا رہا:

''پھر آگ روشن ہو، آدمی اپنا لبادہ اتارے، اچھی سی خوشبودار چائے تیار کرے جس میں دھوئیں کا مزا ہو، اور بس ایک گھونٹ وادکا کہ بدن کا ایک ایک پٹھا گرم ہو جائے ایں؟ حق حلال کی محنت کے بعد...''

''اوہ بس بس، اس کا ذکر نہ کرو کامریڈ کمیسار...'' استیپان ایوانووچ نے جواب دیا ''جانتے ہو اس زمانے میں ہمارے علاقے میں کس قسم کا شکار ملتا ہے؟ مچھلی کا شکار! تم یقین نہیں کروگے مگر یہ سچ ہے۔ کیا تم نے اس کے بارے میں نہیں سنا ہے؟ بڑا لطف آتا ہے اس میں۔ اور اس سے تھوڑا سا روپیہ بھی بن سکتا ہے۔ جیسے ہی برف ٹوٹتی ہے اور ندیاں پانی سے لبالب ہونے لگتی ہیں، مچھلیاں کناروں پر آ جاتی ہیں، موسم بہار کے پانی میں چھپی ہوئی گھاس اور کائی پر جھنڈ کے جھنڈ جمع ہو جاتی ہیں۔ وہ گھاس میں گھس جاتی ہیں اور وہیں انڈے دیتی ہیں۔ ہم کنارے کنارے ٹہلنے نکلتے اور دیکھتے کیا ہیں کہ لکڑی کے کندے دھرے ہوئے ہیں۔ یہ کندے نہیں، مچھلیاں ہیں مچھلیاں! بندوق اٹھاؤ اور دھائیں۔ بعض مرتبہ تو وہ یوں ڈھیر ہو جاتی ہیں کہ تھیلے میں ان کے لئے جگہ نہیں رہتی — میں قسم کھا کر کہتا ہوں!..''

اور پھر شکاریوں کی یادوں اور گپوں کا سلسلہ شروع ہوجاتا۔ انجانے طور پر گفتگو کا رخ جنگ کی طرف مڑ جاتا اور وہ سوچنے لگتے کہ اس وقت ڈویژن یا کمپنی میں کیا ہو رہا ہوگا، جاڑے میں جو خندقیں بنائی گئی تھیں، ان کی چھتوں سے ''آنسو'' تو نہیں ٹپک

رہے ہونگے، یا مورچہ بندی جو ہوئی تھی وہ ''سلسلا،، تو نہیں رہی ہے۔ اور ہاں ان جرمنوں پر کیا بیت رہی ہوگی کیونکہ مغرب میں تو وہ لوگ کولتار کی پختہ سڑکوں کے عادی ہیں۔

کھانے کے بعد وہ گورئیوں کے آگے روٹی کے ٹکڑے پھینکتے۔ یہ تفریح کی ایک شکل تھی اور استیپان ایوانووچ کی ایجاد۔ وہ نچلا نہ بیٹھہ سکتا تھا اور ہر وقت پتلی پتلی بے چین انگلیوں سے کچھہ نہ کچھہ کرتا رہتا تھا۔ ایک دن اس نے صلاح دی کہ روٹی کے چھوٹے ٹکڑے چڑیوں کے لئے کھڑکی کے باھر دیوار کے نکلے ہوئے حصے پر بکھیر دئے جائیں۔ یہ ایک معمول بن گیا۔ اور اب وہ کھڑکی سے باھر محض جھوٹی روٹی کے ٹکڑے ھی نہ پھینکتے۔ وہ جان بوجھہ کر روٹی کے ٹکڑے چھوڑ دیتے، ان کا مالیدہ بناتے اور اس طرح چڑیوں کا ''ایک پورا جھنڈ راشن کی فہرست میں شامل کرلیا گیا،، استیپان ایوانووچ یہی کہا کرتا تھا۔ وارڈ کے مریضوں کو اس پورے تماشے میں بڑا لطف آتا۔ چھوٹی چھوٹی چڑیاں شور مچاتی ہوئی آتیں اور روٹی کے کسی بڑے سے ٹکڑے پر چونچ مارتیں، چہچہاتیں، لڑتیں اور جب دیوار کا وہ حصہ بالکل صاف ہو جاتا تو وہ اڑکر چنار کی شاخ پر بیٹھہ جاتیں اور مزے میں اپنے پروں میں چونچیں صاف کرتیں اور پھر پھر کرتی ہوئی اپنی اپنی دنیا میں اڑ جاتیں۔ گورئیوں کو کھلانا ایک محبوب مشغلہ بن گیا۔ مریضوں نے بعض چڑیوں کو با ضابطہ پہچاننا شروع کر دیا اور ان کے نام تک رکھہ دئے۔ ان میں سے ایک محبوب چڑیا کی دم صاف تھی۔ وہ بہت شوخ اور چنچل تھی۔ غالباً اس کی دم کسی شرارت کی بدولت جاتی رہی تھی۔ استیپان ایوانووچ نے اس کا نام ''توپچی،، رکھا تھا۔

یہ بڑی دلچسپ بات ہے کہ ان ننھی ننھی جانوں کی تفریح کی بدولت ٹینک مین اپنی اداس خاموشی کے خول سے نکل سکا۔ جب اس نے شروع شروع میں دیکھا کہ استیپان ایوانووچ قریب قریب دوھرا ہو کر اپنے بیساکھیوں کے سہارے ریڈی‌ایٹر پر چڑھہ کر کھڑکی تک پہنچنے کی کوشش کر رہا ہے تو اس نے یہ سب کچھہ بے نیازی سے دیکھا اور کوئی دلچسپی نہ لی۔ لیکن اگلے دن، جب گوریاں اڑتی ہوئی کھڑکی پر آئیں تو وہ درد سے ہونٹ کاٹتے ہوئے اٹھہ بیٹھا تا کہ یہ ننھی ننھی جانیں ذرا زیادہ اچھی طرح نظر آ سکیں۔ اگلے دن اس نے

اپنے کھانے میں سے ان کے لئے سموسے کا کافی بڑا حصہ بچا لیا۔ اس کو یقین تھا کہ ہسپتال کی یہ بڑھیا چیز ان کو خاص طور پر بہت مزیدار معلوم ہوگی۔ ایک دن ''توپچی،، نہیں آئی۔ کوکوشکن نے سوچا کہ شاید اسے بلی چٹ کر گئی۔ چلو اچھا ہی ہوا۔ اداس ٹینک‌مین بھڑک اٹھا اور اس نے کوکوشکن کو ''جھگڑالو،، کے نام سے پکارا۔ اور جب اس سے اگلے دن دم کتری چڑیا آگئی اور پھر کھڑکی پر چہچہانے اور لڑنے لگی اور سر گھما گھما کر اپنی موتیوں جیسی گستاخ آنکھیں چمکانے لگی تو ٹینک مین کا قہقہہ پھٹ پڑا۔ پچھلے کئی مہینوں میں یہ اس کا پہلا قہقہہ تھا۔

کچھ دن بعد گووزدیف بالکل چمک اٹھا۔ ہر شخص یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ یہ آدمی تو بڑا خوش مزاج اور باتونی نکلا۔ اس کے ساتھ نباہ کرنا بہت آسان تھا۔ لیکن یہ سب کمیسار کا کمال تھا کیونکہ بقول استیپان ایوانووچ، وہ ہر شخص کے دل کی کنجی جانتا تھا۔ اور یہ سب کچھ یوں ہوا۔

وارڈ کا حسین ترین لمحہ وہ تھا جب کلاودیا میخائلوونا اپنے چہرے کو بہت ہی پر اسرار بنائے ہوئے داخل ہوتی اس کے ہاتھ پیچھے کمر پر ہوتے، وہ ہر شخص کے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھتی:

''اچھا بتاؤ آج کون ناچیگا؟،،

اس کا مطلب یہ تھا کہ ڈاک آئی ہے۔ ہر خوش نصیب کو خط دینے سے پہلے کلاودیا میخائلوونا اسے بطور ناچ بستر میں ہلنے پر مجبور کرتی۔ اکثر یہ ناچ کمیسار کو ناچنا پڑتا کیونکہ بعض مرتبہ اسے بیک وقت دس دس خط موصول ہوتے۔ اس کے پاس اپنے ڈویژن سے خط آتے، محاذ کے پیچھے رہنے والے لوگوں کے خط اور رفیق کار افسروں کے خط آتے، سپاہیوں اور رفیق کار افسروں کی بیویوں کے خط آتے۔ بیویاں محض پرانے تعلقات کی خاطر لکھتیں اور پھر اس سے التجا کرتیں کہ ذرا میرے میاں کی ''خبر لو،، کیونکہ وہ ہاتھ سے نکلے جا رہے ہیں۔ اس کے پاس اپنے ساتھی افسروں کی بیواؤں کے خط آتے جو لڑائی میں کام آئے تھے۔ وہ ان کے معاملات طے کرانے کے سلسلے میں اس کی صلاح مانگتیں۔ اس کے پاس قزاخستان کی ایک پائنیر بچی کا بھی خط آیا۔ وہ ایک رجمنٹل کمانڈر کی لڑکی

تھی جو لڑائی میں مارا گیا تھا۔ اور اس لڑکی کا نام ھزار یاد کئے یاد نہ ھوتا تھا۔ وہ یہ سارے خط بڑی دلچسپی سے پڑھتا اور باقاعدہ ان کے جواب دیتا۔ وہ متعلقہ دفاتر کو بھی خط لکھتا اور فلاں فلاں کمانڈر کی بیوی کی امداد کی درخواست کرتا۔ وہ اس شوھر کو بھی خط لکھتا جو ''ھاتھہ سے نکلا جا رہا تھا،،۔ وہ اس کی خوب خبر لیتا۔ وہ کسی گھر کے مینجر کو خط لکھتا اور اسے دھمکی دیتا کہ اگر فلاں کمانڈر کے خاندان کے گھر میں چولھا نہ لگا تو یاد رکھو کہ میں خود آؤنگا اور ''تمہاری گردن مڑوڑ دونگا،،۔ وہ اس قزاخستانی لڑکی کو بھی خط لکھتا جس کا نام یاد رکھنا اس کے لئے اتنا مشکل تھا، اور دوسرے سہ ماھی امتحان میں گرامر کے پرچے میں کم نمبر لانے پر اسے خوب ڈانٹ پلاتا۔

استیپان ایوانووچ بھی محاذ اور محاذ کے پیچھے رھنے والے لوگوں سے خوب جی بھرکے خط و کتابت کرتا۔ اس کو اپنے بیٹوں کے خط ملتے۔ وہ بھی بڑے بے خطا نشانہ باز تھے۔ اس کی بیٹی بھی خط لکھتی جو ایک پنچائتی فارم میں اپنی ٹولی کی لیڈر تھی۔ اس کے خطوں میں تمام رشتہ داروں اور دوستوں کے ان گنت دعا سلام ھوتے۔ ان خطوں میں یہ اطلاع بھی ھوتی کہ اگرچہ پنچائتی فارم کے بہت سے لوگ تعمیراتی کاموں کو پورا کرنے کے لئے بھیج دئے گئے ھیں فلاں فلاں منصوبے مقررہ مقدار سے اتنا فیصدی زیادہ پورے ھوئے ھیں۔ استیپان ایوانووچ ان خطوں کو فوراً باآواز بلند پڑھتا اور پورے وارڈ، آیاؤں اور نرسوں کو بلکہ ھاؤس سرجن کو بھی، جو یرقانی صورت کا خشک آدمی تھا، اپنے گھر کے تمام حالات سے برابر باخبر رکھتا۔

یہاں تک کہ آدم بیزار کوکوشکن کو بھی، جو ساری دنیا سے لڑائی مول لئے ھوئے تھا، اپنی ماں کا خط ملتا جو برناؤل میں کہیں رھتی تھی۔ وہ نرس کے ھاتھہ سے خط چھین لیتا اور اس لمحے کا انتظار کرتا جب سب سوجاتے۔ وہ خط پڑھتا اور منہ ھی منہ میں الفاظ دوھراتا۔ ان لمحوں میں اس کے سخت خد و خال نرم پڑ جاتے اور اس کے چھوٹے چہرے پر ایک ملائمت اور پاکیزگی پیدا ھو جاتی جو اس کے مزاج کے لئے بالکل اجنبی چیز ھوتی۔ وہ اپنی ماں پر جان دیتا تھا۔ وہ گاؤں کی پرانی ڈاکٹر تھی۔ لیکن کسی وجہ سے

وہ اپنے اس جذبے پر شرمندہ تھا اور اس کو چھپانے کی کوشش کرتا تھا۔

ٹینک مین وہ واحد شخص تھا جو اس خوشگوار لمحے میں حصہ نہ بٹاتا۔ جب ایک دوسرے کو حیات بخش خبریں سنائی جاتیں، وہ اس وقت اور بھی زیادہ اداس ہو جاتا۔ وہ دیوار کی طرف منہ پھیر لیتا اور کمبل کو سر تک کھینچ لیتا۔ اس کا کوئی اپنا پرایا نہ تھا جو اسے خط لکھتا۔ وارڈ میں جتنے زیادہ خط آتے اسی قدر شدت سے وہ اپنی تنہائی کو محسوس کرتا۔ لیکن ایک دن جب کلاودیا میخائلوونا دروازے میں داخل ہوئی، تو اس کا چہرہ معمول سے زیادہ کھلا ہوا تھا۔ اس نے کمیسار سے آنکھیں بچاتے ہوئے جلدی جلدی کہا:

''اچھا بتاؤ آج کون ناچیگا؟،،

اس نے ٹینک مین کے بستر کی طرف دیکھا اور اس کے شفقت بھرے چہرے پر ایک مسکراہٹ دوڑ گئی۔ ہر شخص کو محسوس ہوا کہ کوئی غیر معمولی بات ہوئی ہے۔ پورے وارڈ میں امیدوں اور توقعات سے بھرا ہوا ایک عجیب سا تناؤ پیدا ہو گیا۔

''لفٹینٹ گووزدیف ابکے ناچنے کی تمہاری باری ہے۔ چلو اب ناچ دکھاؤ۔،،

میریسئف نے دیکھا کہ گووزدیف چونک گیا اور تیزی سے مڑا اور اس نے پٹیوں کی باریک درزوں سے دیکھا کہ اس کی آنکھیں چمک اٹھی ہیں۔ لیکن گووزدیف نے فوراً خود کو قابو میں کرلیا اور تھرتھراتی ہوئی آواز میں بولا۔ وہ انتہائی بے نیازی کا لہجہ پیدا کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''غلطی ہوئی ہے۔ کسی دوسرے وارڈ میں کوئی اور گووزدیف ہوگا۔،، لیکن اس کی آنکھیں بڑے شوق اور پیاس کے ساتھ ان تین خطوں کی طرف اٹھ گئیں، جو نرس کے ہاتھ میں جھنڈے کی طرح اٹھے ہوئے تھے۔

''نہیں! کوئی غلطی نہیں ہوئی ہے!،، نرس بولی ''دیکھو! 'لفٹینٹ گ۔ م۔ گووزدیف، اور وارڈ کا نمبر: بیالیس۔ پھر؟،،

کمبل کے اندر سے پٹیوں میں بندھا ہوا ایک ہاتھ تڑپ کر نکلا۔ ہاتھ لرز رہا تھا۔ اس نے خط منہ میں رکھا اور دانت کی مدد

سے پھاڑا۔ اس کی آنکھوں سے جوش کے مارے چنگاریاں نکلنے لگیں۔ عجیب بات! تین لڑکیوں نے، جو ڈاکٹری کی ایک ہی جماعت اور ایک ہی یونیورسٹی میں پڑھتی تھیں، مختلف لکھائی اور الفاظ میں قریب قریب ایک ہی قسم کی باتیں لکھی تھیں۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ ہیرو ٹینک مین گووزدیف زخمی ہو کر ماسکو کے ایک ہسپتال میں پڑا ہوا ہے تو انہوں نے اس سے خط و کتابت کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے لکھا تھا کہ اگر ان کی یہ جرأت اس پر گراں نہ گزرے تو جواب ضرور دے اور بتائے کہ کس حال میں زندگی کٹ رہی ہے؟ ان میں سے ایک نے، جس نے اپنا نام انیوتا لکھا تھا، پوچھا تھا کہ آیا وہ اس کی کوئی خدمت کر سکتی ہے۔ کیا اسے کسی کتاب کی ضرورت ہے اور اگر اسے کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتانے میں ذرا نہ جھجکے۔

دن بھر، لفٹیننٹ یہ خط الٹ پلٹ کر بار بار پڑھتا رہا، پتے پڑھے اور لکھائی کا جائزہ لیا۔ بے شک، اس کو معلوم تھا کہ اس قسم کی خط و کتابت ہوتی ہے اور اس نے خود بھی ایک انجان ہستی سے خط و کتابت کی تھی۔ تہوار کے تحفے کے طور پر جو اونی دستانے اسے ملے تھے ان کے اندر ایک محبت بھرا خط رکھا ہوا تھا۔ لیکن یہ خط و کتابت آپ ہی ختم ہو گئی جب خط لکھنے والی نے از راہ مذاق اپنی تصویر بھیجی۔ اب راز کھلا کہ وہ ادھیڑ عمر کی عورت تھی اور چار بچوں کی ماں۔ لیکن یہ بات دوسری تھی۔ واحد چیز جس پر اس کا ماتھا ٹھنکا یہ تھی کہ یہ خط بالکل غیر متوقع تھے اور وہ سب ایک ساتھ ہی آئے تھے۔ ایک بات اور اس کے پلے نہ پڑی: ڈاکٹری کی یہ طالبعلم لڑکیاں جنگ میں اس کی سرگرمیوں سے کیوں کر اور کس طرح واقف ہوئیں؟ پورے وارڈ نے اس پر حیرانی کا اظہار کیا اور خاص طور پر کمیسار نے۔ لیکن استیپان ایوانووچ اور نرس سے اس کی معنی خیز نظر بازی کو اس نے تاڑ لیا اور سمجھ گیا کہ اس کی تہہ میں کمیسار کا ہاتھ ہے۔

چاہے جو بھی ہو، اگلی صبح گووزدیف نے کمیسار سے خط لکھنے کا کاغذ مانگا اور بغیر اجازت کے اس نے اپنے سیدھے ہاتھ کی پٹی کھولی اور شام تک لکھتا رہا، لکیریں کھینچتا رہا، خط کو

توڑتا مڑوڑتا اور پھینکتا رہا یہاں تک کہ آخر اس نے اپنے انجانے دوستوں کے نام خط لکھ ھی لئے۔

دو لڑکیوں نے تو جلد ھی خط لکھنا بند کر دیا۔ لیکن نیک دل انیوتا ان کی طرف سے اکیلی لکھتی رھی۔ گووزدیف آدمی خاصا گپ باز تھا اور اب سب لوگوں کو معلوم تھا یونیورسٹی کے ڈاکٹری کے شعبے کی تیسری جماعت میں کیا کھچڑی پک رھی ھے، علم حیاتیات کتنا جاندار اور دلچسپ ھے اور نامیاتی کیمیا کتنا بے رنگ اور پھیکا مضمون ھے۔ پروفیسر کی آواز کتنی اچھی ھے اور وہ اپنا مضمون کتنی اچھی طرح پڑھاتا ھے اور فلاں فلاں لکچرر کتنا زبردست بور ھے اور پچھلے اتوار کو، رضاکارانہ کام کے دن طلبا نے جلاون کی کتنی لکڑی مال گاڑی میں لادی، ھسپتال میں کام کرتے ھوئے تعلیم کا سلسلہ جاری رکھنا کتنا مشکل کام ھے — اور ساتھ ھی یہ بھی معلوم ھوجاتا کہ فلاں نک چڑھی لڑکی کتنی ڈینگیں بگھارا کرتی ھے۔

گووزدیف صرف باتیں ھی نہ کرتا بلکہ وہ کھلتا ھوا نظر آتا اور جلد ھی وہ تیزی سے صحت یاب ھونے لگا۔

کوکوشکن نے اپنی کھپچیاں نکلوا دیں۔ استیپان ایوانووچ اب کسی سہارے کے بغیر چلنے کی مشق کر رھا تھا اور خاصے اطمینان سے گھومنے پھرنے لگا تھا۔ اب وہ پورا پورا دن کھڑکی پر کاٹ دیتا اور دیکھتا رھتا کہ ''وسیع دنیا،، میں کیا کچھ ھو رھا ھے۔ صرف کمیسار اور میریسئف کی حالت دن بدن نازک ھوتی چلی گئی۔ خاص طور پر کمیسار کے ساتھ یہی ھوا۔ وہ اب صبح کے وقت اپنے ھاتھ پیر کو جھٹکے بھی نہیں دے سکتا تھا۔ اس کے جسم میں ایک خطرناک قسم کی زردی مائل سوجن اور شیشے جیسی چمک پیدا ھو گئی تھی۔ وہ مشکل سے ھاتھ موڑ پاتا اور اب وہ نہ تو پنسل پکڑ سکتا تھا اور نہ چمچہ۔

صبح کے وقت ھسپتال کی آیا اس کے ھاتھ منہ دھلاتی، کھلاتی پلاتی اور صاف ظاھر تھا کہ وہ اپنے درد سے نہیں بلکہ اس بے بسی سے اتنا زیادہ نڈھال اور غم زدہ تھا۔ لیکن وہ جی نہیں ھارا۔ اس کی آواز میں پہلے والی طربناکی تھی۔ وہ اسی جوش و خروش سے اخبار پڑھتا۔ یہاں تک کہ جرمن پڑھنے کا سلسلہ بھی جاری رکھتا۔ لیکن پڑھتے وقت وہ اپنی کتاب نہیں پکڑ سکتا تھا۔ اس لئے استیپان ایوانووچ

نے تار سے اس کے لئے ایک رحل بنائی اور اس کے بستر پر فٹ کردی۔ وہ اس کے بستر پر بیٹھہ جاتا اور اس کی خاطر اس کے ورق الٹتا جاتا۔ صبح کو، اخبار کے آنے سے پہلے، کمیسار بڑے شوق سے نرس سے پوچھتا، تازہ ترین خبر میں کیا کہا گیا ہے، ریڈیو پر کیا خبریں آئی ہیں، موسم کا کیا رنگ ہے اور ماسکو کی کیا خبریں ہیں۔ اس نے اپنے بستر کے پاس ریڈیو لگوانے کی اجازت خاص طور پر واسیلی واسیلیوچ سے لے لی تھی۔

ایسا لگتا تھا کہ جوں جوں اس کا جسم کمزور ہوتا جاتا ہے اس کی روحانی قوت اتنی ہی بڑھتی جاتی ہے۔ اس کو جو ان گنت خط موصول ہوتے تھے ان کو اسی دلچسپی اور شوق سے پڑھتا اور ان کے جواب دیتا اور باری باری سے کوکوشکن اور گووزدیف سے لکھواتا۔ ایک دن میریسئف کسی علاج کے بعد اونگھہ رہا تھا۔ لیکن وہ کمیسار کی گرجدار بھاری آواز سے چونک گیا۔

اس کے پلنگ پر، تار کی رحل میں ڈویژنل اخبار رکھا ہوا تھا جو اس ممانعت کے باوجود کہ ''کوئی اٹھاکر دستے سے نہ لے جائے،، کوئی اس کے پاس بلا ناغہ پہنچاتا رہتا تھا۔

''اماں، لوگوں کا دماغ چل گیا ہے کیا، دفاعی لڑائی میں؟،، وہ چنگھاڑا ''کراوتسوف اور دفترشاہی چلائے؟ پوری فوج میں مویشیوں کا بہترین سرجن اور دفترشاہی چلائے؟ گریشا، فوراً لکھو!،،

اور اس نے گووزدیف سے ایک گرم خط جنگی فوجی کانسل کے ایک ممبر کو لکھوایا جس میں اس نے درخواست کی تھی کہ ان ''اخبار نویسوں،، کو باندھہ کے رکھو جو ناحق ایک اچھے اور پر جوش افسر کو بد نام کرتے ہیں۔ وہ ان ''قلمی گھس گھس،، کرنے والوں کو کوستا حالانکہ وہ خط ڈاک میں ڈالنے کے لئے نرس کے حوالے کر چکا تھا۔ اس کے منہ سے اتنی پر جوش باتیں سن کر واقعی تعجب ہوتا تھا جبکہ اس کے لئے تکیے پر سر موڑنا بھی دو بھر تھا۔

اس شام ایک اور اہم بات ہوئی۔ اس خاموش گھڑی میں، جب ابھی روشنیاں نہیں جلی تھیں اور کمرے کے کونوں میں سائے گہرے ہونے لگے تھے، استیپان ایوانووچ کھڑکی پر بیٹھا فکر میں ڈوبا ہوا دریا کے پشتے کو دیکھہ رہا تھا۔ کچھہ عورتیں کینوس کا لبادہ اوڑھے دریا کی برف کاٹ رہی تھیں۔ وہ برف میں ایک کالے مربع سوراخ

میں سے سلاخ کی مدد سے برف کی تہہ توڑتیں، ان کو سلاخوں کی دو تین ضربوں سے توڑ توڑ کر سلیں بناتیں اور لوہے کے کانٹے میں پھنسا کر لکڑی کے تختوں پر گھسیٹتی ہوئی پانی سے نکال لاتیں۔ یہ سلیں قطار اندر قطار رکھی ہوئی تھیں — نیچے تو وہ سبزی مائل شیشے کی طرح چمکتی اور جھلملاتی نظر آتیں اور اوپر سے زرد اور بھربھراتی ہوئی سی۔ یکے بعد دیگرے، ایک دوسرے سے جڑی ہوئی برف گاڑیوں کا پورا ایک کارواں دریا کے کنارے کنارے اس جگہ کی طرف چل رہا تھا جہاں برف کاٹی جا رہی تھی۔ ایک بوڑھا آدمی کن ٹوپ اوڑھے، روئی دار پتلون اور سرزئی پہنے، سرزئی کو ایک پیٹی سے کسے ہوئے، پیٹی میں کلہاڑی اڑسے ہوئے، گھوڑوں کو اس طرف لے جا رہا تھا جہاں برف کی سلیں پڑی تھیں۔ عورتیں سلیں اٹھا اٹھا کر برف گاڑیوں میں ڈال رہی تھیں۔

استیپان ایوانووچ کی نکتہ رس آنکھوں نے بھانپ لیا کہ یہ کام پنچائتی فارم کی کوئی ٹولی انجام دے رہی ہے۔ لیکن اس نے سوچا کہ یہ کام پھوہڑپن سے ہو رہا ہے۔ اس کام میں ضرورت سے زیادہ لوگ لگے ہوئے تھے اور وہ ایک دوسرے کے راستے میں حائل تھے۔ اس کے عملی دماغ میں اس کام کا ایک پورا پلان تیار ہو گیا۔ اس نے خیال ہی خیال میں اس ٹولی کو تین تین کے گروہوں میں بانٹ دیا — ہر گروہ آسانی سے برف کی سلیں پانی سے نکال سکتا تھا۔ اس نے پھر ہر گروہ کو الگ الگ کام دیا۔ اور اس نے پوری ٹولی کے لئے یکساں اجرت مقرر نہیں کی۔ ہر گروہ جتنی سلیں کھینچتا، اسی کے مطابق اس کو معاوضہ ملتا۔ اسے ٹولی میں ایک سر گرم قسم کی گول چہرے اور سرخ گالوں والی عورت نظر آئی اور اس نے دل ہی دل میں اسے صلاح دی کہ اسے اپنے گروہوں میں اشتراکی مقابلے کا رواج عام کرنا چاہئے ... وہ اپنی سوچ میں اتنا کھویا ہوا تھا کہ اسے یہ بھی نظر نہ آیا کہ ایک گھوڑا برف کے گڈھے کے قریب اتنا آگے چلا گیا ہے کہ اس کی دو ٹانگیں پھسل گئیں اور وہ پانی میں گر گیا۔ گاڑی کے وزن کی وجہ سے گھوڑا سطح پر ڈٹا رہا لیکن تیز لہریں اسے اندر کھینچ رہی تھیں۔ بڈھا، جس کی پیٹی میں کلہاڑی تھی، بے بسی سے شور مچاتا رہا۔ کبھی گاڑی کی پٹریوں کو کھینچتا اور کبھی گھوڑے کی لگام سے زور آزمائی کرتا۔

استیپان ایوانووچ کی سانس رک سی گئی اور اس نے زور سے چلا کر کہا ''گھوڑا ڈوب رہا ہے!''

کمیسار نے انتہائی جد و جہد سے کام لیتے ہوئے خود کو کہنیوں پر اٹھا لیا اور کھڑکی سے جھانک کر دیکھا۔ درد کے مارے اس کا چہرہ راکھہ کی طرح بے جان ہو گیا۔ اور سینے کے بل کھڑکی پر جھکتے ہوئے اس نے باہر دیکھتے ہوئے بڑبڑا کر کہا ''خر دماغ! کیا وہ اتنا نہیں جانتا؟ رسہ! ارے رسہ! رسہ کاٹ دو اور وہ خود بخود باہر آجائیگا۔ اوہ! وہ اس جانور کی جان لے کر رھیگا!''

بڑے بھونڈے انداز میں استیپان ایوانووچ کھڑکی پر چڑھا۔ گھوڑ ڈوب رہا تھا۔ تڑپتا ہوا پانی اس کے اوپر لپکنے لگا تھا۔ لیکن وہ پانی سے نکلنے کی آخری کوشش کر رہا تھا۔ وہ اپنے نعل بھرے کھروں کو برف کے کنارے گاڑنے کی جان توڑ جد و جہد کر رہا تھا۔

''رسہ کاٹ دو!'' کمیسار چلایا گویا دریا پر وہ بڈھا اس کی آواز سن ہی تو لیگا۔

استیپان ایوانووچ نے اپنے ھاتھوں کی مدد سے بھونپو بنایا اور کھڑکی سے کمیسار کی صلاح چلا کر سڑک کے اس پار نشر کر دی۔

''اے! بڈھے! رسہ کاٹ دو! تمھاری پیٹی میں ایک کلھاڑی لٹک رہی ہے بڑے میاں — رسہ کاٹ دو، کاٹ دو!''

بڈھے نے سن لیا۔ اس کو یہ آسمان سے آتی ہوئی ندا معلوم ہوئی۔ اس نے پیٹی سے کلھاڑی جھپٹ لی اور دو وار میں رسہ کاٹ دیا۔ جوئے سے آزاد ہونے کے بعد، گھوڑا فوراً برف پر چڑھہ گیا اور گڈھے سے ذرا پرے ہٹ کر کھڑا ہو گیا اور کتے کی طرح ھانپتے ہوئے بدن کو جھاڑنے لگا۔

''کیا مطلب ہے اس کا؟'' اس وقت ایک آواز آئی۔

واسیلی واسیلیوچ گریبان چاک، سفید لبادہ پہنے اور ننگے سر دروازے میں کھڑا تھا۔ وہ غصے میں بھوت پیر پٹکنے لگا۔ وہ کوئی جھاڑ پھونک سننے کو تیار نہ تھا۔ اس نے کہا کہ یہ وارڈ پاگل خانہ بن گیا ہے اور وہ ان سب کو یہاں سے نکال کر سیدھا جہنم کی طرف چلتا کر دیگا۔ اور یہ سب معلوم کئے بغیر کہ ھوا کیا ہے، وہ ھانپتا اور ہر شخص کو صلواتیں سناتا ہوا وھاں سے چلا گیا۔ چند منٹ

بعد کلاودیا میخائلوونا وارڈ کے اندر آئی۔ اس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا اور وہ بہت پریشان حال نظر آ رہی تھی۔ ابھی ابھی واسیلی واسیلیوچ نے اس کو خوب برا بھلا کہا تھا۔ لیکن جب اس کی نظر کمیسار کے راکھه جیسے بجھے ہوئے بے جان چہرے پر پڑی جو آنکھیں بند کئے بے حس و حرکت پڑا تھا تو وہ لپک کر اس کے پاس پہنچی۔

شام کے وقت کمیسار بہت بیمار ہو گیا۔ انہوں نے اس کو کافور کا انجکشن دیا، پھر اکسیجن دی لیکن وہ بہت دیر تک بے سدھه پڑا رہا۔ لیکن جیسے ہی اسے ہوش آیا اس نے کلاودیا میخائلوونا کو دیکھه کر مسکرانے کی کوشش کی جو اکسیجن بیگ کے ساتھه اس کے اوپر جھکی ہوئی تھی۔

''پریشان نہ ہو، میری نرس۔ میں تو جہنم سے بھی تمہیں وہ چیز دینے کے لئے لوٹ آؤنگا جس کو لگا کر شیطان اپنی جھائیاں مٹاتے ہیں۔''

یہ کتنا دل خراش منظر تھا۔ روز بروز یہ دیوہیکل آدمی گھلتا اور سوکھتا چلا جا رہا تھا۔ وہ اپنی بے بسی سے ایک خوفناک لڑائی لڑ رہا تھا۔

۸

میریسئف بھی دن بدن کمزور اور نڈھال ہوتا جا رہا تھا۔ اس نے ''موسمی سرجنٹ'' کو جو اگلا خط لکھا تھا، اس میں یہاں تک لکھه دیا کہ شاید وہ اب ھسپتال سے زندہ نہ نکل سکیگا اور یہی سب سے اچھا ہوگا۔ کیونکہ ایک ہواباز ٹانگوں کے بغیر ویسا ہی ہے جیسے بے بال و پر پرندہ، جو زندہ تو رہ سکتا ہے اور دانہ چگ سکتا ہے، لیکن پرواز — کبھی پرواز نہیں کر سکتا! وہ بےبال و پر پرندہ نہیں بننا چاہتا تھا اور بد سے بدتر انجام کے لئے تیار تھا۔ کاش یہ برا انجام جلد ہو۔ وہ اپنے دل کا دکھه درد صرف اس لڑکی سے ہی کہتا تھا۔ لیکن اسے اس قسم کی باتیں لکھنا اس پر بڑا ظلم تھا اس لئے کہ وہ الکسئی سے اقرار کر چکی تھی کہ وہ ''کامریڈ سینئر لفٹیننٹ'' کی طرف ایک زمانے سے کھنچ رہی تھی اور اگر اسے

یہ خوفناک صدمہ نہ پہنچتا تو وہ ہرگز اپنا راز ظاہر نہ کرتی۔

''وہ شادی کرنا چاہتی ہے۔ بھئی مردوں کا بڑا ٹوٹا ہے۔ اگر کسی کو اچھی پنشن ملے تو اس کی پروا کسے ہے کہ اس کی ٹانگیں ہیں یا نہیں،، کوکوشکن نے ہمیشہ کی طرح بڑی قطعیت سے رائی زنی کی۔

لیکن الکسئی کو وہ زرد چہرہ یاد آیا جو اس کے چہرے پر اس وقت آگرا تھا جب موت ان کے سروں پر منڈلا رہی تھی اور اس کو معلوم ہو گیا کہ کوکوشکن کی بات غلط تھی۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اس کا الم ناک اعتراف پڑھ کر لڑکی کا دل دکھیگا۔ اس کو ''موسمی سرجنٹ،، کا نام معلوم نہ تھا۔ لیکن وہ اسے اپنے مسرت ناآشنا خیالات کا رازدار بنائے رہا۔

کمیسار کو سب کے دل کی کنجی معلوم تھی لیکن اب تک وہ میریسئف کے دل کی کنجی نہ پا سکا تھا۔ جس دن اس کا آپریشن ہوا تھا اس کے اگلے دن وارڈ میں نکولائی اوستروفسکی کی کتاب ''داورورسن کی آزمائش،، آئی۔ یہ بلند آواز میں پڑھی گئی۔ الکسئی کو احساس تھا کہ یہ کتاب زور زور سے اس کی خاطر پڑھی جا رہی ہے۔ لیکن اس کہانی سے اس کے دل پر کوئی خاص پھایا نہ پڑا۔ پاویل کورچاگن اس کے لڑکپن کے سورماؤں میں سے تھا۔ ''لیکن کورچاگن ہواباز نہ تھا،، اب الکسئی سوچتا۔ ''کیا وہ جانتا تھا کہ 'ہوا کے لئے تڑپنے' کا کیا مطلب ہے؟ اوستروفسکی نے یہ کتاب اس وقت نہیں لکھی تھی جب ملک کے سارے مرد اور بہت ساری عورتیں لڑ رہی ہوں، جب بہتی ہوئی ناکوں والے چھوٹے چھوٹے لڑکے بھی خراد تک رسائی حاصل کرنے کے لئے لکڑی کے ڈبوں پر کھڑے ہو کر، شل بنا رہے ہوں۔،،

مختصر یہ کہ اب کے کتاب کوئی زیادہ چلی نہیں۔ اس لئے کمیسارنے داؤ پر لانے کے لئے پینترے بدلنے شروع کئے۔ کبھی کبھی تذکرے کے طور پر کسی دوسرے آدمی کا قصہ سناتا جس کی ٹانگیں مفلوج ہو گئی تھیں اور اس کے باوجود وہ ایک بڑے پبلک عہدے پر مامور تھا۔ استیپان ایوانووچ جسے دنیا بھر کی ہر ہر چیز سے دلچسپی تھی، اس پر حیران ہو کر سانس لیتا اور اسے یاد

آجاتا کہ اس کے اپنے علاقے میں ایک ڈاکٹر تھا جس کا صرف ایک ہاتھ سلامت تھا۔ لیکن اس کے باوجود وہ ضلع کا سب سے اچھا ڈاکٹر تھا، وہ شہسواری کرتا تھا، شکار کا بڑا رسیا تھا اور بندوق کے نشانے کا ایسا دھنی کہ بھاگتی گلہری کی آنکھ میں تاک کر گولی مار دینا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ یہاں پر کمیسار کو اکادمیشین ولیمس یاد آیا جس کو وہ ذاتی طور پر جانتا تھا۔ وہ شخص آدھا مفلوج تھا۔ وہ صرف ایک ہاتھ استعمال کر سکتا تھا اور پھر بھی زراعتی انسٹی‌ٹیوٹ کے کام کی ہدائت کرتا تھا اور بڑے پیمانے پر تحقیق کا کام انجام دیتا تھا۔

میریسئف نے یہ بات سنی اور مسکرایا: بغیر ٹانگوں کے سوچنا، بات کرنا، لکھنا، حکم جاری کرنا، لوگوں کا علاج معالجہ کرنا اور شکار کرنا بھی ممکن ہے۔ وہ تو ایک ہواباز تھا، پیدائشی ہوا باز! وہ تو لڑکپن سے ہواباز تھا، اسی دن سے جب وہ تربوز کے کھیت کی نگرانی کر رہا تھا، جہاں پھٹی پھٹی سی زمین پر، سوکھے پتوں میں، والگا کے علاقے کے مشہور بڑے بڑے دھاری دار تربوز چھپے ہوئے تھے — ہاں، اسی دن اس نے ایک آواز سنی اور پھر دیکھا کہ چاندی کے رنگ کا ایک چمکتا ہوا بھونرا اڑ رہا ہے۔ اس کے دوہرے پر دھوپ میں چمک رہے تھے۔ وہ غبار آلود اسٹیپی میدان کے اوپر آہستہ آہستہ استالن گراد کی طرف تیر رہا تھا۔

اسی لمحے سے ہواباز بننے کے خواب نے اسے ایک پل کو نہ چھوڑا۔ اسکول میں پڑھائی کے وقت بھی اس کے دماغ میں یہی خیال گونجتا رہتا تھا، اس وقت بھی جب وہ کارخانے میں خراد چلاتا تھا۔ جب سب لوگ سوتے ہوتے تو وہ مشہور ہواباز لیاپی‌دیفسکی کے ساتھ چیلوسکن سہم کا پتہ چلاتا اور اس کو بچا کر محفوظ جگہ پر لے آتا اور وودوپیانوف کے ساتھ وہ قطب شمالی میں برف کے ایک تودے پر اپنا ہوائی جہاز اتارتا اور چکالوف کے ساتھ قطب شمالی سے ہوتے ہوئے امریکہ تک پہنچنے کا انجانا ہوائی راستہ تلاش کرتا۔

نوجوان کمیونسٹ لیگ نے اس کو مشرق بعید میں بھیجا اور وہاں اس نے تائگا کی پہنائیوں میں کمسومولسک بردریائی آمور نامی نوجوانوں کا شہر بسانے میں ہاتھ بٹایا۔ لیکن وہ اپنی ہوابازی کے خواب کو وہاں بھی ساتھ لے گیا۔ اس شہر کے معماروں میں اس کی طرح

اور بھی جوان لڑکے اور لڑکیاں تھے ۔ وہ بھی اس کی طرح ہوا میں اڑنے کے خواب دیکھتے تھے ۔ یہ یقین کرنا مشکل تھا کہ انہوں نے واقعی اپنے ہاتھوں سے اس شہر میں ایک ہوائی کلب بنایا تھا ۔ ان دنوں اس شہر کا وجود محض کاغذ پر تھا ۔ شام کے وقت جب یہ عظیم الشان تعمیری پروجکٹ دھند میں کھو جاتا، معمار اپنے اپنے بیرکوں میں واپس آ جاتے، کھڑکیاں بند کر دیتے اور دروازے کے باہر نم ٹہنیوں کی دھویں بھری آگ روشن کر دیتے ۔ اس طرح وہ مچھروں اور کیڑوں مکوڑوں کو بھگاتے جن کی زوردار خوفناک بھنبھناہٹ سے ہوا بس جاتی تھی — اس وقت جب دوسرے تمام معمار دن بھر کی محنت کے بعد آرام کرتے، ہوائی کلب کے ممبر، الکسئی کی رہنمائی میں، اپنی کلہاڑیوں، کدالوں، آروں اور بارود کی سرنگوں سے بھرے ہوئے لیس تائگا میں نکلتے ۔ وہ اپنے جسم پر مٹی کا تیل مل لیتے ۔ ان کا خیال تھا کہ وہ اس طرح مچھروں کی یلغار سے بچ جائینگے ۔ وہاں وہ ہوائی اڈے کے لئے درخت گراتے، درختوں کے ٹھنٹھوں کو اڑاتے اور تائگا سے زمین چھین کر ہموار کرتے ۔ اور آخر انہوں نے تائگا سے یہ جگہ چھین ہی لی ۔ انہوں نے اس جنگل سے، جس کو کسی نے ہاتھہ نہ لگایا تھا، کئی کلومیٹر زمین اپنے زور بازو سے چھین لی ۔

اسی ہوائی اڈے سے پہلی بار الکسئی ایک ٹریننگ ہوائی جہاز میں بیٹھہ کر، ہوا میں اڑا ۔ آخر اس کے لڑکپن کا خواب پورا ہوا ۔

بعد میں، اس نے فوجی ہوا بازی کے ایک اسکول میں تعلیم پائی اور خود استاد بن گیا ۔ وہ اسی اسکول میں تھا کہ جنگ چھڑ گئی ۔ اسکول کے حکام کی ساری مخالفت کے باوجود اس نے اپنا کام چھوڑ دیا اور فوج میں شامل ہو گیا ۔ اس کی زندگی کا سارا آدرش، اس کی تمام‌تر دلچسپیاں، مسرتیں، مستقبل کے سارے خواب، ساری کامرانیاں اسی ہوا بازی سے جڑی ہوئی تھیں ۔

اور پھر بھی انہوں نے اس سے ولیمس کی بات کی ۔

”لیکن ولیمس ہوا باز نہیں تھا،“ الکسئی نے کہا اور منہ دیوار کی طرف پھیر لیا ۔

لیکن کمیسار اس کی ”گرہ کھولنے“ کی مہم پر جٹا رہا ۔

ایک دن جب وہ بدستور غفلت میں پڑا تھا تو اس نے کمیسار کی آواز سنی :

''الکسئی! پڑھو اسے۔ یہ تمھارے بارے میں ہے۔''

استیپان ایوانووچ رسالہ میریسئف کی طرف بڑھا رہا تھا۔ اس میں ایک مضمون تھا جس پر پنسل کا نشان لگا ہوا تھا۔ الکسئی نے پورے صفحے پر نظر دوڑائی مگر اس کو اپنا نام کہیں نظر نہ آیا۔ یہ مضمون پہلی جنگ‌عظیم کے روسی ہوا بازوں کے متعلق تھا۔ رسالے کے صفحے سے ایک نوجوان افسر کا انجان چہرہ اسے گھور رہا تھا۔ اس کی مونچھیں مڑی ہوئی تھیں اور ان کی نوکیں بہت ہی باریک تھیں۔ وہ کج کلاھی کی شان سے ٹوپی پہنے ہوئے تھا جس میں ایک سفید طرہ لگا ہوا تھا۔

''پڑھو، پڑھو۔ یہ تمھارے لئے ہی لکھا گیا ہے''، کمیسار نے کہا۔

میریسئف نے مضمون پڑھا۔ یہ مضمون ایک روسی ہواباز لفٹیننٹ ولیریان کارپووچ کے متعلق تھا۔ دشمن کے مورچے پر اڑتے ہوئے ایک بار اس کے پیر میں ''ڈم۔ ڈم'' گولی لگی۔ پاش پاش پیر کے باوجود وہ اپنے ''فارمین'' ہوائی جہاز کو اپنے مورچے تک اڑا کر لانے اور اتارنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کا پیر کاٹ دیا گیا۔ لیکن افسر فوج سے نکلنا نہ چاھتا تھا۔ اس نے ایک نقلی پیر ایجاد کیا اور اپنے ڈیزائن کے مطابق بنوایا۔ وہ بڑی مستعدی اور ثابت قدمی سے بہت دنوں تک مشق کرتا رہا اور جنگ کے ختم ہوتے ہوتے فوج میں واپس آگیا۔ اس کو ہوا بازی کے ایک فوجی اسکول کا انسپکٹر مقرر کیا گیا اور جیسا کہ مضمون میں کہا گیا تھا ''وہ کبھی کبھی اپنے ہوائی جہاز کو اڑانے کا خطرہ مول لیتا ہے''، اس کو انعام میں افسروں کا ''سنٹ جارج کراس'' ملا اور وہ ایک ہوائی حادثے میں ھلاک ہونے تک برابر ہوائی فوج میں خدمات انجام دیتا رہا۔

میریسئف نے ایک بار، دو بار اور پھر تیسری بار مضمون پڑھا۔ پتلا دبلا نوجوان لفٹیننٹ اپنے تھکے ہوئے مگر پر عزم چہرے کے ساتھ اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر ذرا تھکی ہوئی مگر ایک مجاھدانہ مسکراھٹ تیر رہی تھی۔ اس عرصے میں پورا وارڈ تناؤ کے ساتھ الکسئی کو دیکھتا رہا۔ اس نے اپنی انگلیوں سے بالوں میں

کنگھا کیا۔ رسالے پر نظر جمائے ہوئے وہ اپنی چھوٹی سی الماری میں پنسل ٹٹولنے لگا۔ اور اس نے احتیاط سے مضمون کے چاروں طرف ایک نشان کھینچا۔

''تم نے پڑھا مضمون؟،، کمیسار نے معنی خیز نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ الکسئی خاموش رہا۔ اس کی نظریں اب تک مضمون پر گڑی ہوئی تھیں اور سطروں پر دوڑ رہی تھیں۔ ''ہاں، کیا کہتے ہو تم؟،،

''لیکن اس کا تو ایک پیر کٹا تھا۔،،

''لیکن تم سوویت ہواباز ہو۔،،

''وہ تو 'فارمین، اڑاتا تھا۔ یہ بھی کوئی ہوائی جہاز تھا۔ کھلونا تھا یہ تو۔ اس کو اڑانا آسان تھا۔ اس کے لئے کسی ٹکنیک یا تیز رفتار کی ضرورت نہ تھی۔،،

''لیکن تم تو سوویت ہواباز ہو!،، کمیسار اڑا رہا۔

''سوویت ہواباز،، الکسئی نے اسی طرح مضمون پر آنکھیں جمائے ہوئے میکانکی پیرائے میں دوہرایا۔ پھر کسی اندرونی روشنی سے اس کا چہرہ دمک اٹھا اور پھر اس نے اپنے ایک ایک ساتھی مریض کی آنکھوں میں شاداں اور حیران آنکھیں ڈال دیں۔

اس رات کو الکسئی نے رسالہ اپنے تکیے کے نیچے رکھہ دیا اور اس کو یاد آیا کہ بچپن میں جب وہ تختے پر اپنے بھائیوں کے ساتھہ سونے لیٹتا تھا، تو وہ اپنی ماں کی پرانی پلش کی صدری سے بنائے ہوئے بدشکل سے بھالو کو بالکل اسی طرح چھپاتا تھا۔ وہ اپنے اس تصور پر زور سے ہنس پڑا۔

وہ اس رات ایک پل نہ سویا۔ پورا وارڈ گہری نیند میں غرق تھا۔ گووزدیف اپنے بستر پر کروٹیں لے رہا تھا اور پلنگ کی اسپرنگ چیخ رہی تھی۔ استیپان ایوانووچ سیٹی بجاتے ہوئے خراٹے لے رہا تھا جیسے اس کا کلیجہ پھٹ جائیگا۔ باربار کمیسار کروٹ لیتا اور اس کے بھنچے ہوئے دانتوں سے ایک ہلکی سی کراہ نکل جاتی۔ لیکن الکسئی کچھہ نہیں سن رہا تھا۔ تھوڑی دیر پر وہ اپنے تکیے کے نیچے سے رسالہ نکالتا اور رات کے لیمپ کی روشنی میں لفٹیننٹ کا مسکراتا ہوا چہرہ دیکھتا۔ ''کام جان جوکھوں کا تھا، لیکن تم نے کر

دکھایا،، وہ آپ ہی آپ بولتا۔ ''میراکام اس سے دس گنا زیادہ کٹھن ہے، لیکن دیکھہ لینا میں بھی کر دکھاؤنگا!،،

آدھی رات تھی۔ کمیسار دفعتاً خاموش ہو گیا۔ الکسئی نے کہنیوں کے سہارے اٹھتے ہوئے دیکھا تو وہ زرد اور ساکت پڑا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ سانس بھی نہیں لے رہا ہے۔ اس نے گھنٹی اٹھائی اور زور زور سے بجانے لگا۔ کلاودیا میخائلوونا بھاگتی ہوئی آئی۔ وہ ننگے سر تھی، اس کی آنکھیں نیند کی ماتی تھیں اور اس کی چوٹی پشت پر جھول رہی تھی۔ چند لمحے بعد، هاؤس سرجن کو بلایا گیا۔ اس نے کمیسار کی نبض چھوئی، اس کو کافور کا انجکشن لگایا اور اکسیجن بیگ کی گردن اس کے منہ میں ڈال دی۔ سرجن اور نرس دونوں کوئی ایک گھنٹے تک اس کو ٹھیک کرنے کی تدبیریں کرتے رہے۔ لیکن لگتا تھا کہ کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ آخر کمیسار نے آنکھیں کھول دیں اور کلاودیا میخائلوونا کو دیکھہ کر نقاہت کے ساتھہ مسکرایا۔ اس کی مسکراہٹ اتنی ہلکی تھی کہ نظر نہ آتی تھی۔ وہ دھیرے سے بولا:

''مجھے افسوس ہے کہ میری وجہ سے بیکار تم سب کو اتنی تکلیف ہوئی۔ میں جہنم تک پہنچ نہ سکا۔ اس لئے تمہاری چھائیوں کو بھگانے والی دوا نہ لا سکا۔ اب تو ان چھائیوں سے نباہ کرنا ہی پڑیگا، پیاری نرس۔ اب کوئی چارہ نہیں۔،،

اس مذاق سے سب کی جان میں جان آئی۔ وہ تو ایک تناور شاہ بلوط تھا اور شاید ایسے طوفان بھی جھیل سکتا تھا۔ هاؤس سرجن وارڈ سے چلا گیا۔ جاتے ہوئے گلیارے میں اس کے جوتے مچ مچ کرتے رہے۔ وارڈ کی آیائیں بھی چل دیں۔ صرف کلاودیا میخائلوونا رہ گئی۔ وہ کمیسار کے پلنگ کے کنارے بیٹھہ گئی۔ مریض پھر سو گئے۔ صرف میریسئف نہ سویا۔ وہ آنکھیں بند کئے پڑا تھا۔ وہ پڑا پڑا ان نقلی پیروں کے بارے میں سوچ رہا تھا جو فیتوں کے ذریعہ ہوائی جہاز کے پیڈل سے جوڑے جا سکتے تھے۔ اس کو اپنے استاد ہوا باز کی بات یاد آئی۔ خانہ جنگی کے زمانے میں کوئی ہوا باز تھا جس کی ٹانگیں چھوٹی تھیں۔ اس نے انجن کے پیڈاوں میں لکڑی کے ٹکڑے لگا دئے تھے۔

''میں بھی تمہاری ٹکر کا نکلونگا، میرے یار،، وہ کارپووچ کو یقین دلاتا رہا۔ ''میں اڑونگا، میں اڑونگا!،، یہ الفاظ مسرت کے ساتھ اس کے دماغ میں گونجتے رہے اور اس کی نیند کو بھگاتے رہے۔ وہ آنکھیں بند کئے چپ چاپ پڑا رہا۔ اس کو دیکھ کر یہ خیال ہو سکتا تھا کہ وہ گہری نیند میں پڑا مسکرا رہا ہے۔

یونہی پڑے پڑے اس نے ایک گفتگو سنی جو بعد میں اسے کٹھن لمحوں میں بہت سے موقعوں پر یاد آیا کی۔

''لیکن تم یہ سب کیوں کرتے ہو؟ اتنے درد اور تکلیف میں ہنسنا اور مذاق کرنا جان جوکھوں کا کام ہے۔ جب میں یہ سوچتی ہوں کہ تم کتنے عذاب سے گزر رہے ہو تو میرا دل روتا ہے۔ تم ایک الگ وارڈ میں کیوں جانا نہیں چاہتے؟،،

ایسا معلوم ہوا کہ یہ نیک دل اور خوبصورت اور ظاہراً جذبات سے خالی نرس کلاودیا میخائلوونا نہیں بول رہی تھی۔ یہ تو عورت کی آواز تھی — مخلص اور شاکی۔ اس کی آواز سے دکھ اور شاید اس کے علاوہ کچھ اور ٹپک رہا تھا۔ میریسئف نے آنکھیں کھول دیں۔ لیمپ کی روشنی میں، جو ایک رومال سے ڈھکا ہوا تھا، اسے تکیے کے پس منظر میں کمیسار کا زرد اور سوجا ہوا چہرہ نظر آیا، اس کی مہربان اور چنگاریاں اگلتی ہوئی آنکھیں اور عورت کے نرم چہرے کا ایک رخ دکھائی دیا۔ اس کے سر کے پیچھے نرم اور سنہرے بالوں پر روشنی پڑ رہی تھی اور بال ایک ہالے کی طرح چمکتے نظر آ رہے تھے۔ میریسئف اپنی نگاہیں نہ ہٹا سکا حالانکہ وہ جانتا تھا کہ یہ اچھی بات نہیں۔

''ارے ارے یہ کیا! میری اچھی سی نرس، تمہیں ہرگز رونا نہیں چاہئے! تمہیں تھوڑا سا بروماائڈ دیں؟،، کمیسار نے کہا جیسے کسی چھوٹی سی بچی سے بات کر رہا ہو۔

''اچھا! تم پھر مذاق کر رہے ہو! تم کتنے عجیب آدمی ہو! واقعی یہ بڑی عجیب بات ہے کہ آدمی اس وقت قہقہے لگائے جب اسے رونا چاہئے، اس وقت کسی اور کا دل بڑھائے جبکہ خود اس کا بدن درد سے تڑپ رہا ہو۔ میرے پیارے، میرے بھلے آدمی، اب آئندہ اس قسم کی حرکت کرنے کی جرأت نہ کرنا، سنتے ہو میں کیا کہہ رہی ہوں؟،،

اس نے سر جھکا لیا اور چپکے چپکے روتی رہی۔ کمیسار محبت بھری غمگین آنکھوں سے سفید لبادے میں چھپے اور کانپتے ہوئے اس کے دبلے شانوں کو گھورتا رہا۔

''بہت دیر ہو چکی ہے، بہت دیر ہو چکی ہے، میری پیاری،، اس نے کہا ''میں اپنے ذاتی معاملوں میں شرم ناک حد تک لیٹ لطیف رہا ہوں۔ میں ہمیشہ دوسرے کاموں میں زیادہ محو رہا ہوں۔ اور اب سمجھتا ہوں کہ بہت دیر ہوچکی ہے۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔،،

کمیسار نے ٹھنڈی سانس لی۔ نرس نے سر اٹھایا اور ڈبڈبائی ہوئی پر شوق آنکھوں سے اسے دیکھا۔ وہ مسکرایا، پھر ٹھنڈی سانس لی۔ اس نے اپنے خاص محبت بھرے اور قدرے مذاق کے انداز میں کہا:

''ایک کہانی سنو، میری عقل مند ننھی لڑکی۔ ابھی ابھی یہ کہانی یاد آئی ہے۔ بہت دنوں کی بات ہے۔ خانہ جنگی کا زمانہ تھا۔ ترکستان میں یہ واقعہ ہوا تھا۔ ہاں... انقلاب دشمن لٹیروں کا پیچھا کرتے ہوئے گھوڑ سواروں کا ایک دستہ آگے بڑھ رہا تھا۔ یہ دستہ ایک ریگستان میں جا پھنسا — ایک ایسے ویرانے میں جہاں گھوڑے ایک ایک کرکے ڈھیر ہونے لگے۔ یہ تھے روسی گھوڑے اور ان کو ریت کی عادت نہ تھی۔ اس لئے ہم گھوڑ سوار دستے سے پیادے دستے میں بدل گئے۔ دستے کے کمانڈر نے فیصلہ کیا کہ ہم سارا سامان چھوڑ دیں اور صرف ہتھیار لے کر قریب ترین شہر کی طرف چلیں۔ یہ شہر ایک سو ساٹھ کلومیٹر کے فاصلے پر تھا اور ہمیں ریگ‌زار میں مارچ کرنا پڑا۔ کیا تم اس کا تصور کر سکتی ہو، میری ننھی لڑکی؟ ہم ایک دن چلے، دو دن چلے، تین دن چلے۔ سورج آگ بگولہ ہو رہا تھا۔ ہمارے پاس پانی نہ تھا۔ ہمارے منہ خشک ہو گئے، ہونٹ پھٹنے لگے۔ ہوا میں ریت اڑتی تھی۔ ریت ہمارے قدموں تلے سرسراتی تھی، ہمارے دانتوں میں بجتی تھی، آنکھوں میں چبھتی تھی اور ہمارے گلے میں پھنستی تھی۔ میں کہتا ہوں یہ ایک خوفناک تجربہ تھا! اگر کوئی لڑکھڑاتا اور گرجاتا تو وہ ریت میں منہ کے بل پڑا رہتا۔ اس سے ہزار جتن کئے اٹھا نہ جاتا۔ ہمارا ایک کمیسار تھا۔ اس کا نام تھا یاکوف پاولووچ ولودین۔ دیکھنے میں بڑا تھل تھل،

بے جان سا انٹلکچول معلوم ہوتا تھا — وہ مورخ تھا۔ لیکن وہ بڑا زبردست بالشویک تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ سب سے پہلے گریگا۔ لیکن وہ آگے بڑھتا رہا اور دوسروں کا دل بڑھاتا رہا۔ ''اب زیادہ دور نہیں۔ ہم جلد ہی وہاں پہنچ جائینگے،، وہ بار بار دوہراتا۔ اور اگر کوئی لیٹ جاتا تو وہ اپنا پستول اس کے سینے پر رکھه دیتا اور کہتا ''اٹھو ورنہ گولی سے اڑا دونگا!،،

''چوتھے دن جب ہم شہر سے صرف پندرہ کلومیٹر رہ گئے تو سپاہیوں میں بالکل جان باقی نہ رہی۔ ہم یوں چل رہے تھے جیسے نشے میں دھت ہوں اور ہمارے قدموں کے نشان کسی زخمی جانور کے چھوڑے ہوئے نشان کی طرح بل کھاتے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ یکایک کمیسار نے ایک گیت چھیڑا۔ اس کی آواز بہت ہی بے سری اور باریک تھی اور اس نے جو گیت چھیڑا تھا نہایت احمقانہ تھا۔ یہ ایک مارچنگ گیت تھا جو پرانی فوج میں گایا جاتا تھا۔ لیکن ہم سب شامل ہو گئے اور یہی گیت گانے لگے۔ میں نے حکم دیا 'صف سیدھی کرو!'، اور سپاہی قدم سے قدم ملا کر چلنے لگے۔ تمہیں یقین نہیں آئیگا لیکن اس طرح چلنا آسان ہو گیا۔

''اس کے بعد ہم نے ایک گیت گایا، دوسرا، پھر تیسرا۔ کیا تم اس کا تصور کر سکتی ہو، میری ننھی لڑکی؟ وہ چلچلاتی ہوئی گرمی اور ہم اپنے خشک اور پھٹے ہوئے منه سے گیت گاتے رہے! ہم جتنے گیت جانتے تھے، گاتے رہے اور آخر ہم اپنی منزل پر پہنچ گئے — ایک آدمی بھی ریگستان میں نہ رہا... کیا خیال ہے تمہارا، کہو؟،،

''کمیسار کا کیا ہوا؟،،

''کمیسار؟ وہ زندہ ہے اور اچھا ہے۔ وہ آثار قدیمه کا پروفیسر ہے۔ وہ ان قدیم بستیوں کی کھدائی کرتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ اس مارچ میں اسے اپنی آواز سے ہاتھه دھونا پڑا۔ وہ پھنسی پھنسی آواز میں، سرگوشی کے انداز میں بات کرتا ہے۔ لیکن اس کو آواز کی ضرورت بھی کیا ہے؟.. اچھا اب آج کی رات بس، کہانیاں ختم۔ جاؤ میری چھوٹی سی لڑکی۔ میں ایک گھوڑسوار سپاہی کی حیثیت سے تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ آج کی رات اب میں دو بارہ نہیں مرونگا۔،،

آخر میریسئف گہری نیند کی آغوش میں چلا گیا اور اس نے خواب میں ایک عجیب و غریب ریگستان دیکھا۔ اس نے پھٹے ہوئے، خون تھوکتے ہوئے منہ دیکھے اور ان خون تھوکتے ہوئے ہونٹوں سے گیت پھوٹ رہے تھے۔ اس نے کمیسار ولودین کو بھی دیکھا جو خواب میں کسی وجہ سے کمیسار وروبیوف سے ملتا جلتا معلوم ہوتا تھا۔

وہ بہت دیر سے اٹھا۔ اس وقت وارڈ کے بیچوں بیچ سورج کی کرنیں ناچ رہی تھیں۔ اس سے ظاہر تھا کہ دو پہر ہو چکی تھی۔ وہ اٹھا تو اس کا دل ایک نشاط انگیز احساس سے سرشار تھا۔ کوئی خواب؟ کیسا خواب؟ اس کی آنکھ اس رسالے پر پڑی جس کو نیند میں بھی وہ اپنے ہاتھ میں دبوچے رہا تھا۔ رسالے کے مڑے تڑے صفحے سے لفٹیننٹ کارپووچ جھانک رہا تھا اور اب تک اس کے ہونٹوں پر وہی سنبھلی سنبھلی سی جانباز مسکراہٹ تیر رہی تھی۔ میریسئف نے بڑی احتیاط سے رسالے کے صفحے کو برابر کیا اور لفٹیننٹ کو آنکھ ماری۔

کمیسار منہ ہاتھ دھوکر کنگھا ونگھا کر چکا تھا اور مسکراتے ہوئے اس کا جائزہ لے رہا تھا۔

"تم اس کو آنکھ کیوں مار رہے ہو؟" اس نے خوش ہوکر پوچھا۔

"میں پرواز کرونگا" الکسئی نے جواب دیا۔

"کیسے؟ اس کی تو صرف ایک ٹانگ غائب تھی لیکن تم دونوں ٹانگیں کھو چکے ہو؟"

"لیکن میں سوویت انسان ہوں۔ میں روسی ہوں!" الکسئی نے جواب دیا۔

اس کے منہ سے یہ الفاظ کچھ اس انداز سے نکلے کہ وہ اس بات کی ضمانت بن گئے کہ وہ لفٹیننٹ کارپووچ کو پیچھے چھوڑ دیگا اور پرواز کر کے رہیگا۔

کھانے کا وقت آیا تو وہ وارڈ کی آیا کی لائی ہوئی ہر چیز صاف کر گیا۔ اس نے تعجب سے اپنی خالی پلیٹوں کو دیکھا اور اور زیادہ کھانے کی فرمائش کی۔ وہ کچھ بوکھلایا ہوا اور مضطرب تھا۔ وہ کبھی گاتا، کبھی سیٹی بجانے کی کوشش کرتا اور کبھی

اپنے آپ سے زور زور سے باتیں کرتا۔ جب پروفیسر اپنے معائنے پر آیا تو اس نے اس کی خاص نظر عنائت کا خوب فائدہ اٹھایا اور سوالوں کی بھر مار کردی اور پوچھا کہ جلدی سے صحت یاب ہونے کی کیا ترکیب ہے۔ پروفیسر نے جواب دیا کہ اسے خوب کھانا اور سونا چاھئے۔ اس کے بعد دو پہر کے کھانے پر دوسرے کورس کی دو پلیٹیں صاف کر دیں اور زبردستی چار کٹلٹ اڑا لئے۔ وہ کھانے کے بعد آنکھ بند کرکے ڈیڑھ گھنٹے تک پڑا رہا لیکن اسے نیند نہ آئی۔

مسرت آدمی کو خودنگر بنا دیتی ہے۔ جب اس نے پروفیسر پر سوالوں کی بوچھار کی تو وہ وہ کچھہ دیکھنے میں ناکام رہا جو وارڈ کے دوسرے مریضوں کو نظر آگیا تھا۔ واسیلی واسیلیوچ ھمیشہ کی طرح اپنے مقررہ وقت پر وارڈ میں آیا — ٹھیک اس وقت جب سورج کی کرن وارڈ کے پورے فرش کو پار کرتے ہوئے اس نقطے پر پہنچی جہاں فرش کی ایک اینٹ غائب تھی۔ پروفیسر بدستور بڑی توجہ سے معائنہ کر رہا تھا۔ لیکن ہر شخص نے محسوس کیا کہ اس کی آنکھوں میں ایک کھوئی کھوئی سی کیفیت ہے جو اس سے پہلے کبھی نظر نہ آئی تھی۔ نہ تو وہ لپکا اور نہ ڈانٹ ھی بتائی۔ اس کی سوجی ہوئی سرخ آنکھوں کے کونوں پر اس کی رگ برابر پھڑک رہی تھی۔ شام کے معائنے کے وقت وہ نڈھال اور نمایاں طور پر بوڑھا نظر آ رہا تھا۔ اس نے دبی زبان میں سے وارڈ کی ایک آیا کو ڈانٹ بتائی کہ اس نے صافی دروازے کے دستے پر کیوں چھوڑ دی تھی۔ اس نے کمیسار کے بخار کے چارٹ پر نظر دوڑائی، اس کے لئے کچھہ نسخہ لکھا اور پھر خاموشی سے باھر نکل گیا۔ اس کے پیچھے پیچھے ھسپتال کا خاموش قافلہ بھی چلا گیا۔ ان لوگوں کے چہروں سے بھی پریشانی جھلک رہی تھی۔ پروفیسر چوکھٹ سے ٹکرایا فرش پر گرتے گرتے بچا۔ کسی نے بڑھہ کر کہنیوں سے اسے سنبھال لیا۔ اس لمبے، بھاری بھرکم، بھاری آوازوالے کھلنڈرے آدمی کا اتنا خاموش اور نرم پڑ جانا کچھہ عجیب سا لگتا تھا۔ وارڈ کے مریض تعجب بھری نظروں سے اس کا تعاقب کرتے رہے۔ ان سبھوں کو اس لمبے چوڑے اور نیک‌دل آدمی سے محبت ہوگئی تھی اور اس کے اندر اس تبدیلی نے ان سب کو بے چین کردیا۔

اگلی صبح ان کو اس کی وجہ معلوم ہو گئی۔ واسیلی واسیلیوچ کا اکلوتا لڑکا مغربی محاذ پر مارا گیا تھا۔ اس کا نام بھی واسیلی

واسیلی‌وچ تھا۔ وہ بھی ڈاکٹر تھا اور بڑا ہونہار سائنس‌داں۔ وہ اپنے باپ کی آن اور کلیجے کی ٹھنڈک تھا۔ مقررہ وقت آیا اور پورا ہسپتال دم سادھے انتظار کرنے لگا۔ جانے پروفیسر اپنے مقررہ دورے پر آئیگا یا نہیں۔ وارڈ نمبر بیالیس میں ہر شخص سورج کی اس کرن پر نظر گاڑے ہوئے تھا جو ان دیکھے طور پر آہستہ آہستہ فرش پر پھسل رہی تھی۔ آخر وہ اس نقطے پر پہنچ گئی جہاں سے ایک اینٹ غائب تھی۔ اور ان سب نے ایک دوسرے سے نظر ملائی جیسے کہہ رہے ہوں وہ نہیں آئیگا۔ لیکن ٹھیک اسی آن گلیارے سے اس کے بھاری قدموں کی مانوس آہٹ اور پورے قافلے کی چاپ سنائی دی۔ پروفیسر کل کے مقابلے میں کچھ بہتر نظر آیا۔ یہ ٹھیک ہے کہ اس کی آنکھیں دھک رہی تھیں اور اس کے پپوٹے اور ناک سوجی ہوئی تھی جیسا سخت زکام میں ہوتا ہے۔ جب اس نے میز پر سے کمیسار کے بخار کا چارٹ اٹھایا تو اس کے پھولے پھولے ہاتھ جن سے چھلکے ادھڑ رہے تھے، کانپتے نظر آئے۔ لیکن وہ بدستور کاروباری اور پرجوش دکھائی دے رہا تھا۔ مگر اس کا کھلنڈراپن غائب ہو گیا تھا۔

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپس میں طے ہوگیا ہو کہ مریضوں میں سے ہر ایک ہر ممکن طریقے سے اس کا دل خوش کرنے کے لئے ایک دوسرے پر بازی لے جانے کی کوشش کریگا۔ ہر شخص نے اس کو یقین دلایا کہ آج وہ بہتر محسوس کر رہا ہے۔ نازک سے نازک مریض نے کوئی شکائت نہ کی اور کہا کہ وہ روبصحت محسوس کر رہے ہیں۔ ہر شخص نے بڑے جوش و خروش سے ہسپتال کے حسن انتظام کی تعریف کی اور مختلف علاج ومعالجے کے جادو جیسے اثر کی تصدیق کی۔ محبت اور دوستی کے ہار میں پرویا ہوا ایک خاندان تھا جس کو ایک مشترکہ غم نے اکٹھا کر دیا تھا۔

واسیلی واسیلی‌وچ کو وارڈ کے چکر لگاتے ہوئے حیرانی ہوئی کہ آخر اس صبح اسے اتنی غیر معمولی کامیابی کیوں نصیب ہو رہی ہے۔

لیکن کیا واقعی اسے تعجب ہوا؟ شاید وہ اس بھولی اور خاموش سازش کو بھانپ گیا تھا۔ اور اگر ایسا تھا تو اس چیز نے اس کے گہرے اور کبھی نہ بھرنے والے زخم کا درد برداشت کرنے میں اس کی مدد کی۔

پورب کی طرف کھڑکی سے باہر توپل کے درخت کی شاخ میں ہلکے زرد اور چپچپے سے پتے پھوٹنے لگے تھے۔ ان پتوں کے نیچے لٹکتے ہوئے سرخ اور پھولے پھولے پھول موٹے موٹے کیڑوں جیسے معلوم ہوتے تھے۔ صبح کے وقت پتے دھوپ میں چمکتے اور معلوم ہوتا کہ وہ موم جامے کے بنے ہوئے ہیں۔ ان سے تیز خوشبو نکلتی تھی۔ یہ خوشبو کھلی ہوئی کھڑکی سے اندر آتی اور اس کی یلغار سے وارڈ میں بسی ہوئی ہسپتال کی بو دب جاتی۔

استیپان ایوانووچ کی فیاضی کی بدولت گورئیاں موٹی ہو گئی تھیں اور اب ان کی شوخیوں اور گستاخیوں کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ موسم بہار کے اعزاز میں ”توپچی،، نے جانے کہاں سے ایک نئی دم اگا لی تھی۔ اس کے شور و غل اور شرارتوں کا عالم جو تھا سو تھا۔ صبح کے وقت، کھڑکی سے باہر کارنس پر چڑیوں کی ایسی ہنگامہ پرور محفلیں جمتیں کہ وارڈ کی صفائی کرنے والی آیا کے صبر کا پیمانہ چھلک پڑتا۔ وہ بڑبڑاتی ہوئی کھڑکی پر چڑھتی اور کھڑکی میں ہاتھہ ڈال کر اپنے جھاڑن سے ان کو مار بھگاتی۔

دریائے ماسکو کی برف پگھل چکی تھی۔ ایک مختصر پر شور اور بیقرار دور کے بعد دریا کا جوش کم ہو گیا۔ اس کا پانی کناروں کے اوپر ابل کر پھر آپے میں آگیا۔ اس نے اپنا سینہ جہازوں، بیڑوں اور کشتیوں کے لئے وا کر دیا۔ ان کٹھن دنوں میں یہ کشتیاں ہی راجدھانی کی موٹروں کا کام کرتی تھیں۔ کوکوشکن کی تمام بری پیش گوئیوں کے باوجود وارڈ کا کوئی شخص بہار کے سیلاب میں ”نہ بہا،،۔ کمیسار کے سوا سبھی کی صحت تیزی سے بحال ہو رہی تھی اور اب وارڈ میں زیادہ تر باتیں ہسپتال سے سبکدوش ہونے کے بارے میں ہوا کرتی تھیں۔

وارڈ سے سب سے پہلے استیپان ایوانووچ رخصت ہوا۔ سبکدوشی سے ایک دن پہلے وہ فکر، خوشی اور جوش کے ملے جلے جذبات دل میں لئے ہوئے ہسپتال میں منڈلاتا رہا۔ وہ ایک منٹ بھی نچلا نہ بیٹھہ سکا۔ گلیارے میں کچھہ مریضوں سے گپ لڑانے کے بعد وارڈ کے اندر واپس آ جاتا، کھڑکی پر بیٹھہ جاتا، روٹی سے کوئی چیز بنانے لگتا۔

لیکن یکایک اچھلتا اور وارڈ سے پھر نکل جاتا۔ صرف شام کو جب دھندلکا چھا رہا تھا، وہ کھڑکی پر چڑھ‌ه بیٹھا اور دیر تک گہری سوچ میں ڈوبا رہا۔ کبھی غراتا اور کبھی ٹھنڈی سانس لیتا۔ یہ وہ وقت تھا جب مریضوں کے مختلف قسم کے علاج ہوتے تھے۔ وارڈ میں اس وقت دو اور مریض رہ گئے تھے: ایک تو کمیسار جو خاموشی سے استیپان ایوانووچ کا جائزہ لے رہا تھا اور دوسرا میریسئف جو سونے کی سخت کوشش کر رہا تھا۔

خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ دفعتاً کمیسار نے پلٹ کر استیپان ایوانووچ کی طرف دیکھا — جس کے چہرے کا صرف ایک رخ، ڈوبتے سورج کی روشنی میں بہت نمایاں ہو گیا تھا — وہ نیم سر گوشی میں بولا:

''گاؤں میں اس وقت کیسا دھندلکا چھا رہا ہے اور خاموشی، اوہ کیسی خاموشی چھائی ہوئی ہے! پگھلتی ہوئی زمین نم گوبر اور لکڑی کے دھوئیں کی بو۔ کھلیانوں میں گائیں اپنی پیال کی سیج کو کھروں سے روند رہی ہیں۔ وہ بے چین ہیں۔ یہ ان کے گابھن ہونے کا زمانہ ہے۔ بہار کا زمانہ... سوچتا ہوں نہ جانے عورتیں کھیتوں میں گوبر ڈال سکیں گی یا نہیں۔ نہ جانے بیج اور جوتائی کے سامان وغیرہ کا کیا حال ہے؟ کیا خیال ہے تمہارا، سب ٹھیک ٹھاک ہے نا؟''

میریسئف کو ایسا معلوم ہوا جیسے استیپان ایوانووچ نے مسکراتے ہوئے کمیسار کی طرف دیکھا تو اس کی نگاہوں میں حیرانی کم اور ڈر زیادہ تھا۔

''تم جادوگر ہو، کامریڈ رجمنٹل کمیسار، تم دوسروں کے دل کی بات یوں بھانپ لیتے ہو... ہاں، بےشک یہ عورتیں بڑی عملی طبیعت کی ہوتی ہیں۔ یہ سچ ہے۔ لیکن خدا ہی بہتر جانتا ہے ہمارے بغیر وہ کس طرح کام چلا رہی ہیں... یہ تو سچ ہے!''

پھر خاموشی چھا گئی۔ دریا میں تیرتے ہوئے ایک جہاز کا سائرن بجا اور اس کی گونج لہروں پر دوڑتی چلی گئی اور گرانیٹ کے دونوں کناروں سے ٹکرا کر دوبارہ لہک کر گونج گئی۔

''کیا سوچتے ہو تم، کیا جنگ جلد ہی ختم ہو جائیگی؟''

کسی وجہ سے استیپان ایوانووچ نے سرگوشی میں بات کرتے ہوئے

پوچھا۔ ''کیا یہ جنگ چارے کی گھاس کٹنے سے پہلے ختم ہو جائیگی؟''

کمیسار نے جواب دیا ''تم کس چیز کے لئے پریشان ہو رہے ہو؟ تمہاری عمر کے لوگوں کی تو فوج میں طلبی بھی نہیں ہوئی ہے۔ تم تو والنٹیر ہو۔ تم اپنے حصے کی لڑائی لڑ چکے۔ اگر تم درخواست دے دو تو تمہیں سبکدوش کر دیا جائیگا اور تب عورتوں کے کمانڈر بن جاؤگے۔ محاذ سے پیچھے بھی عملی آدمیوں کی ضرورت ہے، ہے نا؟ کیا خیال ہے بڑے میاں؟''

یہ کہتے ہوئے کمیسار نے اتنی محبت بھری نظر سے بوڑھے سپاہی کو دیکھا کہ وہ مارے جوش اور ولولے کے کھڑکی سے کود گیا۔

''کیا کہا، مجھے چھٹی مل جائیگی!'' وہ بولا ''میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ میں ابھی ابھی اپنے آپ سے کہہ رہا تھا: مان لو میں کمیشن کو ایک درخواست لکھ بھیجوں تو؟ آخر میں تین لڑائیوں میں لڑ چکا ہوں — سامراجی لڑائی، خانہ جنگی اور کچھ اس لڑائی میں۔ شاید یہ کافی ہے، ایں؟ تم مجھے کیا کرنے کی صلاح دیتے ہو، کامریڈ رجمنٹل کمیسار؟''

''تم اپنی درخواست میں لکھو کہ میں اس لئے سبکدوش ہونا چاہتا ہوں کہ محاذ سے پیچھے عورتوں کے ساتھ مل کر کام کر سکوں۔ اور یہ بھی لکھو کہ تم کو جرمنوں سے بچانے کے لئے اور دوسرے لوگ موجود ہیں'' میریسئف بے قابو ہو گیا اور اس نے اپنے پلنگ سے چلا کر کہا۔

استیپان ایوانووچ نے مجرم کی طرح اسے دیکھا۔ کمیسار نے برہمی میں اپنی تیوریاں چڑھا لیں اور بولا:

''استیپان ایوانووچ، میں نہیں جانتا کہ تمہیں کیا صلاح دوں۔ خود اپنے دل سے پوچھو۔ تمہارے سینے میں روسی دل ہے۔ یہ تمہیں وہی صلاح دیگا جس کی تمہیں ضرورت ہے۔''

دوسرے دن، استیپان ایوانووچ کو ہسپتال سے چھٹی مل گئی۔ وہ اپنی فوجی وردی میں ملبوس وارڈ کے اندر خدا حافظ کہنے کے لئے آیا۔ اس کا قد چھوٹا تھا۔ وہ اپنی پرانی وردی پہنے ہوئے تھا جس کا رنگ اڑ گیا تھا اور دھلتے دھلتے دھندلا ہو گیا تھا۔ اس نے وردی خوب کس کر پہنی تھی اور پشت پر اتنی خوبصورتی سے

پیٹی باندھی تھی کہ سامنے ایک شکن بھی باقی نہ تھی۔ وہ اس آن بان میں اپنی عمر سے پندرہ برس کم لگ رہا تھا۔ وہ سینے پر ''سوویت یونین کے ہیرو'' کا سنہرا تمغہ لگائے ہوئے تھا۔ پالش سے ستارا جھل جھل چمک رہا تھا۔ ساتھ ہی ''لینن آرڈر'' اور ''بہادری کا تمغہ'' بھی لگے ہوئے تھے۔ اس نے ہسپتال کا لبادہ اپنے کندھوں پر ڈال رکھا تھا۔ اور اس کی ایک ایک چیز سے، اس کے پرانے اونچے جوتوں سے لے کر اس کی تاؤ کھائی ہوئی نوکیلی مونچھوں تک ہر چیز سے ایک جانباز روسی سپاہی کی شان ٹپک رہی تھی۔ ایسے سپاہی کی تصویر پہلی عالمگیر جنگ کے زمانے میں کرسمس کارڈ پر چھپتی تھی۔

سپاہی اپنے وارڈ کے ہر ساتھی کے پاس خدا حافظ کہنے کے لئے فوجی شان سے گیا۔ وہ ہر ساتھی کو اس کے فوجی خطاب سے مخاطب کرتا، اپنے بوٹوں کی ایڑیاں اتنی شان سے بجاتا کہ جی خوش ہو جاتا۔

''خدا حافظ کہنے آیا ہوں، کامریڈ کمیسار'' جب وہ آخری پلنگ تک پہنچا تو غیر معمولی گرم جوشی سے تن کر بولا۔

''خدا حافظ، استیوپا۔ سفر بخیر ہو'' کمیسار نے جواب دیا اور اپنے درد کو دباتے ہوئے سپاہی کی طرف مڑا۔

سپاہی گھٹنوں کے بل گرا اور کمیسار کا بڑا سا سر اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور پرانے روسی رواج کے مطابق دونوں نے ایک دوسرے کو تین بار چوما۔

''جلدی سے اچھے ہو جاؤ، سیمیون واسیلیوچ۔ خدا تمہیں صحت دے اور تمہاری عمر دراز کرے۔ تمہارا دل سونا ہے سونا۔ تم ہمارے لئے باپ سے بڑھ کر رہے ہو۔ میں زندگی بھر تم کو یاد رکھونگا'' سپاہی بڑے گہرے جذبے کے ساتھ زیرلب بولا۔

''اب جاؤ، جاؤ استیپان ایوانووچ! اسے ہیجان سے بچنا چاہئے'' سپاہی کو آستین سے پکڑ کر کھینچتے ہوئے کلاودیا میخائلوونا نے کہا۔

''نرس تمہاری عنائت اور دیکھ بھال کا شکریہ'' استیپان ایوانووچ نے نرس کو بڑے سنجیدہ لہجے میں مخاطب کیا اور تعظیم سے اس کی طرف جھکا۔ ''تم سوویت حور ہو، ہاں تم حور ہو!''

اب وہ بالکل بوکھلا چکا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا اب آگے کیا کہے۔ اسی حالت میں وہ دروازے کی طرف چل دیا۔

''ہم تم کو کس پتے پر خط لکھینگے، سائبیریا کے پتے پر؟'' کمیسار نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''یہ کیوں پوچھتے ہو، کامریڈ رجمنٹل کمیسار؟ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ محاذ پر لڑنے والے سپاہی کو کس پتے پر خط لکھا جاتا ہے''، استیپان ایوانووچ نے قدرے گھبراہٹ کے ساتھ جواب دیا اور ایک بار پھر ان میں سے ہر ایک کو کورنش بجالایا اور دروازے میں غائب ہو گیا۔

ایک سناٹا سا چھا گیا اور وارڈ خالی خالی محسوس ہونے لگا۔ بعد میں وہ اپنے اپنے رجمنٹ، اپنے اپنے ساتھیوں اور ان بڑی پیش قدمیوں اور حملوں کے بارے میں بات کرنے لگے جو محاذ پر ان کا انتظار کر رہے تھے۔ اب وہ سب صحت یاب ہو رہے تھے۔ اس لئے یہ باتیں محض خواب نہ تھیں، حقیقت تھیں۔ کوکوشکن تو گلیارے میں چلنے پھرنے لگا تھا، جہاں وہ نرسوں کے کاموں میں کیڑے نکالتا، دوسرے مریضوں کو چھیڑتا۔ وہ ان میں سے بہتوں سے جھگڑا بھی مول لے چکا تھا۔ ٹینک مین بھی بستر سے نکل چکا تھا۔ وہ اب اکثر گلیارے میں دیر تک آئینے کے سامنے کھڑا اپنے چہرے کا جائزہ لیتا رہتا۔ وہ اپنی گردن اور شانوں کو دیکھتا جن کی پٹیاں اب کھل چکی تھیں اور جن کے زخم اب بھر رہے تھے۔ انیوتا سے اس کی دوستی جتنی بڑھتی گئی اتنا ہی زیادہ یونیورسیٹی کے معاملات سے اس کی واقفیت بڑھتی گئی۔ جوں جوں دوستی بڑھتی گئی توں توں گہری نظروں سے اپنے جلے ہوئے، مسخ چہرے کو دیکھتے رہنے کی عادت بڑھتی گئی۔ دھندلکے یا وارڈ کی مدھم روشنی میں تو اس کا چہرہ اتنا برا نہ لگتا۔ بلکہ اس کا چہرہ بھلا ہی لگتا۔ اس کے نقوش بہت ہی اچھے تھے۔ اونچی پیشانی، چھوٹی سی ذرا جھکی ہوئی ناک، چھوٹی چھوٹی کالی مونچھیں، جو ہسپتال میں نکل آئی تھیں، اور تازہ دم، جوانی کے رس میں ڈوبے ہوئے بھرے بھرے پرعزم ہونٹ۔ لیکن روشنی میں یہ صاف نظر آتا تھا کہ اس کا چہرہ زخم کے نشانوں سے بھرا ہوا ہے اور ان کے چاروں طرف کھال تنی ہوئی ہے۔ جب کبھی وہ جذبات سے پر ہوتا یا جب وہ گرم غسل کے علاج سے واپس آتا تو یہ نشان اس کی

صورت کو بھیانک بنا دیتے اور ایسے لمحوں میں جب وہ آئینہ دیکھتا تو اس کی آنکھیں ڈبڈبا جاتیں۔ اس کے دل پر پھایا رکھنے کی غرض سے میریسئف بولا:

''تم منہ کیوں بسور رہے ہو؟ تم سینما کے ایکٹر ہونے کا ارادہ تو نہیں رکھتے، ایں؟ اگر تمہاری لڑکی کی محبت سچی ہے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑیگا۔ اگر اس سے فرق پڑتا ہے، تو ظاہر ہے کہ وہ لڑکی احمق ہے۔ اس حالت میں اس لڑکی سے کہہ دو، جہنم میں جاؤ، جان بچی لاکھوں پائے۔ تم کو پھر کوئی اصلی ھیرا مل جائیگا۔''

''سب عورتیں ایک جیسی ہوتی ہیں'' کوکوشکن ٹپکا۔

''اپنی ماں کے بارے میں یہی خیال ہے آپ کا؟'' کمیسار نے پوچھا۔ وارڈ میں کوکوشکن ہی واحد شخص تھا جس سے وہ رسمی انداز میں بات کرتا۔

اس لفٹیننٹ پر اس خاموش سوال کا جو اثر ہوا اس کی تشریح مشکل ہے۔ وہ اچھل کر اپنے پلنگ پر کھڑا ہو گیا۔ اس کی آنکھوں سے چنگاریاں نکلنے لگیں اور چہرہ کاغذ کی طرح سفید ہو گیا۔

''یہ بات ہوئی! تو تم نے دیکھ لیا کہ دنیا میں بھلی عورتیں بھی ہیں'' کمیسار نے صلح جو انداز میں کہا ''تم یہ کیوں سوچتے ہو کہ گریشا خوش نصیب نہیں ثابت ہوگا؟ زندگی میں یہی ہوتا ہے: ڈھونڈنے والے کو خدا بھی مل جاتا ہے۔''

مختصر یہ کہ پورے وارڈ میں زندگی کی ایک نئی لہر دوڑ گئی۔ صرف کمیسار ہی ایسا تھا جس کی حالت برابر نازک ہوتی جا رہی تھی۔ وہ محض کافور اور مارفیا کے بل بوتے پر زندہ تھا اور بعض مرتبہ ان دواؤں کے اثر سے نیم بےہوشی میں وہ دن دن بھر اپنے بستر پر تڑپتا رہتا۔ استیپان ایوانووچ کے جانے کے بعد اس کی صحت اور بھی تیزی سے گرنے لگی۔ میریسئف نے درخواست کی کہ اس کا پلنگ کمیسار سے اور بھی قریب کر دیا جائے تاکہ ضرورت پڑنے پر اس کی مدد کر سکے۔ وہ روز بروز اس آدمی کی طرف زیادہ سے زیادہ کھنچ رہا تھا۔

الکسئی کو معلوم تھا کہ پیروں کے بغیر زندگی اجیرن ہو گی اور دوسرے لوگوں کے مقابلے میں اس کی زندگی میں زیادہ الجھن

ہوگی۔ اس لئے وہ اندرونی طور پر ایک ایسے آدمی کی طرف کھنچ رہا تھا جو جینا جانتا تھا اور جو اپاہج ہونے کے باوجود لوگوں کو مقناطیس کی طرح کھینچتا تھا۔ اب کمیسار اپنی نیم بے ہوشی اور خود فراموشی کے عالم سے بہت کم ہی نکل پاتا۔ لیکن جب اسے پورا ہوش آ جاتا تو ہمیشہ کی طرح ہشاش بشاش نظر آتا۔

ایک دن جب رات بھیگ چکی تھی اور ہسپتال کا شور و غل دب چکا تھا اور جب خاموشی کو صرف ہلکے ہلکے خراٹے، کراہیں یا سرسام میں بہکی بہکی باتیں چھیڑ رہی تھیں تو گلیارے میں وہی مانوس اور بھاری بھاری قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ دروازے کے شیشے سے میریسئف، مدھم مدھم روشنی میں پورے گلیارے کو دیکھ سکتا تھا، جس کے آخری کنارے پر، میز پر ایک نرس جھکی نظر آ رہی تھی اور مستقل اپنا جمپر بنے جا رہی تھی۔ گلیارے کے آخری کنارے پر واسیلی واسیلیوچ کا ہیولا ابھرا۔ وہ پیچھے کمر پر ہاتھ باندھے ہوئے آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ نرس اچھل پڑی لیکن اس نے جھنجلاہٹ کے ساتھ اسے اپنے ہاتھ کے اشارے سے ہٹا دیا۔ اس کے سفید لبادے کے بٹن کھلے ہوئے تھے۔ اس کا سر ننگا تھا۔ اور اس کے گھنے اور سفید بالوں کے گچھے بھوؤں پر جھول رہے تھے۔

''واسیا آ رہے ہیں،، میریسئف نے سرگوشی میں کمیسار سے کہا جس کو وہ نقلی پیروں کا ایک خاص نیا ڈیزائن سمجھا رہا تھا۔

واسیلی واسیلیوچ رک گیا جیسے اس کے راستے میں کوئی رکاوٹ آ گئی ہو، کچھ بڑبڑایا، پھر دیوار سے خود کو الگ کرتے ہوئے وہ وارڈ نمبر بیالیس میں آ گیا۔ وہ کمرے کے درمیان پیشانی سہلاتے ہوئے کھڑا ہو گیا جیسے کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔ اس سے شراب کی بو آ رہی تھی۔

''آؤ بیٹھ جاؤ ایک منٹ، واسیلی واسیلیوچ۔ آؤ ہم شام کی گپ شپ والی محفل گرم کریں،، کمیسار نے کہا۔

پروفیسر اپنے پیروں کو گھسیٹتے ہوئے بستر کے پاس آیا اور بستر کے کنارے اتنے زور سے بیٹھا کہ اسپرنگ کراہ اٹھی۔ وہ اپنی کنپٹیاں سہلانے لگا۔ پچھلے زمانے میں وہ دورہ کرتے ہوئے کمیسار کے پلنگ کے پاس رک جاتا اور جنگ کی رفتار کے بارے میں باتیں کرتا تھا۔ یہ ظاہر تھا کہ وہ کمیسار کو اور دوسرے مریضوں سے الگ

کرکے دیکھتا تھا۔ اس لئے رات گئے اس کے آنے میں کوئی انوکھی بات نہ تھی۔ لیکن سیریسئف کو لگا کہ یہ دونوں کچھہ ایسی بات کرنا چاہتے تھے جو کوئی تیسرا نہ سنے۔ اس لئے اس نے آنکھیں بند کر لیں اور سوتا بن گیا۔

”آج انتیسویں اپریل ہے۔ اس کا جنم دن۔ وہ آج چھتیس برس کا ہوا، نہیں — ہوتا!،، پروفیسر نے دبی ہوئی آواز میں کہا۔

بڑی مشکل سے کمیسار نے اپنا بڑا سا سوجا ہوا ہوتھہ کمبل کے اندر سے نکالا اور واسیلی واسیلی وچ کے ھاتھہ پر رکھہ دیا۔ ایک ناقابل یقین بات ہوئی: پروفیسر کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اس بھاری بھرکم، جیوٹ کے آدمی کو یوں پھوٹ پھوٹ کر روتے دیکھنا بڑا درد انگیز مرحلہ تھا۔ الکسئی نے غیر ارادی طور پر شانے جھکائے اور سر کمبل میں چھپا لیا۔

”محاذ پر جانے سے پہلے وہ مجھہ سے ملنے آیا،، پروفیسر بولتا رہا ”اس نے کہا کہ وہ عوامی والنٹیروں میں شامل ہو گیا ہے۔ اس نے مجھہ سے پوچھا میں اپنا کام کسے سونپوں۔ وہ یہاں میرے ساتھہ کام کرتا تھا۔ مجھے اتنی حیرت ہوئی کہ میں اس پر چیخ پڑا۔ میں یہ سمجھہ ھی نہ سکا کہ آخر ڈاکٹری کا ایک امیدوار اور ایک ہونہار سائنس‌داں، رائفل کیوں اٹھائے۔ لیکن اس نے کہا — مجھے اس کا ایک ایک لفظ یاد ہے — ’ابا، ایسا وقت بھی آتا ہے جب ڈاکٹری کے امیدوار کے لئے بھی رائفل اٹھانا لازمی ہو جاتا ہے۔، ہاں اس نے مجھہ سے یہی کہا اور مجھہ سے دوبارہ پوچھا ’میری جگہ کون لیگا؟، میرے لئے بس ٹیلیفون اٹھا کر کھٹکھٹانا کافی تھا اور قصہ ختم — بس، سمجھتے ہو؟ وہ ایک فوجی ہسپتال کے ایک شعبے کا ذمہ‌دار تھا۔ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں، ہے نا؟،،

واسیلی واسیلی‌وچ رک گیا۔ وہ خرخراتی ہوئی بھاری آواز کے ساتھہ سانس لے رہا تھا۔ اس کے بعد وہ پھر بولنے لگا:

”پیارے دوست، ایسا نہ کرو۔ اپنا ھاتھہ ھٹا لو۔ میں جانتا ہوں تمہارے لئے ھلنا ڈولنا کتنا تکلیف دہ ہے۔ ھاں میں رات بھر بیٹھا سوچتا رہا کہ کیا کروں۔ جانتے ہو، میں ایک اور شخص کو جانتا تھا — تم سمجھتے ہو میری مراد کس سے ہے۔ اس کا بھی ایک لڑکا تھا۔ ایک افسر تھا وہ۔ اور وہ جنگ کے شروع ھی میں مارا

گیا۔ جانتے ہو اس کے باپ نے کیا کیا؟ اس نے اپنے دوسرے بیٹے کو بھی جنگ پر بھیج دیا۔ وہ لڑاکو ہوائی جہاز کا ہواباز تھا — جنگ کا سب سے خطرناک شعبہ... مجھے اس وقت وہ آدمی یاد آیا اور مجھے اپنے خیال پر شرمندگی ہوئی اور اس لئے میں نے ٹیلیفون نہیں کیا...،،

”کیا اب تم کو اس کا افسوس ہے؟،،

”نہیں۔ کیا تم اس کو افسوس کرنا کہتے ہو؟ میں خود اپنے آپ سے پوچھتا ہوں: کیا میں خود اپنے اکلوتے بیٹے کا قاتل ہوں؟ وہ اس وقت یہاں ہو سکتا تھا اور ہم دونوں مل کر اپنے ملک کے لئے بہت ہی مفید کام کر سکتے تھے۔ اس میں سچی صلاحیت تھی۔ وہ بڑا مضبوط، بہادر اور ہونہار تھا۔ وہ سوویت ڈاکٹری کے میدان میں مایہ ناز ہستی ہو سکتا تھا... ہاں اگر میں ٹیلیفون کر دیتا!،،

”کیا تمہیں افسوس ہے کہ تم نے ٹیلیفون نہیں کیا؟،،

”کیا مطلب ہے تمہارا؟ آہ، ہاں... میں نہیں جانتا، میں نہیں جانتا۔،،

”مان لو کہ یہ واقعہ اس وقت پیش آئے تو کیا تم دوسرا رویہ اختیار کروگے؟،،

خاموشی چھا گئی۔ مریضوں کی سانس کی پرآہنگ آواز آ رہی تھی۔ پلنگ بڑے ترنم سے بول رہا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ پروفیسر، اپنے خیال میں ڈوبا ہوا، دھڑ کو ہلا رہا ہے اور مرکزی ہیٹنگ پائپ کی بیٹری کھٹ کھٹ کر رہی تھی۔

”ہاں؟،، کمیسار نے ایک ایسے لہجے میں پوچھا جس میں ہمدردی اور غم گساری کی گونج تھی۔

”میں نہیں جانتا... تمہارے سوال کا میرے پاس کوئی سوچا ساچا جواب نہیں ہے۔ میں نہیں جانتا۔ لیکن مجھے ایسا لگتا ہے کہ اگر یہ باتیں دوبارہ ہوں تو میں وہی کرونگا جو کر چکا ہوں۔ میں دوسرے باپوں سے نہ تو بہتر ہوں اور نہ بدتر... جنگ کتنی خوفناک چیز ہے!..،،

”یقین کرو کہ یہ خبر دوسرے باپوں کے لئے بھی اتنی ہی خوفناک ہے جتنی تمہارے لئے ہے۔ اس کو برداشت کرنا ان کے لئے بھی آسان نہیں۔،،

واسیلی واسیلیوچ دیر تک خاموش بیٹھا رہا۔ ان سست رو لمحوں میں وہ کیا سوچ رہا تھا، اس کی اونچی اور جھریوں بھری پیشانی کے اندر کیسے خیالات ابھر رہے تھے؟

"ہاں تم ٹھیک کہتے ہو،" آخر اس نے کہا "ہاں اس کے لئے یہ آسان نہ تھا پھر بھی اس نے اپنے دوسرے بیٹے کو جنگ میں جھونک دیا... میرے بھلے آدمی، شکریہ، شکریہ میرے اچھے دوست۔ ہاں اب اس میں چارہ ہی کیا ہے۔"

وہ بستر سے اٹھا۔ اس نے بڑی نرمی سے کمیسار کا ہاتھ کمبل کے اندر رکھا۔ اس کے گرد کمبل دبایا اور خاموشی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔

رات گئے کمیسار پر مرض کا تازہ حملہ ہوا۔ وہ بے ہوش پڑا اپنے بستر میں تڑپتا، دانت پیستا اور زور زور سے کراہتا رہا۔ کبھی کبھی وہ خاموش ہو جاتا اور سر سے پیر تک اکڑ جاتا۔ ہر شخص نے سوچا کہ اس کا آخری وقت آ گیا ہے۔ اس کی حالت اتنی خراب تھی کہ واسیلی واسیلیوچ آیا — وہ اپنے بیٹے کے ہلاک ہونے کے بعد، اپنے بڑے سے خالی گھر سے ہسپتال کے چھوٹے سے کمرے میں اٹھ آیا تھا، جہاں وہ موم جامے سے ڈھکے ہوئے کوچ پر سوتا تھا — اور اس نے کمیسار کے بستر پر پردہ ڈالنے کا حکم دیا۔ ہر شخص جانتا تھا کہ یہ اس کا مطلب ہے کہ شاید مریض کو "وارڈ نمبر پچاس" میں لے جانا پڑے۔

کافور اور اکسیجن کی مدد سے وہ اس کی نبض کو پھر سے متحرک کرنے میں کامیاب ہو گئے اور رات کے سرجن اور واسیلی واسیلیوچ چلے گئے کہ جو تھوڑی بہت رات رہ گئی ہے اسے سو کر گزار دیں۔ کلاودیا میخائلوونا آنسوؤں سے بھیگے ہوئے متردد چہرے کے ساتھ مریض کے پاس بیٹھی رہی۔ میریسئف سو نہ سکا۔ وہ خوف میں پڑا سوچتا رہا "کیا یہ واقعی آخری وقت ہے؟" ظاہر تھا کہ کمیسار اب تک خوفناک درد میں مبتلا تھا۔ وہ سرسام میں باربار کچھ کہہ رہا تھا۔ کچھ یہ کہ — "پینے، پینے، پینے دو..."

کلاودیا میخائلوونا نے سوچا کہ مریض کو پانی کی ضرورت ہے۔ وہ پردے کے پیچھے سے آئی اور تھرتھراتے ہوئے ہاتھوں سے اس نے گلاس میں پانی انڈیلا۔

لیکن مریض پینا نہ چاہتا تھا۔ گلاس اس کے بھنچے ہوئے دانتوں سے ٹکرا کر بجا اور پانی چھلک کر تکیے پر گر گیا۔ لیکن وہ یہی الفاظ دوہراتا رہا۔ کبھی تو اس کے لہجے میں حکم کی جھنکار ہوتی اور کبھی التجا کی: ''پینے''۔ یکایک میریسئف کو محسوس ہوا کہ یہ لفظ ''پینے'' نہیں بلکہ ''جینے'' ہے۔ یہ بھاری بھر کم آدمی اپنی بچی کھچی طاقت کا ایک ایک قطرہ موت سے لڑنے میں استعمال کر رہا تھا۔

کچھ دیر بعد کمیسار خاموش ہو گیا اور اس نے آنکھیں کھول دیں۔

''اللہ تیرا شکر ہے!'' کلاودیا میخائلوونا نے اطمینان کی سانس لیتے ہوئے کہا اور پردہ کھسکانے لگی۔

''ہٹاؤ مت! اسے رہنے دو!'' کمیسار نے احتجاج کیا۔ ''پیاری نرس، پردہ نہ ہٹاؤ۔ اس طرح آرام رہتا ہے۔ اور روؤ مت، دھرتی پر ویسے ہی دکھ درد کی کیا کمی ہے؟ تمہارے آنسوؤں کے بغیر ہی دھرتی پر سیلاب آیا ہوا ہے... تم روتی کیوں ہو، میری سوویت حور؟.. کتنی عجیب بات ہے کہ ہم حوروں سے، تمہاری جیسی حور سے بھی، اس جگہ کی دہلیز پر ملتے ہیں۔''

۱۰

الکسئی ایک بالکل نئے تجربے سے گزر رہا تھا۔

جس لمحے سے اسے یقین آیا کہ وہ مشق کرے اور سیکھے تو بغیر پیروں کے بھی ہوائی جہاز اڑا سکتا ہے اور دوبارہ ہواباز بن سکتا ہے، زندگی اور سرگرمی و محنت کی ایک زبردست خواہش نے اس کے دل میں آگ سی لگا دی۔

اب زندگی میں اس کے سامنے ایک مقصد تھا۔ ایک لڑاکو ہوائی جہاز اڑانے کا مقصد۔ اور وہ پوری ثابت قدمی اور آہنی ارادے کے ساتھ یہ مقصد حاصل کرنے کی جد و جہد میں پل پڑا۔ اپنے محاذ تک پہنچنے کے لئے رینگنے میں اس نے اسی ثابت قدمی، اسی آہنی ارادے سے کام لیا تھا۔ وہ اپنے عنفوان شباب ہی سے آگے

کی طرف دیکھنے کا عادی تھا۔ اس نے سب سے پہلے تو پوری تفصیل سے اس پر غور کیا کہ وقت برباد کئے بغیر اپنا مقصد وہ جلد از جلد کس طرح حاصل کر سکتا ہے۔ اس لئے اس نے فیصلہ کیا کہ سب سے پہلے جلدی سے جلدی اسے اپنی صحت اور طاقت حاصل کرنی چاہئے، جو اس نے فاقہ زدگی کے زمانے میں کھودی تھی۔ اسے خوب سونا اور کھانا چاہئے۔ دوسرے، اسے ایک ہواباز کی طرح لڑنے کی تمام ضروری صلاحیتیں اور خوبیاں برقرار رکھنی چاہئیں۔ اس غرض سے اس نے فیصلہ کیا کہ جہاں تک ایک صاحب فراش آدمی کے لئے ممکن ہے وہ جسمانی ورزش کریگا۔ تیسرے اور یہ سب سے اہم اور مشکل کام تھا کہ ٹانگوں کے بچے کھچے حصے کو کام کے قابل بنائے تاکہ ان کی طاقت اور چستی برقرار رہے۔ اور جب بعد میں اسے نقلی پیر مل جائیں تو ان ٹانگوں سے ہوائی جہاز اڑانا سیکھے۔

بغیر ٹانگوں والے آدمی کے لئے چلنا پھرنا بھی مشکل کام ہے۔ لیکن میریسئف نے اس کا پکا ارادہ کر لیا تھا کہ وہ ہوائی جہاز، لڑاکو طیارہ اڑا کر رهیگا۔ یہ کام بڑا جان جوکھوں کا تھا، خاص طور پر فضائی لڑائی میں حصہ لینے کا کام۔ اس میں تو ایک ایک چیز کا انحصار ایک ایک سکنڈ کے ہر اعشاریہ پر ہوتا ہے۔ اس میں قدرتی حرکت وعمل کی طرح ہر ہر حرکت کو نپاتلا اور ٹھیک ٹھیک ہونا چاہئے۔ اس میں پیروں کو اسی طرح ٹھیک ٹھیک، اسی چستی اور تیزی سے کام کرنا پڑتا ہے جس طرح ہاتھ کرتے ہیں۔ اسے اپنی مشق کو اتنا بڑھا لینا چاہئے کہ لکڑی کے ٹکڑے اور چمڑے کے فیتے یہ نازک کام زندہ عضو کی طرح انجام دیں۔

ہر شخص جو ہوابازی کی ٹکنیک سے واقف ہے اسے ناممکن تصور کریگا لیکن الکسئی کو اب یقین ہو چکا تھا کہ یہ ممکن ہے۔ اور جب یہ ممکن ہے تو وہ یہ مقصد حاصل کرکے رهیگا۔ اور اس نے اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کا بیڑا اٹھا لیا۔ تمام علاج اور دوائیں وہ اتنی مستعدی اور پابندی سے استعمال کرتا کہ وہ خود ششدر رہ جاتا۔ وہ بہت زیادہ کھانے لگا۔ بھوک نہ بھی ہوتی تو دوبارہ ضرور کھانا مانگ کر کھاتا۔ چاہے حالات جیسے بھی ہوں، وہ مقررہ گھنٹے نیند کے ضرور پوری کر لیتا۔ کھانے کے بعد قیلولہ کے

نسخے پر بھی عمل شروع کر دیا جس سے اس کی طرار اور سیمابی طبیعت کو سخت چڑ تھی۔

ورزش کی بات دوسری تھی۔ معمولی ورزش جو وہ پہلے ہمیشہ کیا کرتا تھا اب اس کے جیسے بنا ٹانگوں‌والے صاحب فراش آدمی کے لئے ناموزوں تھی۔ اس لئے اس نے خود اپنی ورزش ایجاد کی۔ گھنٹوں وہ ہاتھوں کو کمر پر رکھہ کر دھڑ کو آگے جھکاتا، پیچھے جھکاتا، بائیں اور دائیں جھکاتا اور سر کو ایک طرف سے دوسری طرف جھٹکے دیتا۔ یہ سب کچھہ وہ اتنے زور اور طاقت سے کرتا کہ اس کی ریڑھہ کی ہڈی چٹخنے لگتی۔ اس کے وارڈ کے ساتھی ان ورزشوں پر بڑی خوش مزاجی سے اس کا مذاق اڑاتے اور کوکوشکن طنزیہ انداز میں اس پر پھبتی کستا اور اسے زنامنسکی برداران، لادومیگ اور دوسرے مشہور کھلاڑیوں کے نام سے یاد کرتا۔ کوکوشکن کو ان ورزشوں سے نفرت تھی۔ وہ ورزش کو بھی ہسپتال کا ایک خبط سمجھتا تھا۔ الکسئی جیسے ہی ورزش شروع کرتا وہ بڑبڑاتا اور غراتا ہوا گلیارے میں چلا جاتا۔

جب الکسئی کی پٹیاں کھل گئیں اور وہ زیادہ آزادی سے اپنے بستر میں الٹنے پلٹنے کے قابل ہو گیا تو اس نے ایک اور ورزش کا اضافہ کر لیا۔ وہ اپنے پلنگ کی پائنتی کی سلاخوں میں اپنے پیروں کے ٹھنٹھوں کو پھنسا لیتا اور زیادہ سے زیادہ آگے جھکتا اور پھر پیچھے جھکتا۔ ہر دن وہ اپنے جھکنے کی رفتار کم کرتا گیا اور تعداد بڑھاتا گیا۔ پھر اس نے اپنے پیروں کے لئے نئی نئی ورزشیں ایجاد کیں۔ وہ چت لیٹ جاتا اور باری باری سے اپنے گھٹنوں کو موڑکر سینے تک لاتا اور پھر ٹانگیں سیدھی کر لیتا۔ جب اس نے پہلی بار یہ ورزش کی تو اس نے محسوس کیا کہ اس کے راستے میں کتنی کٹھن اور شاید ناقابل عبور دقتیں حائل ھیں۔ اس کی ٹانگیں پنڈلیوں تک کٹی ہوئی تھیں اور ان کو پھیلانے میں بڑی تکلیف ہوتی تھی۔ اس کی حرکت بڑی بے قاعدہ اور رک رک کر ہوتی۔ اپنا توازن قائم رکھنا اتنا ھی دشوار تھا جتنا ٹوٹے ہوئے پر یا زخمی دم والے ہوائی جہاز کا اڑنا۔ اس نے محسوس کر لیا کہ انسانی جسم کا ڈھانچہ انتہائی توازن اور خوبصورتی سے نپاتلا ہوا ہے۔ اس نے اپنا موازنہ ہوائی جہاز سے کیا۔ اسے محسوس ہوا کہ اس کے جسم کا توازن بگڑ چکا تھا۔ اس کا جسم

اب تک مضبوط اور ہٹا کٹا تھا لیکن اس کے جسم کے مختلف اعضا کے عمل میں وہ آھنگ نہیں پیدا ھو سکتا جس کا عادی اس کا جسم لڑکپن سے ھو چکا تھا۔

ٹانگوں کی ورزش سے میریسئف کو زبردست درد ھوتا لیکن ھر دن وہ یہ ورزش پچھلے دن سے ایک منٹ زیادہ کرتا۔ بعض ایسے خوفناک لمحے آتے کہ اس کی آنکھیں بھر آتیں اور وہ اپنی بے اختیار کراہ کو دبانے کے لئے اتنے زور سے ھونٹ کاٹتا کہ خون نکل پڑتا۔ لیکن وہ خود کو ان ورزشوں پر مجبور کرتا رھا۔ شروع میں تو وہ یہ ورزش ایک ھی بار کرتا مگر بعد میں دو بار کرنے لگا۔ ھر ورزش کے بعد وہ بے بس ھو کر تکیے پر گر جاتا اور سوچنے لگتا وہ ان کو دوھرا بھی سکیگا یا نہیں۔ لیکن جب وہ وقت آتا تو وہ پھر اپنے کام میں جٹ جاتا۔ شام کے وقت رانوں اور پنڈلیوں کے پٹھوں کو چھوتا اور اسے اطمینان ھوتا کہ اب اس کے پٹھے تھل تھل گوشت کی طرح نہیں تھے جیسا کہ ورزش کے شروع میں اسے محسوس ھوتے تھے۔اب اس کے پٹھے پہلے کی طرح مضبوط اور ٹھوس تھے۔

میریسئف کا سارا خیال ٹانگوں پر مرکوز رھتا۔ بعض مرتبہ اپنے خیال میں کھویا ھوا وہ اپنے پیروں میں درد محسوس کرتا اور ان کی پوزیشن بدلتا اور تب اسے احساس ھوتا کہ اس کے پیر ھیں کہاں ۔ بہت دنوں تک بعض اعصابی گڑبڑ کی وجہ سے کٹے پیر گویا زندہ جسم سے لگے رھے۔ یکایک ان میں کھجلی شروع ھو جاتی، موسم نم ھوتا تو درد ھونے لگتا اور کبھی کبھی تو اذیت‌ناک ٹیس اٹھنے لگتی۔ اس کے دماغ میں پیروں کا خیال اتنا بسا ھوا تھا کہ نیند میں وہ خود کو تندرست تیز تیز قدموں سے چلتا ھوا محسوس کرتا۔ خواب میں اسے ''سگنل،، کی آواز سنائی دیتی اور وہ ھوائی جہاز کی طرف دوڑتا، پر پہ اچھل کر چڑھتا، کاک پٹ میں کودتا اور جب تک مستری پورا انجن سے غلاف ھٹاتا وہ پیڈل کی جانچ شروع کر دیتا۔ کبھی اولیا اور وہ ننگے پاؤں ھاتھہ میں ھاتھہ ڈالے پھولوں سے لدے ھوئے گھاس کے میدان میں دوڑتے اور گرم اور نم زمین کے خوشگوار لمس سے لطف اندوز ھوتے۔ اف، یہ سب کچھہ کتنا اچھا لگتا تھا! لیکن آنکھہ کھلتی اور کٹے ھوئے پیر یاد آتے تو اس کے دل پر نہ جانے کیسی قیامت گزر جاتی۔

اس قسم کے خواب دیکھنے کے بعد بعض مرتبہ الکسئی کا دل مرجھا جاتا۔ وہ سوچنے لگتا کہ وہ بیکار اپنے جسم کو دکھ دے رہا ہے۔ وہ کبھی بھی پرواز نہ کر سکیگا۔ ٹھیک اسی طرح وہ کامی‌شین میں اس دلربا لڑکی کے ساتھ ننگے پاؤں کبھی نہ دوڑ سکیگا — وہ لڑکی، جسے ہجر کی دیوار نے اور بھی زیادہ دلکش اور محبوب بنا دیا تھا۔

اولیا سے اس کا لگاؤ اب اس کے دل میں مسرت کا احساس نہ جگاتا۔ قریب قریب ہر ہفتہ کلاودیا میخائلوونا اس کو ''ناچنے'' پر مجبور کرتی، یعنی وہ اپنے بدن کو بستر پر پڑے پڑے ہلاتا اور ہوا میں تالیاں بجاتا۔ جب کہیں اسے خط نصیب ہوتا جس پر پتہ اسکول کی لڑکی کی مانوس، گول گول، صاف لکھائی میں لکھا ہوتا۔ یہ خط زیادہ سے زیادہ لمبے اور دل نواز بنتے چلے گئے۔ ایسا لگتا تھا کہ اس جوان لڑکی کی محبت، جس کے راستے میں جنگ حائل ہو گئی تھی، اب نکھرنے اور چمکنے لگی ہے۔ وہ خط میں وہ سطریں بڑی تمناؤں اور بے قراریوں کے ساتھ پڑھتا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ وہ ان کا بھر پور جواب نہیں دے سکتا۔

وہ اور اولیا، جنھوں نے لکڑی کاٹنے کی مل کے اسکول میں ساتھ ہی تعلیم حاصل کی تھی، رومانی جذبات سے سرشار تھے اور وہ ان جذبات کو اپنے بڑوں کی محبت کی نقل کہا کرتے تھے، بعد میں وہ چھ سات برس کے لئے ایک دوسرے سے بچھڑ گئے۔ پہلے تو لڑکی ایک ٹکنیکل اسکول میں پڑھنے چلی گئی۔ جب وہ مکینک بن کر مل میں واپس آئی تو الکسئی شہر سے جا چکا تھا اور اب ہوابازی کے اسکول میں تعلیم پا رہا تھا۔ دوبارہ وہ جنگ چھڑنے سے ٹھیک پہلے ملے۔ دونوں کو دور دور ایک دوسرے سے ملاقات کا وہم وگمان نہ تھا۔ شاید وہ ایک دوسرے کو بھول چکے تھے۔ ان کی جدائی کے بعد سے بہت کچھ ہو چکا تھا۔ ایک شام الکسئی اپنی ماں کے ساتھ سڑک پر جا رہا تھا کہ یہ لڑکی سامنے سے گزری۔ اس نے لڑکی کی طرف کوئی خاص توجہ نہ دی۔ ہاں البتہ اس نے سوچا کہ اس لڑکی کی ٹانگیں بڑی سڈول ہیں۔

''تم نے لڑکی کو سلام کیوں نہ کیا؟ یہ تو اولیا تھی!'' اس کی ماں نے لڑکی کا نام لیتے ہوئے اسے ڈانٹ بتائی۔

الکسئی نے پلٹ کر دیکھا۔ لڑکی بھی اس کو دیکھنے کو مڑی۔ ان کی نظریں ملیں اور الکسئی کو محسوس ہوا کہ اس کا دل ہاتھہ سے نکلا جا رہا ہے۔ وہ اپنی ماں کو چھوڑ کر لڑکی کی طرف دوڑا جو چنار کے ایک ننگے درخت کے نیچے کھڑی تھی۔

''تم؟،، اس نے حیرت سے پوچھا اور اس کو یوں دیکھنے لگا جیسے وہ سات سمندر پار سے آئی ہوئی کوئی نایاب چیز ہو، جو موسم بہار کی اس شام کو جانے کس طرح اس خاموش اور کیچڑ سے بھری ہوئی سڑک پر نکل آئی تھی۔

''الیوشا؟،، لڑکی نے اسی حیرانی بھرے لہجے میں پوچھا جیسے اسے یقین نہ آ رہا ہو۔

انہوں نے چھہ سات برس کی جدائی کے بعد ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔ الکسئی اپنے سامنے بوٹے سے قد کی لڑکی کو دیکھہ رہا تھا۔ اس کا جسم لچکدار اور دلکش تھا۔ اس کا چہرہ لڑکوں جیسا تھا اور اس کی ناک پر چند سنہری چھائیاں پڑی ہوئی تھیں۔ اولگا نے بڑی بڑی، بھوری، شعلہ‌فشاں آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا اور تنی ہوئی بھوؤں کو ہولے سے اٹھایا جن کے کنارے گھنے تھے۔ جب وہ جدا ہوئے تھے تو وہ مضبوط اور گول گول گلابی چہرےوالی لڑکی تھی۔ جب وہ دیکھنے میں کچھہ کھردری سی معلوم ہوتی تھی اور بڑے فخر سے اپنے باپ کی چکٹ سی صدری پہنے اس کی آستین الٹے پھرا کرتی تھی اور اب، وہ اتنی شاداب، لچکیلی اور نازک‌اندام ہو گئی تھی کہ اسے پہچاننا بھی مشکل تھا۔

الکسئی اپنی ماں کو بھول گیا اور لڑکی کے حسن میں کھو گیا۔ اس کو محسوس ہوا کہ وہ اس سات سال کے عرصے میں اس لڑکی کو ایک دن کو بھی نہ بھولا تھا اور اس ملاقات کے سپنے دیکھتا رہا تھا۔

''تو اب تم ایسی نکل آئی ہو!،، آخرکار اس نے کہا۔

''کیسی؟،، اس نے گونجتی ہوئی بھرپور آواز میں پوچھا۔ یہ آواز بھی اس آواز سے مختلف تھی جو اس نے اسکول کے زمانے میں سنی تھی۔

نکڑ پر ہوا کا ایک جھونکا اٹھا اور چنار کی ننگی شاخوں میں سیٹیاں بجانے لگا۔ لڑکی کا فراک اس کی سڈول ٹانگوں میں پھڑپھڑانے

لگا۔ وہ ہنسی اور جھک کر بڑے دلکش اور سادہ انداز سے اپنے گاؤن کو دبانے لگی۔

"ایسی!"، الکسئی نے اپنی محویت کو چھپائے بغیر کہا۔

"اچھا، لیکن کیسی؟"، لڑکی نے پھر ہنستے ہوئے پوچھا۔

ماں نے دونوں نوجوان لڑکے لڑکی کو ایک لمحے کو دیکھا اور ایک اداس مسکراہٹ کے ساتھ اپنے راستے پر چل دی۔ لیکن وہ وھیں مسحور کھڑے جوش و خروش سے باتیں کرتے رہے۔ وہ ایک دوسرے کی بات کاٹتے اور ایک دوسرے کی گفتگو کے دوران میں اس طرح کے الفاظ بیساختہ کہتے جاتے "یاد ہے تمہیں؟.."، "جانتی ہو؟.."، "کہاں ہے؟.."، "کیا ہوا! اسے؟.."

وہ دیر تک اسی طرح کھڑے باتیں کرتے رہے۔ آخر اولیا نے قریب کے گھروں کی کھڑکیوں کی طرف اشارہ کیا جہاں جیرانیم کے گملوں اور فر کی شاخوں کے اوپر سے متجسس چہرے جھانک رہے تھے۔

"اگر تمہارے پاس وقت ہو ذرا دریا کنارے چلیں"، اولیا نے کہا۔ دونوں ہاتھ میں ہاتھ ڈالے چل دئے۔ ایسا تو انہوں نے اپنے بچپن میں نہیں کیا تھا۔ وہ سب کچھ بھول گئے اور چلتے چلتے کھڑی ڈھلان پر گئے جو سیدھی دریا میں اترتی تھی۔ اس پہاڑی سے والگا کی بیکراں وسعتوں اور اس کے سیلابی پانی پر تیرتے ہوئے برف کے تودوں کے عظیم الشان جلوس کا شاندار نظارہ کیا جا سکتا تھا۔

اس کے بعد سے بیچاری ماں بہت کم اپنے پیارے بیٹے کو گھر پر دیکھ پاتی۔ کپڑوں کے معاملے میں کبھی بھی وہ بہت زیادہ خیال نہ کرتا تھا۔ لیکن اب وہ روزانہ پتلون پر استری مارتا، وردی کے بٹنوں پر پالش کرتا، اپنی اونچی دیوار والی ٹوپی پہنتا جس پر ہوائی فوج کا بلا لگا ہوا تھا۔ وہ روزانہ شیو کرتا اور شام کے وقت پینترے بدل بدل کر آئینے میں اپنی چھب دیکھنے کے بعد مل کے دروازے پر اولیا سے ملنے چل دیتا۔ دن کے وقت بھی، وہ باربار غائب ہو جاتا، کھویا کھویا رہتا اور اس سے کچھ پوچھا جاتا تو آئیں بائیں شائیں جواب دے دیتا۔ مامتا کی نگاہوں نے اس کی ماں کو بتا دیا کہ اس پر کیا بیت رہی ہے۔ وہ سمجھ گئی۔ وہ خود کو اس کہاوت

سے تسلی دے لیتی اور اسے معاف کر دیتی: بوڑھے تو خیر اور بوڑھے ہوتے چلے جاتے ہیں۔ پھلنا پھولنا تو جوانوں کو چاہئے۔

اس جوان جوڑے نے ایک بار بھی محبت کا ذکر زبان پر آنے نہ دیا۔ جب وہ آہستہ خرام دھوپ میں چمکتے ہوئے والگا کے اونچے ساحلوں پر سیر کر کے آتا، یا شہر سے باھر تربوز کے کھیتوں میں گھوم گھام کر (جہاں گہرے سبز پتے، کولتار کی طرح سیاہ اور موٹی موٹی بیلیں زمین پر سوئی نظر آتیں) اپنے گھر لوٹتا تو وہ تیزی سے ختم ہوتی ہوئی چھٹیوں کے باقی دن گنتا اور فیصلہ کرتا کہ اب اسے اولیا کے سامنے اپنا دل کھول کر رکھه دینا چاہئے۔ لیکن شام پھر آتی۔ وہ اس سے مل کے پھاٹک پر ملتا اور اس کے ساتھه وہ اس چھوٹے سے، لکڑی کے دو منزلہ مکان میں جاتا، جہاں اولیا کا کمرہ تھا۔ یہ کمرہ ہوائی‌جہاز کے کیبن کی طرح صاف‌ستھرا اور روشن تھا۔ وہاں وہ بڑے صبر کے ساتھه بیٹھا رھتا اور انتظار کرتا اور اولیا اپنی کھلی ہوئی الماری کے دروازے کے پیچھے کپڑے بدلتی۔ وہ اس کی عریاں کہنیوں، شانوں اور ٹانگوں سے نظر بچانے کی کوشش کرتا جو دروازے کے پیچھے سے جھانکتی رھتیں۔ تب وہ منه ھاتھه دھونے کے لئے جاتی اور وھاں سے تازہ دم، ھشاش بشاش واپس آتی۔ اس وقت اس کے گال گلاب کی طرح دھکنے لگتے اور بال نم ہوتے۔ ھمیشه وہ اسی سفید ریشمی بلاؤز میں ہوتی جو وہ عام دنوں میں پہنا کرتی تھی۔

وہ سینما، سرکس یا پارک کی سیر کو نکل جاتے۔ وہ جہاں بھی جاتے الکسئی کے لئے کوئی فرق نہ پڑتا۔ وہ نہ تو پردہ سیمیں کو دیکھتا، نہ کٹھرے کو اور نہ پارک میں ٹہلتے ہوئے لوگوں کو۔ اس کی آنکھیں تو صرف اس کے لئے تھیں اور اس کو دیکھتے ہوئے وہ سوچتا ”آج رات، ہاں یقینی آج رات کو گھر واپس جاتے ہوئے میں اس کے سامنے اپنا دل کھول کر رکھه دونگا!“، لیکن سڑک ختم ہو جاتی اور اس کی ھمت جواب دے جاتی۔

ایک اتوار کو صبح صبح، وہ والگا کے دوسرے کنارے پر ایک سبزہ زار میں سیر کو نکل گئے۔ وہ اپنی بہترین سفید پتلون اور قمیص میں، جس کا گریباں کھلا ہوا تھا، اس سے ملنے گیا۔ اس کی ماں نے کہا تھا کہ اس کے سانولے چوڑے چہرے پر یه قمیص خوب کھلتی تھی۔ جب وہ آیا تو اولیا تیار ملی۔ اس نے کھانے کے رومال

میں لپٹا ہوا ایک بنڈل اس کو تھمایا اور دونوں دریا کی طرف چل دئیے۔ بوڑھے، ملاح نے، لکڑی کے ٹھنٹھوں پر بھٹکتے ہوئے، بھاری ناؤ کو دھکیلا اور آہستہ آہستہ چپو چلانے لگا۔ وہ پہلی عالمی جنگ میں اپاہج ہو گیا تھا۔ وہ پرانا سپاہی تھا۔ چھوٹے چھوکروں کو وہ بہت پسند تھا۔ اس نے الکسئی کو سکھایا تھا کہ ریت پر دریا کے کنارے چھچھلے پانی میں مچھلیاں کس طرح پکڑتے ہیں۔ ناؤ دریا کی لہروں کو اڑے ترچھے کاٹتے ہوئے ہلکے ہلکے ہلکوروں کے ساتھ دریا کو پار کرتی ہوئی دوسرے روشن اور سر سبز کنارے سے جا لگی۔ لڑکی اپنے گہرے خیالات میں کھوئی ہوئی بیٹھی تھی اور پانی کی لہریں اس کی انگلیوں کو چومتی ہوئی بھاگ رہی تھیں۔

"چچا ارکاشا، کیا تمہیں ہم یاد نہیں رہے؟"، الکسئی نے پوچھا۔

ملاح نے نوجوان چہروں کو بے نیازی سے دیکھا اور بولا "نہیں۔"

"کیوں، میں ہوں الیوشکا میریسئف۔ تم نے مجھے ریت پر چھچھلے پانی میں کانٹے سے مچھلیاں پکڑنا سکھایا تھا!"

"شاید میں نے سکھایا ہوگا۔ اوہ تمہارے جیسے ان گنت چھوکرے یہاں مارے پھرتے تھے۔ میں ان سب کو تو یاد نہیں رکھ سکتا۔"

ناؤ گھاٹ کے پاس سے گزری جہاں ایک اسٹیمر کھڑی تھی جس کا شاندار نام تھا "اورورا"۔ اسٹیمر کا رنگ اڑ گیا تھا۔ ناؤ چرمر چرمر کرتی ہوئی ریت کے کنارے سے جا لگی۔

"اب یہی میری جگہ ہے۔ اب میں میونسپلٹی کے لئے کام نہیں کرتا۔ میں خود اپنا دھندا کرتا ہوں۔ تم جانتے ہو میرا مطلب کیا ہے۔ یہ میرا اپنا دھندا ہے، ہاں"، چچا نے ناؤ کو ریت پر کھینچنے کے لئے پانی میں اترتے ہوئے وضاحت کی۔ لیکن اس کی لکڑی کے ٹھنٹھ ریت میں دھنسنے لگے۔ ناؤ بھاری تھی اور وہ کھسکا نہ سکا۔ "تمہیں چھلانگ لگانا پڑیگی"، اس نے کہا۔

"کتنے پیسے ہوئے؟"، الکسئی نے پوچھا۔

"میں یہ تم پر چھوڑتا ہوں۔ تم کو کچھ زیادہ ہی دینا چاہئے۔ تم کتنے خوش نظر آتے ہو۔ لیکن تم مجھے یاد نہیں ہو، ہاں مجھے یاد نہیں۔"

ناؤ سے اترتے ہوئے ان کے پیر بھیگ گئے۔ اولیا نے جوتے اتارنے کا مشورہ دیا۔ انہوں نے جوتے اتار لئے۔ نم اور گرم ریت پر ننگے پیر چلنے سے انہیں ایک عجیب راحت کا احساس ہوا۔ ان کا جی چاہا کہ بچوں کی طرح دوڑیں، اچھلیں، کودیں، شور مچائیں۔

"پکڑو تو جانیں!"، اولیا چلائی اور ریت پر دوڑتی ہوئی زمردیں سبزہ زار کی طرف بھاگی۔ اس کی مضبوط اور سنولائی ہوئی ٹانگیں چمکتی نظر آ رہی تھیں۔

الکسئی اس کے پیچھے بھاگا۔ اب اس کو اپنے سامنے صرف ہلکے چمکدار رنگ کے فراک کا ایک پچرنگا سا دھبہ نظر آ رہا تھا۔ وہ دوڑ رہا تھا اور جنگلی کھٹ میٹھی گھاس کے گچھے اور پھول اس کے پیروں پر کوڑوں کی طرح برس رہے تھے۔ اسے اپنے تلوؤں کے نیچے، نرم، نم اور دھوپ سے گرم زمین محسوس ہو رہی تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ اولیا کو پکڑنا بہت ضروری اور اہم ہے۔ جیسے مستقبل کا بہت کچھ دار و مدار اسی پر ہو۔ اسے محسوس ہوا کہ یہاں، پھولوں سے لدے ہوئے اس سبزہ زار میں اس خمار انگیز خوشبو میں، اس کو وہ سب کچھ بتانا آسان ہوگا جس کو زبان پر لانے کی اب تک اسے ہمت نہ ہوئی تھی۔ لیکن ہر بار جب وہ اس کے برابر پہنچتا اور اس کو پکڑنے کے لئے ہاتھ بڑھاتا، لڑکی ایک جھٹکے سے مڑ جاتی، بلی جیسی چستی کے ساتھ اس کے داؤ سے بچ نکلتی اور چمکتی اور کھلکھلاتی ہوئی دوسری سمت میں نکل بھاگتی۔

وہ بالکل تہیہ کئے ہوئے تھی کہ پکڑنے تو ہر گز نہ دیگی۔ وہ اسے پکڑ نہ سکا۔ وہ خود ہی گھاس کے میدان سے نکلی اور دریا کے کنارے گرم اور سنہری ریت پر لیٹ گئی۔ اس کا چہرہ دمک رہا تھا اور تیز تیز سانس سے اس کے سینے میں تلاطم بپا تھا۔ وہ لیٹی لیٹی ہنسنے لگی۔ پھر اس نے پھولوں سے لدے ہوئے سبزہ زار میں، سفید، ستاروں جیسے ڈیزی کے پھولوں کے درمیان اولیا کی تصویر لی۔ اس کے بعد دونوں تیرے۔ بڑی فرماں برداری سے الکسئی ایک جھاڑی کے پیچھے چلا گیا اور منہ پھیر کر پردہ کرلیا۔ اولیا نے کپڑے بدلے اور اپنا نہانے کا سوٹ نچوڑا۔

جب اولیا نے اس کو پکارا اور وہ نکلا تو وہ ریت پر بیٹھی نظر آئی۔ وہ دھوپ میں سنولائی ٹانگوں کو موڑے ہوئے، باریک اور

ہلکا فراک پہنے بیٹھی تھی اور اس کے سر پر ایک ترکی تولیہ لپٹا ہوا تھا۔ اس نے صاف سفید دسترخوان گھاس پر پھیلایا اور اس کے کونوں پر کنکر جماتے ہوئے بنڈل کی ساری چیزیں اس پر رکھہ دیں۔ انہوں نے سلاد، ٹھنڈی مچھلی جو بڑی احتیاط سے مومی کاغذ میں لپٹی ہوئی تھی اور گھر کے تیار کئے ہوئے بسکٹوں کا لنچ کھایا۔ نہ تو وہ نمک لانا بھولی تھی اور نہ سرسوں کی چٹنی۔ یہ چیزیں وہ کریم کی شیشیوں میں بھر کر لائی تھی۔ یہ چھوٹی سی نازک لڑکی جس گمبھیرتا اور چابکدستی سے میزبان کا فرض ادا کر رہی تھی، اس میں بڑی دلکشی اور رعنائی تھی۔ الکسئی نے اپنے آپ سے کہا ''اب زیادہ نہ ٹالو۔ اب طے سمجھو۔ آج شام کو میں ضرور حال دل سناؤنگا۔ میں اس کے سامنے ثابت کرونگا، اسے قایل کرونگا کہ اسے میری بیوی بن جانا چاہئے۔''

وہ ریت پر لیٹے لیٹے دھوپ کھاتے رہے، ایک بار پھر تیرے۔ انہوں نے طے کیا کہ اسی شام وہ پھر اولیا کے کمرے میں ملینگے۔ پھر وہ آہستہ آہستہ تھکے تھکے اور شاداں شاداں ناؤ کی طرف چلے۔ کچھہ ایسا ہوا کہ وہاں نہ تو اسٹیمر تھی اور نہ ناؤ۔ وہ دیر تک چچا ارکاشا کو پکارتے رہے یہاں تک کہ ان کے گلے پھنس گئے۔ گھاس کے میدان میں سورج غروب ہو رہا تھا۔ سورج کی گلابی شعاعیں دریا کے دوسری طرف پہاڑی پر تیرتی ہوئی، مکانوں کی چھتوں اور اس وقت شہر کے خاموش، غبارآلود درختوں کے سروں پر سرک رہی تھیں۔ کھڑکیاں لہو کی طرح سرخ نظر آ رہی تھیں۔ موسم گرما کی شام گرم اور خاموش تھی۔ لیکن شہر میں ضرور کچھہ ہوا تھا۔ اس وقت عام طور پر جن سڑکوں پر سناٹا ہو جاتا تھا وہاں بڑا ھجوم تھا۔ لوگوں سے بھری ہوئی دو لاریاں سامنے سے گزر گئیں۔ ایک چھوٹا سا گروہ فوجی انداز میں مارچ کر رہا تھا۔

''چچا ارکاشا ضرور پی کر بہک گئے'' الکسئی نے سوچا ''مان لو کہ ہمیں رات یہاں گزارنی پڑے تو؟''

''جب تک تم ساتھہ ہو مجھے کسی چیز کا ڈر نہیں'' اولیا نے بڑی بڑی درخشاں آنکھوں سے اس کو دیکھتے ہوئے کہا۔

اس نے اپنے بازو اولیا کی کمر میں ڈال دئے اور اسے چوم لیا۔ یہ اس کا پہلا اور آخری پیار تھا۔ دریا سے کشتی کے چپو چلنے کی

آواز آ رہی تھی۔ لوگوں سے بھری ہوئی کشتی دوسری طرف سے تیرتی ہوئی قریب آ رہی تھی۔ انہوں نے بڑی ناپسندیدگی سے کشتی کی طرف دیکھا اور بادل ناخواستہ سہی، مگر بڑی سعادتمندی سے ان کے استقبال کو بڑھے۔ ان کا دل کہہ رہا تھا نہ جانے یہ کشتی ان کو کیا خبر سنائے۔

لوگ خاموشی سے کشتی سے کود پڑے۔ سب چھٹیوں کے اچھے اچھے لباس میں تھے۔ لیکن ان کے چہروں پر دکھ اور اداسی کی کیفیت تھی۔ مردوں کے چہرے گمبھیر تھے اور وہ سب جلدی میں معلوم ہوتے تھے۔ عورتیں، آنسوؤں سے سرخ آنکھوں کے ساتھ، ایک لفظ کہے بنا، نوجوان جوڑے کے پاس سے گزر گئیں۔ ان کو کچھ معلوم نہ ہو سکا کہ آخر ماجرا کیا ہے۔ دونوں ناؤ میں کود گئے۔ چچا ارکاشا نے ان کے دمکتے ہوئے خوش خوش چہروں پر نظر ڈالے بغیر کہا:

''جنگ... آج صبح ریڈیو پر عوامی کمیسار نے تقریر کی۔''

''جنگ؟ کس سے؟'' الکسئی نے قریب قریب اپنی جگہ سے اچھلتے ہوئے پوچھا۔

''ان ملعون فاشستوں سے اور کس سے؟'' غصے سے چپوؤں کو چلاتے ہوئے چچا ارکاشا غرایا ''لوگ ضلع فوجی کمیساریت میں جا بھی چکے۔ عام بھرتی ہو رہی ہے۔''

الکسئی گھر نہ گیا۔ وہ سیدھا فوجی کمیساریت گیا۔ اور رات کو بارہ چالیس کی گاڑی میں سوار ہو گیا۔ وہ اپنے ہوائی یونٹ کی طرف جا رہا تھا جس کے لئے اس کا تقرر ہوا تھا۔ اس کو مشکل سے اتنا وقت ملا کہ بھاگ کر گھر جائے اور سوٹ کیس اٹھا لائے۔ وہ اولیا کو خدا حافظ بھی نہ کہہ سکا۔

وہ بہت کم خط و کتابت کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ ان کے جذبات ایک دوسرے کی طرف ٹھنڈے پڑ گئے تھے یا وہ ایک دوسرے کو بھول رہے تھے۔ نہیں۔ وہ ان خطوں کی راہ دیکھتا رہتا تھا جو ایک اسکول کی لڑکی کی لکھائی میں لکھے جاتے تھے۔ وہ ان خطوں کو اپنی جیب میں رکھ لیتا تھا اور ان کو باربار پڑھتا تھا۔ یہی خط تھے، جن کو وہ جنگل میں رینگتے ہوئے کلیجے سے لگا کر رکھتا تھا۔ لیکن ان دونوں کا ناتا اتنا اچانک

ٹوٹ گیا تھا اور وہ بھی ایسے تذبذب بھرے دور میں۔ وہ ایک دوسرے کو اچھے اور پرانے دوستوں کی طرح خط لکھتے اور وہ کوئی بڑی اور گہری بات کہتے ڈرتے جو بہرحال ان کہی رہ گئی تھی۔

اور اب، ہسپتال میں، بڑی حیرانی کے ساتھہ اس نے محسوس کیا (اور یہ حیرانی روز بروز بڑھتی گئی) کہ خود اولیا نے اچانک پیش قدمی شروع کر دی تھی۔ وہ اب اپنے خطوں میں بہت صاف صاف اپنے دل کی تڑپ کا ماجرا لکھتی اور اس پر افسوس کرتی کہ اس شام کو اس خاص لمحے میں چچا ارکاشا وہاں آن ٹپکا۔ وہ اس کو یقین دلاتی کہ اس کے ساتھہ جو بھی پیش آئے، ہر حال میں ایک ہستی ایسی موجود ہے، جس پر وہ پورا بھروسہ کر سکتا ہے اور وہ منت کرتی کہ اپنے گھر سے کالے کوسوں دور، آوارہ پھرتے ہوئے، ہمیشہ یہ یاد رکھو کہ کہیں ایک گوشہ ایسا ہے جس کو تم ہمیشہ اپنا سمجھہ سکتے ہو اور جہاں لڑائی کے ختم ہوتے ہی واپس آ سکتے ہو۔ ایسا لگتا کہ یہ ایک دوسری اولیا ہے، ایک نئی اولیا یہ سب لکھہ رہی ہے۔ جب کبھی اس کی تصویر دیکھتا وہ ہمیشہ سوچتا کہ اگر ہوا کا ایک جھونکا آئے تو وہ اپنے چھینٹ کے فراک سمیت پکے ککروندوں کے پردار بیجوں کی طرح اڑ جائیگی۔ لیکن وہ ایک عورت کے خط تھے۔ ایک اچھی، محبت کرنے والی عورت کے خط جو اپنے پریتم کے لئے تڑپ رہی تھی، جو اپنے محبوب کا انتظار کر رہی تھی۔ اس خیال سے اس کا دل خوش ہو جاتا اور غم زدہ بھی۔ وہ خوش تو بے اختیار ہو جاتا لیکن یہ سوچ کر غم زدہ بھی ہو جاتا کہ اسے ایسی محبت کا کوئی حق نہیں۔ کیوں، اسے آخر یہ لکھنے کی جرأت کیوں نہیں ہوئی کہ اب وہ دھوپ میں سنولایا ہوا وہ پر جوش جیالا نوجوان نہیں رہا جسے وہ جانتی تھی۔ اب وہ چچا ارکاشا کی طرح ایک اپاہج تھا۔ وہ اپنی ماں کو سچ نہ لکھتا کیونکہ اس سے اس کی جان پر بن آتی۔ اسی وجہ سے وہ اولیا کو بھی دھوکا دے رہا تھا اور وہ ہر تازہ خط میں خود اپنے فریب کے اس جال میں زیادہ سے زیادہ پھنستا جا رہا تھا۔

یہی وجہ تھی کہ اسے کامی‌شین سے جو خطوط موصول ہوتے، ان کو پڑھہ کر اس کے دل میں متضاد جذبات پیدا ہوتے — راحت اور غم، امید اور اضطراب — یہ خط بہ یک وقت اسے مسرور بھی کرتے

اور ستاتے بھی۔ ایک بار جھوٹ بول کر اسے اس جھوٹ کی خاطر مستقل جھوٹ گھڑنا پڑا۔ یہی وجہ تھی کہ اولیا کے نام اس کے خط روکھے پھیکے اور خشک ہوتے۔

''موسمی سرجنٹ،، کو خط لکھنے میں اسے آسانی ہوتی۔ وہ بھولی اور وفا شعار لڑکی تھی۔ آپریشن کے بعد، ایک انتہائی مایوس کن لمحے میں اس نے جب اپنا دکھ کسی کو بتانے کی تڑپ محسوس کی تو اس نے لڑکی کو ایک طویل اور الم انگیز خط لکھا۔ جلد ھی اسے اس کا جواب ملا۔ یہ خط کسی کاپی سے نچے ہوئے ورق پر لکھا گیا تھا۔ لکھائی ٹیڑھی میڑھی تھی۔ جملوں کے آخر میں بڑی فیاضی سے استعجابیہ نشان استعمال کئے گئے تھے جیسے نان خطائی پر زیرے کے دانے بکھرے ہوئے ہوں۔ پورے ورق پر آنسوؤں کے دھبے پڑے ہوئے تھے۔ لڑکی نے لکھا تھا کہ فوجی ڈسپلن راستے میں نہ آتا تو وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اس کی تیمارداری کرنے اور غم بٹانے کے لئے بھاگی ہوئی آتی۔ اس نے التجا کی تھی کہ اور جلدی جلدی خط لکھا کرو۔ اس بوکھلائے ہوئے خط میں، نادانی سے بھرے ہوئے نیم طفلانہ جذبات کی ایسی بھرمار تھی کہ اس سے الکسئی غم گین ہو گیا اور اس نے خود کو بہت کوسا کہ اس لڑکی نے جب اسے اولیا کے خط دئے تھے تو اس نے کیوں کہہ دیا تھا کہ اولیا اس کی بیاھی بہن تھی۔ ایسی ھستی کو دھوکا دینا گناہ تھا۔ اس لئے اس نے بڑی صاف گوئی سے اس کو لکھہ دیا کہ کاسی‌شین میں اس کی ایک محبوبہ رہتی ہے اور یہ کہ اس کو اور اپنی ماں کو اپنی بدنصیبی کا حال بتانے کی اسے جرأت نہ ہوئی تھی۔

''موسمی سرجنٹ،، کا جواب اتنی جلدی آ گیا کہ اس زمانے کے لحاظ سے یہ ایک حیران کن بات تھی۔ لڑکی نے لکھا تھا کہ وہ یہ خط ایک میجر کی معرفت بھیج رہی ہے، جو ایک جنگی نامہ نگار تھا اور اس کے دستے میں آیا تھا۔ اس نے اس سے محبت کا دم بھرا تھا لیکن وہ اس کو نظرانداز کرتی رہی تھی حالانکہ وہ ایک اچھا سا خوش مزاج نوجوان تھا۔ خط کے لہجے سے چھلکا پڑتا تھا کہ اس کو بہت مایوسی اور صدمہ ہوا تھا۔ اس نے اپنے جذبات کو دبانے کی کوشش کی تھی مگر بیکار۔ لڑکی نے چوٹ کی تھی کہ اس وقت سچ سچ بات کیوں نہ بتائی اور کہا تھا کہ اب مجھے اپنا

دوست تصور کرو۔ اس خط کے آخر میں چند الفاظ اور بھی لکھے تھے۔ یہ الفاظ قلم سے نہیں بلکہ پنسل سے لکھے ہوئے تھے۔ اس نے ''کامریڈ سینئر لفٹیننٹ،، کو یقین دلایا تھا کہ وہ ہمیشہ اس کی سچی دوست رھیگی اور اگر اس کی ''کامی‌شین والی،، اسے دغا دے جائے (اس کو معلوم تھا محاذ کے پیچھے عورتیں کیا رنگ ڈھنگ دکھا رھی ھیں) یا وہ اس سے محبت کرنا بند کر دے یا وہ اس کے اپاھج ھونے کی وجه سے گریز کرے، تو اس صورت میں اسے چاھئے که ''موسمی سرجنٹ،، کو نه بھولے۔ ھاں البته اسے چاھئے که اسے اگر کچھه لکھے تو صرف سچ لکھے۔ وہ شخص جو یه خط لایا تھا، ایک چھوٹا سا سلیقے سے بندھا ھوا پیکٹ بھی ساتھه لایا۔ اس میں کئی رومال تھے جو پیراشوٹ کے ریشم سے بنائے گئے تھے، جن پر الکسئی کے نام کے حروف بنے ھوئے تھے، تمباکو کا بٹوہ تھا، ایک کنگھی، ''مگنولیا،، اوڈی‌کلون کی شیشی اور نہانے کے صابن کی ایک ٹکیه۔ الکسئی جانتا تھا جنگ کے ان کڑے دنوں میں سپاھی لڑکیوں کے لئے ان چیزوں کی کتنی قدر و قیمت تھی۔ اس کو معلوم تھا که صابن کی ایک ٹکیه یا اوڈی‌کلون کی ایک شیشی جو بطور تحفه ملتی، ان دنوں پاک تعویذ کی طرح کلیجے سے لگا کر رکھی جاتی اور جنگ سے پہلے کی مہذب اور معقول زندگی کی یاد تازہ کرتی۔ اس کو ان تحفوں کی قدر و قیمت معلوم تھی۔ اسی لئے جب اس نے ان کو نکال کر بستر کے پاس والی چھوٹی سی الماری کے اوپر سجایا تو وہ خوشی بھی محسوس کر رھا تھا اور شرمندگی بھی۔

اب جبکه وہ اپنی زبردست طاقت سے کام لےکر کٹی ھوئی ٹانگوں کو سدھا رھا تھا اور دوبارہ ھوائی‌جہاز اڑانے اور لڑنے کے خواب دیکھه رھا تھا تو ملے جلے متضاد جذبات اسے نوچے لے رھے تھے۔ وہ اولیا کو خط میں محض گول گول باتیں لکھتا تھا اور آدھی حقیقت بتاتا تھا۔ اولیا سے اس کی محبت ھر دن بڑھتی جاتی تھی اور دوسری طرف اس لڑکی کو جسے وہ واجبی واجبی جانتا تھا اپنے دل کا سارا حال لکھا کرتا تھا۔ یه حقیقت اس کے ضمیر کا کانٹا بن گئی تھی۔

لیکن اس نے پوری سنجیدگی سے عہد کیا که اولیا سے دوبارہ صرف اس وقت محبت کی بات کریگا جب اس کا خواب حقیقت میں بدل جائیگا، جب اس میں لڑنے کی صلاحیتیں پھر پیدا ھو جائینگی اور جب

وہ فوج کی صفوں میں واپس پہنچ جائیگا۔ اس چیز نے اس کے جوش و خروش کو اور بھی بڑھا دیا اور وہ اور بھی لگن اور تڑپ کے ساتھ اپنی منزل کی طرف بڑھنے لگا۔

۱۱

کمیسار پہلی مئی کو چل بسا۔

کسی کو معلوم نہ ہو سکا کہ یہ ہوا کیسے۔ صبح کے وقت، جب اس کا منہ ہاتھ دھلایا جا چکا اور سر میں کنگھا کیا جا چکا تو اس نے نائن سے پوچھا کہ موسم کیسا ہے اور ابکے تہوار پر ماسکو کی کیا شان ہے۔ وہ یہ سن کر خوش ہوا کہ سڑکوں سے بیریکیڈ ہٹائے جا رہے ہیں، اسے اس پر افسوس ہوا کہ موسم بہار کے اس شاندار دن کے موقع پر مظاہرہ نہ ہوگا۔ اس نے کلاودیا میخائلوونا کو چڑایا بھی جس نے چہرے کی چھائیوں کو غازے کے پردے میں چھپانے کی مجاہدانہ کوشش کی تھی۔ وہ بہتر دکھائی دے رہا تھا اور ہر شخص کو امید ہوئی کہ اس نے بیماری کو آخر دبا دیا ہے اور شاید وہ اب صحت‌یابی کے راستے پر گامزن ہے۔

چونکہ وہ اب اخبار نہ پڑھ سکتا تھا اس لئے کچھ عرصے سے ایرفون اس کے بستر کے پاس لگا تھا۔ گووزدیف کو ریڈیو ٹکنیک کا کچھ گر معلوم تھا۔ اس نے کچھ کمال دکھایا اور اب اس سٹ سے پورے وارڈ میں گانے اور بات کرنے کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ نو بجے، اناؤنسر نے، جس کی آواز سے ان دنوں ساری دنیا مانوس ہو گئی تھی، دفاع کے عوامی کمیسار کا فرمان پڑھ کر سنانا شروع کیا۔ ہر شخص بالکل خاموش ہو گیا۔ سب کی نظریں دیوار پر لگے ہوئے سٹ پر جم گئیں۔ وہ ایک لفظ بھی انسنا نہ چھوڑنا چاہتے تھے۔ ”عظیم لینن کے ناقابل تسخیر پرچم تلے — فتح کی طرف رواں دواں بڑھے چلو!“ جب یہ الفاظ ادا ہوئے تو اس کے بعد بھی ایک خاموش تناؤ قائم رہا۔

”اب کامریڈ رجمنٹل کمیسار، ذرا اس پر روشنی ڈالو...“ کوکوشکن نے کہنا شروع کیا اور یکایک وہ دہشت کے ساتھ چلایا ”کامریڈ کمیسار!“

ہر شخص نے مڑ کر دیکھا۔ کمیسار سخت اور اکڑا ہوا بستر پر سیدھا لیٹا ہوا تھا اور بے حس و حرکت آنکھوں سے چھت کے ایک نقطے کو گھور رہا تھا۔ اس کا چہرہ بہت ہی ستا ہوا اور زرد تھا اور اس سے بڑا سکون اور شکوہ جھلک رہا تھا۔

''لو یہ تو مر گیا!،، کوکوشکن چلایا اور گھٹنوں کے بل پلنگ کے پاس گر گیا۔ ''لو یہ تو مر گیا!،،

بدحواس نرسیں اور آیائیں دوڑ کر اندر آتیں اور باہر بھاگتیں۔ ہاؤس سرجن لپکتا ہوا اندر آیا۔ وہ ابھی اپنے سفید لبادے کے بٹن بھی نہیں لگا سکا تھا۔ بدمزاج، آدم بیزار لفٹیننٹ کونستانتن کوکوشکن لاش پر پڑا ہوا تھا۔ وہ ہر شخص سے بے نیاز، بچے کی طرح کمبل میں منہ چھپائے سسکیاں بھر رہا تھا اور اس کے شانے لرز رہے تھے۔

اس شام کو، وارڈ نمبر بیالیس کے کمرے میں ایک نیا مریض لایا گیا۔ وہ تھا میجر پاول ایوانووچ استروچکوف۔ وہ ماسکو کے دفاعی ڈویژن کے لڑاکو ہوائی دستے کا ہوا باز تھا۔ فاشستوں نے تہوار کے دن ماسکو پر زوردار بمباری کرنے کا فیصلہ کیا۔ اور وہ قطار اندر قطار اڑتے ہوئے آئے۔ لیکن ان کے بمباروں کو سوویت طیاروں کا سامنا کرنا پڑا اور آخر میں، ایک خون آشام جنگ کے بعد کہیں پودسول‌نچنایہ کے علاقے میں نیست و نابود ہو گئے۔ صرف ایک ''یونکرس،، طیارہ گھیرا توڑ کر نکل بھاگا اور بڑی بلندی میں ماسکو کی طرف پرواز کرنے لگا۔ معلوم ہوتا تھا کہ اس کا ہواباز اپنا فرض پورا کرنے اور ہر قیمت پر تہوار کے رنگ میں بھنگ ڈالنے پر تلا ہوا تھا۔ گھمسان کی لڑائی جاری تھی کہ استروچکوف نے دیکھا کہ بمبار ہوائی جہاز بچ کر نکلا جا رہا ہے اور وہ فوراً اس کے پیچھے ہو لیا۔ وہ بہترین سوویت ہوائی جہاز اڑا رہا تھا۔ یہ اس قسم کے ہوائی جہازوں میں سے تھا جن سے اس وقت لڑاکو ہوائی فوجوں کو لیس کیا جا رہا تھا۔ اس نے زمین سے کوئی چھ کلومیٹر اوپر، فضا کی بلندیوں میں، جرمن ہوائی جہاز کو جا لیا۔ وہ ماسکو کے مضافات کے اوپر پہنچ چکے تھے۔ استروچکوف بڑی چابکدستی سے، جرمن ہوائی جہاز کو داؤ پر لاتے ہوئے اس کے پیچھے پیچھے اڑنے لگا۔ اس نے صاف اس کو اپنی زد پر لیا اور بٹن

دبایا - اسے مانوس آواز سنائی نہ دی اور وہ حیران رہ گیا - بٹن کام نہیں کر رہا تھا -

جرمن اس سے کچھ ہی آگے تھا - وہ جرمن سے چپکا رہا اور کچھ اس طرح کہ اس ہوائی جہاز کی دم کی وجہ سے ان کی مشین گنوں کے داؤ پر نہ آ پاتا تھا - مئی کی اس تابناک صبح کو ماسکو افق پر دھند میں لپٹے ہوئے ایک سرمئی انبار کی طرح نظر آ رہا تھا - استروچکوف نے زندگی اور موت کی آخری بازی لگا دی تھی - اس نے اپنی پیٹیاں کھولیں، اپنے کاک‌پٹ کا ہوڈ پیچھے کھسکایا اور پٹھے کس لئے جیسے اب جرمن پر چھلانگ لگانے والا ہو - اس نے ہوائی جہاز کو جرمن بمبار ہوائی جہاز کی بالکل سیدھ میں اڑانا شروع کیا - لگتا تھا کہ دونوں کسی ان دیکھی ڈور میں پروئے ہوئے ہیں - استروچکوف نے شفاف ہوڈ میں جرمن مشین گن چلانے والے کی آنکھیں صاف چمکتی ہوئی دیکھیں - وہ اس کی ایک ایک نقل و حرکت پر نگاہیں جمائے ہوئے تھا - وہ اس انتظار میں تھا کہ استروچکوف کے ہوائی جہاز کا کم از کم ایک پر ہی زد پر آ جائے - اس نے دیکھا کہ جرمن نے مارے جوش کے اپنا خود اتار دیا ہے - اس کو جرمن کے لمبے لمبے سنہرے بال بھی نظر آئے جو لٹوں کی شکل میں اس کی پیشانی پر لٹک رہے تھے - بھاری مشین گنوں کے دو سیاہ تھتھنے استروچکوف کی طرف مڑے اور موقع کی تاک میں کسی زندہ چیز کی طرح حرکت کرنے لگے - ایک پل کو تو استروچکوف کو ایسا لگا کہ کسی ڈاکو نے اپنے پستول کی نال اس کے سینے پر رکھ دی ہو - اور اس نے وہی کیا جو جرأت آزما نہتے آدمی ایسے موقع پر کرتے ہیں — وہ اپنے دشمن پر پل پڑا - لیکن اپنے مکوں اور گھونسوں سے نہیں، جو وہ زمین پر کرتا — اس نے اپنے ہوائی جہاز کو آگے بڑھایا اور اس کے چمکتے ہوئے پنکھے کو دشمن کی دم میں دے مارا -

اس نے گھڑگھڑاہٹ نہیں سنی - ٹکر کے زور سے وہ ہوا میں بلند ہو گیا اور دوسرے ہی لمحے اس نے محسوس کیا کہ وہ فضا میں قلابازیاں کھا رہا ہے - زمین اس کے سر کے نیچے سر کنے لگی - زمین تھوڑی دیر کو تھمتی اور پھر تیزی سے اس کی طرف لپکتی — چمکتی ہوئی، ہری ہری اور درخشاں - اس نے پیراشوٹ کا بٹن دبا دیا اور پھر ہوا میں معلق ہو گیا - اس نے بے ہوش ہونے سے پہلے

کنکھیوں سے گرتے ہوئے جرمن ''یونکرس،، کے سگار نما بے دم دھڑ کو اپنے پاس سے گزرتے ہوئے اور ناچتے ہوئے دیکھا جیسے چنار کا پتہ خزاں کی ہواؤں میں ناچتا ہوا گر رہا ہو۔ پیراشوٹ کی ڈور سے بے بس لٹکا ہوا وہ ماسکو کی مضافات کی ایک سجی سجائی سڑک پر جا گرا۔ وہاں کے رہنے والے اس کا شاندار کارنامہ زمین سے دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے ہواباز کو اٹھایا اور بالکل پاس کے ایک گھر میں لے گئے۔ پاس کی سڑکوں پر لوگوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ جمع ہو گئے اور ڈاکٹر جو آیا، تو بڑی مشکل سے ہجوم کو چیر کر اپنا راستہ بنا سکا۔ چھت سے ٹکرانے کی وجہ سے استروچکوف کے گھٹنوں کی ہڈیوں میں چوٹ آئی تھی۔

''تازہ خبروں،، کے خاص پروگرام میں میجر استروچکوف کی بہادری کے کارنامے کی خبر نشر ہوئی۔ ماسکو سوویت کا صدر خود آیا اور اس کو راجدھانی کے بہترین ہسپتال میں لے گیا۔ جب استروچکوف وارڈ میں لایا گیا تو اس کے پیچھے پیچھے ہسپتال کے ملازم پھول، پھل اور چاکلیٹ کے ڈبے لئے ہوئے آئے۔ ماسکو کے ممنون باسیوں نے یہ تحفے بھجوائے تھے۔

...آدمی خوش مزاج، ملنسار اور من چلا نکلا۔ اس نے وارڈ کی دهلیز کے اندر قدم رکھتے ہی مریضوں سے پوچھا کہ کھانے کا کیا ''رنگ،، ہے، قاعدہ قانون سخت تو نہیں اور یہاں خوبصورت نرسیں ہیں یا نہیں۔ اور جب اس کے گھٹنوں پر پٹیاں باندھی جا رہی تھیں تو اس نے کلاودیا میخائلوونا کو فوجی کنٹین کے ایک جاوداں موضوع کے بارے میں چٹکلے سنائے اور کافی دیدہ دلیری سے کام لیتے ہوئے اس نے نرس کی خوبصورتی کی تعریف کی۔ جب نرس وارڈ سے چلی گئی تو اس نے نرس کی طرف آنکھ ماری اور بولا:

''اچھی لڑکی ہے! لئے دئے رہتی ہے، ایں؟ شاید وہ ہمارے دل میں خدا کا خوف بٹھاتی ہے؟ لیکن ہم سر پر پاؤں رکھ کر بھاگنے والے نہیں۔ کیا تم نے داؤپیچ نہیں سیکھے ہیں؟ عورتوں کو فتح کرنا قلعوں کو فتح کرنے سے زیادہ مشکل نہیں۔ اور کوئی قلعہ ایسا نہیں جو فتح نہ کیا جا سکتا ہو،، اور یہ کہہ کر وہ زور سے چہکا۔

وہ بڑے گھاگ کی طرح پیش آ رہا تھا، جیسے اس ہسپتال میں پورا سال بتا چکا ہو۔ اس نے چھوٹتے ہی لوگوں کو ان کے نام سے مخاطب کرنا شروع کر دیا۔ اور جب اسے ناک صاف کرنے کی ضرورت ہوئی تو نہایت بے تکلفی سے اس نے میریسئف کا ایک ریشمیں رومال اٹھا لیا۔ یہ ان رومالوں میں سے تھا جن پر ''موسمی سرجنٹ،، نے اتنی دیدہ ریزی سے اس کا نام کاڑھا تھا۔

''تمہاری محبوبہ نے بھیجا ہے ؟،، اس نے الکسئی کو آنکھہ مارتے ہوئے پوچھا اور رومال کو اپنے تکیے کے نیچے چھپا لیا۔ ''تمہارے پاس بہت سے ہیں اور بہت نہ بھی ہوں تو کوئی پروا نہیں۔ تمہاری لڑکی خوش خوش تمہارے لئے اور تیار کر دیگی۔،،

سنولائے گالوں سے جھانکتے ہوئے گلابی رنگ کے باوجود وہ جوان نہیں معلوم ہوتا تھا۔ گہری جھریاں آنکھوں کے کونوں سے ہنس کے چنگل کی طرح پھیلتی چلی گئی تھیں۔ اس کی ہر چیز سے ایک پرانے سپاہی کی شان ٹپکتی تھی جو ہر اس جگہ کو اپنا گھر تصور کرتا ہے، جہاں اس کے کپڑوں کا تھیلا ہو، جہاں واش بیسن پر اس کے صابن کا ڈبہ اور منجن رکھا ہو۔ وہ اپنے ساتھہ لڑکوں جیسا کھلنڈراپن لے آیا۔ وہ یہ سب کچھہ اس انداز سے کرتا کہ کسی کو گراں نہ گزرتا اور وہ ہر شخص کو یہ محسوس کرنے پر مجبور کر دیتا جیسے وہ سب اس کو ایک زمانے سے جانتے ہوں۔ ہر شخص کے دل کو یہ نو وارد بھا گیا۔ ہاں البتہ میریسئف کو صنف نازک کے لئے اس کی نمایاں کمزوری سے کوفت ہوئی۔ وہ اپنی یہ کمزوری چھپانے کی کوشش بھی نہ کرتا۔ ذرا بہانہ ہاتھہ آتا اور وہ اس موضوع پر گہرافشانی شروع کر دیتا۔

اگلے دن کمیسار کا جنازہ اٹھا۔

میریسئف، کوکوشکن اور گووزدیف صحن میں کھلنے والی کھڑکی پر جم کر بیٹھہ گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ گھوڑے ایک توپ گاڑی کو کھینچتے ہوئے احاطے میں داخل ہوئے، بینڈ بجانے والے صف میں کھڑے ہوئے۔ ان کے باجے دھوپ میں چمک رہے تھے۔ انہوں نے ایک فوجی دستے کو اندر آتے ہوئے دیکھا۔ کلاودیا میخائلوونا وارڈ میں آئی اور مریضوں کو کھڑکی سے ہٹ جانے کے لئے کہا۔ وہ حسب دستور خاموش اور مستعد نظر آ رہی تھی۔ لیکن

میریسئف نے محسوس کر لیا کہ اس کی آواز تھر تھرا رہی ہے۔ وہ نئے مریض کی حرارت دیکھنے آئی تھی۔ اسی لمحے بینڈ نے جنازے کے نغمے کی دھن چھیڑ دی۔ نرس کا رنگ زرد پڑ گیا۔ اس کے ہاتھ سے تھرمامیٹر چھوٹ کر گرا اور پارے کے چھوٹے چھوٹے موتے فرش پر تیرنے لگے۔ کلاودیا میخائلوونا چہرے کو ہاتھوں میں چھپاتی ہوئی وارڈ سے نکل گئی۔

''کیا ہوا ہے اسے؟ کیا وہ اس کا محبوب تھا؟،، اس نے اس کھڑکی کی طرف اشارہ کیا جس سے حزنیہ ترنم اندر آ رہا تھا۔

کسی نے اس کے سوال کا جواب نہ دیا۔

کھڑکی سے جھانکتے ہوئے انہوں نے سرخ کفن میں لپٹی ہوئی لاش دیکھی جو توپ گاڑی میں رکھی ہوئی پھاٹک سے نکل کر سڑک پر پہنچ گئی تھی۔ ہاروں اور پھولوں کے ایک انبار میں کمیسار کی لاش رکھی ہوئی تھی۔ گاڑی کے پیچھے سپاہی ایک ایک کشن اٹھائے ہوئے تھے جس میں تمغے لگے ہوئے تھے — ایک، دو، پانچ، آٹھ... جنرل سر جھکائے ہوئے پیچھے پیچھے مارچ کر رہے تھے۔ ان کے درمیان واسیلی واسیلیوچ بھی تھا۔ وہ بھی جنرل کا فوجی کوٹ پہنے ہوئے تھا۔ لیکن نہ جانے کیوں وہ ننگے سر تھا۔ اس کے بعد تھوڑی دور پر، کلاودیا میخائلوونا سپاہیوں کے آگے نمودار ہوئی۔ وہ بھی ننگے سر تھی۔ وہ اپنا سفید لبادہ اوڑھے ہوئے تھی۔ وہ لڑکھڑاتی ہوئی چل رہی تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ اسے اپنے سامنے کی کوئی چیز نظر نہیں آ رہی ہے۔ پھاٹک پر کسی نے کوٹ اس کے کندھوں پر ڈال دیا تھا۔ لیکن چلتے چلتے کوٹ اس کے کندھوں سے پھسلا اور زمین پر آ رہا اور اس کے پیچھے پیچھے مارچ کرتے ہوئے سپاہی کوٹ کو اپنے قدموں سے بچانے کے لئے صف توڑ کر آگے نکل گئے۔

''کون ہے یہ، یارو؟،، میجر نے پوچھا۔

وہ بھی خود کو کھڑکی تک اٹھانا چاہتا تھا لیکن اس کی ٹانگیں کھپچیوں میں بندھی ہوئی تھیں۔

جنازہ آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔ حزنیہ نغمے کی ہلکی ہلکی آواز کہیں دریا کے پاس سے آ رہی تھی۔ یہ آواز مدھم پڑتی اور دور ہوتی جا رہی تھی اور گھروں کی دیواروں سے ٹکرا کر گونج رہی تھی۔ لنگڑی چوکیدارن پھاٹک بند کرنے کے لئے باہر آ چکی تھی۔

لیکن وارڈ نمبر بیالیس کے مریض کھڑکی پر جمے رہے اور کمیسار کو اپنے آخری سفر پر الوداع کہتے رہے۔

''کیا تم یہ نہیں بتا سکتے کہ یہ کس کا جنازہ ہے؟ لگتا ہے تم سب کو سانپ سونگھ گیا ہے!،، میجر نے بے صبری سے کہا۔ وہ اب تک اٹھ کر کھڑکی سے جھانکنے کی کوشش کر رہا تھا۔

آخر کوکوشکن نے خشک اور جھنجھناتی ہوئی آواز میں جواب دیا:

''یہ ایک انسان کا جنازہ ہے، کھرے انسان کا۔ ایک بالشویک کا!،،

''کھرے انسان،، کا فقرہ الکسئی کے دل پر نقش ہوگیا۔ اس سے بہتر تصویر کشی مشکل تھی۔ الکسئی ''کھرا انسان،، بننے کی تمنا سے سرشار ہو گیا۔ اس شخص کی طرح جو ابھی ابھی اپنی آخری منزل کی طرف لے جایا گیا تھا۔

۱۲

کمیسار کی موت کے بعد، وارڈ نمبر بیالیس کی پوری زندگی بدل گئی۔

اب کوئی ایسا نہ رہا تھا جو ایک اچھی سی بات کہہ کر اس یاس انگیز خاموشی کو دور کر سکتا جو کبھی کبھی ہسپتال کے وارڈ پر چھا جاتی ہے اور جب ہر شخص اپنی اداس سوچ میں غرق ہو جاتا ہے اور جب ہر ایک دل غم کی چٹان تلے پھڑپھڑانے لگتا ہے۔ اب کوئی نہ تھا جو اپنی زندہ‌دلی کی باتوں سے گووزدیف کو بے کیفی کے خول سے نکال سکتا، کوئی نہ تھا جو میریسئف کو صلاح و مشورہ دے سکتا، اب کوئی نہ تھا جو کوکوشکن کی بڑبڑاہٹ کو ایک ایسی بات سے خاموش کر دیتا، جس میں چوٹ تو ہوتی مگر دل آزاری نہ ہوتی۔ وہ مقناطیس جاتی رہی جو ان تمام رنگا رنگ ہستیوں کو کھینچ کر ایک مرکز پر جمع کرتی تھی۔

لیکن اس وقت اس کی اتنی زیادہ ضرورت نہ تھی۔ علاج اور وقت نے اپنا کام کیا تھا۔ تمام مریض تیزی سے روبصحت تھے اور سبکدوشی کا وقت جتنا قریب آتا جاتا، اتنا ہی کم وہ اپنی بے بسی اور زخموں کی باتیں کرتے۔ وہ اب خواب دیکھتے کہ ہسپتال سے باھر

کیا پیش آنے والا ہے۔ جب وہ لوٹینگے تو ان کے خاص خاص دستے کس طرح ان کا سواگت کرینگے اور آگے انہیں کیا کیا سرگرمیاں انجام دینی ھیں۔ ان میں سے ہر ایک فوجی زندگی کے لئے تڑپ رہا تھا جس کے وہ عادی ہو چکے تھے۔ ھسپتال سے نکل کر تازہ پیش قدمیوں اور حملوں میں حصہ لینے کے لئے ان کی ہتھیلیوں میں کھجلی ہو رہی تھی۔ انہیں محسوس ہوتا تھا یہ حملہ ہوا میں سنسنا رہا ہے۔ محاذ پر چھائی ہوئی خاموشی بھی آنے والے طوفان کی چغلی کھا رہی تھی۔

ھسپتال سے نکل کر عملی فوجی خدمات کے لئے محاذ پر واپس ہونے میں کوئی انوکھی بات نہ تھی۔ لیکن میریسئف کے لئے یہ ایک مسئلہ بن گیا۔ کیا ٹریننگ اور ہنرمندی سے پیروں کی تلافی ہو سکتی ہے؟ کیا وہ اب کبھی ہوائی جہاز میں ہواباز کی حیثیت سے بیٹھ سکیگا؟ وہ بڑھتے ہوئے جوش و خروش اور عزم کے ساتھ اپنی منزل کی طرف بڑھتا رہا۔ اس نے ٹانگوں کی ورزش کا وقت بڑھا دیا — ساتھ ھی وہ اب صبح شام دو گھنٹے ورزش کرتا۔ لیکن یہ بھی اسے کافی نہ معلوم ہوا۔ وہ سہ پہر میں بھی ورزش کرنے لگا۔ استروچکوف آنکھوں میں چنچلتا بھری تمسخر آمیز چمک پیدا کرتے ہوئے کنکھیوں سے دیکھتا اور مداری کی طرح اعلان کرتا:

''اب لوگو، آپ کو قدرت کا ایک بڑا تماشا دکھایا جائیگا، عظیم 'شمان، * الکسئی میریسئف، جس کا سائبیریا کے جنگلوں میں کوئی ثانی نہیں، اب وہ آپ لوگوں کو کرتب دکھائیگا۔''

واقعی الکسئی مجنونانہ لگن سے جو ورزش کرتا تھا، اس میں کچھ ایسی بات ضرور تھی کہ وہ ''شمان'' سے ملتا جلتا نظر آتا۔ وہ بے تکان اپنے دھڑ کو آگے اور پیچھے جھکاتا، بے تکان ایک پہلو سے دوسرے پہلو پر جھکتا اور پھر وہ گردن اور بازوؤں کی ورزش بڑی تن‌دھی اور پنڈولم کے آھنگ اور پابندی کے ساتھ کرتا رہتا تھا۔ یہ منظر اتنا تکلیف دہ ہوتا کہ جب وہ ورزش شروع کرتا تو اس کے وارڈ کے ساتھی جو چل پھر سکتے تھے، گلیارے میں نکل جاتے۔ ذی فراش استروچکوف سر تک کمبل تان لیتا اور سونے کی

---

* جادو ٹونے والا۔

کوشش کرتا۔ وارڈ میں کسی کو یقین نہ آتا کہ بغیر پیروں والا آدمی ہوائی جہاز اڑا سکتا ہے۔ لیکن اس کی یہ ثابت قدمی اور الوالعزمی دیکھہ کر اس کے ساتھی اس کا احترام کرنے لگے تھے۔ شاید وہ اپنے اس احترام کو مذاق اور فقرہ بازیوں کے پردے میں چھپایا کرتے تھے۔

استروچکوف کے گھٹنوں کی چوٹ جتنی خطرناک سمجھی گئی تھی، اس سے زیادہ خطرناک ثابت ہوئی۔ گھٹنوں کا زخم بہت آھستہ آھستہ بھر رہا تھا۔ اس کی ٹانگیں اب تک کھپچیوں میں کسی ہوئی تھیں۔ اس میں ذرا شبہ نہ تھا کہ وہ صحت مند ہو جائیگا پھر بھی میجر اپنے ''کمبخت گھٹنوں،، کو کوستا رھتا جو اس کو اتنا دکھہ پہنچا رہے تھے۔ اس کی بڑبڑاھٹ اور جھلاھٹ ایک برھمی کی شکل اختیار کرتی چلی گئی۔ وہ ذرا ذرا سی بات پر بپھر جاتا اور ہر شخص اور ہر چیز کو صلواتیں سنا دیتا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا اس وقت کسی نے بحث کی نہیں کہ اس نے تھپڑ جڑا نہیں۔۔ سب مریضوں نے آپس میں طے کر لیا تھا — جب اس پر دورہ پڑتا اسے کوئی کچھہ نہ کہتا، لوگ اسے ''اپنا بخار نکالنے کے لئے،، چھوڑ دیتے۔ اور وہ اس وقت تک انتظار کرتے جب تک کہ اس کے جنگ زدہ اعصاب اپنی اصلی حالت پر نہ آ جاتے اور اس کی قدرتی خوش مزاجی بحال نہ ہو جاتی۔

استروچکوف اپنی بے صبری کی وجہ یہ بتاتا کہ وہ غسل خانے میں جاکر سگریٹ کے کش اڑانے سے معذور ہے۔ اور اس کی ایک اور وجہ یہ بھی تھی کہ وہ گلیارے میں نہ جا سکتا تھا اور آپریشن کے کمرے کی سرخ بالوں‌والی لڑکی کا دیدار نہ کر سکتا تھا۔ اس نے یہ بھی اڑا رکھا تھا کہ اس سے تو پٹی بندھواتے وقت آنکھوں آنکھوں میں اشارے بھی ہو چکے تھے۔ ممکن ہے کہ اس میں کچھہ سچائی ہو۔ لیکن میریسئف نے یہ محسوس کیا تھا کہ اس پر اس جنون کا دورہ اس وقت پڑتا تھا جب کبھی وہ ھسپتال کے اوپر کسی ہوائی جہاز کو پرواز کرتے دیکھتا، یا جب ریڈیو اور اخبار میں کسی دلچسپ فضائی جنگ کی خبریں آتیں، یا اس کے کسی جانے پہچانے ہواباز کے کارنامے کا ذکر ہوتا۔ اس سے میریسئف میں بھی خوفناک بے صبری پیدا ہوتی مگر وہ اس کو ظاہر نہ ہونے دیتا۔ اور اس طرح استروچکوف سے اپنا مقابلہ کرکے اسے فتح کا احساس ہوتا تھا۔ اس کو محسوس

ھوتا کہ وہ اس آدمی کے کچھہ کچھہ قریب آ رھا ھے جس کو اس نے ایک ''کھرے انسان،، کی حیثیت سے اپنا آدرش مانا تھا۔

میجر استروچکوف اپنے ڈھرے پر چلتا رھا۔ وہ خوب کھاتا اور جی کھول کر ھنستا۔ اس کو عورتوں کے بارے میں گپ کرنے کا بڑا شوق تھا۔ بیک وقت عورت کا زبردست عاشق بھی نظر آتا اور عورت بیزار بھی۔ کسی وجہ سے وہ خاص طور پر ان عورتوں کے بارے میں تلخ باتیں کہتا جو محاذ کے پیچھے تھیں۔

میریسئف کو استروچکوف کی باتوں سے نفرت آتی۔ جب وہ اس کی باتیں سنتا تو ھمیشہ اس کی آنکھوں میں اولیا کی تصویر آ جاتی۔ یا اسے موسمیاتی اسٹیشن کی وہ بوٹے سے قد کی لڑکی یاد آ جاتی جس کے بارے میں یہ کہانی مشہور تھی کہ اس نے ایک بار ایک من‌چلے سرجنٹ کو اپنے سنتری خانے سے رائفل کا کندہ مار کر بھگا دیا تھا۔ اسے تو اتنا جوش آگیا تھا کہ وہ اسے گولی سے اڑا دیتی۔ مگر خیر وہ بال بال بچ گیا۔ الکسئی کو ایسا محسوس ھوتا کہ استروچکوف ایسی ھی عورتوں پر کیچڑ اچھال رھا ھے۔ ایک دن کچھہ ایسا ھوا کہ جب استروچکوف نے اپنی ایک داستان اس جملے پر ختم کی کہ ''وہ سب ایک ھی سی ھیں،، اور ان میں سے کسی کو بھی ''یوں چٹکیوں میں شیشے میں اتارا جا سکتا ھے،، تو میریسئف کا پیمانہ صبر چھلک گیا اور اس نے دانت اتنے زور سے بھینچ لئے کہ اس کے رخساروں کی ھڈیاں زرد پڑ گئیں:

''کسی کو بھی؟،،

''ھاں کسی کو بھی،، میجر نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

اسی لمحے کلاودیا میخائلوونا کمرے میں داخل ھوئی اور مریضوں کے چہرے پر ایک تناؤ کی کیفیت دیکھہ کر حیران رہ گئی۔

''کیا قصہ ھے؟،، اس نے غیر ارادی طور پر اپنے رومال کے نیچے بال کی ایک لٹ کو درست کرتے ھوئے پوچھا۔

''ھم زندگی پر بحث کر رھے ھیں، نرس۔ اب ھم پرانے کندۂ ناتراش کی طرح ھیں۔ باتیں بنانے کے سوا ھم کچھہ نہیں کرتے،، میجر نے ایک تابناک مسکراھٹ کے ساتھہ جواب دیا۔

"نرس کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟" جب نرس چلی گئی تو میریسئف نے غصے بھری آواز میں للکارا۔

"کیا تمہارا خیال ہے کہ اس کے خمیر میں کوئی اور چیز ہے؟"

"کلاودیا میخائلوونا کو اس قصے سے الگ رکھو" گووزدیف نے سختی سے کہا "ہمارے یہاں ایک معزز آدمی تھا جو اس کو سوویت حور کہتا تھا۔"

"کون بازی لگانا چاہتا ہے؟"

"بازی؟" میریسئف چلایا۔ اس کی آنکھوں سے چنگاریاں نکلنے لگیں۔ "کس چیز کی بازی لگاتے ہو؟"

"پستول کی گولی کی۔ جیسا کہ پہلے افسر کیا کرتے تھے۔ اگر تم جیت جاؤ تو میں تمہارا نشانہ بنونگا اور اگر میں جیتوں تو تم میرا نشانہ بنوگے" استروچکوف نے ہنستے ہوئے کہا اور پورے واقعے کو ایک مذاق کا رنگ دے کر ٹالنے کی کوشش کی۔

"بازی؟ اور ایسی بازی؟ شاید تم بھولتے ہو کہ تم سوویت افسر ہو۔ اگر تمہاری بات صحیح ثابت ہو تو تم میرے منہ پر تھوک دینا" الکسئی نے کنکھیوں سے گھور کر دیکھا۔ "لیکن ہوشیار رہنا کہیں مجھے نہ تھوکنا پڑے تمہارے منہ پر۔"

"اگر بازی لگانا نہیں چاہتے تو نہ لگاؤ۔ لیکن میں بغیر کسی بازی کے دکھا کر رہونگا کہ میں سچ کہتا ہوں اور ہمیں اس نرس کی خاطر لڑنے کی ضرورت نہیں۔"

اس دن کے بعد سے، استروچکوف نے بڑے جوش و خروش سے کلاودیا میخائلوونا کی طرف خاص توجہ کر دی۔ وہ مزاحیہ کہانیوں سے اس کا دل بہلاتا۔ مزاحیہ کہانیاں کہنے میں تو یکتا تھا وہ۔ اس نے ہواباز کے اس ان لکھے اصول کی خلاف ورزی کی کہ ہوابازوں کو کسی اجنبی سے اپنے بہادری کے کارناموں کا قصہ سنانے میں احتیاط سے کام لینا چاہئے۔ وہ اپنی زندگی کے سچے اور دلچسپ تجربوں کا قصہ بڑے دلکش پیرائے میں سناتا۔ اس نے ٹھنڈی سانس لے کر اپنے گھریلو معاملات اور اپنی بدنصیبی کی طرف بھی اشارہ کر دیا۔ وہ اپنی تلخ تنہائی کی شکائت کرتا۔ حالانکہ ہر شخص کو وارڈ میں معلوم

تھا کہ وہ غیر شادی شدہ تھا اور اس کو کسی گھریلو مصیبت کا سامنا نہ تھا۔

یہ سچ ہے کہ کلاودیا میخائلوونا دوسروں کے مقابلے میں اس پر زیادہ عنائت کی نظر تو نہ رکھتی۔ مگروہ اس کے پلنگ کے کنارے بیٹھ جاتی اور اس کی بہادری کے قصے سنا کرتی اور وہ غیر ارادی طور پر اس کا ھاتھ اپنے ھاتھ میں لے لیتا۔ اور وہ اپنا ھاتھ اس کے ھاتھ سے نہ کھینچتی۔ میریسئف کے دل میں غصے کی جوالا دھکنے لگی، سارا وارڈ استروچکوف کے خلاف غصے میں جلنے لگا۔ اس لئے کہ وہ اپنے رویے سے یہ ظاھر کرنا چاھتا تھا کہ کلاودیا میخائلوونا دوسری عورتوں سے مختلف نہ تھی۔ اس کو لوگوں نے متنبہ کیا کہ وہ اس گندے کھیل سے ھاتھ کھینچ لے۔ وارڈ اس معاملے میں دخل دینے کی ٹھان ھی رھا تھا کہ دفعتاً سارا معاملہ ھی بدل کر رہ گیا۔

ایک شام، اپنے ڈیوٹی کے وقت، کلاودیا میخائلوونا وارڈ کے اندر آئی۔ اسے کسی مریض کی دیکھ بھال نہیں کرنا تھی۔ وہ محض بات چیت کرنے آئی تھی — اسی لئے خاص طور پر وہ مریضوں کو بھاتی تھی۔ میجر نے اپنی ایک داستان چھیڑی۔ نرس اس کے پلنگ کے کنارے بیٹھ گئی۔ کسی نے نہ دیکھا کہ ھوا کیا لیکن وہ اچھل کر دفعتاً کھڑی ھو گئی۔ ھر شخص نے مڑ کر دیکھا: نرس تیوریوں پر بل ڈال کر، دھکتے رخساروں کے ساتھ استروچکوف کو گھور رھی تھی۔ وہ نا دم اور شاید خوف زدہ بھی نظر آ رھا تھا۔ نرس بولی:

"کامریڈ میجر، اگر تم مریض نہ ھوتے اور میں نرس نہ ھوتی تو میں تمہارے منہ پر تھپڑ جڑ دیتی!"

"اوہ کلاودیا میخائلوونا، میں قسم کھاتا ھوں، میرا مطلب ھرگز... اور دوسرے اس میں رکھا بھی کیا ھے؟..."

"اوہ! اس میں رکھا کیا ھے؟" اب نرس نے اس کو غصے سے نہیں بلکہ حقارت اور نفرت کی نظر سے دیکھا "بہت اچھا۔ اس سے آگے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، سنا تم نے؟ اور اب میں تم سے، تمہارے ساتھیوں کے سامنے کہتی ھوں آئندہ تم مجھ سے بات نہ کرنا۔ تم صرف دوا اور علاج کے بارے میں مجھ سے بات کر سکتے ھو۔ شب بخیر، ساتھیو!"

اور وہ وارڈ سے چل دی۔ اس کے قدم خلاف معمول ذرا بھاری بھاری تھے۔ وہ مطمئن اور پر سکون نظر آنے کی کوشش کر رہی تھی۔

ایک لمحے کو وارڈ میں خاموشی طاری رہی۔ پھر الکسئی کا زہریلا، فتح مندانہ قہقہہ سنائی دیا۔ ہر شخص میجر پر جھپٹ پڑا:

"تو تم کو اپنے کئے کی سزا مل گئی!"

میریسئف نے پر شوق نظروں سے دیکھتے ہوئے اور اپنی آواز میں جھوٹ موٹ کی نرمی پیدا کرتے ہوئے پوچھا:

"کیا چاہتے ہو تم، ابھی تمہارے منہ پر تھوکوں یا پھر کبھی؟"

استروچکوف کا منہ اتر گیا تھا لیکن وہ اپنی شکست ماننا نہ چاہتا تھا۔ ہاں، البتہ جب وہ بولا تو اس کے لہجے میں وہ اعتماد نہ تھا۔

"ہاں۔ حملے کا جواب ملا اور وقتی ہار ہوئی۔ پروا نہیں۔ ہم پھر کوشش کرینگے۔"

وہ آدھی رات تک خاموش پڑا ہولے ہولے سیٹی بجاتا رہا اور کبھی کبھی اس کے منہ سے "ہاں ہاں" کا فقرہ نکل جاتا جیسے خود اپنے خیال کا جواب دے رہا ہو!

اس کے کچھ ہی دن بعد، کونستانتن کوکوشکن کو ہسپتال سے چھٹی مل گئی۔ اس نے جاتے وقت کسی طرح کے جذبات کا اظہار نہ کیا اور جب وہ اپنے مریض ساتھیوں سے رخصت ہونے لگا تو صرف اتنا بولا کہ وہ ہسپتال کی زندگی سے اکتا چکا ہے۔ اس نے بے پروائی سے ہر شخص کو خدا حافظ کہا لیکن میریسئف اور نرس سے التجا کی کہ اگر اس کی ماں کا کوئی خط آئے تو وہ خیال رکھیں اور اس کے دستے کے پتے پر بھجوا دیں۔

"اپنا حال لکھنااور بتانا کہ ساتھیوں نے کس طرح تمہارا سواگت کیا،" یہ تھے میریسئف کے الوداعی الفاظ۔

"کیوں لکھوں میں تمہیں بھلا؟ تم کو میری کیا پروا؟ میں نہیں لکھونگا۔ اس کا مطلب ہوگا کہ کاغذ برباد کروں۔ اور تم بہر حال مجھے جواب نہیں دوگے!"

"جیسی مرضی!"

معلوم ہوتا تھا کہ کوکوشکن نے آخری فقرہ نہیں سنا تھا۔ وہ بغیر مڑے ہوئے وارڈ سے باہر نکل گیا۔ اور پلٹ کر ہسپتال پر ایک الوداعی نظر ڈالے بغیر ہسپتال کے پھاٹک سے نکل گیا۔ وہ دریا کے کنارے کنارے پشتے پر چلتا رہا اور نکڑ پر مڑ گیا حالانکہ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ دستور کے مطابق اس کے رفیق کھڑکیوں سے اس کو دیکھ رہے تھے۔

بہر حال، اس نے الکسئی کو خط لکھا اور بہت جلد لکھا۔ یہ خط بڑے خشک اور کار و باری انداز میں لکھا گیا تھا۔ اپنے بارے میں اس نے صرف اتنا لکھا کہ معلوم ہوتا ہے کہ دستے کو میرے واپس آنے پر خوشی ہوئی ہے۔ ساتھ ہی اس نے لکھا کہ حالیہ لڑائیوں میں اس کے دستے کو بہت ہی نقصان اٹھانا پڑا ہے سو جو کوئی بھی واپس آئیگا، چاہے وہ کم تجربے کا مالک ہو یا زیادہ کا ہاتھوں ہاتھ لیا جائیگا۔ اس نے ہلاک اور زخمی ہونے والوں کی ایک پوری فہرست لکھی تھی۔ اس نے لکھا تھا میریسئف کو اب تک لوگ دستے میں یاد کرتے ہیں اور. ونگ کمانڈر نے، جو اب ترقی کر کے لفٹیننٹ کرنل بن گیا ہے، جب میریسئف کے جسمانی کرتب اور ہوائی فوج میں لوٹنے کے پکے عزم کا حال سنا تو بولا کہ ''میریسئف ضرور واپس آئیگا۔ وہ ان لوگوں میں سے ہے جو اپنی دھن پوری کرکے رہتے ہیں۔،، اس کی یہ بات سن کر چیف آف اسٹاف نے کہا کہ بہرحال ناممکن ممکن نہیں ہو سکتا۔ ونگ کمانڈر نے جواب دیا میریسئف جیسے آدمی کے لئے کچھھ بھی ناممکن نہیں۔ الکسئی کو یہ دیکھھ کر حیرت ہوئی کہ خط میں ''موسمی سرجنٹ،، کے متعلق بھی چند لفظ لکھے ہوئے تھے۔ کوکوشکن نے لکھا تھا سرجنٹ نے اس پر سوالوں کی ایسی بمباری کی کہ آخر اسے حکم دینا پڑا ''اباؤٹ ٹرن! مارچ!،، کوکوشکن نے آخر میں لکھا تھا کہ واپسی کے پہلے ہی دن وہ دو بار ہوائی جہاز میں اڑا۔ اس کی ٹانگیں بالکل ٹھیک ہو گئی ہیں۔ اگلے چند دن میں رجمنٹ میں نئے ہوائی جہاز ''لا۔ ۵،، آ جائینگے۔ اندرئی دیگتیارینکو ان ہوائی جہازوں کو آزما چکا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اس ہوائی جہاز کے مقابلے میں سب جرمن ہوائی جہاز کباڑ سے بھرے ہوئے سوٹ کیسوں کی طرح ہیں۔

گرمیاں ذرا جلدی ہی شروع ہو گئیں ۔ گرمیوں کا موسم بھی چنار کی اسی شاخ میں سے جھانکتا رہتا جس کے پتے سخت اور چمکدار ہو گئے تھے ۔ وہ بیقراری سے سرسراتے رہتے جیسے ایک دوسرے سے سر گوشیاں کر رہے ہوں ۔ شام ہوتے ہوتے سڑک کی گرد سے ان کی چمک ماند پڑ جاتی ۔ چنار کے سرخ پھولوں کا رنگ زمانہ ہوا بدل چکا تھا ۔ اب وہ روشن روشن ہری گونڈنیوں کی طرح نظر آتے تھے ۔ یہ گونڈنیاں اب پھولنے لگی تھیں اور ان کے نرم نرم، پھولے پھولے گالے ہوا میں اڑنے لگے تھے ۔ دو پہر کے وقت، جب گرمی سب سے زیادہ تیز ہوتی چنار کے یہ گرم گرم گالے سارے ماسکو میں اڑتے نظر آتے ۔ یہ گالے ہسپتال کی کھلی کھڑکیوں سے اندر آ جاتے اور دروازوں اور کونوں میں گلابی انبار سا لگ جاتا جہاں گرم ہوا کی لہریں انہیں بہا لاتی تھیں ۔

گرمیوں کی صبح تھی، خنک، روشن اور سنہری ۔ کلاودیا سیخائلوونا وارڈ میں آئی تو بہت ہی گمبھیر دکھائی دے رہی تھی ۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک بڑی عمر کا آدمی آیا ۔ وہ لوہے کی کمانیوں والی عینک پہنے ہوئے تھا جو ایک ڈور کے ذریعہ اس کے کانوں میں بندھی ہوئی تھی ۔ وہ کلف لگا ہوا نیا سفید لبادہ اوڑھے ہوئے تھا ۔ لیکن اس سے یہ بات نہ چھپ سکی کہ وہ ایک پرانا دستکار تھا ۔ وہ اپنے ساتھ سفید کپڑے میں لپٹی ہوئی کوئی چیز لایا تھا ۔ اس نے میریسئف کے پلنگ کے پاس فرش پر بنڈل رکھ دیا اور آہستہ آہستہ بڑی مربیانہ سنجیدگی سے اسے کھولنے لگا، جیسے وہ کوئی مداری ہو ۔ چمڑے کی چرمراہٹ سنائی دینے لگی اور وارڈ میں چمڑے کی تیز کسیلی خوشبو بس گئی ۔

جب کپڑا ہٹا تو اندر سے نئے، زرد، مچ مچ کرتے ہوئے نقلی پیروں کا ایک جوڑا نکلا ۔ یہ پیر، جو بڑی خوبصورتی اور خوبی سے تیار کئے گئے تھے، لوگوں کی نظر کے سامنے تھے ۔ نقلی پیروں میں نئے اور بھورے فوجی بوٹ تھے ۔ اور وہ نقلی پیروں میں اتنی اچھی طرح فٹ تھے کہ دیکھنے والے کو ان پر اصلی پیروں کا دھوکا ہوتا ۔

"اب بس ربر کے جوتوں کے ایک جوڑے کی کسر ہے ۔ پھر تو تم ان کو پہن کر مزے میں اپنے بیاہ میں جا سکو گے"، دستکار

نے کہا اور عینک کے اوپر سے جھانکتے ہوئے اپنے کارنامے کو تعریف‌بھری نظروں سے دیکھنے لگا۔ ''واسیلی واسیلیوچ نے خود آرڈر دیا تھا۔ وہ کہنے لگے ''سنو زوئیف ایک جوڑا نقلی پیروں کا ایسا بناؤ کہ اصلی پیر مات ہو جائیں،، لو یہ رہے وہ پیر! زوئیف کے بنائے ہوئے ہیں۔ بادشاہ بھی پہنے تو اترائے!،،

نقلی پیروں کو دیکھ کر میریسئف کا دل دھک سے رہ گیا۔ اس کا دل ڈوبنے لگا۔ لیکن جلد ہی یہ احساس جاتا رہا۔ اس کی جگہ ان پیروں کو آزمانے اور بے سہارا چلنے کے شوق نے لے لی۔ اس نے اپنی کٹی ہوئی ٹانگیں کمبل کے اندر سے نکالیں اور دستکار سے کہنے لگا کہ جلدی جلدی پہناؤ۔ لیکن بڈھے کو جلدی کا خیال کچھ جچا نہیں۔ اس کا دعوے تھا کہ عرصہ دراز پہلے اس نے ایک بڑے راجکمار کے لئے نقلی پیر بنائے تھے جس نے گھوڑ دوڑ میں اپنی ٹانگ توڑ لی تھی۔ اس کو اپنی تخلیق پر بڑا ناز تھا اور اپنے گاھک کی خواھش پورا کرنے کی اس راحت کو زیادہ سے زیادہ لمبا کھینچنا چاھتا تھا۔

اس نے آستین سے نقلی پیروں کو صاف کیا، ناخن سے ایک پیر پر سے چھوٹا سا دھبہ مٹایا، پھونک مار کر اسے صاف کیا اور اپنے برف جیسے سفید لبادے سے پالش لگا کر چمکایا، پھر ان پیروں کو فرش پر رکھا۔ آھستہ آھستہ کپڑا تہہ کیا اور اپنی جیب میں رکھا۔

''آؤ، دادا جان، اب ھم ذرا آزمائیں تو سہی انہیں!،، میریسئف نے اپنے پلنگ کے کنارے بیٹھتے ہوئے بے صبری سے کہا۔

اب وہ اپنی کٹی ہوئی ٹانگوں کو ایک اجنبی کی نظروں سے دیکھ رہا تھا اور ایک طرح کی راحت محسوس کر رہا تھا۔ ٹانگیں مضبوط اور ٹھوس نظر آ رہی تھیں۔ ان کے اندر چربی نہ تھی جو عام طور پر بے عملی کی وجہ سے پیدا ہو جاتی ہے۔ بلکہ ان کے پٹھے مضبوط اور ٹھوس تھے اور سنولائی ہوئی کھال کے اندر تڑپتے ہوئے معلوم ہوتے تھے، جیسے یہ پٹھے کٹی ہوئی ٹانگوں کے نہ ہوں بلکہ ایک ایسے آدمی کے پٹھے ہوں جو تیز تیز چلنے کا عادی ہو۔

''کیا مطلب ہے تمہارا 'آؤ'؟ کہنا آسان ہے کرنا مشکل!،، بڈھا بڑبڑایا ''واسیلی واسیلیوچ نے مجھ سے کہا 'زوئیف اپنی زندگی کا سب سے اچھا جوڑا تیار کرو۔ یہ لفٹیننٹ بغیر پیروں کے ھوائی جہاز اڑانا چاھتا ہے'۔ اچھا خیر، لو میں تیار کر لایا! یہ رہے! ایسے

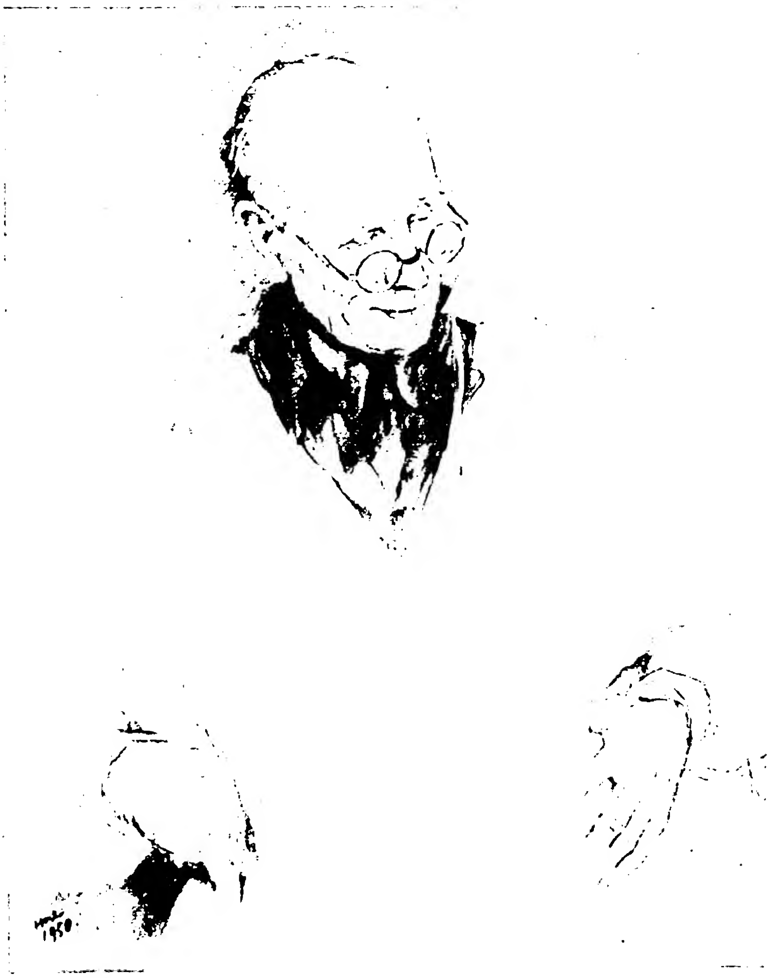

پیروں سے نہ صرف یہ کہ تم چل پھر سکوگے بلکہ سائکل بھی چلا سکوگے، لڑکیوں کی کمر میں ہاتھہ ڈال کر پولکا بھی ناچ سکوگے... خوب چیز تیار ہوئی ہے، میں کہتا ہوں!،،

اس نے الکسئی کی کٹی ہوئی داھنی ٹانگ کو نقلی پیر کے نرم اونی خول میں ڈال دیا، مضبوطی سے کس کر اس کو فیتے سے باندھا اور پھر پیچھے ہٹ کر معائنہ کیا اور زبان سے تعریفاً چٹخارے کی آواز نکالی۔

''خوب بوٹ ہے! فٹ آتا ہے نا؟ کہیں چبھتا تو نہیں، ایں؟ میرا خیال ہے نہیں چبھتا۔ پورے ماسکو میں چراغ لے کر ڈھونڈو زوئیف جیسا کاریگر نہ ملیگا۔،،

بائیں ہاتھہ سے اس نے دوسرا پیر فٹ کیا۔ لیکن ابھی اس نے فیتہ باندھنا ختم بھی نہ کیا تھا کہ میریسئف ایک جھٹکے کے ساتھہ اٹھا اور فرش پر کھڑا ہو گیا۔ اس کے بعد دھم سے گرنے کی آواز پیدا ہوئی۔ میریسئف کے منہ سے ایک چیخ نکلی اور وہ زمین پر پلنگ کے پاس چاروں خانے چت گر گیا۔ بڈھے دستکار کو اتنا تعجب ہوا کہ اس کی عینک اچھل کر پیشانی پر پہنچ گئی۔ اس کو امید نہ تھی کہ اس کا گاھک اتنا کھلاڑی نکلیگا۔ میریسئف فرش پر بے بس اور بے سدھہ پڑا تھا اور اس کی بوٹوں میں کسی ہوئی نقلی ٹانگیں پھیلی ہوئی تھیں۔ اس کی آنکھوں سے گھبراھٹ، درد اور خوف جھانک رہا تھا۔ کیا وہ واقعی اپنے آپ کو دھوکا دیتا رہا تھا؟

کلاودیا میخائلوونا حیرت کے ساتھہ دونوں ہاتھہ پھینکتے ہوئے اس کی طرف لپکی۔ بڈھے دستکار کی مدد سے اس نے میریسئف کو اٹھایا اور بستر پر بٹھا دیا۔ وہ بے جان اور غم زدہ بیٹھا رہا۔ وہ ناامیدی کی ایک حسرتناک تصویر تھا۔

''اے، نوجوان! تمہیں ایسا نہیں کرنا چاھئے!،، بڈھے نے کہا ''یوں اچھل پڑے جیسے اصلی پیر ہوں! لیکن جی بھی نہیں ھارنا چاھئے! تمہیں بالکل شروع سے چلنا سیکھنا ہوگا۔ سردست بھول جاؤ کہ تم سپاھی ہو۔ سمجھہ لو کہ تم ننھے منے سے بچے ہو اور تمہیں ایک ایک قدم کرکے چلنا سیکھنا ہے، شروع میں بیسا کھیوں کے سہارے، پھر دیواروں کے سہارے اور اس کے بعد چھڑی کے سہارے۔ یہ سب تم ایک ھی جست میں نہیں کر سکتے۔

تمہیں یہ رفتہ رفتہ کرنا ہوگا۔ لیکن تم ہو کہ یوں اچھل کر کھڑے ہو گئے! یہ اچھے پیر ہیں لیکن یہ تمہارے اپنے پیر تو نہیں ہیں نا۔ اب کوئی بھی تمہیں ویسے پیر بنا کر نہیں دے سکتا جیسے تمہارے ابا اور اماں نے تمہیں بنا کر دئے تھے!،،

اس بدنصیب جست کے بعد الکسئی کی ٹانگیں دکھنے لگیں۔ لیکن اس کے باوجود وہ فوراً ان نقلی پیروں کو جانچنے پر تلا ہوا تھا۔ وہ لوگ اس کے لئے الیمونیم کی ہلکی بیساکھیوں کا ایک جوڑا لے آئے۔ اس نے بیساکھیوں کو فرش پر رکھا، ان کے گدےدار تکیوں کو بغل میں دبایا اور ابکے آہستہ آہستہ اور بڑی احتیاط کے ساتھ اپنے بستر سے کھسکا اور اپنے پیروں پر کھڑا ہوا۔ اور واقعی وہ ایک دودھ پیتے بچے کی طرح قدم اٹھا رہا تھا جو چلنا سیکھ رہا ہو۔ اس بچے کی طرح جو دل میں یہ تو محسوس کر رہا ہو کہ وہ چل سکتا ہے لیکن دیوار کے حیات بخش سہارے کو چھوڑنے کے لئے تیار نہ ہو۔ جس طرح ماں یا نانی ننھے بچے کو، شانوں پر بندھے ہوئے رومال کے سہارے، پہلی بار چلنے کے لئے نکالتی ہے، اسی طرح ایک طرف سے کلاودیا میخائلوونا نے بڑی احتیاط سے اس کو سہارا دیا اور دوسری طرف سے بڈھے دستکار نے۔ وہ ایک منٹ کو کھڑا رہا اور جب پیر فیتوں سے کسے گئے تو جوڑ میں اسے بڑی تکلیف ہوئی۔ پھر اس نے جھجکتے ہوئے پہلے ایک بیساکھی آگے بڑھائی اور پھر دوسری۔ اس کے بعد اس نے پورے جسم کا بوجھ بیساکھیوں پر ڈال دیا۔ پھر اس نے ایک ٹانگ آگے بڑھائی، پھر دوسری۔ چرمراتے ہوئے چمڑے کی آواز سنائی دی۔ اس کے ساتھ ہی فرش پر کھٹ کھٹ کی آواز دو بار ابھری۔

"شاباش! مبارک!،، دستکار نے زیرلب آہستہ سے کہا۔

میریسئف نے اسی احتیاط سے چند اور قدم اٹھائے لیکن ان نقلی پیروں کے ان پہلے قدموں کے اٹھانے میں اسے اتنی جان فشانی سے کام لینا پڑا کہ جب وہ دروازے تک جاکر پلٹا تو اسے محسوس ہوا جیسے وہ پورا پیانو اٹھاکر چار منزلہ زینے پر چڑھ رہا ہو۔ اس نے خود کو منہ کے بل بستر پر گرا دیا۔ اس کا پورا بدن پسینے میں شرابور تھا۔ وہ اتنا کمزور ہو گیا تھا کہ کروٹ لے کر چت لیٹنا بھی اس کے لئے دو بھر تھا۔

''کہو، پسند آئے نا؟ تمہیں خدا کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اس دنیا میں زوئیف جیسا آدمی موجود ہے،، بڈھا دستکار فیتے کھولتا جاتا تھا اور ڈینگ مارتا جاتا تھا۔ جب اس کی ٹانگیں نکلیں تو نئے دباؤ کی وجہ سے سوجی ہوئی تھیں۔ ''ان پیروں کو پہن کر تو تم نہ صرف معمولی پرواز کر سکتے ہو بلکہ تم اڑ کر سیدھے اللہ میاں کے گھر پہنچ سکتے ہو۔ خوب چیز ہے، میری مانو!،،

''شکریہ، شکریہ دادا میاں! خوب چیز ہے، میں جانتا ہوں،، الکسئی بڑبڑایا۔

دستکار کچھ دیر ہچکچاتا ہوا کھڑا رہا جیسے کچھ پوچھنا چاہ رہا ہو اور پوچھنے کی ہمت نہ ہو رہی ہو۔ یا جیسے وہ خود کسی سوال کے انتظار میں کھڑا ہو۔ آخر، مایوسی بھری ٹھنڈی سانس لے کر وہ آہستہ آہستہ دروازے کی طرف بڑھا:

''اچھا، خدا حافظ، امید ہے کہ تمہیں پسند آئینگے!،، لیکن اس کا دروازے تک پہنچنے سے پہلے استروچکوف نے پکار کر کہا:

''اے بڑے میاں۔ لو یہ لو۔ یہ بادشاہ کے شایان شان پیر بنانے کی خوشی میں جام چڑھانے کے لئے ہیں!،، یہ کہہ کر اس نے دستکار کے ہاتھہ میں چند نوٹ تھما دئے۔

''شکریہ! بہت بہت شکریہ! واقعی یہ موقع ہی ایسا ہے کہ ضرور پینا چاہئے!،، بڈھا نہال ہو گیا اور اپنے لبادے کا دامن اٹھاتے ہوئے، جیسے وہ دستکار کا اپرن ہو، اس نے بڑی شان سے روپیہ کمر کی جیب میں ڈال لیا۔ ''شکریہ۔ میں واقعی پیونگا۔ جہاں تک ان پیروں کا تعلق ہے، میں کہتا ہوں، میں نے بہترین ہنر اس میں لگا دیا۔ واسیلی واسیلی‌وچ نے مجھہ سے کہا 'زوئیف یہ ایک خاص قسم کا کیس ہے۔ تم بہتر سے بہتر چیز تیار کرو۔، لیکن کیا زوئیف نے کبھی بہتر سے بہتر کے علاوہ بھی کوئی کام کیا ہے؟ واسیلی واسیلی‌وچ سے ملاقات ہو تو کہنا تمہیں یہ چیز پسند آئی ہے۔،،

یہ کہہ کر دستکار جھکا اور بدبداتے ہوئے وارڈ سے چلا گیا۔ میریسئف پڑا پڑا اپنے نئے پیروں کو دیکھہ رہا تھا جو اس کے پلنگ کے پاس فرش پر رکھے ہوئے تھے۔ وہ جتنا اسے دیکھتا اتنا ہی اس کی خوبصورت وضع، صفائی اور ہلکے پن کا قائل ہوتا جاتا۔ ''سائکل چلاؤ، پولکا ناچو، ہوائی جہاز اڑاؤ، اڑ کر اللہ میاں کے گھر چلے

جاؤ ! ھاں میں یہ سب کرونگا! ھاں میں یہ سب کرونگا!،، اس نے سوچا۔

اس دن اس نے اولیا کو ایک اچھا سا مسرت بھرا خط لکھا۔ اس نے اس کو بتایا کہ نیا ھوائی جہاز لینے کا جو کام اس کے سپرد ھوا تھا، اب ختم ھونے والا ھے اور امید ھے کہ موسم خزاں میں یا زیادہ سے زیادہ جاڑے تک، اس کے حکام اس کو بوجھل اور بے رنگ کام سے چھٹکارا دے دینگے۔ اس کام سے وہ بالکل تنگ آ چکا تھا۔ پھر اس کو محاذ پر اپنے رجمنٹ میں بھیج دیا جائیگا۔ وھاں اس کے دوست اسے بھولے نہیں تھے بلکہ واقعہ تو یہ تھا کہ وہ سب اس کی راہ دیکھ رہے تھے۔ جب سے اس کے ساتھ حادثہ ھوا تھا، اس نے یہ پہلا اچھا سا امید بھرا خط لکھا تھا۔ اپنی محبوبہ کے نام یہ اس کا پہلا خط تھا جس میں اس نے پہلی بار لکھا تھا کہ ھمیشہ تمہارے بارے میں سوچتا رھتا ھوں اور تمہارے لئے تڑپتا رھتا ھوں۔ اس نے ڈرتے ڈرتے لکھا تھا کہ میرا دیرینہ خواب یہ ھے کہ جنگ کے ختم ھونے کے بعد، اگر تمہارا ارادہ بدل نہ گیا ھو، تو تمہارے ساتھ مل کر اپنا گھر بساؤں۔ اس نے یہ خط باربار پڑھا اور آخرکار ایک ٹھنڈی سانس لے کر آخر کی سطریں کاٹ دیں۔

اس نے جو خط ''موسمی سرجنٹ،، کو لکھا، وہ جوش اور امنگ سے بھرا ھوا تھا۔ اس نے اس شاندار دن کی ایک ایک تفصیل لکھی۔ اس نے ان نقلی پیروں کا ایک خاکہ بنایا جو کسی شہنشاہ کو بھی کبھی نصیب نہیں ھوئے تھے۔ اس نے بتایا کہ اس نے پہلے قدم کس طرح اٹھائے۔ ساتھ ھی اس نے زوردار باتونی بڈھے دستکار کے بارے میں بھی لکھا جس نے پیش گوئی کی تھی کہ الکسئی سائکل چلا سکتا ھے، پولکا ناچ سکتا ھے اور اڑ کر آسمان میں جا سکتا ھے۔ ''اس لئے تم رجمنٹ میں میری واپسی کی امید کر سکتی ھو۔ کمانڈنٹ سے کہو کہ نئے اڈے میں وہ میرے لئے ایک نئی جگہ کا انتظام کر چھوڑے،، اس نے ترچھی نظر سے فرش پر دیکھتے ھوئے لکھا۔ نقلی پیر پلنگ کے نیچے سے جھانک رہے تھے، جیسے کوئی وھاں چھپا بیٹھا ھو۔ الکسئی نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں کہ کہیں کوئی اسے دیکھ تو نہیں رھا ھے۔ پھر وہ جھکا اور ٹھنڈے، چمکدار چمڑے کو بڑی محبت سے سہلانے لگا۔

ایک اور جگه تھی جہاں ''بادشاہ کے شایانشان نقلی پیر،، زوردار بحث کا موضوع بنے ہوئے تھے - یه تھی ماسکو یونیورسیٹی کے میڈیکل کورس کی تیسری جماعت - اس جماعت کی تمام لڑکیاں، (اور اس کورس میں زیادہ تر لڑکیاں تھیں اس زمانے میں) وارڈ نمبر بیالیس کے بارے میں رتی رتی باتیں جانتی تھیں - انیوتا کو اپنے نامه نگار پر بڑا ناز تھا - افسوس که لفٹیننٹ گووزدیف کے خط، جو عام اطلاع کے لئے نہیں لکھے جاتے تھے باآواز بلند پڑھے جاتے، کبھی پورا خط پڑھا جاتا کبھی خط کے خاص خاص حصے - البته سب سے بے تکلف ٹکڑے چھپا لئے جاتے - جیسے جیسے خط و کتابت کا سلسله آگے بڑھتا گیا اس قسم کے ٹکڑوں کی تعداد خطوں میں بڑھتی گئی -

میڈیکل کورس کی پوری تیسری جماعت کو بہادر گریشا گووزدیف سے محبت تھی - پوری جماعت کڑوے کسیلے کوکوشکن کو ناپسند کرتی تھی - اور میریسئف کے ناقابل تسخیر جذبے کی داد دیتی تھی - پوری جماعت کمیسار کی موت کا سوگ کسی عزیز کے سوگ کی طرح منا رہی تھی، گووزدیف نے اس کی تعریف میں ایسے قصیدے لکھے تھے که سب لڑکیاں اس کا احترام اور اس سے محبت کرنے لگی تھیں - جب انہوں نے سنا که یه زندگی سے بھرپور آدمی چل بسا تو بہتوں کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے -

ہسپتال اور یونیورسیٹی کے درمیان خط و کتابت کا سلسله بڑھتا ہی چلا گیا - ان نوجوانوں کو معمولی ڈاک سے تسلی نه ہوتی جو ان دنوں بہت سست رو ہو گئی تھی - ایک خط میں گووزدیف نے کمیسار کا یه قول نقل کیا تھا که ان دنوں خط اپنی منزل پر اسی رفتار سے پہنچتے ہیں جس رفتار سے دور دور بکھرے ہوئے ستاروں کی روشنی زمین تک آتی ہے - ایک انسان کی زندگی کا چراغ گل ہو سکتا ہے لیکن اس کے خط آہسته آہسته سفر کرتے رہینگے اور آخر جب منزل پر پہنچینگے تو اپنے پڑھنے والوں کو ایک ایسے آدمی کا حال بتائینگے جو بہت پہلے اس دنیا سے کوچ کر چکا ہوگا - سن میں سمائی کر گزرنے والی باعمل انیوتا نے خط و کتابت کا اور بھی اچھا اور چوکھا طریقه تلاش کیا - ایک بوڑھی نرس کی شکل میں

گیاان کو ایک قاصد مل - یہ نرس یونیورسیٹی کی کلینک میں بھی کام کرتی تھی اور واسیلی واسیلیوچ کے ھسپتال میں بھی -

اس دن سے یہ ھوا کہ یونیورسیٹی کو وارڈ نمبر بیالیس میں رونما ھونے والے واقعات کا علم ھر دوسرے تیسرے دن ھو جاتا - یونیورسیٹی بھی فوراً جواب دیتی - ''بادشاہ کے شایان شان نقلی پیروں،، کے سلسلے میں ایک بحث چھڑ گئی تھی کہ آیا میریسیف ھوائی جہاز اڑا سکیگا یا نہیں - اس پر جوش اور جوانی سے سرشار بحث میں دونوں فریق کو میریسیف سے ھمدردی تھی - بہت سے کم حوصلہ لوگ ھوابازی کی پیچیدگیوں کے پیش نظر کہتے کہ میریسیف کبھی بھی ھوائی جہاز نہیں اڑا سکیگا - لیکن رجائی قسم کے لوگ کہتے کہ ایک ایسے آدمی کے لئے جو دشمن سے بچنے کے لئے اٹھارہ دن جنگلوں میں رینگتا رھا ھو — نہ جانے کتنے کلومیٹر — ھاں ایسے آدمی کے لئے کچھہ بھی ناممکن نہیں - رجائی قسم کے لوگ اپنی دلیل کو تقویت پہنچانے کے لئے تاریخ اور افسانوں سے واقعات کا حوالہ دیتے -

انیوتا نے اس بحث میں حصہ نہیں لیا - ایک ایسے ھواباز کے نقلی پیر جس سے وہ انجان تھی اس کے لئے بہت زیادہ دلچسپی کا باعث نہ تھے - اسے کبھی کبھار جو چند لمحے فرصت کے ملتے ان میں وہ گووزدیف کے متعلق، اپنے جذبات کے بارے میں سوچا کرتی - اسے محسوس ھوتا کہ یہ جذبات زیادہ سے زیادہ پیچیدہ ھوتے جا رھے ھیں - شروع میں اس نے اس بہادر افسر کے بارے میں، اس کی غم و الم سے بھری ھوئی زندگی کے بارے میں سنا تو اس کا دکھہ بٹانے کے لئے ایک بے لوث خط لکھا - لیکن جیسے جیسے ان کی دوستی خط و کتابت کے دوران میں بڑھتی گئی، حب الوطنی کی جنگ کے ایک ھیرو کے خیالی پیکر کی جگہ ایکہ حقیقی، زندہ نوجوان ھستی نے لے لی اور پھر یہ نوجوان زیادہ سے زیادہ اسے اپنی طرف کھینچنے لگا - اس نے محسوس کیا کہ جب اس کے ھاں سے کوئی خط وط نہیں آتا تو اس کا دل بہت کڑھتا اور اداس ھو جاتا ھے - یہ ایک نئی بات تھی اور اس چیز نے اسے ڈرا دیا - کیا یہ محبت ھے؟ کیا ایک ایسے آدمی سے محبت ممکن تھی جس کو اس نے کبھی دیکھا نہ تھا، جس کی اس نے آواز بھی نہیں سنی تھی، جس کو وہ صرف خط سے جانتی تھی؟ ٹینک مین کے خط میں ذرا زیادہ ایسے ٹکڑے نظر آنے لگے جن کو زور سے پڑھہ کر وہ

اپنی سہیلیوں کو نہ سنا سکتی تھی۔ جب ایک خط میں گووزدیف نے یہ لکھا کہ میں ''خط و کتابت کرتے کرتے عشق میں مبتلا ہو گیا ہوں،، تو انیوتا کو محسوس ہوا کہ وہ خود بھی عشق میں گرفتار ہے۔ اس نے محسوس کیا کہ اس کی محبت اسکول کی لڑکی کی محبت نہیں ہے۔ یہ سچی چاہ ہے۔ اس نے محسوس کیا کہ اگر یہ خط آنا بند ہو جائیں تو زندگی میں کوئی معنی نہ رہ جائیں۔ وہ بڑی بے صبری سے ان خطوں کی راہ دیکھتی رہتی۔

اس طرح انہوں نے بغیر ملے جلے ایک دوسرے سے اپنی محبت کا اقرار کر لیا۔ لیکن اس کے بعد گووزدیف کے ساتھہ ضرور کوئی واقعہ پیش آیا ہوگا۔ اس کے خطوں سے گھبراہٹ، بے چینی اور ابہام جھلکنے لگا۔ بعد میں اس نے ہمت سے کام لیا اور انیوتا کو لکھا کہ یہ ان کی غلطی تھی کہ انہوں نے ایک دوسرے سے محبت کا اقرار ملے بغیر کر لیا۔ شاید انیوتا کو اس کا اندازہ نہیں کہ اس کا چہرہ کتنی بری طرح مسخ ہو گیا ہے۔ اس نے لکھا کہ میں نے جو اپنی پرانی تصویر بھیجی تھی، اس سے میں بہت مختلف ہوں۔ وہ اس کو دھوکا نہیں دینا چاہتا تھا۔ اس نے التجا کی کہ وہ اس کو اب اپنے جذبات کے بارے میں نہ لکھے جب تک وہ خود اپنی آنکھوں سے یہ نہ دیکھہ لے کہ وہ کیسے آدمی سے محبت کرتی ہے۔

یہ خط پڑھہ کر پہلے تو انیوتا کو غصہ آیا۔ پھر اسے ڈر لگنے لگا۔ اس نے اپنی جیب سے تصویر نکالی۔ ایک پتلا چہرہ جس سے جوانی پھوٹ رہی تھی، روپ ریکھا سے ایک آہنی عزم ٹپک رہا تھا۔ پتلی سی ستواں ناک، چھوٹی چھوٹی مونچھیں اور خوبصورت ہونٹ اس کے سامنے تھے۔ ''اور اب؟ اور اب میری جان، اب تم کیسے لگتے ہو؟،، اس نے تصویر کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ڈاکٹری کی طالبعلم ہونے کی وجہ سے وہ جانتی تھی کہ جلنے کا زخم بہت مشکل سے بھرتا ہے اور گہرے، اسٹ نشان چھوڑ جاتا ہے۔ نہ جانے کیوں اس کو یاد آیا کہ علم عضویات کے عجائب گھر میں اس نے ایک جلدی مرض والے چہرے کا موڈل دیکھا تھا۔ یہ ایک داغ داغ چہرہ تھا، جس پر نیلے نیلے نشان لیک کی طرح کھنچے ہوئے تھے،بھونڈے گھسے ہوئے ناھموار ہونٹ، چپکی ہوئی بھویں اور سرخ پپوٹے پلکوں سے محروم۔ کون جانے اس کا چہرہ اگر ایسا ہو تو؟

اس خیال کے آتے ہی اس کا رنگ زرد پڑ گیا۔ لیکن اس نے دل ہی دل میں خود کو خوب برا بھلا کہا۔ اچھا مان لو کہ وہ ایسا ہی ہے؟ وہ ایک جلتے ہوئے ٹینک میں دشمن سے لڑا، اس نے اس کی آزادی، اس کی تعلیم کے حق، اس کی عزت، اس کی زندگی کی حفاظت کی۔ وہ ہیرو ہے۔ اس نے نہ جانے کتنی بار اپنی زندگی کو خطرے میں ڈالا ہے اور اب پھر وہ محاذ پر لوٹنے، لڑنے اور دو بارہ اپنی زندگی کو خطرے میں ڈالنے کے لئے تڑپ رہا ہے۔ لیکن اس نے خود اس جنگ میں کیا کارنامہ انجام دیا ہے؟ اس نے خندقیں کھودی تھیں، ہوائی حملوں سے بچاؤ کے سلسلے میں کچھہ فرایض انجام دئے تھے اور اب ایک فوجی ہسپتال میں کام کر رہی تھی۔ لیکن ان کارناموں کے مقابلے میں اس کے کام کی کیا حیثیت ہے؟ "یہ شکوک بجائے خود ایسے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے جیسے میں اس کے قابل نہیں ہوں" اس نے اپنے آپ پر ہلہ بول دیا اور اپنی آنکھوں میں ابھرنے والے خوفناک چہرے کو دور کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

انیوتا نے اس کو خط لکھا۔ اتنا لمبا اور اتنا محبت بھرا خط اس نے پوری خط و کتابت کے دوران میں نہ لکھا تھا۔ ظاہر ہے گووزدیف کو ان اندیشوں کے بارے میں کبھی بھی کچھہ معلوم نہ ہو سکا۔ جب اس کو اپنے وسوسوں اور اندیشوں سے بھرے ہوئے خاط کا اتنا شاندار جواب ملا تو اس نے خط کو باربار پڑھا۔ اس نے اس کے بارے میں استروچکوف کو بھی بتایا جس نے پوری رام کہانی بڑے شوق سے سننے کے بعد کہا:

"میاں ذرا ہمت سے کام لو۔ تم کو یہ کہاوت معلوم ہے: چہرہ سندر اور دل ٹھنڈا۔ چہرہ سادہ اور دل سونا۔ آج تو اور بھی یہ سچ ہے جبکہ مرد اتنے کم یاب ہیں۔"

ظاہر ہے یہ صفائی گووزدیف کو دلاسا نہ دے سکی۔ جیسے جیسے ہسپتال سے رخصت ہونے کا دن قریب آتا جاتا وہ آئینے میں اپنی صورت باربار اور زیادہ دیر تک دیکھا کرتا۔ کبھی وہ سرسری اور اچٹتی ہوئی نظر سے دیکھتا اور کبھی وہ اپنا چہرہ آئینے سے بالکل ملا دیتا اور اپنے نشان زدہ اور داغ داغ چہرے پر گھنٹوں مالش کرتا رہتا۔

اس کی التجا پر، کلاودیا میخائلوونا اس کے لئے غازہ اور کریم لے آئی۔ لیکن جلد ھی اس کو معلوم ھو گیا کہ غازہ اور کریم سے اس کے داغوں پر پردہ نہیں پڑ سکیگا۔ لیکن رات کو جب سب گہری نیند سو جاتے وہ چپکے سے غسل خانے میں جاتا اور وھاں دیر تک بیٹھا اپنے داغوں پر مالش کرتا رھتا، پاؤڈر ملتا اور پھر دیر تک مالش کرتا اور پھر امید بھری نظروں سے آئینے میں دیکھتا۔ دور سے وہ ایک گبرو جوان معلوم ھوتا۔ ھٹا کٹا جسم، چوڑے شانے اور پتلی کمر، سیدھی اور مضبوط ٹانگیں۔ لیکن قریب سے ٹھوڑی اور گالوں پر سرخ داغوں اور کھنچی ھوئی جلی جلی کھردری کھال دیکھ کر وہ دیوانہ ھو جاتا۔ ”وہ دیکھ کر کیا کہیگی؟،، وہ اپنے آپ سے پوچھتا۔ وہ تو ڈر جائیگی۔ وہ اسے دیکھیگی اور منہ پھیر کر، کندھے جھٹکتے ھوئے چل دیگی۔ اور اس سے بھی بری بات یہ ھوگی کہ وہ اخلاقاً اس سے ایک آدھہ گھنٹہ بات چیت کریگی اور پھر کاروباری انداز میں کچھہ کہیگی اور پھر — خدا حافظ! وہ گھبراتا اور غصے سے زرد ھو جاتا جیسے یہ واقعہ پیش آ بھی چکا ھو۔

پھر وہ اپنی جیب سے ایک تصویر نکالتا اور ایک گول چہرےوالی لڑکی کے خد و خال کا کڑی نظروں سے جائزہ لیتا: نرم نرم، ھلکے، پھولے پھولے سے بال، جو اونچے ماتھے سے پیچھے کی طرف لٹکے ھوئے تھے۔ اوپر کی طرف اٹھی ھوئی موٹی سی پکی روسی ناک اور نازک نازک بچوں جیسے لب۔ اوپر کے ھونٹ پر ایک تل تھا جو بہت ھلکا نظر آتا تھا۔ اس بھولی من موھنی صورت سے دو سرمئی یا شاید نیلی آنکھیں، ذرا ابھری ابھری سی، بڑی بے باکی اور خلوص سے اس کو گھور رھی تھیں۔

”بتاؤ مجھے تم کیسی ھو؟ کیا تم ڈر جاؤگی؟ کیا تم بھاگ جاؤگی؟ کیا تمہارا دل اتنا بڑا ھے کہ تم اس بھیانک دیو کی سکل کو نظر انداز کر دو؟،، وہ تصویر کو غور سے دیکھتے ھوئے پوچھتا۔

اس اثنا میں، سینئر لفٹینٹ میریسئف اپنی بیساکھیوں کی کھٹ کھٹ اور نقلی پیروں کی چرمراھٹ کے ساتھہ اس کے پاس سے گزرا۔ وہ گلیارے میں انتھک پھدکتا رھا۔ ایک بار، دو بار، دس بار،

بیس بار- وہ ہر صبح شام یہ مشق کیا کرتا تھا- یہ پروگرام اس نے اپنے لئے طے کر لیا تھا اور ہر روز وہ اس مشق کو لمبا کھینچتا جاتا تھا-

''خوب آدمی ہے یہ!،، گووزدیف نے اپنے آپ سے کہا ''دھن کا پکا! ہمت کا لفظ کافی نہیں اس کے لئے! ایک ہفتے میں بیسا کھیوں پر چلنا سیکھہ لیا- بعض بعض لوگ پورے مہینے لگا دیتے ہیں- کل اس نے اسٹریچر پر جانے سے انکار کر دیا اور علاج کے لئے خود ہی نیچے اترا اور واپس بھی خود ہی آگیا- اس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا- لیکن وہ اپنی دھن میں آگے بڑھتا رہا اور نرس نے اسے سہارا دینا چاہا تو اس پر برس پڑا- کوئی دیکھتا اسے لینڈنگ پر بغیر کسی مدد کے پہنچنے کے بعد کس شان سے مسکرایا ہے! جیسے اس نے کوہ البروس کی چوٹی سر کر لی ہو-،،

گووزدیف آئینے کی طرف سے مڑا اور میریسئف کو بیسا کھیوں کے سہارے تیز تیز ڈگ بھرتے ہوئے دیکھنے لگا- ''ذرا دیکھو تو بھلا! بالکل دوڑ رہا ہے! اور کتنی دلکش، کتنی بانکی صورت ہے اس کی ! بھوؤں پر ایک چھوٹا سا نشان ہے- لیکن اس سے اس کی صورت میں کوئی عیب نہیں پیدا ہوتا، بلکہ اس سے اس کی دلکشی دوبالا ہو جاتی ہے- کاش میری صورت شکل ایسی ہوتی! ہاں پیروں میں کیا رکھا ہے؟ پیر کون دیکھتا ہے- اور یقینی وہ چلنا بھی سیکھیگا اور بعد میں ہوائی جہاز بھی اڑائیگا! لیکن چہرہ! اس قسم کا بھیانک چہرہ تو نہیں چھپایا جا سکتا- ایسا لگتا ہے کہ اس چہرے پر نشے میں دھت شیطانوں نے مٹر کے دانے دلے ہیں-،،

سہ پہر میں الکسئی میریسئف گلیارے میں اپنی شام کی ورزش کی مشق کا تیئسواں دور پورا کر رہا تھا- اس کے پورے جسم میں اس کی سوجی ہوئی رانوں کی جلن تیر رہی تھی اور اس کے کندھے اس کی بیسا کھیوں کے ٹیک کے دباؤ سے دکھہ رہے تھے- بیسا کھیوں پر ڈگ بھرتے ہوئے اس نے کنکھیوں سے ٹینک مین کو دیکھا جو آئینے کے سامنے کھڑا تھا- ''اچھا مسخرا ہے!،، اس نے دل ہی دل میں سوچا ''آخر وہ اپنے چہرے کی خاطر اتنا پریشان کیوں ہے؟ ظاہر ہے اب وہ فلم اسٹار بننے سے تو رہا لیکن ٹینک مین — ہاں ٹینک مین بننے سے اسے کون روک سکتا ہے؟ ہاں سر، بازو اور ٹانگیں

سلامت رهیں تو چہرے کو کون پوچھتا ہے۔ ہاں ٹانگیں، اصلی ٹانگیں، ایسے کٹے ہوئے ٹھنٹھہ نہیں جو دکھتے اور جلتے رہتے ہیں، جیسے نقلی پیر چمڑے کے نہ ہوں بلکہ تپتے ہوئے لال لوہے کے ہوں۔،،

کھٹ کھٹ، چرمر چرمر، کھٹ کھٹ، چرمر چرمر...

اس نے سارے جتن کئے مگر مارے ٹیس کے آنسو تھے کہ اس کی آنکھوں میں امڈے چلے آ رہے تھے۔ لیکن اس نے ہونٹ کاٹتے اور آنسوؤں کو پیتے ہوئے، اپنا انتیسواں پھیرا پورا کیا اور اس دن کی ورزش ختم ہوئی۔

۱۴

جون کے وسط میں، گریگوری گووزدیف ہسپتال سے رخصت ہو گیا۔

اپنے کوچ سے ایک دو دن پہلے الکسئی سے اس کی ایک لمبی گفتگو ہوئی۔ دونوں کی یکساں بد نصیبی اور ذاتی معاملات کی یکساں پیچیدگی نے دونوں کو ایک دوسرے سے قریب کر دیا تھا۔ ایسی حالتوں میں جیسا ہوتا ہے ویسا ہی ہوا۔ دونوں نے ایک دوسرے کے سامنے دل کھول کے رکھہ دیا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو صاف صاف اپنے اپنے اندیشوں کے بارے میں بتایا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو وہ تمام باتیں بتائیں جو اپنی آن کی وجہ سے دوسرے ساتھیوں کو نہیں بتاتے تھے اور اکیلے اپنا دکھہ جھیلتے تھے۔ دونوں نے ایک دوسرے کو اپنی اپنی محبوبہ کی تصویر دکھائی۔

الکسئی کے پاس اولیا کی جو تصویر تھی، وہ قدرے پرانی اور دھندلی تھی۔ یہ تصویر اس نے خود لی تھی۔ جون کا صاف شفاف دن تھا۔ دونوں نے والگا کے دوسرے کنارے پر پھولوں سے لدے ہوئے سرسبز میدان میں دوڑ لگائی تھی۔ یہ ایک کومل سی خوبصورت لڑکی تھی۔ لڑکی چھینٹ کا فراک پہنے ہوئے دوزانو بیٹھی تھی۔ اور اس کی گود میں پھولوں کا ڈھیر تھا۔ ڈیزی کے پھولوں کے درمیان وہ خود سفید اور پاکیزہ نظر آ رہی تھی، جیسے شبنم میں نہایا ہوا ڈیزی کا پھول۔ پھولوں کو آراستہ کرتے ہوئے اس کا سر کسی خیال میں مگن ایک طرف جھک گیا تھا۔ اس کی آنکھیں پھیلی ہوئی تھیں

اور آنکھوں سے ایک قسم کی بے خودی جھانک رہی تھی جیسے وہ اس شاندار منظر کا نظارہ پہلی بار کر رہی ہو۔

اس تصویر کو دیکھتے ہوئے ٹینک مین نے کہا کہ اس قسم کی لڑکی کسی شخص کو اس کی بد نصیبی کے لمحے میں نہیں چھوڑ سکتی۔ لیکن اگر وہ ایسا کرے تو اس کو جہنم میں جانے دو۔ اس سے صرف اتنا ثابت ہوگا کہ صورتیں فریب دیتی ہیں۔ اگر وہ تمہیں چھوڑ کر چل دے تو یہ بہتر ہی ہوگا کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ ایک نکمی اور ناکارہ لڑکی تھی اور بھلا ایسی فضول لڑکی سے زندگی بھر کو بندھه جانے میں کیا رکھا ہے، کیوں؟

الکسئی کو انیوتا کا روپ بھا گیا اور اس کو محسوس کئے بغیر اس نے گووزدیف سے وہی باتیں ذرا دوسرے انداز میں کہیں جن کا اظہار خود گووزدیف ابھی ابھی کر چکا تھا۔ اس بات چیت میں کوئی خاص اہم بات نہ تھی اور اس بات چیت سے ان کے مسائل کو حل کرنے میں ذرا مدد نہ ملی۔ لیکن اس کے بعد دونوں کے دل ہلکے ہو گئے۔ جیسے بہت دنوں سے ٹیس مارتا ہوا بڑا سا زخم پھوٹ بہا ہو۔

ان لوگوں نے کچھه یوں طے کیا کہ جب گووزدیف ہسپتال سے رخصت ہو تو وہ اور انیوتا وارڈ کی کھڑکی کے پاس سے گزرینگے۔ انیوتا نے گووزدیف کو ٹیلیفون پر بتایا تھا کہ وہ آئیگی اور اس سے ملیگی۔ اس کے بعد الکسئی گووزدیف کو لکھیگا کہ اس نے الکسئی پر کیا تاثر چھوڑا تھا۔ دوسری طرف گووزدیف نے وعدہ کیا کہ وہ الکسئی کو خط لکھیگا اور بتائیگا کہ انیوتا اس سے کس طرح ملی اور جب اس نے اس کا مسخ چہرہ دیکھا تو اس کا کیا در عمل ہوا اور ان کی آپس میں کیسی نبھه رہی ہے۔ اس پر الکسئی نے فیصلہ کیا کہ اگر گریشا کے ساتھه سب کچھه بخیر تمام گزر گیا تو وہ فوراً اولیا کو اپنے بارے میں سب کچھه بتائیگا اور اس سے درخواست کریگا کہ اس کی ماں کو کچھه نہ بتائے جو بہت بیمار تھی اور مشکل سے پلنگ سے اٹھه سکتی تھی۔

یہی وجہ تھی کہ دونوں اتنی گھبراہٹ اور پریشانی کے ساتھه ٹینک مین کی روانگی کی گھڑی کا انتظار کر رہے تھے۔ دونوں اتنے پریشان تھے کہ بالکل سو نہ پاتے اور رات کے وقت چپکے سے

گلیارے میں نکل جاتے۔ گووزدیف تو آئینے کے سامنے اپنے چہرے پر ایک بار اور مالش کرنے چلا جاتا اور میریسئف ، آواز سے بچنے کے لئے اپنی بیسا کھیوں کے نیچلے سروں پر روئی لپیٹتا اور اپنی مشق کے سلسلے میں ایک پھیرا اور لگا لیتا۔

دس بجے کلاودیا میخائلوونا آئی اور ایک شریر مسکراہٹ کے ساتھہ گووزدیف سے بولی کہ کوئی اس سے ملنے آیا ہے۔ گووزدیف پلنگ سے اچھل پڑا جیسے ہوا کے طوفانی جھونکے نے اسے اچھال دیا ہو۔ اس کا چہرہ اس غضب کا لال ہو گیا کہ اس کے چہرے کے داغ اور بھی نمایاں ہو گئے۔ وہ جلدی جلدی اپنی چیزیں سمیٹنے لگا۔

''اچھی لڑکی ہے اور بڑی گمبھیر دکھتی ہے،، اس نے گووزدیف کی جلد بازی کو دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

گووزدیف کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔

''سچ کہتی ہو؟ کیا تمہیں وہ پسند آئی؟ اچھی لڑکی ہے، ہے نا؟،، اس نے پوچھا اور اپنے جوش اور اضطراب میں خدا حافظ کہنا بھی بھول گیا اور وارڈ سے نکل بھاگا۔

''ایسے ہی لوگ جال میں پھنستے ہیں!،، میجر استروچکوف غرایا۔

پچھلے چند دنوں میں اس وحشی کو کچھہ ہو گیا تھا۔ وہ بہت مرجھایا مرجھایا رہتا تھا۔ اکثر بے وجہ اس پر غصے کا بھوت سوار ہو جاتا۔ اب چونکہ وہ بیٹھنے کے قابل ہو گیا تھا اس لئے بستر میں بیٹھا بے وجہ سارا سارا دن کھڑکی سے باہر گھورتا رہتا۔ وہ اپنے گالوں کو ہتھیلیوں پر رکھہ لیتا اور جب کوئی کچھہ پوچھتا تو جواب دینے سے انکار کر دیتا۔

پورا وارڈ — اداس میجر ، میریسئف اور دو نئے مریض، سبھی کھڑکی پر جھک گئے اور اپنے سابق ساتھی کے سڑک پر نکلنے کا انتظار کرنے لگے۔ دن گرم تھا۔ ملائم ملائم سے موج در موج بادل، جن کی سنہری گوٹ چمک رہی تھی، تیز تیز آسمان میں تیر رہے تھے اور ان کے ہیولے بدلتے جا رہے تھے۔ ٹھیک اس لمحے ایک چھوٹی سی سرمئی رنگ کی پھولی پھولی سی گھٹا دریا کے اوپر سبک خرام نظر آئی۔ یہ گھٹا بڑی بڑی بوندیں برسا رہی تھی جو دھوپ میں چمک رہی تھیں۔

گرانیٹ کے پشتے یوں چمک رہے تھے جیسے ان پر پالش کر دی گئی ہو۔ کولتار کی پختہ سڑک گہرے مرمریں دھبوں سے بھری ہوئی تھی۔ سڑک سے ایک ایسی لطیف بھیگی بھیگی بھاپ سی اٹھہ رہی تھی کہ آدمی کا دل بیساختہ چاہتا کہ کھڑکی سے سر نکال کر ان بوندوں میں نہا لے۔

''وہ آیا،، میریسئف زیرلب بولا۔

پھاٹک پر، شاہ بلوط کے بھاری دروازے کھلے اور دو آدمی باہر نکلے۔ ایک تو ذرا گول مٹول سی جوان عورت تھی۔ اس کا سر ننگا تھا۔ اس کے بال پیشانی سے پیچھے کی طرف پڑے ہوئے تھے۔ وہ سفید بلاؤز اور سیاہ لہنگا پہنے ہوئے تھی۔ دوسرا آدمی نوجوان سپاہی تھا جس کو الکسئی بھی پہلی نظر میں پہچان نہ سکا۔ یہ ٹینک مین تھا۔ ایک ہاتھہ میں وہ سوٹ کیس اٹھائے ہوئے تھا اور اس کے دوسرے بازو پر اس کا جاڑے کا بھاری فوجی کوٹ پڑا ہوا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنی طاقت کا امتحان لے رہا ہے۔ وہ آزادی سے چلنے پھرنے کے احساس سے اتنا خوش تھا کہ وہ دوڑنے کے بجائے زینے پر پھسلتا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔ اس نے اپنی ساتھی کا بازو پکڑا اور دونوں بھاری بھاری سنہری بوندوں میں نہاتے ہوئے، پشتے پر وارڈ کی کھڑکی کی طرف چلنے لگے۔

الکسئی نے ان کو دیکھا اور اس کا دل مسرت سے سرشار ہو گیا۔ خوب، سب کچھہ بخیر تمام گزر گیا! تعجب کی کیا بات جو اس کا چہرہ اتنا معصوم، پیارا اور سادہ ہے۔ ایسی لڑکی کبھی بھی اپنا منہ نہیں پھیریگی۔ نہیں! اس قسم کی لڑکیاں کسی شخص سے دکھہ کی گھڑی میں منہ نہیں موڑتیں۔

وہ کھڑکی کے پاس آئے۔ دونوں رک گئے۔ دونوں نے اوپر کی طرف دیکھا۔ یہ جوان جوڑا بارش سے دھلے ہوئے پشتے پر کھڑا تھا جہاں رم جھم رم جھم پھواریں آڑی ترچھی دھاریوں والے چمکدار پس منظر کا کام کر رہی تھیں۔ اب الکسئی نے محسوس کیا کہ ٹینک مین بوکھلایا ہوا اور پریشان نظر آ رہا تھا۔ اور انیوتا بھی، جو اپنی تصویر کی طرح حسین تھی، بوکھلائی ہوئی اور پریشان نظر آ رہی تھی۔ اس کا بازو بہت ڈھیلا ڈھیلا سا ٹینک مین کے بازو میں پڑا ہوا تھا

اور وہ سر سے پیر تک بے چین اور متذبذب سی نظر آ رہی تھی۔ جیسے اب اپنا بازو کھینچ کر بھاگنے ہی والی ہو۔

انہوں نے ہاتھ ہلائے، ان کے ہونٹوں پر ایک جھجکی جھجکی سی مسکراہٹ ابھری۔ کچھ دور پشتے پر چلے اور نکڑ پر غائب ہو گئے۔ مریض چپ چاپ اپنے اپنے بستر پر واپس چلے گئے۔

''بیچارے گووزدیف کا تیر نشانے پر نہ بیٹھ سکا!،، میجر بولا لیکن گلیارے میں کلاودیا میخائلوونا کی آہٹ سن کر وہ چونک گیا اور ایک دم کھڑکی کی طرف مڑ گیا۔

الکسئی کو باقی پورے دن خلش رہی۔ اس نے شام کی چہل قدمی کی ورزش بھی گول کر دی اور سب سے پہلے وارڈ میں واپس آ گیا۔ لیکن جب سارے مریض سو گئے تو اس کے بہت دیر بعد تک اس کے گدے کی اسپرنگ چوں چوں کرتی رہی۔

اگلی صبح، نرس کے کمرے میں قدم رکھتے ہی اس نے پوچھا، اس کے نام کوئی خط تو نہیں۔ کوئی خط نہیں تھا۔ اس نے منہ ہاتھ دھویا اور کھوئے کھوئے انداز میں ناشتہ کیا۔ لیکن اس نے معمول سے زیادہ ورزش کی۔ خود کو اپنی پچھلی شام کی کمزوری کی سزا دینے کے لئے اس نے اپنی ورزش کے پندرہ پھیرے زیادہ کئے اور اس طرح پچھلی شام کی تلافی کر دی۔ اس غیر متوقع کامیابی کی وجہ سے اپنی پریشانی بھول گیا۔ اس نے ثابت کر دیا کہ بہت زیادہ تھکن محسوس کئے بغیر اپنی بیساکھیوں کے سہارے چل پھر سکتا ہے۔ گلیارا پچاس میٹر لمبا تھا۔ اس نے پینتالیس پھیرے کئے تھے اس لئے پینتالیس سے ضرب دینے سے دو ہزار دو سو پچاس میٹر بنتے تھے۔ یعنی سوا دو کلومیٹر۔ اس کے افسروں کے ''کھانے کے کمرے،، سے ہوائی اڈے تک اتنا ہی فاصلہ تھا۔ وہ تصور ہی تصور میں اس مانوس راستے سے گزرا، جو گاؤں کے پرانے گرجا گھر کے کھنڈروں کے پاس سے، جلے ہوئے اسکول کے اینٹ کے بلاک کے پاس سے دوڑتا چلا گیا تھا۔ یہ اسکول شیشوں سے محروم کھڑکیوں کے خالی چوکھٹے سے بڑی المناکی کے ساتھ سڑک کو گھور رہا تھا۔ چھوٹے سے جنگل کے اس پار جہاں تیل کے ٹرک فر کی شاخوں سے ڈھکے کھڑے تھے، کمانڈ پوسٹ کی خندقوں کے آگے چھوٹے سے لکڑی کے جھونپڑے کے پاس سے گزرتا جہاں نقشوں اور چارٹوں پر جھکی ہوئی ''موسمی سرجنٹ،،

اپنے فرائض ادا کرتی تھی۔ خاصا فاصلہ تھا! خدا کی قسم خاصا فاصلہ تھا!

میریسئف نے روزانہ کی ورزش کو چھیالس تک بڑھانے کا فیصلہ کر لیا، تیئس پھیرے صبح کے وقت، تیئس پھیرے شام کے وقت۔ اس نے یہ بھی طے کیا کہ اگلی صبح، رات کے آرام کے بعد تازہ دم ہو کر، بغیر بیسا کھیوں کے چلنے کی کوشش کریگا۔ اس فیصلے نے اس کے اداس خیال کا دھارا موڑ دیا۔ اس کا حوصلہ بڑھ گیا اور اس کا دماغ عملی باتوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔ شام کے وقت اس نے اتنے ولولے اور جوش کے ساتھ اپنی ورزش شروع کی کہ دیکھتے دیکھتے اس نے تیس پھیرے پورے کر لئے اور اسے پتہ بھی نہ چلا۔ ٹھیک اسی لمحے "کلوک روم" کی ملازمہ نے اس کو ایک خط لا کر دیا۔ یہ خط اس کے نام تھا۔ چھوٹے سے لفافے پر لکھا تھا "سینئر لفٹیننٹ میریسئف۔ انتہائی ذاتی۔" لفظ "انتہائی" کے نیچے لکیر کھنچی ہوئی تھی۔ الکسئی کو اس کے تیور کچھ جچے نہیں۔ اندر بھی خط پر لکھا تھا "انتہائی ذاتی" اور اس کے نیچے بھی لکیر پڑی ہوئی تھی۔

کھڑکی سے ٹیک لگا کر الکسئی نے خط کھولا۔ جوں جوں وہ خط پڑھتا گیا اس کے چہرے پر زیادہ سے زیادہ اداسی چھاتی چلی گئی۔ گووزدیف نے یہ خط پچھلی رات ریلوے اسٹیشن سے لکھا۔ گووزدیف نے لکھا تھا کہ انیوتا بالکل ویسی ہی نکلی جیسی اس کے تصور میں تھی، غالباً وہ ماسکو کی حسین ترین لڑکی ہے۔ وہ اس سے بہن کی طرح ملی۔ وہ میرے دل کو بھا گئی ہے۔

"... لیکن وہ باتیں جن کے بارے میں ہم نے بات چیت کی تھی بالکل ہمارے قول کے مطابق نکلیں۔ وہ بھلی لڑکی ہے۔ اس نے مجھ سے ایک لفظ نہیں کہا اور ہلکا سا اشارہ بھی نہیں کیا۔ بہت ہی عمدہ طرز عمل رہا اس کا۔ لیکن میں اندھا نہیں ہوں۔ میں نے دیکھ لیا کہ وہ میرا جلا ہوا، مکروہ چہرہ دیکھ کر ڈر گئی۔ ویسے سب کچھ ٹھیک ٹھاک معلوم ہوتا تھا لیکن اچانک وہ میری طرف کچھ ایسی نظروں سے دیکھتی ہوئی معلوم ہوتی جیسے وہ پشیمان ہو رہی ہو یا خوف زدہ ہو، یا رنجیدہ — نہیں کہہ سکتا کہ وہ ٹھیک ٹھیک کیسا محسوس کر رہی تھی ... وہ مجھے اپنی یونیورسیٹی لے گئی۔ اچھا ہوتا کہ میں نہ جاتا — لڑکیاں میرے چاروں طرف کھڑی ہو

گئیں اور مجھے ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگیں... کیا تم یقین کرو گے، وہ ہم سب کو جانتی تھیں! انیوتا نے ان کو ہمارے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا۔ میں نے تاڑ لیا کہ انیوتا ان کی طرف معذرت خواہ نظروں سے دیکھ رہی ہے۔ جیسے کہہ رہی ہو 'میں اس بھیانک ہستی کو یہاں لے آئی۔ معاف کرنا۔، لیکن الیوشا، اصل چیز تو یہ ہے کہ اس نے اپنے احساسات کو چھپانے کی کوشش کی۔ وہ اتنی اچھی طرح، اتنے کمال مہربانی سے پیش آئی اور مستقل باتیں کرتی رہی، جیسے چپ ہونے سے ڈر رہی ہو۔ پھر میں اس کے گھر گیا۔ وہ اکیلی رہتی ہے۔ اس کے ماں باپ مہاجروں کے ساتھ چلے گئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ خاصے معزز لوگ ہیں۔ اس نے میرے لئے کچھ چائے تیار کی اور میز پر چائے پینے کے دوران میں نکل کی کیتلی میں مستقل میرا عکس دیکھتی رہی اور ٹھنڈی سانس بھرتی رہی۔ مختصر یہ کہ میں نے سوچا 'خیر یہ سلسلہ یونہی نہیں چل سکتا۔، میں نے اس سے سیدھے سیدھے پوچھا 'میں جانتا ہوں کہ میری صورت تمہیں پسند نہیں آئی۔ تم حق بجانب ہو۔ میں سمجھ سکتا ہوں۔ اس سے میری دل آزاری نہیں ہوئی۔، اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ لیکن میں نے اس سے کہا 'روؤ مت۔ تم اچھی لڑکی ہو۔ کوئی بھی تم سے محبت کر سکتا ہے۔ اپنی زندگی کیوں برباد کرو؟، پھر میں نے اس سے کہا 'اب تم نے دیکھ لیا کہ میں کیسا حسین جوان ہوں۔ اس کے بارے میں سوچ لو۔ میں اپنے یونٹ میں واپس جاؤنگا اور تمہیں اپنا پتہ بھیج دونگا۔ اگر تمہاری رائے نہ بدلے تو مجھے خط لکھنا۔، اور پھر میں نے کہا 'اپنے آپ کو کوئی ایسا کام کرنے پر مجبور نہ کرنا جس کا تمہارا دل روادار نہ ہو۔ میرا کیا ہے — آج یہاں، کل وہاں۔ ہم میدان جنگ میں ہیں۔، بے شک وہ کہتی جاتی 'اوہ، نہیں، نہیں۔، اور برابر روتی جاتی۔ ٹھیک اس وقت کمبخت سائرن بھونکنے لگا۔ وہ باہر نکل گئی اور میں بھی اس ہنگامے سے فائدہ اٹھا کر وہاں سے کھسک گیا۔ میں سیدھا افسروں کے رجمنٹ میں گیا۔ انہوں نے فوراً میرا کام کر دیا۔ اب سب ٹھیک ٹھاک ہے۔ میرے پاس ریلوے ٹکٹ موجود ہے اور جلد ہی میں یہاں سے روانہ ہو جاؤنگا۔ لیکن تمہیں یہ بتا دوں الیوشا کہ میں پہلے سے بھی زیادہ اس کی

محبت میں جل رہا ہوں اور میں نہیں جانتا اس کے بغیر میں کیسے زندہ رہونگا۔،،

اپنے دوست کا خط پڑھتے ہوئے الکسئی کو محسوس ہوا جیسے وہ خود جھانک کر اپنے مستقبل کی جھلک دیکھہ رہا ہو۔ بلاشبہ اس کے ساتھہ بھی یہی سب ہونے والا ہے۔ اولیا اس کو دھکا نہیں دیگی۔ اس سے منہ نہیں موڑیگی۔ وہ بھی وہی پاک قربانی کرنا چاہیگی۔ وہ بھی اس کے ساتھہ مہربانی سے پیش آئیگی۔ آنکھوں میں آنسو ہونگے اور وہ مسکرائیگی، اپنی بیزاری کو دبانے کی کوشش کریگی۔

''نہیں، نہیں! مجھے یہ نہیں چاہئے!،، اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

وہ لنگڑاتا ہوا وارڈ میں واپس آ گیا اور میز پر بیٹھہ کر اولیا کو ایک خط لکھنے لگا — مختصر، آگ سے خالی، کار و باری سا خط۔ اسے سچ بتانے کی ہمت نہ ہوئی۔ آخر سچ کیوں بتائے؟ اس کی ماں بیمار تھی۔ اس کے دکھہ میں اضافہ کیوں کرے؟ اس نے اولیا کو لکھا کہ میں نے اپنے اور تمہارے تعلقات پر کافی غور کیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ تمہارے لئے انتظار کرنا کٹھن ہوگا۔ کون جانے لڑائی کب تک چلتی رہے لیکن وقت اور جوانی بیتی جا رہی ہے۔ جنگ میں انتظار کیسا۔ انتظار ایک بے معنی چیز ہے۔ میں مارا جا سکتا ہوں اور تم بیوی بنے بغیر ھی بیوہ ہو سکتی ہو۔ یا اس سے بھی بری بات یہ ہو سکتی ہے کہ میں اپاہج ہو جاؤں اور تمہیں اپاہج سے بیاہ کرنا پڑے۔ اس کا کیا فائدہ؟ تم اپنی جوانی برباد نہ کرو اور جہاں تک جلد ہو سکے مجھے بھول جاؤ۔ کوئی ضروری نہیں کہ تم اس خط کا جواب دو۔ اگر تم جواب نہ بھی دو تو میرا دل نہیں دکھیگا۔ میں تمہاری پوزیشن کو سمجھتا ہوں حالانکہ اس کا اعتراف مشکل ہے۔ لیکن یہی ٹھیک ہوگا۔

اسے لگا کہ خط اس کے ہاتھوں کو جلائے دے رہا ہے۔ اس نے خط دوبارہ پڑھے بغیر لفافے میں رکھا اور تیز تیز قدموں سے بھٹکتا ہوا گلیارے میں پانی گرم کرنے والے چولھے کے پیچھے لٹکے ہوئے لیٹربکس میں ڈالنے چلا گیا۔

وہ وارڈ میں واپس آیا اور میز پر دوبارہ بیٹھہ گیا۔ آخر وہ اپنا دکھہ کس سے بٹائے؟ ماں سے بٹا نہ سکتا تھا۔ گووزدیف سے؟

بے شک وہ اس کے دکھہ کو سمجھیگا۔ لیکن جانے وہ کہاں ہوگا؟ وہ ان سڑکوں کے جال میں اسے کہاں پائیگا، جو سب کی سب محاذ کی طرف جاتی ہیں؟ اپنے رجمنٹ کو لکھے؟ لیکن کیا ان خوش نصیبوں کے پاس، جو جنگ میں پلے ہوئے اپنے فرائض ادا کر رہے ہیں، اتنا وقت ہے کہ اس کے لئے اپنا سر کھپائیں؟ ''موسمی سرجنٹ،،؟ ہاں یہ ٹھیک ہے! اس نے فوراً لکھنا شروع کر دیا اور الفاظ کا دریا تھا کہ خود بخود امڈا چلا آ رہا تھا — ان آنسوؤں کی طرح جو کسی دوست سے بغل گیر ہو کر آنکھوں سے بہنے لگتے ہیں۔ دفعتاً وہ ایک جملے کے درمیان رک گیا۔ ایک پل کو سوچا۔ اس نے خط کو مروڑا اور اس کے ٹکڑے کر دئے۔

''تخلیق کے درد سے بڑھ کر کوئی دوسرا درد نہیں،، استروچکوف نے اپنی خاص تمسخر بھری آواز میں کہا۔

وہ اپنے ہاتھہ میں گووزدیف کا خط تھامے بیٹھا تھا۔ اس نے یہ خط الکسئی کے پلنگ کے پاس والی الماری سے اٹھا کر پڑھ لیا تھا۔

''آج ہر شخص کو کیا ہو گیا ہے؟.. اور لو گووزدیف بھی! اوہ بدھو! ایک لڑکی نے ذرا سی ناک کیا سکیڑلی کہ آنسوؤں کا دریا رواں ہو گیا۔ نفسیاتی تجزیہ! میں نے خط پڑھہ لیا تم اس پر خفا تو نہیں ہوگے، ایں؟ ہم سپاہیوں کا آپس میں راز کیسا؟،،

الکسئی خفا نہ تھا۔ وہ سوچ رہا تھا ''شاید کل مجھے ڈاکئے کا انتظار کرنا چاہئے۔ جب وہ ڈاک نکالنے آئے تو میں اپنا خط واپس لے لوں؟،،

رات کو الکسئی کو نیند بری آئی۔ پہلے تو اس نے خواب دیکھا کہ وہ ایک برف سے ڈھکے ہوئے ہوائی اڈے میں ہے، جہاں ایک عجیب ڈیزائن کا ہوائی جہاز ''لا ۔ ہ،، چڑیا کی طرح پنجوں پر کھڑا ہے۔ مستری یورا کاک پٹ میں سوار ہوا اور بولا کہ الکسئی کے ''ہوائی جہاز اڑانے کے دن لد گئے،، اور اب ہوابازی کی اس کی باری ہے۔ پھر اس نے دیکھا کہ وہ پیال کے بستر پر لیٹا ہوا ہے اور نانا میخائل، سفید قمیص اور بھیگی ہوئی پتلون پہنے، الکسئی کو بھاپ نکلتے پانی سے اشنان دے رہا ہے۔ وہ ہنس رہا تھا اور کہہ رہا تھا ''شادی سے پہلے گرم اشنان بہترین رہتا ہے۔،، پوپھٹنے سے پہلے اس نے اولیا کو خواب میں دیکھا۔ وہ ایک الٹی کشتی پر

بیٹھی تھی۔ اس کی مضبوط اور سنولائی ہوئی ٹانگیں پانی میں لٹک رہی تھیں۔ وہ کتنی سبک، نازک اور دمکتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ وہ ایک ہاتھہ سے، دھوپ سے بچنے کے لئے اپنی آنکھوں پر سایہ کئے ہوئے تھی اور ہنس ہنس کر دوسرے ہاتھہ سے اسے بلا رہی تھی۔ وہ اس کی طرف تیر رہاتھا لیکن لہریں منہ زور اور تیز تھیں، وہ اسے ساحل اور لڑکی سے دور بہا لے گئیں۔ وہ اپنے ہاتھوں، ٹانگوں، اپنے جسم کے ایک ایک پٹھے کو تھکاتا رہا، اس نے پوری جدوجہد کی اور اب پھر اسے ہوا کی لہروں میں اڑتے ہوئے لڑکی کے بال اور سنولائی ہوئی ٹانگوں پر پانی کی چمکتی ہوئی بوندیں نظر آنے لگیں...

یہی سپنا دیکھتے ہوئے وہ اٹھا۔ وہ اندر سے ایک ترنگ اور مسرت محسوس کر رہا تھا۔ وہ بہت دیر تک آنکھیں بند کئے پڑا رہا اور اس خوشگوار خواب کو دوہرانے کی امید میں دوبارہ سونے کی کوشش کرتا رہا۔ لیکن ایسا صرف بچپن میں ہوتا ہے۔ اسے محسوس ہوا کہ اس نازک سی سنولائی ہوئی لڑکی کی چھب نے ہر چیز کو چمکا دیا ہے۔ اسے پریشان نہ ہونا چاہئے، جی نہ ہارنا چاہئے۔ اسے تو ہر قیمت پر، دھارے کے رخ کے خلاف، اولیا کی طرف تیرتے رہنا تھا۔ ہر قیمت پر آگے کی طرف تیرتے رہنا تھا، اپنی طاقت کا ایک ایک قطرہ صرف کرکے اس لڑکی تک پہنچنا تھا! لیکن وہ خط؟ وہ لیٹربکس تک جاکر ڈاکئے کا انتظار کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اس نے ارادہ بدل دیا۔ اور ہاتھہ جھٹکتے ہوئے اپنے آپ سے بولا ”جانے دو۔ اس سے سچی محبت ڈر کر بھاگیگی تو نہیں۔“ اور یہ یقین کر لینے کے بعد کہ محبت سچی تھی اور چاہے وہ خوش ہو یا اداس، صحت مند ہو یا بیمار، چاہے وہ کسی حال میں ہو، محبت اس کی راہ دیکھہ رہی تھی — یہ سوچ کر اسے اپنے اندر ایک نئی طاقت انگڑائی لیتی ہوئی محسوس ہوئی۔

اس صبح اس نے بیساکھیوں کے بغیر چلنے کی کوشش کی۔ وہ بڑی احتیاط کے ساتھہ بستر سے اٹھا اور ٹانگیں چیر کر کھڑا ہو گیا اور بڑی بے بسی سے دونوں بازو ہوا میں پھیلا کر توازن برقرار رکھنے کی کوشش کرتا رہا۔ دیوار کو پکڑ کر اس نے ایک قدم اٹھایا۔ اس کے نقلی پیروں کا چمڑا چرمرایا۔ اس کا جسم جھوما لیکن اس نے بازوؤں سے توازن قائم رکھا۔ اس نے اسی طرح دیوار کو تھامتے ہوئے ایک قدم اور اٹھایا۔ اس نے کبھی نہ سوچا تھا کہ چلنا اتنا مشکل

کام ہو سکتا ہے۔ جب وہ لڑکا تھا تو اس نے بانس پر چلنا سیکھا تھا۔ وہ پیٹھہ دیوار پر ٹیکتے ہوئے بانس پر کھڑا ہو جاتا۔ دیوار سے الگ ہوتا اور ایک قدم اٹھاتا، دوسرا قدم، پھر تیسرا قدم۔ لیکن اس کا جسم ایک طرف کو جھکتا اور وہ کود جاتا اور بانس، شہر کی مضافاتی سڑک پر اگی ہوئی لمبی لمبی گھاس میں لیٹ جاتے۔ بانس پر چلنے کی مشق کرنا اتنا مشکل نہ تھا کیونکہ ان پر سے کودا جا سکتا تھا۔ لیکن نقلی پیروں پر سے تو چھلانگ نہیں لگائی جا سکتی۔ جب اس نے تیسرا قدم اٹھایا تو اس کا جسم جھک گیا، اس کے پیر نے جواب دے دیا اور وہ سیدھا فرش پر آ رہا۔

اس ورزش کے لئے اس نے وہ وقت چنا تھا جب سارے مریض مختلف قسم کے علاجوں کے لئے جاتے تھے اور وارڈ میں کوئی نہ ہوتا تھا۔ اس نے کسی کو مدد کے لئے نہیں پکارا۔ وہ دیوار تک رینگتا ہوا گیا اور اس کے سہارے آہستہ آہستہ پھر پیروں پر کھڑا ہو گیا، اس نے اپنا پہلو سہلایا جہاں اس کے چوٹ آئی تھی، کہنی کی خراش دیکھی، جو سرخ ہونے لگی تھی۔ اس نے دانت بھینچ لئے اور دیوار سے ہٹ کر ایک قدم اور اٹھایا۔ اسے محسوس ہوا کہ اسے گر آ گیا ہے۔ اس کے نقلی پیروں اور اصلی پیروں میں فرق یہ تھا کہ ان پیروں میں لچک نہیں تھی۔ وہ اب تک ان کی خصوصیات سے نامانوس تھا اور اب تک اسے ان کی عادت نہیں ہوئی تھی۔ ابھی اسے چلنے کے دوران میں خود بخود پیر بدلنے کی مہارت نہیں ہوئی تھی — ابھی اسے یہ نہیں آیا تھا کہ ایک قدم اٹھاتے ہوئے جسم کا بوجھہ ایڑیوں سے پنجوں پر خود بخود کس طرح منتقل کیا جائے اور دوسرا قدم اٹھاتے ہوئے دوسرے پیر کی ایڑی پر بدن کا بوجھہ کس طرح ڈالا جائے اور ساتھہ ہی اسے یہ بھی نہ آیا تھا کہ دونوں پیر ایک دوسرے کے متوازی نہیں بلکہ کسی طرح ترچھے رکھے جائیں کہ پنجے ذرا ایک دوسرے سے دور اور ترچھے رہیں۔ اسی سے تو چلنے میں بدن کا توازن قائم رہتا ہے۔

آدمی یہ سب کچھہ اپنے بچپن میں سیکھتا ہے جب وہ ماں کی نگرانی میں، ننھی ننھی، کمزور ٹانگوں سے پہلے قدم اٹھاتا ہے۔ یہ عادتیں اس کی آئندہ پوری زندگی میں باقی رہتی ہیں اور قدرتی تحریک کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ لیکن جب کسی کو نقلی اعضا استعمال

کرنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے تو بچپن کی یہی عادتیں مدد کرنے کے بجائے حرکت و عمل میں الٹی رکاوٹ ڈالتی ہیں۔ نئی عادتیں سیکھنے کے لئے اسے پرانی عادتوں سے لڑنا پڑتا ہے۔ بہت سے لوگ اپنے پیروں سے محروم ہو جاتے ہیں اور اگر ان میں کافی قوت ارادی نہ ہو تو وہ پھر دوبارہ چلنے کا وہ فن نہیں سیکھہ پاتے جو اپنے بچپن میں اتنی آسانی سے سیکھہ لیتے ہیں۔

الکسئی نے طے کر لیا کہ اس کی منزل کیا ہے اور پھر وہاں تک پہنچنے کی دھن میں لگ گیا۔ اس نے اپنی پہلی کوشش میں جو غلطی کی تھی اس کو محسوس کر لیا اور پھر کوشش کی۔ اس بار اس نے دیوار کا سہارا چھوڑ کر اپنے نقلی پیر کو ترچھا کیا اور ایڑی پر رکا۔ تب اس نے اپنے جسم کا بوجھہ پنجے پر ڈالا۔ چمڑا چرمرایا۔ جس لمحے جسم کا بوجھہ پنجے پر پڑا الکسئی نے دوسرا پیر فرش سے اٹھایا اور اس کو آگے بڑھایا۔ ایڑی فرش سے ٹکرائی۔ وہ دیوار سے الگ کھڑا تھا۔ وہ اپنے پھیلے ہوئے بازوؤں سے توازن قائم کر رہا تھا۔ اسے دوسرا قدم اٹھانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ وہ کھڑا رہا۔ اس کا جسم جھومتا رہا۔ وہ توازن برقرار رکھنے کی کوشش کرتا رہا۔ اس نے محسوس کیا کہ اس کی ناک پر ٹھنڈا پسینہ تیر رہا ہے۔

ایسے ہی لمحے میں، واسیلی واسیلیوچ نے اس کو دیکھہ لیا۔ وہ دروازے میں کھڑا اس کو دیکھتا رہا۔ اور تب وہ اس کی طرف بڑھا اور اس کی بغل میں سہارا دیتے ہوئے بولا:

”بہت اچھے رہے! کیوں تم اکیلے کیوں ہو، نہ کوئی نرس، نہ خدمتگار؟ بڑے آن والے ہو، ایں... لیکن کوئی پروا نہ کرو۔ ہر کام میں پہلا قدم سب سے اہم ہوتا ہے۔ اور تم نے یہ مشکل ترین مرحلہ طے کر لیا۔“

اس سے کچھہ ہی پہلے واسیلی واسیلیوچ ایک انتہائی اہم طبی ادارے کا صدر مقرر ہوا تھا۔ یہ ایک بہت بڑا کام تھا اور اس میں بے پناہ وقت جاتا تھا۔ اس کو ہسپتال میں اپنا کام ختم کرنا پڑا۔ لیکن یہ بوڑھا اب تک وہاں کا مشیر تھا۔ اگرچہ اور دوسرے لوگ اس ہسپتال کی نگرانی کا فرض ادا کرتے تھے، پھربھی وہ ہر دن یہاں ضرور آتا تھا اور اس کے پاس وقت ہوتا تو وہ وارڈ کے چکر لگاتا اور

صلاح و مشورہ دیتا ۔ لیکن اپنے بیٹے کی موت کے بعد سے وہ ایک بدلا ہوا انسان تھا ۔ اس کا لڑکپن سے بھرا ہوا پہلا کھلنڈراپن جا چکا تھا ۔ اب وہ نہ چیختا تھا اور نہ بپھرتا تھا اور جو لوگ اس کو جانتے تھے وہ اس کو اس کے بڑھاپے کی نشانی سمجھتے تھے ۔

''آؤ ، میریسئف، اب ہم ایک ساتھہ یہ سیکھیں،، اس نے تجویز رکھی ۔ اور اپنے قافلے کی طرف مڑتے ہوئے کہا ''تم اپنا راستہ لو ، یہ کوئی سرکس نہیں ہے، یہاں دیکھنے کو کیا رکھا ہے ۔ معائنہ میرے بغیر ختم کر لو ۔،، پھر میریسئف سے بولا ''ہاں اب چلو ، لڑکے... ایک! مجھے تھامے رہو ، تھامے رہو ، شرماؤ مت! میں جنرل ہوں اور تمہیں میرا حکم بجا لانا پڑیگا ۔ اب، ہاں، دو ! یہ بات ۔ اب دایاں پیر ۔ بہت اچھا! بایاں! بہت خوب!،،

مشہور سرجن خوش ہو کر ہاتھہ ملنے لگا جیسے ایک آدمی کو چلنا سکھا کر وہ نہ جانے کتنا بڑا تجربہ کر رہا ہو ۔ لیکن اس کی طبیعت ہی ایسی تھی ۔ وہ ہر کام میں بالکل کھو جاتا اور ہر کام میں اپنی شاندار اور پرجوش روح حلول کر دیتا، ہر کام میں اپنا سارا تن من لگا دیتا ۔ اس نے میریسئف کو وارڈ کی پوری لمبائی طے کرنے پر مجبور کیا اور جب وہ تھک کر چور چور ایک کرسی میں دھنس گیا تو اس نے دوسری کرسی اس کے پاس کھینچی اور بولا :

''اچھا بتاؤ، کیا ہم ہوائی جہاز اڑائینگے؟ میں سمجھتا ہوں تم ضرور ہوائی جہاز اڑاؤگے! اس جنگ میں میرے لڑکے، لوگوں کا ایک بازو اڑ جاتا ہے اور وہ پوری پوری کمپنی کو لے کر آگے بڑھتے اور حملہ کرتے ہیں، جان لیوازخم کھاکر بھی لوگ مشین گنیں چلاتے رہتے ہیں، لوگ مشین گنوں کے آگے دیوار کی طرح کھڑے ہوجاتے ہیں... صرف مردے نہیں لڑ رہے ہیں ۔،، بوڑھے پروفیسر کا چہرہ بجھہ گیا اور اس نے ٹھنڈی سانس لی ۔ ''لیکن جو مر گئے ہیں وہ بھی لڑ رہے ہیں... ان کی شان، ان کا نام لڑ رہا ہے ۔ ہاں... آؤ، نوجوان، اب ہم پھر شروع کریں ۔،،

جب میریسئف اپنا دوسرا پھیرا ختم کرکے سستانے کے لئے بیٹھا تو پروفیسر نے گووزدیف کے پلنگ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا :

''ٹینک مین کہاں ہے؟ کیا اسے چھٹی مل گئی؟،،

میریسئف نے بتایا کہ ٹینک مین صحت یاب ہو کر اپنے یونٹ میں چلا گیا۔ صرف یہ کمی رہ گئی کہ جلنے کی وجہ سے اس کا چہرہ بری طرح مسخ ہو گیا اور خاص طور پر نچلا حصہ۔

''تو اس نے تم کو خط بھی لکھ مارا؟ شاید اس کا دل ٹوٹ گیا ہوگا کیونکہ اب لڑکیاں اس سے محبت نہیں کرینگی۔ اس کو مشورہ دو کہ داڑھی اور مونچھیں رکھ لے۔ میں سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں۔ وہ بڑا انوکھا اور نرالا آدمی معلوم ہوگا اور لڑکیاں اس پر جان چھڑکینگی۔''

ایک نرس ہانپتی ہوئی وارڈ میں آئی اور واسیلی واسیلیوچ سے بولی کہ عوامی کمیساروں کی کونسل سے ٹیلیفون آیا ہے۔ پروفیسر تھکا تھکا سا اٹھا وہ جس طرح اپنے پھولے پھولے ہاتھ، جن سے چھلکے اتر رہے تھے، اپنے گھٹنوں پر رکھے ہوئے تھا اور جس طرح اس کی پشت جھکی ہوئی تھی، اس سے صاف ظاہر تھا کہ پچھلے چند ہفتوں میں اس پر بڑھاپا کتنی تیزی سے آیا ہے۔ دروازے پر پہنچ کر وہ میریسئف کی طرف مڑا اور خوش ہو کر بولا:

''ہاں، اس کو لکھنا نہ بھولنا۔ کیا نام ہے اس کا... وہ تمہارا دوست۔ اس کو لکھ دینا کہ میں نے داڑھی کا نسخہ تجویز کیا ہے اس کے لئے۔ یہ ایک آزمودہ نسخہ ہے... اور عورتیں اس پر جان دیتی ہیں۔''

شام کے وقت، کلینک کا بوڑھا ملازم، الکسئی کے لئے ایک پرانی آبنوسی چھڑی لے کر آیا، چھڑی بہت خوبصورت تھی۔ اس کا آرام‌دہ مٹھ ہاتھی دانت کا تھا اور اس پر نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔

''پروفیسر نے بھیجی ہے تمہارے لئے''، ملازم بولا ''واسیلی واسیلیوچ نے، یہ ان کی اپنی چھڑی ہے، یہ تمہیں تحفے میں بھیجی ہے۔ کہا کہ تمہیں چھڑی کے سہارے چلنا چاہئے۔''

اس شام کو، ہسپتال کی فضا بوجھل اور بجھی بجھی تھی۔ اس لئے بائیں، دائیں، یہاں تک کہ اوپر کے وارڈ سے بھی مریض پروفیسر کے تحفے کی زیارت کے لئے، وارڈ نمبر بیالیس کی یاترا کو آئے۔ واقعی یہ ایک نادر چھڑی تھی۔

1950 г.

محاذ پر بہت دنوں سے سناٹا چھایا ہوا تھا جو آنے والے طوفان کا پتہ دے رہا تھا۔ جو خبریں آتیں ان سے معلوم ہوتا کہ صرف مقامی قسم کی لڑائیاں ہو رہی ہیں اور صرف اسکاؤٹنگ کرنے والی ٹولیوں میں جھڑپ ہو جاتی ہے۔ اب ہسپتال میں کم مریض رہ گئے تھے۔ اس لئے نگران اعلی نے حکم دیا کہ وارڈ نمبر بیالیس سے خالی پلنگ ہٹا لئے جائیں۔ پورے وارڈ پر میریسئف اور میجر استروچکوف کا دور دورہ تھا۔ میریسئف کا پلنگ دائیں طرف تھا اور میجر کا بائیں طرف، کھڑکی کے پاس دریا کے پشتے کے رخ پر۔

اسکاؤٹنگ کرنے والی ٹولیوں کی جھڑپ! میریسئف اور استروچکوف تجربہ کار سپاہی تھے۔ وہ جانتے تھے کہ یہ سناٹا جتنا زیادہ لمبا ہوگا، یہ خاموش تناؤ جتنی دیر تک قائم رہیگا، طوفان اتنا ہی زیادہ خوفناک ہوگا۔

ایک دن خبرنامے میں، سوویت یونین کے ہیرو نشانہ باز استیپان ایووشکن کا حوالہ تھا جس نے کہیں جنوبی محاذ پر پچیس جرمنوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا اور اس کے ہاتھوں ہلاک ہونے والے جرمنوں کی تعداد دو سو تک پہنچ گئی تھی۔ گووزدیف کا ایک خط آیا۔ ہاں یہ اس نے بالکل نہ لکھا کہ وہ کہاں ہے اور کیا کر رہا ہے۔ البتہ اس نے لکھا تھا کہ وہ اپنے سابق کمانڈر پاول روتمستروف کے پاس پہنچ گیا ہے۔ وہ زندگی سے خوش تھا۔ وہ جہاں تھا وہاں بہت کافی چیریاں تھیں اور اس کے تمام ساتھی ضرورت سے زیادہ چیریاں اڑا رہے تھے۔ اس نے الکسئی کو لکھا تھا کہ خط ملنے پر انیوتا کو ایک سطر کا خط لکھہ دینا۔ اس نے خود بھی انیوتا کو خط لکھا تھا لیکن اسے معلوم نہ تھا کہ اس کے خط انیوتا کو ملتے بھی ہیں یا نہیں۔

ان دونوں چیزوں سے کسی بھی فوجی کو صاف معلوم ہو سکتا تھا کہ کہیں جنوب میں طوفان آنے والا ہے۔ ہاں الکسئی نے انیوتا کو خط لکھا اور ساتھہ ہی گووزدیف کو بھی اور اس کو داڑھی بڑھانے کے سلسلے میں پروفیسر کا مشورہ بھی سنا دیا۔ لیکن اس کو معلوم تھا کہ اس وقت گووزدیف اضطراب انگیز امید و انتظار

میں گھرا ہوا ہے ۔ وہ امید و انتظار جو بیک وقت اندیشے بھی پیدا کرتا ہے اور مسرت بھی ۔ اس اندیشے اور مسرت سے ہر سپاہی واقف ہے ۔ اس لئے اس کے پاس داڑھی کے متعلق سوچنے کا وقت کہاں ۔ اس وقت تو اس کے پاس شاید انیوتا کے بارے میں سوچنے کا وقت بھی نہ تھا ۔

وارڈ نمبر بیالیس میں ایک اور خوشگوار واقعہ پیش آیا ۔ ایک فرمان جاری ہوا تھا جس میں پاول ایوانووچ استروچکوف کو سوویت یونین کے ہیرو کا خطاب عطا ہوا تھا ۔ لیکن یہ مسرت بخش خبر بھی میجر کو بہت دنوں تک خوش رکھنے میں ناکام رہی ۔ وہ پھر خاموش اور بجھا بجھا رہنے لگا ۔ وہ اپنے زخمی گھٹنوں کو خوب کوستا جس نے اس کو انتہائی سرگرمی کے زمانے میں پلنگ سے لگا رکھا تھا ۔ اس کی افسردگی کی ایک اور وجہ تھی جس کو وہ چھپانے کی پوری کوشش کرتا تھا ۔ لیکن الکسئی پر یہ راز بالکل غیر متوقع طور پر کھل گیا ۔

اب میریسئف کا ذہن ایک ہی نقطے پر مرکوز تھا — چلنا سیکھا جائے اور بس ۔ اس لئے اسے پتہ بھی نہ چلتا کہ اس کے گرد و پیش کیا کچھ ہو رہا ہے ۔ وہ روزانہ کے مقررہ پروگرام پر سختی سے عمل کرتا : یہ تین گھنٹے کا پروگرام تھا ۔ ایک گھنٹہ صبح، ایک گھنٹہ سہ پہر اور ایک گھنٹہ شام — وہ اپنے نقلی پیروں سے چلنے کی مشق کرتا ۔ شروع میں تو دوسرے وارڈ کے مریض بہت بور ہوئے — جب دیکھو جب بالکل گھڑی کے کانٹے کی پابندی سے نیلے گاؤن میں ایک ہیولا نکلتا اور ان کے کھلے ہوئے دروازوں کے سامنے سے بھٹکتا ہوا گزرتا اور اس کے چمڑے کی مچمچاہٹ پورے گلیارے میں گونج جاتی ۔ وہ خاص خاص وقتوں میں اسے دیکھنے کے اتنے عادی ہو چکے تھے کہ ایک دن جب میریسئف زکام کی وجہ سے پڑا رہا تو باضابطہ پیغامبر بھیجے گئے کہ معلوم کریں کہ بے ٹانگ کے لفٹیننٹ کا کیا حال ہے ۔

وہ صبح کے وقت ورزش کرتا اور پھر کرسی پر بیٹھ کر پیروں کو ان حرکتوں کا عادی بناتا جو ہوائی جہاز چلانے کے لئے ضروری ہیں ۔ بعض مرتبہ وہ اتنی دیر تک ورزش کرتا رہتا کہ اس کا سر چکرا جاتا، اس کے کانوں میں ایک گونج سی پیدا ہونے لگتی، آنکھوں کے آگے ستارے سے ناچنے لگتے اور اس کے پیروں تلے زمین

اتھل پتھل ہونے لگتی۔ ایسا ہوتا تو وہ واش اسٹینڈ کے پاس جاتا، سر ٹھنڈے پانی سے دھوتا اور لیٹ جاتا تاکہ جلد ھی اس کی طاقت واپس آ جائے اور وہ چلنے اور ورزش کے معمول میں ناغہ نہ کرے۔

اس دن، وہ اس وقت تک چلتا رہا جب تک کہ اس کا سر نہ چکرانے لگا۔ وہ ٹٹولتا ہوا وارڈ میں داخل ہوا۔ اس کو اپنے سامنے کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ اپنے پلنگ میں دھنس گیا۔ جب اس کے حواس ٹھکانے آئے تو اس نے آوازیں سنیں — کلاودیا میخائلوونا کی پر سکون اور قدرے طنز بھری آواز اور استروچکوف کی پرجوش اور التجا بھری آواز۔ دونوں بات چیت میں اس طرح محو تھے کہ ان کو میریسئف کے اندر آنے کا علم بھی نہ ہوا۔

"یقین کرو، میں سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں! کیا تم نہیں سمجھ سکتیں؟ تم عورت ہو یا نہیں؟"

"ہاں، یقینی میں عورت ہوں۔ لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا۔ اور اس موضوع پر تم سنجیدگی سے بات نہیں کر سکتے۔ دوسرے، مجھے تمہاری سنجیدگی کی ضرورت نہیں!"

استروچکوف کو غصہ آ گیا۔ اس نے چیخ کر کہا:

"میں تم سے محبت کرتا ہوں، لعنت ہو مجھ پر! تم عورت نہیں ہو۔ تم پتھر کی سل ہو کہ یہ تمہیں دکھائی نہیں دیتا! سمجھیں تم؟" یہ کہہ کر اس نے منہ پھیر لیا اور کھڑکی کے شیشے پر انگلیاں بجانے لگا۔

کلاودیا میخائلوونا ایک تجربہ‌کار نرس کی طرح سبک رو اور با احتیاط قدموں سے دروازے کی طرف چل دی۔

"کہاں چل دیں؟ کیا تم مجھے جواب نہیں دوگی؟"

"اس کے بارے میں بات کرنے کی نہ تو یہ جگہ ہے اور نہ وقت۔ میں اپنی ڈیوٹی پر ہوں۔"

"تم سیدھی بات کیوں نہیں کرتیں؟ تم مجھے کیوں ستا رہی ہو؟ جواب دو!" میجر کی آواز میں بڑی گھٹن تھی۔

کلاودیا میخائلوونا دروازے پر رک گئی۔ اندھیرے گلیارے کے پس منظر میں اس کا چھریرا اور دلکش پیکر اور نمایاں ہو گیا تھا۔ میریسئف کو کبھی شبہ بھی نہیں ہوا تھا کہ یہ خاموش نرس، جو اب جوان نہ تھی، اپنے کردار میں اتنی ثابت قدم اور دل کش

ثابت ہو سکتی ہے۔ وہ سر اٹھائے دروازے میں کھڑی تھی اور معلوم ہوتا تھا کہ وہ میجر کو کسی اونچے مینار سے دیکھه رهی ہے۔

''بہت اچھا،، اس نے کہا ''میں جواب دونگی۔ میں تم کو نہیں چاہتی اور شاید میں کبھی بھی تم کو نہیں چاہ سکونگی۔،،

وہ چلی گئی۔ میجر نے دھم سے پلنگ پر لیٹ کر سر تکیے میں چھپا لیا۔ اب میریسئف کی سمجھه میں آ گیا کہ پچھلے چند دن سے میجر کا رویه اتنا عجیب کیوں تھا، وہ ذرا ذرا سی بات پر کیوں بگڑ جاتا تھا اور جب نرس اندر آتی تھی تو وہ گھبرا کیوں اٹھتا تھا اور اچھا خاصا خوش و خرم رهتے رهتے اچانک غصے میں آگ بگولہ کیوں هو جاتا تھا۔

واقعی وہ بڑا دکھه برداشت کر رہا ہوگا۔ الکسئی کو اس پر ترس آیا اور ساتھه ہی وہ خوش بھی ہوا۔ میجر اپنے پلنگ سے اٹھا تو الکسئی اس کو چھیڑنے سے باز نه رہ سکا:

''کیوں کامریڈ میجر کیا میں تمہارے منه پر تھوک دوں؟،،

اگر اسے ذرا بھی علم ہوتا کہ اس کے یه الفاظ اس پر ایسا اثر کرینگے تو ہرگز مذاق میں بھی یه باتیں نه کہتا۔ استروچکوف دوڑ کر الکسئی کے پلنگ کے پاس گیا اور انتہائی افسوس کے ساتھه بولا:

''تھوکو! آؤ تھوکو! تم حق بجانب ہوگے۔ میں اسی کا مستحق ہوں۔ لیکن میں اب کیا کرونگا؟ بتاؤ! بتاؤ مجھے کیا کروں! تم نے ہماری بات سنی، ہے نا؟..،،

وہ دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر پلنگ کے کنارے بیٹھه گیا اور اس کا پورا جسم جھومنے لگا۔

''شاید تم سمجھے که میں کھیل رہا ہوں؟ میں کھیل نہیں رہا ہوں۔ میں سنجیدہ ہوں۔ میں نے اس مورکھه سے پورے خلوص سے اپنی محبت کا اقرار کیا تھا!..،،

شام کے وقت کلاودیا میخائلوونا حسب معمول دورے پر آئی۔ وہ ہمیشه کی طرح خاموش، مہربان اور صابر نظر آرہی تھی۔اس کے چہرے پر راحت کی دمک تھی۔ وہ میجر کی طرف دیکھتے ہوئے بھی مسکرائی۔ لیکن میجر کو دیکھتے ہوئے اسے گھبراہٹ اور کچھه ڈر سا بھی لگ رہا تھا۔ استروچکوف کھڑکی پر بیٹھا دانت سے ناخن

کاٹ رہا تھا اور جب گلیارے میں کلاودیا میخائلوونا کے قدموں کی آہٹ دور ہوتی چلی گئی تو اس نے اس کے پیچھے نظر دوڑائی۔ اس کے چہرے پر غصے اور ستائش کی ملی جلی کیفیت تھی۔

''سوویت حور!،، وہ غرایا ''کس احمق نے اس کو یہ نام دیا ہے؟ وہ نرس کے لباس میں ایک شیطان ہے!،،

دفتر سے ایک ادھیڑ عمر کی، سوکھی ہوئی نرس وارڈ میں آئی اور پوچھنے لگی:

''کیا میریسئف الکسئی چلنے پھرنے والا مریض ہے؟،،

''نہیں وہ دوڑنے بھاگنےوالا مریض ہے!،، استروچکوف زور سے گرجا۔

''میں یہاں مذاق کے لئے نہیں آئی ہوں،، نرس نے سختی سے کہا ''میریسئف الکسئی، سینئر لفٹیننٹ، ٹیلیفون پر کوئی بلا رہا ہے۔،،

''کوئی جوان لڑکی ہے؟،، استروچکوف میں جان پڑ گئی۔ اس نے نرس کو آنکھہ مارتے ہوئے پوچھا۔

''میں نے اس کا پاسپورٹ تو دیکھا نہیں ہے،، نرس بڑبڑائی اور بڑی شان سے چلتی ہوئی وارڈ سے باہر نکل گئی۔

میریسئف اپنے بستر سے اچھلا۔ اس نے خوش خوش اپنی چھڑی کے سہارے چلتے ہوئے نرس کو جا لیا اور واقعی گلیارے میں دوڑتے ہوئے اس سے آگے نکل گیا۔ کوئی ایک مہینے سے وہ اولیا کے جواب کا انتظار کر رہا تھا۔ اس کے دماغ میں یہ خیال کوند گیا: شاید وہی ہو؟ لیکن یہ نہیں ہو سکتا۔ ایسے زمانے میں وہ استالن گراد کے قریب سے ماسکو نہیں آ سکتی تھی! اس کے علاوہ اس کو یہاں ہسپتال میں اس کا پتہ کیسے چل سکتا تھا۔ اس نے تو اولیا کو یہ لکھا تھا کہ وہ ماسکو میں نہیں بلکہ مضافات میں محاذ کے پیچھے کسی دفتر میں کام کر رہا ہے۔ لیکن اس آن اسے معجزے پر یقین آ گیا تھا اور اسے محسوس بھی نہ ہوا کہ وہ اپنے نقلی پیروں سے دوڑ رہا ہے، پہلی بار دوڑ رہا ہے۔ وہ بھٹکتی ہوئی چال سے قریب قریب لڑھکتا چلا جا رہا تھا۔ ہاں کبھی کبھی وہ چھڑی کا سہارا لے لیتا۔ اس کے نقلی پیر چیخ رہے تھے: مچ مچ، چرمر، چرمر...

اس نے رسیور اٹھایا اور اسے ایک خوشگوار، گھری اور بالکل اجنبی آواز سنائی دی۔ اس آواز نے پوچھا کہ وارڈ نمبر بیالیس کے سینئر

لفٹیننٹ الکسئی پیتروویچ میریسئف سے بات ہو سکتی ہے۔ میریسئف نے بہت ہی تیز اور غصے بھری آواز میں جواب دیا جیسے اس سوال میں کوئی دلآزاری کی بات تھی:

''ہاں!''

ایک لمحے کوئی آواز نہیں آئی۔ اب یہ آواز بجھی ہوئی تھی اور اس میں ایک طرح کا کھچاؤ پیدا ہو گیا تھا۔ اس نے زحمت کے لئے معذرت چاہی۔ ظاہر تھا کہ اسے اس کے کھرےپن سے تکلیف پہنچی تھی۔ اس نے بڑی جدوجہد سے کام لیتے ہوئے کہنا شروع کیا:

''میں ہوں آننا گریبووا، لفٹیننٹ گووزدیف کی ایک دوست۔ آپ مجھے نہیں جانتے۔''

میریسئف نے دونوں ہاتھ سے رسیور دبوچ لیا اور پوری طاقت سے چلایا:

''کیا تم انیوتا ہو؟ انیوتا؟ میں تمہیں خوب اچھی طرح جانتا ہوں! گریشا نے مجھے تمہارے بارے میں بتایا تھا...''

''وہ ہے کہاں؟ اسے ہوا کیا؟ وہ بالکل اچانک چلا گیا۔ سائرن بجا تو میں کمرے سے باہر نکلی۔ تم جانو، میں فرسٹ‌ایڈ یونٹ میں ہوں۔ میں لوٹی تو وہ لا پتہ تھا۔ اس نے نہ اپنا پتہ چھوڑا اور نہ کوئی پرچہ... الیوشا پیارے... اس طرح مخاطب کر رہی ہوں، معاف کرنا... میں بھی تمہیں جانتی ہوں... میں اس کے سلسلے میں بہت پریشان ہوں۔ میں جاننا چاہتی ہوں وہ کہاں ہے اور اتنا اچانک کیوں چلا گیا...''

الکسئی کا دل جذبات کی گرمی سے سرشار ہو گیا۔ اس کو اپنے دوست کی خاطر بڑی مسرت محسوس ہوئی۔ اس مسخرے کو غلطفہمی ہوئی تھی۔ بہت جذباتی ہے۔ اچھا تو معلوم ہوا کہ مخلص لڑکیاں سپاہی کے اپاہج ہونے سے خوف نہیں کھاتیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بھی کسی پر بھروسہ کر سکتا ہے جو اس کے لئے پریشان ہو گی اور اسے اسی طرح ڈھونڈ رہی ہوگی۔ یہ خیال اس کے دماغ میں بجلی کی طرح کوند گیا۔ وہ رسیور میں چیخنے لگا۔ وہ مارے جوش کے ہکلا رہا تھا۔

''انیوتا! سب کچھ ٹھیک ہے! یہ ایک افسوسناک غلطفہمی ہے! وہ بالکل ٹھیک ہے اور پھر فوجی خدمات انجام دے رہا ہے۔

بے شک! میدان جنگ کی ڈاک ۴۲۰۳۱۔ وہ داڑھی رکھہ رہا ہے! ایمان سے انیوتا! لاجواب داڑھی... جیسی جیسی... ہاں جیسی داڑھی چھاپہ ماروں کی ہوتی ہے! بہت اچھی لگتی ہے!،،

انیوتا کو داڑھی کا خیال کچھہ جچا نہیں ۔ اس کے خیال میں یہ غیر ضروری چیز تھی۔ میریسئف یہ سن کر اور بھی خوش ہوا۔ اس نے جواب دیا کہ اس صورت میں تو گریشا یوں پلک جھپکتے میں اپنی داڑھی صاف کرا دیگا۔ حالانکہ ہر شخص کا خیال تھا کہ داڑھی اس پر خوب پھبتی ہے۔

آخر میں دونوں نے رسیور رکھا تو وہ گہرے دوست بن چکے تھے۔ یہ طے پایا کہ میریسئف جانے سے پہلے اس کو ٹیلیفون کریگا۔ واپس جاتے ہوئے اسے یاد آیا کہ وہ ٹیلیفون تک دوڑتا ہوا آیا تھا۔ اس نے پھر دوڑنے کی کوشش کی مگر بیکار۔ نقلی پیروں کے تیز کچوکوں سے اس کی ٹانگوں میں زبردست ٹیس اٹھہ رہی تھی، درد اس کے پورے جسم میں تیر رہا تھا۔ لیکن کوئی پروا نہیں! اگر وہ آج نہیں دوڑ سکتا تو کل دوڑیگا۔ اگر پرسوں نہیں، تو اس کے اگلے دن، لیکن وہ دوڑیگا ضرور! سب کچھہ ٹھیک‌ٹھاک ہو جائیگا۔ یقینی وہ دوڑنے اور ہوائی جہاز اڑانے کے قابل ہو جائیگا۔ وہ یقینی لڑ سکیگا اور چونکہ اسے عہد کرنے کا بڑا شوق تھا اس لئے اس نے عہد کیا کہ پہلی فضائی جنگ میں حصہ لینے اور پہلا جرمن ہوائی‌جہاز گرانے کے بعد وہ اولیا کو خط لکھیگا اور اس کو سب کچھہ بتائیگا۔ اب چاہے جو ہو!

تیسرا حصہ

۱

۱۹۴۲ء کی گرمیاں اپنے پورے شباب پر تھیں۔ کسے کسائے بدن کا ایک جوان، ہوائی فوج کی وردی پہنے، ماسکو کے فوجی ہسپتال کے شاہ‌بلوط کے بھاری دروازے سے باہر نکلا۔ وہ ایک آبنوسی چھڑی کے سہارے چل رہا تھا۔ اس کے کالر پر سینئر لفٹیننٹ کا نشان لگا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ایک عورت تھی جو سفید لبادہ اوڑھے ہوئے تھی۔ ژیڈ کراس کا رومال، جیسا رومال پہلی عالمگیر جنگ میں نرسیں سر پر باندھتی تھیں[1] اس کے نرم اور خوبصورت چہرے میں بڑی پاکیزگی پیدا کر رہا تھا۔ وہ برساتی میں رک گئے۔ ہواباز نے اپنی مڑی تڑی، دھندلے رنگ کی فوجی ٹوپی سر سے اتاری اور نرس کے ہاتھ کو بوسہ دینے کے لئے بڑے بےتکےپن سے جھکا۔ نرس نے اس کی پیشانی کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا اور اس کی پیشانی چوم لی۔ اس کے بعد، ہواباز لڑھکنے کے سے انداز میں چلتے ہوئے تیز قدموں سے زینے سے اترا اور ہسپتال کی لمبی عمارت کے ساتھ ساتھ دریا کے کنارے چلنے لگا اور پلٹ کر دیکھا بھی نہیں۔

شب‌خوابی کے نیلے، پیلے اور بھورے لباس پہنے ہوئے مریض کھڑکیوں میں کھڑے ہاتھ، چھڑی یا بیساکھیاں ہلا ہلا کر اسے خدا حافظ کہہ رہے تھے اور گلا پھاڑ پھاڑ کر الوداعی نصیحتیں کر رہے تھے۔ اس نے جواب میں اپنا ہاتھ ہلایا لیکن یہ ظاہر تھا کہ وہ جلد از جلد اس بڑی سی بھوری عمارت سے دور نکل جانا چاہتا ہے۔ وہ اپنے جذبات چھپانے کے لئے باربار کھڑکیوں کی طرف سے منہ پھیررہا تھا۔ وہ چھڑی کا ہلکا سا سہارا لئے ہوئے تیز تیز اور کچھ عجیب قسم کے بھٹکتے ہوئے قدموں سے چل رہا تھا۔ اگر ہر قدم

کے ساتھہ چمڑے کی ہلکی سی مچ مچ نہ ابھرتی تو کسی کو ایک لمحے کو بھی یہ اندازہ نہ ہوتا کہ یہ ہٹا کٹا، گٹھے ہوئے جسم کا آدمی پیروں سے محروم ہے۔

ہسپتال سے چھٹی پانے کے بعد الکسئی میریسئف کو، صحت بحال کرنے کے لئے ماسکو کے قریب ہوائی فوج کے سینی‌ٹوریم میں بھیج دیا گیا۔ میجر استروچکوف کو بھی اسی سینی‌ٹوریم میں بھیجا گیا۔ ان کو سینی‌ٹوریم لے جانے کے لئے ایک کار بھیجی گئی تھی۔ لیکن میریسئف نے ہسپتال کے حکام سے کہا کہ ماسکو میں اس کے رشتہ‌دار ہیں اور ان سے ملے بغیر وہ نہیں جا سکتا۔ اس نے اپنا تھیلا استروچکوف کے پاس چھوڑا اور پیدل چل پڑا اور وعدہ کر گیا کہ شام کے وقت بجلی کی ریل سے سینی‌ٹوریم واپس آ جائیگا۔

ماسکو میں اس کا کوئی رشتہ‌دار نہ تھا۔ مگر وہ راجدھانی کا نظارہ کرنا چاہتا تھا، ساتھہ ہی بے سہارا چلنے کی صلاحیتوں کا امتحان بھی لینا چاہتا تھا۔ وہ شور مچاتے ہوئے لوگوں کے ہجوم میں کھو جانا چاہتا تھا جن کو اس کی ذرا فکر نہ تھی۔ اس نے انیوتا کو ٹیلیفون کیا تھا اور پوچھا تھا کہ آیا وہ اس سے بارہ بجے مل سکتی ہے۔ کہاں؟ ہاں پوشکن کے مجسمے کے پاس... دریا کے شاندار گرانیٹ کے ساحل پر، جہاں دریا کا متلاطم پانی دھوپ میں چمک رہا تھا، چلتے ہوئے وہ گرمیوں کی گرم ہوا میں زور زور سے گہری سانس لے رہا تھا۔ ہوا میں بھینی بھینی سی مانوس خوشبو بسی ہوئی تھی۔

ہر طرف سب کچھہ کتنا شاندار تھا!

اس کے پاس سے جتنی عورتیں گزریں، سب اسے خوبصورت نظر آئیں اور ہرے بھرے درختوں میں تو غضب کی چمک تھی۔ صاف ہوا میں ایسی تر و تازگی تھی کہ اسے نشہ سا ہونے لگا۔ فضا اتنی صاف شفاف تھی کہ اسے ہر چیز کچھہ قریب معلوم ہوتی۔ اسے محسوس ہوا کہ اگر ہاتھہ پھیلائے تو کریملن کی دیواروں کو چھو سکتا ہے۔ اس سے پہلے اس نے ان دیواروں کو صرف تصویروں میں دیکھا تھا۔ ایوان اعظم کے گھنٹہ گھر کا گنبد اور پل کی بڑی اور نیچی محراب پانی کے اوپر جھکی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ شہر میں بسی ہوئی شیرین اور خمار آگیں خوشبو نے اسے اپنے لڑکپن کی یاد

دلا دی۔ یہ یاد کہاں سے آئی؟ اس کا دل اتنی تیزی سے کیوں دھڑک رہا تھا؟ وہ اپنی ماں کے بارے میں کیوں سوچ رہا تھا، آج کی نڈھال بڑھیا کے بارے میں نہیں، بلکہ جوان، لمبی اور شاندار بالوں والی عورت کے بارے میں؟ وہ اس کے ساتھہ ایک بار بھی ماسکو نہیں آیا تھا۔

اب تک میریسئف نے راجدھانی کو رسالوں، اخباروں اور کتابوں کی تصویروں میں دیکھا تھا۔ اس نے اس کے بارے میں ان لوگوں سے سنا تھا جنہوں نے اس کو دیکھا تھا، اس نے آدھی رات کو اس کی پرانی گھڑیال کا گھنٹہ سنا تھا جو پوری سوتی دنیا میں گونج جاتا تھا، اس نے تہواروں کے مظاہروں کے موقعوں پر، یہاں کی گونجتی ہوئی گہما گہمی اور بھانت بھانت کی آوازیں ریڈیو پر سنی تھیں۔ اور اب ماسکو اس کے سامنے پھیلا ہوا تھا اور موسم گرما کی گرم روشنی میں بڑی خوبصورتی سے آراستہ پیراستہ دکھائی دے رہا تھا۔

وہ کریملن کی دیوار کے ساتھہ ساتھہ، سنسان پشتے پر چلتا رہا۔ وہ گرانیٹ کی ٹھنڈی منڈیر کے سہارے بیٹھہ کر آرام کرنے لگا اور تیل کی طرح چمکتے ہوئے سرمئی پانی کو گھورنے لگا جو گرانیٹ کی دیوار کے قدم چوم رہا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ لال چوک کی طرف جانے والی اونچائی پر چڑھنے لگا۔ پختہ سڑکوں اور چوکوں میں لائم کے درختوں پر ہریالی کا پورا نکھار تھا۔ اور سادہ سادہ، بھینی بھینی خوشبو والے پھولوں کے درمیان ان کی کٹی چھٹی پھننگوں میں شہد کی مکھیاں بڑے زور شور سے بھنبھنا رہی تھیں۔ شہد کی مکھیاں گزرتی ہوئی موٹروں کے بھونپوؤں، ٹراموں کی گھڑگھڑاہٹ اور شور اور اس جھلملاتی دھند سے بےنیاز تھیں جو دھکتے ہوئے کولتار سے اٹھتے ہوئے پٹرول کے دھوئیں میں بسی ہوئی تھی۔

تو یہ ہے ماسکو!

ہسپتال میں چار مہینے کاٹنے کے بعد، الکسئی موسم گرما کی یہ شان اور رعنائی دیکھہ کر ایسا حیران ہوا کہ شروع میں تو محسوس ہی نہ کر سکا کہ یہ راجدھانی جنگ کے لبادے میں چھپی ہوئی ہے اور ہوائی فوج کی اصطلاح میں ”تیاری نمبر ایک،، کی حالت میں ہے، یعنی کسی آن بھی دشمن کا مقابلہ کرنے کو تیار ہے۔ پل کے پاس چوڑی سڑک، ایک بہت بڑے بدنما بیریکیڈ سے گھری ہوئی تھی

جو ریت بھرے الکڑی کے کندوں سے بنایا گیا تھا ۔ پل کے چاروں کونوں پر کنکریٹ کے توپ خانے، بچوں کے کھلونوں کے بلاکوں کی طرح معلوم ہوتے تھے جنہیں کوئی بچہ کھیلتے کھیلتے میز پر پڑا چھوڑ گیا ہو ۔ لال چوک کی سرمئی سطح پر مکان، میدان اور راستے مختلف رنگوں سے رنگ دئیے گئے تھے ۔ گورکی سڑک کی دکانوں کے شیشوں پر تختے لگا دئیے گئے تھے اور ان کی حفاظت کے لئے کھڑکیوں کے تختوں کے درمیان ریت بھر دی گئی تھی اور گلیوں میں بھی زنگ آلود لوہے کی پٹریوں سے تیار کئے ہوئے ''ٹینک روک بیریکیڈ،، پڑے ہوئے تھے اور معلوم ہوتا تھا کہ ان کو بچے کھیلتے کھیلتے یونھی بکھرا چھوڑ گئے ہیں ۔ محاذ سے آئے ہوئے سپاہی کو، خاص طور پر ایسے سپاہی کو جس نے ماسکو پہلے کبھی نہیں دیکھا، اس میں کوئی خاص بات نظر نہیں آ سکتی ۔ اس کو جن چیزوں پر تعجب ہو سکتا تھا وہ تھیں ''تاس،، کی کھڑکیاں جو راھگیروں کو دیواروں سے گھور رہی تھیں اور ھاں دکانوں کے خانے اور ساتھہ ہی بعض گھروں کے سامنے کے حصے بھی جن پر ایک عجیب انداز سے رنگ کیا گیا تھا ۔ یہ رنگ‌آمیزیاں لغو قسم کی مستقبل پرستوں کی تصویروں کی یاد تازہ کر رہی تھیں ۔

میریسئف اب کافی تھک چکا تھا ۔ اس نے چمڑے کی مچمچاھٹ کے ساتھہ اپنی چھڑی پر اور زیادہ بوجھہ ڈالتے ہوئے گورکی سڑک کی چڑھائی کی طرف چلنا شروع کر دیا ۔ اس نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں اور جب اسے بموں کے بنائے ہوئے گڈھے، ٹوٹے پھوٹے مکان، تباہ‌حال جگہیں اور چکنا چور کھڑکیاں نظر نہ آئیں تو وہ حیران رہ گیا ۔ انتہائی مغربی ہوائی اڈے میں خدمت انجام دینے کے دوران میں ہر رات اپنی خندق میں پڑا پڑا وہ جرمن بمباروں کی آواز سننے کا عادی ہو چکاتھا جن کے پرے کے پرے مشرق کی طرف پرواز کرتے رہتے تھے ۔ ابھی ایک پرے کی گھنگھناھٹ ختم بھی نہ ہونے پاتی تھی کہ دوسرا پرا تیرتا ہوا آتا اور بعض مرتبہ تو رات رات بھر سارا آسمان دھڑکتا گرجتا رہتا ۔ ہواباز جانتے تھے کہ فاشست ماسکو کی طرف پرواز کر رہے ہیں ۔ وہ تصور ہی تصور میں دیکھتے کہ یہ بمبارے کیسا جہنم بھڑکا رہے ہونگے ۔

اور اب جنگ کے دوران میں، ماسکو کی سڑکوں پر آوارہ پھرتے ہوئے وہ ہوائی حملوں کا نشان ڈھونڈ رہا تھا۔ لیکن اسے کوئی نشان نظر نہ آیا۔ کولتار کی پختہ سڑکیں ہموار تھیں۔ عمارتیں قطار اندر قطار کھڑی تھیں۔ کھڑکیاں بھی، چند کو چھوڑ کر، جن پر کاغذ کی قینچی‌نما پٹیاں چپکی ہوئی تھیں اپنی جگہ پر قائم تھیں۔ لیکن جنگ کا محاذ قریب تھا۔ اس کی جھلک باشندوں کے پریشان اور متفکر چہروں میں دیکھی جا سکتی تھی۔ ان میں سے نصف تو سپاہی تھے جو گھٹنوں تک کے گرد آلود فوجی بوٹ اور پسینے سے شانوں پر چپکی ہوئی وردی پہنے ہوئے تھے۔ ان کی پشت پر فوجی تھیلے لٹک رہے تھے۔ گرد و غبار سے اٹی ہوئی ٹوٹی پھوٹی مڈگارڈوالی لاریوں کی قطار گلی سے نکل کر دھوپ سے نہائی ہوئی سڑک پر آگئی۔ اپنی ٹوٹی پھوٹی لاریوں سے سپاہیوں نے اپنے چاروں طرف تجسس بھری نظروں سے دیکھا۔ ان کے لبادے ہوا میں اڑ رہے تھے۔ قطار آگے بڑھتی رہی۔ اس نے ٹرالی‌بسوں، موٹروں اور ٹراموں کو اور پیچھے چھوڑ دیا۔ یہ زندہ نشانی تھی کہ دشمن دور نہیں۔ میریسئف نے قطار کا تعاقب تمنا بھری نگاہوں سے کیا اور سوچنے لگا: اگر وہ ان میں سے کسی ایک ٹرک میں کود جائے تو وہ شام تک محاذ پر اپنے ہوائی اڈے میں ہوگا! اس کی تصور کی آنکھوں میں وہ خندق ابھری جس میں دیگتیارینکو اس کا حصہ‌دار تھا، فر کے کندوں کا بستر، کولتار، چیڑ اور دقیانوسی چراغ میں جلتے ہوئے پٹرول کی تیز بو۔ یہ چراغ ایک کارتوس سے تیار کیا گیا تھا، صبح کے وقت گرم ہوتے ہوئے انجنوں کی گھنگھناہٹ اور سروں کے اوپر جھومتے ہوئے چیڑ کے درختوں کی آواز جو دن اور رات میں ایک لمحے کو بھی خاموش نہ ہوتے تھے۔ اس کو وہ خندق ایک اصلی، خاموش اور آرام‌دہ گھر معلوم ہوئی تھی! کاش وہ وہاں جلد پہنچ سکتا، اس دلدل میں، جس کو ہواباز نمی کی وجہ سے کوسا کرتے تھے، گیلی کیچڑ بھری زمین اور مچھروں کی کبھی نہ ختم ہونے والی بھنبھناہٹ کی فضا میں!

بڑی مشکل سے وہ اپنے پیر پوشکن کے مجسمے کی طرف گھسیٹ رہا تھا۔ راستے میں کئی بار وہ سستانے کے لئے رکا۔ وہ اپنی چھڑی پر ٹیک لگا کر کھڑا ہو جاتا اور دوکان کی کھڑکیوں میں کوئی بے معنی سی چیز دیکھنے لگتا۔ پوشکن کے مجسمے کے پاس،

وہ ایک ہری اور دھوپ سے گرم نشست پر بیٹھ گیا اور ٹانگیں پھیلا دیں۔ اس کی ٹانگیں اس کے نقلی پیروں سے بندھی ہوئی دکھ اور جل رہی تھیں۔ وہ تھکا ہوا تھا۔ پھر بھی راحت کا احساس ختم نہ ہوا۔ دھوپ سے روشن دن بڑا شاندار تھا! نکڑ پر، عمارت کی چھت والے مجسمے کے اوپر، آسمان کی جیسے کوئی تھاہ ہی نہ تھی۔ لائم کے درختوں کی تازہ اور بھینی بھینی خوشبو، نرم رو ہوا میں تیرتی ہوئی، ٹھنڈی سڑک کو معطر کر رہی تھی۔ ٹرامیں مزے میں گھڑگھڑا رہی تھیں۔ بچوں کے قہقہے بہت خوشگوار معلوم ہوئے، جو زرد اور کمزور ہونے کے باوجود، مجسمے کے قدموں میں گرم گرم اور خشک ریت میں مگن کھیل رہے تھے۔ آگے ٹھنڈی سڑک پر، رسی کی روک کے پیچھے جس کی نگہبانی چست فوجی لباس میں ملبوس سرخ گالوں والی دو لڑکیاں کر رہی تھیں، چاندی کے رنگ کا سگار نما غبارہ نظر آیا۔ میریسئف کو یہ چیز ماسکو کے آسمان کا رات کا پہرے دار نہیں معلوم ہوئی۔ اس کو لگا کہ یہ ایک لحیم شحیم، نیک طینت جانور ہے جو چڑیا گھر سے بھاگا ہے اور اب درختوں کی ٹھنڈی چھاؤں میں اونگھ رہا ہے۔

میریسئف نے آنکھیں بند کر لیں اور مسکراتے ہوئے سورج کی طرف منہ پھیر لیا۔

شروع میں تو بچوں نے ہواباز کی طرف کوئی خاص توجہ نہ دی۔ ان کو دیکھ کر میریسئف کو ہسپتال کی کھڑکی پر پھدکتی ہوئی گوریاں یاد آ گئیں۔ وہ ان کی چہکتی ہوئی آوازیں سنتا رہا اور پورے جسم میں سورج کی گرمی اور سڑک کا شور جذب کرتا رہا۔ لیکن ایک ننھا بچہ اپنے ساتھیوں سے ٹوٹ کر دوڑتا ہوا آیا اور الکسئی کی پھیلی ہوئی ٹانگوں سے ٹکراتا ہوا ریت پر گر گیا۔

ایک لمحے کو ننھے بچے کا چہرہ منہ بسورنے کی وجہ سے بگڑنے لگا۔ پھر اس کے چہرے پر گھبراہٹ کی کیفیت پیدا ہوئی اور گھبراہٹ کی جگہ دہشت نے لے لی۔ بچہ ڈر سے چیخا اور میریسئف کو خوف زدہ نظروں سے گھورتا ہوا نو دو گیارہ ہو گیا۔ بچوں کا پورا جھنڈ اس کے گرد جمع ہو گیااور تھوڑی دیر تک ڈر کے مارے چہچہاتا اور شور مچاتا رہا۔ وہ کنکھیوں سے ہواباز کو دیکھتے جاتے تھے۔ پھر آہستہ آہستہ جھجکتے ہوئے وہ اس کے پاس آ گئے۔

اپنے خیالوں میں گم الکسئی نے کچھ نہ دیکھا۔ اس نے آنکھیں کھولیں تو خود کو بچوں سے گھرا پایا جو حیرت اور خوف سے اسے گھور رہے تھے۔ اور تب کہیں اس کی سمجھ میں آیا کہ وہ کہہ کیا رہے ہیں۔

''ویتامین، تو اڑا رہا ہے! یہ سچ مچ کا ہوا باز ہے۔سینئر لفٹیننٹ ہے،، کوئی دس برس کے زرد اور پتلے دبلے لڑکے نے بڑی گمبھیرتا سے کہا۔

''میں اڑا نہیں رہا ہوں!،، ویتامین نے احتجاج کیا ''میں جھوٹ کہوں تو مجھے موت آ جائے! سچ کہتا ہوں، لکڑی کی ہیں، اصلی نہیں، لکڑی کی!،،

میریسئف کے کلیجے میں ایک خنجر اتر گیا اور دن کی روشنی اس کی آنکھوں میں بجھ گئی۔ اس نے نظریں اٹھائیں اور اس کو دیکھ کر لڑکے پیچھے ہٹ گئے۔ ان کی نگاہیں اب تک اس کے پیروں پر جمی ہوئی تھیں۔

اپنے ساتھی کے شک پر چڑکر ویتامین نے چیلنج کے انداز میں کہا:

''چاہو تو میں پوچھ کر دکھا دوں۔ سمجھتے ہو میں ڈرتا ہوں؟ بازی لگاتے ہو؟،،

وہ سب سے الگ ہو کر میریسئف کی طرف چلا اور کچھ اتنا آہستہ آہستہ اور چوکنا کہ ادھر پتہ کھڑکا، ادھر بندہ بھڑکا۔ وہ ہسپتال کی کھڑکی پر پھدکتے ہوئے ''توپچی،، کی طرح معلوم ہو رہا تھا۔

آخرکار، اس نے تن کر کھڑے ہوتے ہوئے اور دوڑ کے لئے بالکل تیار کھلاڑی کی طرح جھکتے ہوئے، پوچھا:

''کامریڈ سینئر لفٹیننٹ، تمہارے پیر کیسے ہیں، اصلی ہیں یا لکڑی کے؟ کیا تم اپاہج ہو؟،،

چھوٹے سے لڑکے نے دیکھا کہ ہوا باز کی آنکھیں بھر آئیں۔ اگر میریسئف اچھلتا، اس پر گرجتا برستا اور سنہرے حروف والی عجیب و غریب چھڑی سے مارنے کو لپکتا تو یقینی اسے حیرت نہ ہوتی۔ لیکن ہوائی فوج کے لفٹیننٹ کی آنکھوں میں آنسو! اسے اس کا شعوری اندازہ تو نہ ہوا لیکن اس نے اپنے ننھے سے دل میں محسوس کیا کہ

اس نے لفظ ''اپاہج،، سے اس سپاہی کے دل کو کتنی زبردست ٹھیس لگائی تھی۔ وہ خاموشی سے بچوں کے جھنڈ میں واپس چلا گیا اور بچوں کا غول غائب ہو گیا جیسے اس گرم ہوا میں پگھل گیا ہو جس سے شہد اور گرم کولتار کی بو آ رہی تھی۔

الکسئی نے کسی کو اپنا نام پکارتے ہوئے سنا۔ وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔ انیوتا اس کے سامنے کھڑی تھی۔ اس نے انیوتا کو فوراً پہچان لیا۔ وہ اتنی خوبصورت تو نہ تھی جتنی تصویر میں دکھائی دیتی تھی۔ اس کا چہرہ زرد اور تھکا ہوا تھا۔ وہ فوجی وردی اور بوٹ پہنے ہوئے تھی۔ اس کے سر پر رکھی ہوئی فوجی ٹوپی کا رنگ اڑ گیا تھا، اس کی سبزی مائل اور قدرے ابھری ہوئی آنکھیں میریسئف کو تک رہی تھیں، ان میں اتنی روشنی اور ساد گی تھی، ان آنکھوں سے دوستی کی ایسی روشنی چھن رہی تھی کہ یہ لڑکی جو اس کے لئے اجنبی تھی، اس کی پرانی دوست معلوم ہوئی۔ جیسے وہ دونوں بچپن میں ایک ہی احاطے میں کھیل چکے ہوں۔

ایک لمحے تک وہ ایک دوسرے کو خاموشی سے گھورتے رہے۔ آخر لڑکی نے کہا:

''میرے ذہن میں تمہاری تصویر بالکل مختلف تھی۔،،

''کیسی تصویر تھی تمہارے ذہن میں؟،، میریسئف نے پوچھا اور وہ اپنے چہرے سے مسکراہٹ کو دور کرنے میں ناکام رہا جس کا شائد کوئی تک نہ تھا...

''ہاں، کیسے بتاؤں میں؟ تم جانو، تصویر کچھ ایسی تھی کہ تم بڑے لمبے تڑنگے ہوگے، بہت بہادر نظر آتے ہوگے۔ ہاں یہ ٹھیک ہے، بھاری جبڑا، یوں، ہاں منہ میں ایک پائپ... گریشا نے تمہارے بارے میں اتنا کچھ لکھا تھا!..،،

''تمہارا گریشا، وہ اصلی ہیرو ہے!،، الکسئی نے اس کی بات کاٹ دی اور جب اس نے دیکھا کہ اس ذکر پر لڑکی کا چہرہ دمک اٹھا تو وہ لفظ ''تمہارا،، پر زور دیتے ہوئے اسی انداز سے بات کرتا رہا۔ ''تمہارا گریشا سچا انسان ہے! میں کیا ہوں؟ لیکن تمہارا گریشا... میرا خیال ہے کہ اس نے تم کو اپنے بارے میں کچھ بھی نہیں بتایا...،،

''کیا تم جانتے ہو الیوشا؟ میں تمہیں الیوشا کہہ کر مخاطب

کر سکتی ہوں نا؟ میں گریشا کے خطوں سے اسی نام کی عادی ہو گئی ہوں۔ تمہیں ماسکو میں اور کوئی کام تو نہیں ہے نا ؟ تو پھر میرے گھر چلو۔ میں ڈیوٹی ادا کر کے آ رہی ہوں اور آج پورے دن مجھے چھٹی ہے۔ آؤ چلو۔ میرے پاس گھر پر تھوڑی سی وادکا ہے۔ کیا تمہیں وادکا پسند ہے؟ آؤ تمہیں وادکا پلاؤنگی۔،،

اسی لمحے، یاد کی پہنائیوں سے، الکسئی کی آنکھوں میں میجر استروچکوف کا کائیاں چہرہ ابھرا اور اسے محسوس ہوا کہ وہ آنکھ مارتے ہوئے بول رہا ہے ''لو اور سنو! دیکھا تم نے کس قسم کی لڑکی ہے وہ؟ اکیلی رہتی ہے! وادکا! اہا!،، لیکن استروچکوف اتنا رسوا ہو چکاتھا کہ کسی قیمت پر بھی وہ اس کی بات پر اعتبار نہیں کریگا۔ ابھی شام بہت دور تھی اس لئے دونوں پرانے دوستوں کی طرح خوش گپیاں کرتے ہوئے، ٹھنڈی سڑک پر ٹہلتے رہے۔ اس نے بتایا کہ جنگ کے شروع میں گووزدیف پر کیسی مصیبت کا پہاڑ ٹوٹا تھا۔ انیوتا نے جب اپنے آنسوؤں کو روکنے کے لئے ہونٹ چبانا شروع کئے تو اسے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی۔ جب اس نے محاذ پر اس کی بہادری کے کارناموں کا ذکر کیا تو اس کی سبزی مائل آنکھوں سے چنگاریاں سی نکلنے لگیں۔ اسے گووزدیف پر کتنا ناز تھا! اور جب وہ اس کے بارے میں زیادہ سے زیادہ تفصیل سے جاننے کے لئے کرید کرید کر سوال کرتی تو اس وقت اس کے چہرے پر کیسا رنگ آ جاتا تھا! اس وقت اس کو کتنا غصہ آیا تھا جب اس نے بتایا کہ گووزدیف نے بے وجہ اسے اپنی تنخواہ کا سرٹیفکیٹ بھیج دیا تھا! اور وہ اتنا اچانک کیوں بھاگ کھڑا ہوا؟ نہ کوئی بات کہی، نہ کوئی پرچہ چھوڑا اور نہ اپنا پتہ؟ کیا یہ بھی کوئی فوجی راز ہے کہ آدمی بغیر خدا حافظ کہے چلا جائے اور پھر ایک لفظ بھی نہ لکھے؟

''ہاں ذرا یہ بتاؤ کہ تم نے اس پر اتنا زور کیوں دیا تھا کہ اس نے اب داڑھی رکھ لی ہے؟،، انیوتا نے اس کو تجسس بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ارے یونہی منہ سے نکل گیا۔ کوئی خاص بات نہیں،، میریسئف نے کتراتے ہوئے جواب دیا۔

''نہیں، نہیں، بتاؤ! جب تک بتا نہ دوگے میں تمہارا پیچھا نہیں چھوڑونگی۔ کیا یہ بھی کوئی فوجی راز ہے کیا، ایں؟،،

''ہرگز نہیں! بس اتنی سی بات ہے کہ ہمارے پروفیسر واسیلی واسیلی‌وچ نے... بس... داڑھی کا نسخہ تجویز کیا... تاکہ لڑکیاں... میرا مطلب ہے... ایک خاص لڑکی اسے اور زیادہ چاہے۔''

''اوہ تو یہ بات ہے! اب میں سب کچھ سمجھ گئی!''

یکایک انیوتا کی سبزی مائل آنکھوں کی روشنی مر گئی۔ اس کی عمر زیادہ نظر آنے لگی۔ اس کے چہرے کی زردی اور بھی نمایاں ہو گئی۔ اس کی پیشانی اور آنکھوں کے کونوں پر ننھی ننھی باریک لکیریں ابھر آئیں۔ یہ لکیریں اتنی باریک تھیں کہ معلوم ہوتا کہ سوئی سے کھینچی گئی ہیں۔ وہ اپنی فوجی وردی اور پھیکے رنگ کی ٹوپی میں، جس کے نیچے سے شاہ‌بلوط کے رنگ کے بال جھانک رہے تھے، بہت نڈھال اور تھکی ہوئی نظر آئی۔ ہاں اس کے چھوٹے، بھرے بھرے، دمکتے ہوئے سرخ ہونٹوں سے اور ان کے اوپر برائے نام ہلکے ہلکے روئیں سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ اب تک جوان ہے اور اس کی عمر مشکل سے کوئی بیس ہو گی۔

ماسکو میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آپ شاندار مکانوں کے سائے میں چوڑی سڑک پر چلتے چلتے، اچانک کسی نکڑ پر مڑ کر چند قدم چلیں اور ایک چھوٹے سے گھر کے سامنے جارکیں جس کی کھڑکیاں پرانی ہونے کی وجہ سے دھندلی ہو گئی ہوں۔ اسی قسم کے ایک مکان میں انیوتا رہتی تھی۔ وہ ایک تنگ سے زینے پر چڑھے جس میں بلیوں اور مٹی کے تیل کی بو بسی ہوئی تھی۔ وہ اوپر پہنچے۔ لڑکی نے کنجی سے دروازہ کھولا۔ دروازے کے پاس ہی گلیارے کی ٹھنڈک میں کھانے کی چیزوں کے تھیلے اور ٹین کی چند قابیں اور پتیلیاں رکھی ہوئی تھیں۔ وہ ان چیزوں کو پھلانگتے ہوئے اندر آ گئے۔ وہ ایک اندھیرے اور سنسان باورچی‌خانے میں داخل ہوئے اور چھوٹے سے گلیارے سے گزر کر ایک نیچے دروازے کے پاس پہنچے۔ سامنے کے دروازے سے کسی پتلی دبلی بوڑھی عورت کا چہرہ جھانکتا نظر آیا۔

''آننا دانی‌لوونا، تمہارا ایک خط ہے''، اس نے کہا اور ان دونوں نوجوانوں کو اس وقت تک تجسس بھری نظروں سے گھورتی رہی جب تک وہ کمرے میں داخل نہ ہو گئے۔ پھر وہ غائب ہو گئی۔

انیوتا کا باپ کسی انسٹی‌ٹیوٹ میں لکچرر تھا۔ جب انسٹی ٹیوٹ دوسری جگہ منتقل کیا گیا تو اس کے ماں‌باپ اس کے ساتھ چلے گئے۔

اور وہ کمرے جو کباڑیے کی دوکان کی طرح غلاف پوش سامان سے بھرے ہوئے تھے، اس لڑکی کی نگرانی میں چھوڑ گئے۔ فرنیچر، دروازے اور کھڑکیوں پر پرانے اور بھاری پردے، دیواروں پر تصویریں اور پیانو پر مجسمے اور گلدان — ان سب چیزوں سے پھپھوند اور ویرانی کا رنگ جھلک رہا تھا۔

''بڑی افراتفری ہے معاف کرنا۔ میں ہسپتال میں رہتی ہوں اور وہاں سے سیدھی یونیورسیٹی جاتی ہوں۔ کبھی کبھار ہی میں اس گھر میں آتی ہوں،، وہ میز پر سے اوٹ پٹانگ چیزیں اور میزپوش اٹھاتے ہوئے بولی اور اس کے چہرے پر رنگ آ گیا۔

وہ کمرے سے چلی گئی اور واپس آ کر اس نے دوبارہ میز پر میزپوش بچھایا اور بڑی احتیاط سے اس کے کناروں کو برابر کیا۔

''اگر کبھی گھر آنے کا موقع ملتا بھی ہے تو مجھ میں بس اتنی سکت ہوتی ہے کہ کسی طرح گھستی ہوئی صوفے تک جاتی ہوں اور کپڑے اتارے بغیر پڑ کر سو جاتی ہوں۔ اس لئے صفائی ستھرائی کا وقت نہیں ملتا۔،،

چند ہی منٹ بعد، بجلی کی کیتلی سنسنانے لگی۔ چینی کی پرانی پیالیاں جن کا رنگ اڑ گیا تھا، میز پر رکھی تھیں، چینی کی قاب میں رئی کی روٹی کے چند پتلے پتلے ٹکڑے رکھے تھے اور شکر کے پیالے میں شکر کے ٹوٹے ہوئے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے پڑے تھے۔ پچھلی صدی کی یادگار، اونی جھالر والی ٹی کوزی میں چھپے ہوئے چائے دان سے آتی ہوئی خوشبو جنگ سے پہلے کے زمانے کی یاد تازہ کر رہی تھی۔ میز کے بیچوں بیچ ایک بے کھلی نیلگوں بوتل رکھی تھی اور اس کے دونوں طرف ایک ایک نازک جام۔

میریسئف مخمل سے ڈھکی ہوئی آرام کرسی پر بیٹھا تھا۔ سبز رنگ کے گدے سے اندر بھری ہوئی روئی اس طرح جھانک رہی تھی کہ پشت اور سیٹ پر لگایا ہوا خوبصورت کام والا خوش‌نما غالیچہ بھی اس کو چھپانے میں ناکام تھا۔ لیکن کرسی کی آغوش اتنی آرام‌دہ، خوشگوار اور پر سکون تھی کہ الکسئی فوراً اس کی پشت سے لگ گیا اور مزے میں ٹانگیں پھیلا کر بیٹھ گیا۔

انیوتا اس کے قریب نیچی تپائی پر بیٹھ گئی اور چھوٹی سی لڑکی کی طرح اس کی طرف نگاھیں اٹھا کر پھر گووزدیف کے بارے

میں پوچھہ گچھہ کرنے لگی۔ یکایک اس کو اپنی میزبانی کا فرض یاد آیا اور وہ اچھل پڑی۔ اس نے خود کو خوب برا بھلا کہتے ہوئے اس کا ھاتھہ پکڑا اور اسے میز کے قریب بٹھایا۔

''ایک جام تو پیوگے، نا؟ گریشا نے مجھے بتایا تھا کہ ٹینک مین اور ھواباز بھی بلا شبہ...''

اس نے الکسئی کی طرف ایک جام کھسکایا۔ کمرے میں جھانکتی ہوئی سورج کی آڑی ترچھی جگمگاتی کرنوں میں وادکا کا نیلگوں رنگ اور بھی جگمگانے لگا۔ وادکا کی بو نے الکسئی کو دور دراز جنگل کے ھوائی اڈے میں افسروں کے کھانے کے کمرے کی یاد دلا دی۔ اسے وہ گونج یاد آئی جو کھانے پر ''ایندھن کے راشن'' کے آنے کے وقت پیدا ھوتی تھی۔ الکسئی نے جب دیکھا کہ دوسرا جام خالی ہے تو اس نے پوچھا:

''اور تم؟''

''میں نہیں پیتی'' انیوتا نے سادگی سے کہا۔

''لیکن مان لو ھم اس کے نام کی پئیں، گریشا کے نام کی؟''

لڑکی مسکرائی۔ اس نے خاموشی سے جام بھرا، جام کی نازک کمر تھامی اور آنکھوں میں سوچ کی چمک پیدا کرتے ہوئے اس نے الکسئی کے جام سے جام ٹکرایا اور کہا:

''وہ سرخ رو ھو!''

اس نے جام اٹھایا اور ایک ھی گھونٹ میں خالی کر گئی اور فوراً کھانسنے لگی۔ اس کا چہرہ سرخ ھو گیا اور وہ مشکل سے اپنی سانس پر قابو پا سکی۔

بہت دنوں سے میریسئف نے وادکا نہیں چکھی تھی۔ اس نے محسوس کیا کہ وادکا چڑھہ رھی ہے اور ایک گرم گرم سی تب و تاب رگوں میں دوڑ رھی ہے۔ اس نے دوبارہ جام بھرے لیکن انیوتا نے بڑی قطعیت سے سر ھلایا۔

''نہیں، نہیں! تم نے دیکھہ لیا کیا ھوا۔''

''لیکن کیا تم میری سرخ روئی کا جام نہیں پیوگی؟'' الکسئی نے التجاآمیز لہجے میں کہا۔ ''کاش تم جانتیں کہ مجھے اس کی کتنی ضرورت ہے!''

لڑکی نے بڑی سنجیدگی سے اس کو دیکھا، اپنا جام اٹھایا،

مسکرا کر سر ہلایا، نرمی سے اس کی کہنی دبائی اور پھر جام خالی کر گئی۔ پھر اس نے کھانسنا اور منہ بنانا شروع کیا۔

''یہ میں کیا کر رہی ہوں؟'' آخر جب سانس قابو میں آئی تو وہ بولی ''اور وہ بھی چوبیس گھنٹے ڈیوٹی کرنے کے بعد! الیوشا، یہ صرف تمہارے لئے کر رہی ہوں۔ تم... گریشا نے بہت کچھہ تمہارے بارے میں لکھا تھا... میں چاہتی ہوں تم خوش نصیب ثابت ہو، میں دل سے چاہتی ہوں۔ اور تم ضرور کامیاب ہوگے۔ سن رہے ہو جو میں کہہ رہی ہوں۔ مجھے یقین ہے۔'' وہ خوش خوش قہقہے لگانے لگی۔ ''لیکن تم کہا نہیں رہے ہو! کچھہ روٹی تو لو۔ شرماؤ مت۔ میرے پاس اور بھی ہے۔ یہ تو کل کی ہے۔ مجھے ابھی آج کا راشن نہیں ملا ہے۔'' اس نے روٹی کی پلیٹ اس کی طرف بڑھائی۔ اس میں رکھی ہوئی روٹی کے ورق کاغذ کی طرح باریک تھیں۔ ''کھاؤ، بیوقوف لڑکے کھاؤ، ورنہ تمہیں نشہ آجائیگا اور پھر بتاؤ میں تمہارا کیا بناؤنگی؟''

الکسئی نے روٹی کی پلیٹ الگ کھسکا دی۔ اس نے انیوتا کی سبزی مائل آنکھوں، اس کے چھوٹے اور بھرے بھرے چمکتے ہوئے سرخ ہونٹوں کو دیکھا اور دھیمی آواز میں بولا:

''میں تمہیں پیار کر لوں تو تم کیا کروگی؟''

وہ فوراً سنجیدہ ہو گئی۔ اس نے میریسئف کو خوف‌زدہ نظروں سے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں غصہ نہ تھا بلکہ ان میں ایک طرح کا تجسس اور مایوسی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے ایک لمحے پہلے یہ آنکھیں کسی ایسی چیز کو دیکھہ رہی تھیں جو دور سے قیمتی ہیرے کی طرح چمک رہی تھی اور اب قریب آنے پر معلوم ہوا کہ یہ معمولی شیشے کے سوا کچھہ بھی نہیں۔

''شاید میں تمہیں یہاں سے نکال باہر کرونگی اور گریشا کو لکھونگی کہ تمہیں آدمی کی پہچان نہیں'' اس نے سردمہری سے جواب دیا۔ پلیٹ کھسکاتے ہوئے اس نے پھر اصرار کے ساتھہ کہا ''کچھہ کھاؤ، تم نشے میں ہو!''

میریسئف کا چہرہ دمک اٹھا۔

''اور تم بالکل حق بجانب ہوگی! شکریہ! میں پوری سوویت

فوج کی طرف سے تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں! اور میں گریشا کو خط لکھونگا اور اسے بتاؤنگا کہ اسے لوگوں کی خوب پہچان ہے!،،

وہ تین بجے تک گپ کرتے رہے۔ کمرے میں آتی ہوئی ترچھی کرنیں اب دیوار پر رینگنے لگی تھیں۔ الکسئی کی گاڑی کا وقت ہو گیا تھا۔ وہ اداسی کے ساتھہ جھجکتے ہوئے سبز مخمل کی کرسی سے اٹھا۔ گدے کے پر اس کے کوٹ پر چپک گئے تھے۔ انیوتا اس کو خدا حافظ کہنے کے لئے اسٹیشن گئی۔ دونوں بازو میں بازو ڈالے چل دئیے۔ الکسئی آرام کرنے کے بعد اتنے اطمینان اور اعتماد سے قدم اٹھا رہا تھا کہ انیوتا یہ سوچنے پر مجبور ہو گئی ''جب گریشا نے لکھا تھا کہ الکسئی کے پیر نہیں تو کیا اس نے محض مذاق کیا تھا؟،، اس نے الکسئی کو بتایا کہ وہ فوجی ہسپتال میں کام کرتی ہے جہاں اب ڈاکٹری کے طالبعلم کام کرتے ہیں — مجروح مریضوں کی سارٹنگ۔ اس نے کہا کام بہت ہے کیونکہ ہر روز دکھن سے گاڑیاں بھر بھر کر زخمی آ رہے ہیں۔ یہ زخمی کتنے شاندار آدمی ہیں۔ کتنی بہادری سے اپنی تکلیفوں کو برداشت کرتے ہیں! یکایک اس نے خود اپنی بات کاٹ دی اور پوچھا:

''کیا تم نے سنجیدگی سے یہ بات کہی تھی کہ گریشا داڑھی رکھہ رہا ہے؟،، وہ ایک لمحے کو خاموش اور دکھی سی رہی اور پھر بولی ''میں اب سب کچھہ سمجھتی ہوں۔ میں تم سے ایمانداری سے کہونگی جس طرح میں اپنے ابا سے کہتی: شروع میں مجھہ سے اس کے داغ اور نشان دیکھے نہ گئے۔ 'دیکھے نہ گئے'، یہ کہنا ٹھیک نہیں۔ میرا مطلب ہے، میں ڈر گئی۔ نہیں! یہ بھی ٹھیک نہیں۔ میں نہیں جانتی کس طرح بیان کروں۔ تم میری بات سمجھتے ہو نا؟ شاید یہ اچھی بات نہ تھی۔ لیکن میں کیا کروں؟ اف وہ مجھہ سے بھاگ گیا! بیوقوف لڑکا! خدایا، کیسا بیوقوف لڑکا ہے وہ! اگر تم اس کو خط لکھو تو ضرور لکھنا کہ مجھے اس کی اس حرکت سے بہت تکلیف پہنچی ہے۔،،

وسیع ریلوے اسٹیشن قریب قریب خالی تھا۔ سپاہیوں کے سوا کوئی بھی تو نہ تھا۔ بعض سپاہی خاص کام سے تیز تیز بھاگ رہے تھے۔ بعض دیواروں کے پاس اکڑوں بیٹھے تھے یا اپنے سامان کے تھیلوں پر خاموش ٹکے ہوئے تھے، یا زمین پر پھسکڑا مار کر جمے ہوئے

تھے۔ ان کے چہروں پر ایک طرح کی جھلاہٹ اور فکر تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ ان کے ذہن ایک ہی خیال کے گرد چکر لگا رہے ہیں۔ ایک زمانے میں یہ لائن مغربی یورپ سے خاص ناتا قائم کرتی تھی۔ اب دشمن نے ماسکو سے کوئی اسی کلومیٹر کی دوری پر اس راستے کو کاٹ دیا تھا۔ لائن کا چھوٹا سا حصہ باقی رہ گیا تھا اس پر صرف فوجی گاڑیاں چلتی تھیں۔ اور دو گھنٹے میں سپاہی راجدھانی سے محاذ پر پہنچتے تھے جس نے دشمن کا راستہ روک رکھا تھا۔ ہر آدھے گھنٹے پر بجلی گاڑی اسٹیشن پر رکتی اور مضافات میں رہنے والے مزدوروں اور گاؤں سے دودھ، پھل، سانپ کی چھتریاں اور ترکاریاں لانے والی کسان عورتوں کے ہجوم کو پلیٹ‌فارم پر اگل دیتی۔ ایک لمحے کو یہ شور مچاتے ہوئے ہجوم ریلوے اسٹیشن کو بھر دیتے لیکن وہ جلدی ہی میدان میں نکل جاتے اور پھر اسٹیشن پر صرف فوجی باقی رہ جاتے۔

مرکزی ہال میں سوویت جرمن محاذ کا نقشہ چھت تک پھیلتا چلا گیا تھا۔ پھولے پھولے گالوں والی ایک گول مٹول سی لڑکی، فوجی یونیفارم پہنے ہوئے، سیڑھی پر کھڑی تھی۔ اس کے ہاتھ میں اخبار تھا جس میں سوویت اطلاعاتی بیورو کی تازہ‌ترین خبریں چھپی تھیں۔ وہ پن میں لگے ہوئے دھاگے سے محاذ کی لائن پر نشان لگا رہی تھی۔

نقشے کے نچلے حصے میں، دھاگا تیزی سے زاویہ بناتا ہوا سیدھے ہاتھ کو مڑ گیا تھا۔ جرمن دکھن میں آگے بڑھ رہے تھے۔ وہ ایزوم بروینکوف کے مورچے کو توڑ کر آگے نکل گئے تھے۔ ان کی چھٹی فوج نے ملک کے بیچوں بیچ ایک دراڑ ڈال دی تھی اور وہ دریائے دون کی نیلی رگ کی طرف بڑھ رہی تھی۔ لڑکی نے دریائے دون کے قریب دھاگا باندھ دیا۔ اس کے پاس ہی والگا کی موٹی سی رگ موجیں مار رہی تھی۔ یہاں استالن گراد کا بڑا سا نقطہ بنا ہوا تھا۔ اس کے پاس ہی اوپر ایک نقطے سے کامی‌شین دکھایا گیا تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ دشمن نے دراڑ ڈال دی تھی اور دون کو کاٹ کر اس بڑی رگ کی طرف بڑھ رہا تھا اور اس کے کافی قریب پہنچ چکا تھا۔ اسٹیشن پر بہت بڑا مجمع نہایت گمبھیر خاموشی کے ساتھ کھڑا تھا۔ لڑکی ان سب سے بلند سیڑھی پر تھی۔ مجمع لڑکی کے موٹے ہاتھوں کو پنوں کی پوزیشن بدلتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ ایک

جوان سپاہی کے چہرے پر پسینہ دوڑ رہا تھا۔ وہ جاڑے کا نیا اور بےشکن کوٹ پہنے ہوئے تھا جو اس کے شانے پر پھنس رہا تھا۔ اس نے غم زدہ آواز میں اپنے خیال کا اظہار کیا:

''بدمعاش زوروں پر دھکیل رہے ہیں... ذرا دیکھنا کسی طرح دھکیل رہے ہیں بدمعاش!''

ریلوے کے ایک لمبے سے پتلے دبلے مزدور نے، جس کی مونچھیں سفید تھیں اور جو ریلوے کی تیل سے چکٹ ٹوپی پہنے ہوئے تھا، اس سپاہی کو بپھری ہوئی نظروں سے دیکھا اور غرایا:

''دھکیل رہے ہیں، ایں؟ لیکن تم ان کو دھکیلنے کیوں دو؟ اگر تم ان کو پیٹھ دکھاؤگے تو یقینی وہ تمہیں دھکیلینگے! اچھے سپاہی ہو! دیکھو کہاں پہنچ گئے وہ! قریب والگا تک!''

اس کی آواز میں درد اور تکلیف تھی۔ جیسے کوئی باپ سنگین اور ناقابل معافی جرم پر اپنے بیٹے کو برا بھلا کہہ رہا ہو۔

سپاہی نے مجرمانہ نگاہوں سے مڑکر دیکھا اور اپنے کندھوں پر بالکل نئے کوٹ کو ٹھیک کرتے ہوئے ہجوم سے باہر نکلنے لگا۔

''تم ٹھیک کہتے ہو! ہم بہت زیادہ میدان ہار گئے ہیں،'' ایک اور شخص نے ٹھنڈی سانس لی اور بڑی تلخی سے سر جھٹکتے ہوئے بولا ''ایہہ!''

ایک بڈھا، جو کینوس کا گردخور کوٹ پہنے ہوئے تھا اور دیکھنے میں گاؤں کا اسکول ماسٹر یا ڈاکٹر معلوم ہوتا تھا، اس سپاہی کی حمایت میں بولنے لگا:

''اسے کیوں دوش دو؟ کیا یہ اس کا قصور ہے؟ اس کے جیسے کتنے نوجوان موت کے گھاٹ اتر چکے ہیں! ذرا اس طاقت کو تو دیکھو جو ہمارے خلاف زور لگا رہی ہے! سارا یورپ چڑھ آیا ہے... اور ٹینکوں کے دل کے دل! آخر یہ پورا طوفان ایک دم سے کیسے روکا جا سکتا ہے؟ ہونا تو یہ چاہئے کہ ہم زمین پر گھٹنے ٹیک کر اس لڑکے کا شکریہ ادا کریں کہ اس کی بدولت ہم اب تک زندہ ہیں اور ماسکو میں گھومتے پھرتے نظر آرہے ہیں! دیکھو کتنے ملکوں کو یہ فاشسٹ ہفتے بھر میں ٹینکوں سے روند کر برابر کر چکے ہیں۔ لیکن ایک برس سے زیادہ ہوا ہم لڑتے چلے جا رہے ہیں اور اب تک ان کے ہر دھکے کا جواب دئے جا رہے ہیں... ہم نہ جانے کتنوں کو

موت کی نیند سلا چکے ہیں۔ ساری دنیا کو اس لڑکے کا شکر گزار ہونا چاہئے! اور تم کہتے ہو 'پیٹھ دکھاتے ہو'۔''

''میں جانتا ہوں، جانتا ہوں، خدا کے لئے مجھے لکچر نہ پلاؤ! میرا دماغ یہ سب کچھ جانتا ہے۔ لیکن میرا دل مارے درد کے پھٹا جا رہا ہے!'' ریلوے مزدور نے افسردگی سے جواب دیا۔ ''جرمن ہماری دھرتی کو روند رہے ہیں، جرمن ہمارے گھروں کو مسمار کر رہے ہیں!''

''کیا وہ وہاں ہے؟'' انیوتا نے نقشے کے جنوبی حصے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں، اور وہ لڑکی بھی وہیں ہے'' الکسئی نے جواب دیا۔

استالن گراد کے اوپر، والگا کے نیلے خم پر ایک نقطہ نظر آیا جس پر لکھا ہوا تھا ''کامی‌شین''۔ اس کے لئے یہ لفظ محض ایک نقطہ نہ تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک چھوٹے سے ہرے بھرے شہر کا تصور ابھر آیا، گھاس سے بھری ہوئی مضافاتی سڑکیں، چنار کے درختوں کے گرد آلود چمکتے ہوئے پتوں کی سرسراہٹ، گرد و غبار کی بو اور ترکاریوں کے کھیتوں سے آتی ہوئی سویا اور اجوائن کی خوشبو، دھاری دار تربوز، جو لگتا تھا کہ کھیتوں کی سوکھی زمین پر خشک پتیوں کے درمیان بکھرے پڑے ہیں، گھاس کے میدانوں کی ہوا جس میں کٹیلے کی کڑوی بو بسی ہوئی تھی، دریا کی ناقابل بیان جگمگاتی ہوئی وسعتیں اور بھوری آنکھوں‌والی، دھوپ میں سنولائی ہوئی ایک کومل کومل سی لڑکی اور اس کی سفید بالوں والی پریشان اور گھبرائی ہوئی ماں...

''دونوں وہیں ہیں...'' اس نے کہا۔

۲

بجلی گاڑی ماسکو کے مضافات سے گزرتی رہی، اس کے پہئے بڑے ترنم سے گھڑگھڑاتے رہے اور اس کی سیٹی غصے سے چیختی رہی۔ میریسئف کھڑکی کے پاس بیٹھا تھا۔ اسے ایک مونچھ داڑھی صاف بڈھے نے دیوار تک دھکیل دیا۔ بڈھا چوڑی پٹی‌والی میکسم گورکی کٹ ہیٹ اور سونے کی کمانیوں‌والی عینک پہنے ہوئے تھا۔ اس کے

گھٹنوں کے درمیان کھرپا، کدال اور دوشاخہ کاغذ میں لپٹے اور ڈور سے بندھے ہوئے پڑے تھے۔

ان دنوں، ہر شخص کی طرح، یہ بڈھا بھی سوائے جنگ کے اور کسی چیز کے بارے میں نہیں سوچ رہا تھا۔ اس نے بڑے زور شور سے اپنا پتلا دبلا ہاتھہ میریسئف کی ناک کے سامنے ہلایا اور اہمیت کا پوز اختیار کرتے ہوئے اس کے کان میں بولا:

''یہ نہ سمجھنا کہ میں غیرفوجی آدمی ہوں اس لئے اپنے یہاں کا منصوبہ میری سمجھہ میں نہ آتا ہوگا۔ میں خوب اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ یہ اس لئے ہے کہ دشمن کو خوب للچا للچا کر والگا کے میدان میں گھسنے پر اکسایا جائے اور اس کو مجبور کیا جائے کہ وہ اپنی رسل و رسائل کی لائن کو دور تک لے جائے، تب اس کا ناتا، آج کل کی زبان میں، اپنے محاذ سے ٹوٹ جائیگا اور تب اتر اور دکھن سے بڑھہ کر اس کے رسل و رسائل کا سلسلہ بیچ سے کاٹ دیا جائے اور پھر دشمن کو نرغے میں لیکر کچل دیا جائے۔ ہاں۔ یہ بڑی چالاکی کا منصوبہ ہے۔ ہمارے خلاف صرف ہٹلر نہیں ہے۔ وہ پورے یورپ کو ہمارے خلاف ابھار کر چڑھہ دوڑا ہے۔ ہم اکیلے چھہ ملکوں کے خلاف لڑ رہے ہیں۔ اکیلے! ہمیں اپنے ملک کی وسعتوں کا فائدہ اٹھاکر ان کی طاقت کو کمزور کرنا چاہئے۔ ہاں۔ یہی ایک معقول راستہ ہے۔ آخر ہمارے اتحادی چپ سادھے بیٹھے ہیں، ہے نا؟ کیا خیال ہے تمہارا؟،،

''میرا خیال ہے آپ بے معنی باتیں کر رہے ہیں۔ ہماری دھرتی بہت قیمتی ہے اور ہم اس سے دشمن کو اپنے اندر سمونے کا کام نہیں لے سکتے،، میریسئف نے ذرا غیر دوستانہ لہجے میں جواب دیا۔ اسے دفعتاً جل کر راکھہ کا ڈھیر بنا ہوا وہ گاؤں یاد آ گیا جس سے وہ جاڑے میں رینگتا ہوا گزرا تھا۔

لیکن بڈھا میریسئف کے کان میں بھنبھناتا رہا اور تمباکو اور کافی کی بو میں بسی ہوئی سانس اس کے منہ پر چھوڑتا رہا۔

الکسئی کھڑکی سے باہر جھانکنے لگا۔ گرم اور گردآلود ہوا کے جھونکے اس کے چہرے پر طمانچے مارتے رہے۔ وہ گزرتے ہوئے پلیٹ فارموں کو گھورتا رہا جن کے سبز کٹھہرے بے رنگ ہو گئے تھے اور شوخ رنگ دکانوں پر تختے لگا دئے گئے تھے۔ وہ ان چھوٹے

چھوٹے جھونپڑوں کو دیکھہ رہا تھا جو ہرے جنگلوں سے جھانک رہے تھے، سوکھے ہوئے چشموں کے زمردیں کنارے، چیڑ کے درختوں کے موم بتیوں جیسے تنے جو ڈوبتے سورج کی روشنی میں انگارے کی طرح چمک رہے تھے اور جنگلوں کے اس پار جھٹپٹے میں جھکا ہوا وسیع نیلا آسمان... وہ یہ سب کچھہ دیکھہ رہا تھا۔

''...تم فوجی آدمی ہو، بتاؤ، کیا یہ ٹھیک ہے؟ ایک برس سے زیادہ ہو گیا ہم اکیلے فاشزم سے لڑ رہے ہیں۔ تمہارا کیا خیال ہے اس کے بارے میں؟ لیکن ہمارے اتحادی کہاں ہیں اور دوسرا محاذ کہاں ہے؟ اور اب تم ذرا اس کا تصور کرو : ایک ایسے آدمی پر ڈاکو ٹوٹ پڑتے ہیں جو بےفکری سے اپنی دھن میں مگن خون پسینہ ایک کر رہا ہے۔ لیکن یہ آدمی بوکھلاتا نہیں۔ وہ تن کر کھڑا ہو جاتا ہے اور ڈاکوؤں سے لڑتا ہے۔ وہ سر سے پاؤں تک لہولہان ہے لیکن جو ہتھیار بھی اسے ہاتھہ آتا ہے وہ اٹھا لیتا ہے اور لڑے چلا جاتا ہے۔ اکیلا کئی ڈاکوؤں سے چومکھی لڑتا رہتا ہے۔ ڈاکو ہتھیاروں سے لیس ہیں۔ وہ ایک زمانے سے موقع کی تاک میں تھے۔ ہاں اور اس آدمی کے پڑوسی اس لڑائی کا تماشا دیکھتے رہتے ہیں۔ وہ دروازوں پر کھڑے رہتے ہیں اور اس آدمی سے ہمدردی دکھاتے ہیں اور کہتے ہیں : 'بہت اچھے میرے یار! ان کو مزا چکھاؤ! مزا چکھاؤ! اچھی طرح خبر لو!'، اور اس کی مدد کو آنے کے بجائے وہ اس کو ڈنڈے دیتے اور پتھر تھماتے ہیں اور کہتے ہیں : 'یہ بات! مارو ان کو اس سے! زور سے مارو!'، لیکن خود اس لڑائی میں قدم نہیں رکھتے۔ ہاں۔ ہمارے اتحادیوں کا رویہ یہی ہے!... مسافر، ہاں وہ بس ایسے ہی ہیں...''

میریسئف نے مڑ کر دلچسپی کی نظروں سے بڈھے کو دیکھا۔ بہت سے مسافر اس کھچا کھچ ڈبے میں ان کی طرف دیکھہ رہے تھے۔ ہر طرف سے آواز آئی :

''ہاں وہ ٹھیک کہہ رہا ہے! ہم اکیلے لڑ رہے ہیں! دوسرا محاذ کہاں ہے؟''

''کوئی پروا نہیں۔ ہم بھر پور وار کرینگے اور خود دشمن کے پرخچے اڑا دینگے۔ یقینی جب تماشا ختم ہو جائیگا تو وہ دوسرا محاذ لئے حاضر ہو جائینگے۔''

گاڑی تھوڑی دیر کو رکی۔ کئی زخمی شب خوابی کے لباس پہنے، بیسا کھیوں پر بھٹکتے اور ڈنڈے کے سہارے لنگڑاتے ہوئے ڈبے میں داخل ہوئے سب کے پاس کاغذ کے تھیلوں میں سورج مکھی کے بیج یا گوندنیاں تھیں۔ یقینی وہ سب کسی سینی ٹوریم سے یہاں کے بازار میں آئے ہونگے۔ عینک والا بڈھا فوراً اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے سرخ بالوں والے ایک نوجوان کو، جس کی ٹانگ پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں، قریب دھکیل کر زبردستی اپنی جگہ پر بٹھا دیا۔

''میرے لڑکے، یہاں بیٹھ جاؤ، یہاں بیٹھ جاؤ!،، وہ چلایا ''میری پروا نہ کرو۔ میں جلد ہی اتر جاؤنگا۔،،

یہ ثابت کرنے کے لئے کہ وہ سچ کہہ رہا ہے بڈھے نے باغبانی کا سامان اٹھایا اور دروازے کی طرف چل دیا۔ گوالنیں زخمیوں کو جگہ دینے کے لئے سمٹ سمٹا کر سکڑ گئیں۔ الکسئی کے پیچھے سے ایک عورت کی ملامت بھری آواز ابھری ''اس آدمی کو شرم آنی چاھئے۔ اس کے پاس زخمی آدمی کھڑا ہے اور وہ اسے اپنی جگہ نہیں دیتا! بیچارا لڑکا کچلا جا رہا ہے لیکن اس کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی! کس شان سے، ہٹا کٹا، وہاں آرام سے جما ہوا ہے، ہوں، جیسے اسے تو کبھی گولی لگ ہی نہیں سکتی! اور ہوائی فوج کا افسر ہے ذرا دیکھنا!،،

اس بےوجہ ملامت پر الکسئی کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ غصے میں اس کے نتھنے پھڑکنے لگے... لیکن یکایک اس کا چہرہ دمک اٹھا۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا:

''آؤ دوست، اس جگہ بیٹھ جاؤ۔،،

زخمی بوکھلاہٹ کے مارے اچھل پڑا:

''نہیں شکریہ، کامریڈ سینئر لفٹینٹ۔ تکلیف نہ کیجئے۔ میں کھڑا رہ سکتا ہوں۔ ہمیں زیادہ دور نہیں جانا۔ دو اسٹاپ بس۔ ،،

''میں کہتا ہوں بیٹھ جاؤ!،، الکسئی نے دل چسپ صورت حال کو بھانپتے ہوئے ذرا بن کر سختی سے کہا۔

وہ ڈبے کے ایک کنارے کی طرف چل دیا۔ وہ دیوار کے سہارے اپنی چھڑی کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر کھڑا ہو

گیا اور مسکرانے لگا۔ معلوم ہوتا تھا کہ چارخانے کے رومال والی بوڑھیا کو، جس نے الکسئی کو ڈانٹ سنائی تھی، اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اس کی ملامت کرتی ہوئی آواز دوبارہ سنائی دی:

''ذرا دیکھنا ان کو! اے بی ہیٹ والی! بڑی رانی بنی بیٹھی ہو۔ اس چھڑی والے افسر کو اپنی جگہ کیوں نہیں دیتی! کامریڈ افسر یہاں آ جاؤ۔ تم میری جگہ پر بیٹھ سکتے ہو۔ خدا کے لئے اس کو راستہ تو دو، افسر کو آنے دو!''

الکسئی نے سنی ان سنی کر دی۔ اس کو جو لطف آیا تھا جاتا رہا۔ اسی لمحہ کنڈکٹر نے اس اسٹاپ کا نام پکارا جہاں اسے اترنا تھا۔ گاڑی آہستہ آہستہ رک گئی۔ ہجوم کو چیرتے ہوئے اس کا سامنا اس عینک والے آدمی سے دوبارہ ہو گیا۔ اس نے اپنے پرانے ملاقاتی کو دیکھ کر سر ہلایا اور سرگوشی میں پوچھا:

''اچھا، کیا خیال ہے، کیا وہ کبھی دوسرا محاذ کھو لینگے؟''

''اگر وہ نہیں کھولینگے تو ہم خود ہی سنبھال لینگے''

الکسئی نے لکڑی کے پلیٹ فارم پر قدم رکھتے ہوئے کہا۔

گاڑی پہیوں کو گھماتی ہوئی اور زور زور سے چیختی ہوئی موڑ پر غائب ہو گئی اور اپنے پیچھے گرد و غبار کا ایک طوفان چھوڑ گئی۔ پلیٹ فارم پر اکادکا مسافر رہ گئے۔ جلد ہی شام کا معطر معطر سا سکون چھا گیا۔ جنگ سے پہلے یہ جگہ بڑی خوشگوار اور راحت بخش رہی ہوگی۔ اسٹیشن کو گھیرے ہوئے چیڑ کے درختوں کی پھننگیں بڑے دل آویز آہنگ سے سرسرا رہی تھیں۔ بلاشبہ، دو برس قبل، ایسی دل فریب شاموں کو، لوگوں کا ہجوم، گرمیوں کے اچھے اچھے ہلکے پھلکے دلکش کپڑوں میں ملبوس عورتیں، شور مچاتے ہوئے بچے اور خوش وخرم سنولائے ہوئے مرد، شہر سے واپس آتے ہونگے، اپنے ہاتھوں میں سامان اور شراب کی بوتلیں اٹھائے، ہاں یہ سارے لوگ قافلہ درقافلہ آتے ہونگے اور اسٹیشن سے جنگل کے گھنے سائے تلے پھیلے ہوئے لکڑی کے دیہاتی مکانوں کی طرف جاتے ہونگے۔ چند مسافر، جو اس گاڑی سے کدالوں، کھرپیوں اور باغبانی کے دوسرے سامان کے ساتھ اترے تھے جلدی جلدی پلیٹ فارم سے چھٹ گئے اور اپنی اپنی فکر میں ڈوبے ہوئے

جنگل میں گھس گئے۔ اکیلا میریسئف، لگتا تھا کہ چھڑی لیکر سیر و تفریح کے لئے نکلا ہے۔ وہ رکتا اور گرمیوں کی شام کے حسن کی داد دیتا، فرحت بخش ہوا میں گہری گہری سانس لیتا اور جب چیڑ کے درختوں سے چھنتی ہوئی سورج کی کرنوں کا گرم گرم لمس محسوس ہوتا تو وہ آنکھیں میچ لیتا۔

ماسکو میں اس کو بتا دیا گیا تھا کہ سینیٹوریم پہنچنے کا کیا راستہ ہے۔ اور اس نے ایک سچے سپاہی کی طرح، چند بتائے ہوئے نشانوں کی مدد سے اپنا راستہ ڈھونڈ نکالا۔ اسٹیشن سے وہاں تک کا راستہ کوئی دس منٹ کا تھا۔ سینیٹوریم ایک چھوٹی سی پرسکون جھیل کے کنارے تھا۔ انقلاب سے پہلے کسی روسی کروڑپتی کے جی میں آئی کہ یہاں پر گرمیوں کے موسم کے لئے ایک ایسا محل بنوائے جو اپنی مثال آپ ہو۔ اس نے معمار سے کہا کہ اگر وہ کوئی انوکھی اور اچھوتی چیز بنا کر دکھا دے تو پھر روپیہ کی کوئی پروا نہیں۔ اور معمار نے اپنے سر پرست کے مذاق کے مطابق اس جھیل کے کنارے اینٹوں کا ایک عظیم الشان ڈھیر کھڑا کر دیا۔ اس میں چھوٹی چھوٹی جالی دار کھڑکیاں بنائیں، برج اور کلس بنائے، برساتیاں اور پرپیچ راستے اور گلیارے بنائے۔ سیج کی لمبی گھاس سے ڈھکے ہوئے جھیل کے کنارے پر کھڑی ہوئی یہ لغو قسم کی عمارت روس کے نرالے قدرتی مناظر پر ایک بدنما دھبہ تھی۔ اس جگہ کا منظر کتنا حسین تھا! لب آب بید کے نئے درختوں کا ایک جھنڈ تھا اور ان کے پتے تھرتھرا رہے تھے۔ پرسکون فضا میں پانی کی سطح شیشے کی طرح ہموار اور چکنی تھی۔ بڑی بڑی قد آدم گھاس کے درمیان کہیں کہیں برچ کے داغدار درخت سربلند تھے اور خود جھیل کے چاروں طرف پرانے جنگل نے ایک وسیع، نیلگوں اور دندانے دار گھیرا ڈال رکھا تھا۔ ان سب کا الٹا عکس جھیل کی ٹھنڈی، پرسکون اور نیلگوں سطح پر جھلک رہا تھا۔

بہت سے مشہور مصور یہاں آتے تھے۔ اس جگہ کا مالک اپنی مہمان نوازی کے لئے سارے روس میں مشہور تھا۔ یہ قدرتی منظر، ان گنت تصویروں میں جزوی اور مکمل طور پر سمو دیا

گیا ہے تاکہ لوگ روسی قدرتی مناظر کی زوردار اور ساتھ ہی سادہ شان و شوکت کا صدیوں لطف اٹھائیں۔

اب اس محل سے سوویت ہوائی فوج کے سینیٹوریم کا کام لیا جاتا تھا۔ امن کے زمانے میں ہواباز اپنی بیوی بچوں سمیت یہاں آیا کرتے تھے۔ اب زخمی ہواباز پوری طرح صحت یاب ہونے کے لئے ہسپتالوں سے یہاں بھیجے جاتے تھے۔ الکسئی یہاں تک، برچ کی دو رویہ قطاروں کے درمیان، چوڑی، پرپیچ، پختہ سڑک پر چل کر نہیں پہنچا۔ وہ تو اس پگڈنڈی پر چل کر آیا تھا جو اسٹیشن سے جھیل تک سیدھی آتی تھی۔ بلکہ کہنا چاہئے کہ وہ سینیٹوریم تک پچھواڑے کی طرف سے آیا اور شور مچاتے ہوئے لوگوں کی بھیڑ میں گھس گیا جو دو کھچا کھچ بھری ہوئی بسوں کو گھیرے ہوئے تھی۔

بات چیت سے الکسئی کو اندازہ ہو گیا کہ یہ لوگ ان ہوابازوں کو خدا حافظ کہہ رہے تھے جو سینیٹوریم چھوڑ کر محاذ کی طرف جا رہے تھے۔ سفر پر روانہ ہوتے ہوئے ہواباز بہت خوش اور جوش میں تھے گویا وہ ایسی جگہ نہ جا رہے ہوں جہاں ہر بادل کے پیچھے موت منڈلاتی رہتی ہے بلکہ جیسے وہ پر امن زمانے میں اپنے اپنے دستے میں لوٹ رہے ہوں۔ خدا حافظ کہنے والوں کے چہروں سے غم گینی اور بے صبری ٹپک رہی تھی۔ الکسئی اس احساس سے واقف تھا۔ جب سے جنوب میں گھمسان کا رن پڑا تھا، خود اسے ایک مقناطیسی قوت اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔ جیسے جیسے محاذ پر صورت حال زیادہ شدید اور سنگین ہوتی جاتی تھی یہ کشش بڑھتی جاتی تھی۔ اور جب فوجی حلقوں میں چپکے چپکے اور احتیاط کے ساتھ استالن گراد کا نام لیا جاتا تو یہ احساس ایک بےپناہ تمنا بن جاتا۔ ہسپتال میں بے دست و پا پڑے رہنے کی مجبوری ناقابل برداشت ہو گئی تھی۔

خوبصورت بسوں کی کھڑکیوں سے سنولائے ہوئے اور جوش سے تمتماتے ہوئے چہرے جھانک رہے تھے۔ ٹھنگنے سے قد کا، لنگڑا اور گنجا آرمینیائی ہواباز، شب خوابی کے لباس میں، بسوں کے چاروں طرف بھٹکتا اور شور مچاتا پھر رہا تھا۔ یہ ان لوگوں میں سے تھا جو بیماروں کی ہر محفل میں خود اپنے شوق اور مرضی سے

مسخرے کا رول اپنا لیتے ھیں اور بذلہ سنج کی حیثیت سے بہت ھر دلعزیز ھو جاتے ھیں۔ وہ چھڑی ھلا ھلا کر زور زور سے الوداعی نعرے لگا رھا تھا:

''فیدیا! ھوا میں اڑتے ھوئے فاشستوں کو ذرا میری طرف سے سلام نیاز عرض کر دینا! انھوں نے جو تمھیں چاند کی کرنوں میں نہانے کا پورا موقع نہیں دیا ھے ذرا اس کی قیمت بھی ادا کر دینا! فیدیا! فیدیا! ذرا ان کو محسوس کرا دینا کہ سوویت ھوابازوں کو چاندنی میں نہانے سے باز رکھنا بڑا کمینہ‌پن ھے!''

فیدیا جوان تھا۔ اس کا چہرہ دھوپ سے سنولا گیا تھا۔ اس کا سر گول تھا اور اس کے اونچے ماتھے پر زخم کا ایک بڑا سا نشان تھا۔ اس نے کھڑکی سے سر نکالا اور چلایا کہ ''چاند منڈلی'' خاطر جمع رکھے کہ وہ اپنا فرض ضرور پورا کریگا۔

ھجوم میں زور دار قہقہہ پھٹ پڑا اور ان قہقہوں کے درمیان بسیں آھستہ آھستہ پھاٹکوں کی طرف سرکنے لگیں۔

''خوب شکار ملیں! سفر بخیر تمام ھو!'' ھجوم سے یہ الوداعی کلمے سنائی دئے۔

''فیدیا! فیدیا! جہاں تک جلد ھو سکے فوجی ڈاک کا پتہ بھجوا دینا! زینوچکا رجسٹری ڈاک سے تمھارا دل تمھیں واپس بھیج دیگی!..''

نکڑ پر پہنچ کر بسیں آنکھوں سے اوجھل ھو گئیں۔ اڑتی ھوئی گرد، جسے ڈوبتے ھوئے سورج نے سنہرے غبار میں بدل دیا تھا، آھستہ آھستہ بیٹھ گئی۔ سینی‌ٹوریم کے مریض، جو گاؤن میں یا شب خوابی کے لباس میں تھے، بکھر گئے اور پارک میں چہل قدمی کرنے لگے۔ میریسئف پیش دالان میں داخل ھوا، جہاں کلوک‌روم کی کھونٹیوں سے ھوابازوں کی نیلے فیتے والی ٹوپیاں لٹک رھی تھیں اور جہاں کونوں میں، فرش پر، اسکٹل، گیندیں، کروکے اور ٹینس کے بلے رکھے تھے۔ لنگڑا آرمینیائی اس کو دفتر کے اندر لے گیا۔ غور سے دیکھنے سے معلوم ھوا کہ اس کے چہرے میں گمبھیرتا اور ذھانت تھی اور آنکھیں خوبصورت، بڑی بڑی اور اداس تھیں۔ راستے میں اس نے مذاقاً اپنا تعارف ''چاند منڈلی'' کے صدر کی حیثیت سے کرایا اور اس بات پر اصرار کیا کہ چاندنی میں

اشنان ہر قسم کے زخم کے علاج کے لئے تیر بہدف نسخہ ہے۔ اس نے کہا کہ چاندنی کے اشنان کے لئے سخت ترین نظم و ضبط کی ضرورت ہے اور یہ بھی بتایا کہ وہ ذاتی طور پر خود ہی چاندنی میں مٹر گشت کا انتظام کرتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ بیساختہ مذاق کر رہا ہے۔ اس پورے وقت میں اس کی آنکھوں میں گمبھیرتا اسی طرح باقی رہی اور اس کی آنکھیں بڑے شوق اور تجسس کے ساتھہ سننے والے کے چہرے پر تیرتی رہیں۔

دفتر میں، میریسئف کا استقبال ایک لڑکی نے کیا جو سفید لبادہ اوڑھے ہوئے تھی اور اس کے بال اتنے سرخ تھے کہ لگتا تھا سر سے شعلے اٹھہ رہے ہیں۔

''میریسئف؟،، لڑکی نے کتاب الگ رکھتے ہوئے کھرے پن سے پوچھا ''میریسئف الکسئی پیترووچ؟،، اس نے ایک سوالیہ نظر اس پر دوڑائی اور بولی ''مجھے چرکا دینے کی کوشش نہ کرو! یہاں تمہارا نام درج ہے — 'میریسئف، سینئر لفٹیننٹ فلاں ہسپتال سے، پیر کٹے ہوئے۔' اور تم...،،

اب جاکر، الکسئی کو اس کا گول چہرہ نظر آیا، سفید چہرہ جو شعلہ فشاں بالوں میں قریب چھپا ہوا تھا۔ سرخ بالوں والی ہر لڑکی کا چہرہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ خون کی دمکتی ہوئی سرخی سے اس کی جلد کی رنگت بدل گئی۔ اس نے چمکتی ہوئی، گول گول، چنچل آنکھوں سے حیرانی کے ساتھہ الکسئی کو دیکھا۔

''بہرحال، میں الکسئی میریسئف ہوں۔ یہ رہے میرے کاغذات... کیا تم لیولیا ہو؟،،

''نہیں! کیوں؟ میں ہوں زینا۔،، اس نے مشتبہ نظروں سے الکسئی کے پیروں کی طرف دیکھا اور بولی ''کیا تمہارے پاس اتنے اچھے نقلی پیر ہیں۔ یا کوئی اور قصہ ہے؟،،

''ہاں۔ اچھا تم زینوچکا ہو جس نے فیدیا کا دل چرا لیا ہے!،،

''اچھا تو میجر بورنازیان ابھی سے باتیں بنانے لگا! اوہ میں اس آدمی سے کتنی نفرت کرتی ہوں! وہ ہر شخص کا مذاق اڑاتا ہے۔ میں نے فیدیا کو ناچنا سکھایا۔ اس میں اور کوئی خاص بات نہیں، کیوں ہے نا؟،،

''اور اب تم مجھے ناچنا سکھاؤ گی، ٹھیک؟ بورنازیان نے وعدہ کیا ہے کہ وہ میرا نام چاند اشنان کے لئے درج کر لیگا۔''

لڑکی نے اور بھی زیادہ اچنبھے بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا، ناچ؟ بغیر پیر کے؟ بکواس۔ میرا خیال ہے کہ تم کو بھی ہر شخص کا مذاق اڑانے کا شوق ہے۔''

ٹھیک اسی آن، میجر استروچکوف دوڑتا ہوا کمرے میں آیا اور اس کو اپنے بازوؤں میں لے لیا۔

''زینوچکا!'' اس نے لڑکی سے کہا ''یہ طے ہے، ہے نا؟ سینئر لفٹیننٹ میرے کمرے میں آئیگا۔''

وہ لوگ جو لمبی مدت تک ایک ساتھ ھسپتال میں رہتے ھیں دوبارہ جب ملتے ھیں تو بھائیوں کی طرح ملتے ھیں۔ میجر کو دیکھ کر الکسئی یوں کھل اٹھا جیسے اس نے اس کو برسوں بعد دیکھا ہو۔ استروچکوف کے سامان کا تھیلا سینی‌ٹوریم پہنچ چکا تھا اس لئے وہ وھاں نیا پرانا ہو چکا تھا اور گھر جیسا محسوس کر رھا تھا۔ وہ ہر شخص کو جانتا تھا اور ہر شخص اسے جانتا تھا۔ ایک ھی دن میں اس نے کچھ لوگوں سے دوستی بھی گانٹھ لی تھی اور کچھ لوگوں سے جھگڑا بھی مول لے لیا تھا۔

جس چھوٹے سے کمرے میں یہ دونوں رہتے تھے اس کی کھڑکیاں پارک کے رخ پر کھلتی تھیں۔ پارک کے لمبے لمبے سیدھے چیڑ کے درخت، گوندنیوں کی ھری جھاڑیاں اور ریبی‌نا کا پتلا درخت، جس میں پام کے درخت کی طرح نقش و نگار والے نازک پتے لٹک رہے تھے، اور گوندنیوں کا ایک بہت بھاری گچھا، مکان تک پہنچتا تھا۔ کھانے کے بعد جلد ھی، الکسئی اپنے بستر پر لیٹ گیا اور ٹھنڈی چادروں کے درمیان ٹانگیں پھیلا کر فورا ھی نیند کی آغوش میں چلا گیا۔

اس نے رات کو پریشان کن خواب دیکھے۔ نیلی برف۔ چاندنی۔ جنگل نے اس کو سموریں جال کی طرح اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس نے اس جال سے بھاگ نکلنے کی کوشش کی لیکن برف نے اس کے پیر جکڑ لئے۔ اس نے سخت جدوجہد کی۔ اسے احساس تھا کہ کوئی خوفناک حادثہ پیش آنے والا ہے۔ لیکن اس کے پیر برف میں ٹھٹھر گئے تھے اور اس میں اتنی سکت نہ تھی کہ پیروں

کو برف سے کھینچ سکے۔ وہ کراہتا، کسمساتا اور کروٹیں بدلتا رہا... اور اب وہ جنگل میں نہیں بلکہ ہوائی اڈے پر تھا۔ لمبا تڑنگا مستری یورا، ایک عجیب و غریب، نرم اور بے پر ہوائی جہاز کے کاک‌پٹ میں تھا۔ اس نے ہاتھہ ہلایا، قہقہہ لگایا اور ہوا میں بلند ہو گیا۔ نانا میخائل نے اس کو اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا جیسے وہ دودھہ پیتا بچہ ہو اور انہوں نے ڈھارس بندھاتے ہوئے کہا ''پروا نہ کرو! ہم بھاپ سے غسل دلوائینگے۔ بڑھیا رهیگا، ہے نا؟،، لیکن نانا میخائل نے اس کو گرم غسل دلانے کے بجائے اسے برف پر لٹا دیا۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن برف اس سے چپکی رہی۔ نہیں یہ برف نہ تھی۔ کسی ریچھہ کا گرم گرم جسم اس کے اوپر سوار تھا۔ وہ اسے سونگھہ رہا تھا، وہ اسے کچل اور گھونٹ رہا تھا۔ بسیں بھر بھر کر ہواباز پاس سے گزرتے رہے، وہ خوش خوش کھڑکیوں سے باھر دیکھتے رہے لیکن انہوں نے اس کو نہ دیکھا۔ الکسئی ان کو مدد کے لئے پکارنا چاہتا تھا، ان کی طرف بھا گنا چاہتا تھا، کم از کم ان کو اشارہ کرنا چاہتا تھا۔ لیکن وہ ناکام رہا۔ اس نے منہ کھولا لیکن پھنسی پھنسی سی سر گوشی کی آواز سنائی دی۔ اس کا گلا گھٹنے لگا۔ اسے لگا کہ اس کا دل دھڑکنا بھول گیا ہے اور آخری بار ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور نہ جانے کیوں اس کی آنکھوں میں شعلہ فشاں بالوں کی گھٹاؤں سے زینوچکا کا ہنستا ہوا چہرہ ابھرا اور تجسس بھری چنچل آنکھیں کوند گئیں۔

الکسئی کی آنکھہ کھلی تو اس کے دل میں ایک ناقابل بیان تشویش سر اٹھا رہی تھی۔ خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ میجر سویا ہوا تھا اور آهستہ آهستہ خراٹے لے رہا تھا۔ چاند کی موہوم سی کرن کمرے کو چیرتی ہوئی فرش پر تیر رہی تھی۔ آخر وہ بھیانک دن کیوں لوٹ آئے تھے؟ اس نے ان بیتے دنوں کے بارے میں سوچنا بھی بند کر دیا تھا۔ لیکن جب وہ ان دنوں کے بارے میں سوچتا تو اسے یہ دن غیر حقیقی معلوم ہوتے۔ رات کی ٹھنڈی اور خوشبودار ہوا کے ساتھہ، کھلی ہوئی اور چاندنی میں نہائی ہوئی کھڑکی سے ایک نرم خواب‌ناک اور پر آهنگ آواز بھی اندر آرہی تھی۔ کبھی اس آواز میں ایک تیز تھرتھراهٹ پیدا ہو جاتی اور

کبھی وہ دور کہیں دب سی جاتی اور کبھی ایک تیز گونج پر ہی تان ٹوٹ جاتی جیسے کسی خطرے نے اس کا گلا گھونٹ دیا ہو۔ یہ جنگل کی آواز تھی۔

ہواباز اپنے بستر میں اٹھہ بیٹھا اور دیر تک چیڑ کے پیڑوں کی پراسرار سرسراہٹ سنتا رہا۔ اس نے زور سے سر جھٹکا جیسے کسی جادو کے اثر کو دور کرنے کی کوشش کر رہا ہو اور دوبارہ اس میں ایک انتھک اور طرب انگیز قوت عود کر آئی۔ سینی‌ٹوریم میں اسے اٹھائیس دن رہنا تھا۔ ان اٹھائیس دنوں میں فیصلہ ہونا تھا کہ آیا وہ پھر ہوا میں پرواز کریگا، لڑیگا اور زندہ رهیگا یا اس کا استقبال ہمیشہ ہمدردی بھری نگاہیں کرینگی اور ٹراموں میں لوگ اسے اپنی جگہ پیش کرینگے۔ اس لئے اٹھائیس دنوں کی اس لمبی اور ساتھہ ہی چھوٹی مدت میں اسے ایک ایک لمحہ ایک انسان بننے کی جدوجہد میں لگا دینا چاہئے۔

الکسئی نے، میجر کے خراٹوں کے درمیان چاند کی آسیبی روشنی میں اپنے بستر پر بیٹھے بیٹھے، دل ہی دل میں اپنی ورزشوں کا ایک خاکہ تیار کیا۔ اس میں اس نے صبح اور شام کی جسمانی ورزش، چلنا، دوڑنا اور پیروں کی خاص مشق کا خاکہ بنایا۔ ساتھہ ہی اس نے ایک اور منصوبہ بنایا۔ اس منصوبے میں اسے سب سے زیادہ کشش معلوم ہوئی۔ اس میں اس کی ٹانگوں کی ہر طرح کی نشو و نما کا امکان تھا — یہ امکان تھا وہ خیال جو زینوچکا سے بات کرتے ہوئے اس کے ذہن میں کوند گیا تھا۔

اس نے ناچ سیکھنے کا فیصلہ کر لیا۔

۳

اگست کی ایک صاف شفاف اور پر سکون سہ پہر کو جب قدرتی مناظر کی ہر چیز چمک اور جگمگا رہی تھی، جب گرم ہوا میں خزاں کی اداسی کی ہلکی ہلکی جھلک پیدا ہو چکی تھی — ہاں ایسی ہی ایک سہ پہر کو چند ہواباز جھاڑیوں میں بل کھاتے اور کل کل بہتے ہوئے ایک چھوٹے سے چشمے کے ریت بھرے کنارے پر دھوپ میں نہا رہے تھے۔

گرمی سے ان پر غنودگی طاری ہو رہی تھی۔ وہ اونگھ رہے تھے۔ یہاں تک کہ انتھک بولنے والا بورنازیان بھی چپ تھا اور اپنی ٹوٹی ہوئی ٹانگ پر ریت کا ڈھیر جمع کر رہا تھا۔ اس کی زخمی ٹانگ کی ہڈی ٹھیک نہیں جڑی تھی۔ وہ سب مونگ پھلی کی جھاڑیوں کے فاختئی پتوں میں چھپے ہوئے آنکھوں سے اوجھل تھے۔ لیکن ان کو چشمے کے بالائی کنارے ہری گھاس کے درمیان ایک روندی ہوئی پگڈنڈی نظر آ رہی تھی۔ بورنازیان نے اپنی ٹانگ پر ریت تھوپتے ہوئے نظریں اٹھائیں تو اسے ایک عجیب منظر نظر آیا۔

وہ نووارد، جو کل ہی یہاں پہنچا تھا، صرف شب خوابی کا پاجامہ اور بوٹ پہنے، جنگل سے نمودار ہوا۔ اس نے چاروں طرف دیکھا اور جب اسے کوئی نظر نہ آیا تو اس نے اپنی کہنیوں کو پہلو میں دبا کر کچھ عجیب طرح سے بھٹکتے ہوئے اچھل اچھل کر دوڑنا شروع کر دیا۔ کوئی دو سو میٹر دوڑ لگانے کے بعد وہ چہل قدمی کی رفتار سے چلنے لگا۔ وہ پسینے پسینے تھا اور زور زور سے سانس لے رہا تھا۔ جب اس کی سانس دوبارہ تھمی تو وہ پھر دوڑنے لگا۔ اس کا بدن تیز دوڑ کے بعد تھکے ہوئے گھوڑے کی پسلیوں کی طرح چمک رہا تھا۔ بورنازیان نے چپکے سے اپنے ساتھیوں کو دوڑ لگانے والے کی طرف متوجہ کیا اور وہ جھاڑیوں کے پیچھے سے اسے دیکھنے لگے۔ یہ نووارد ان معمولی ورزشوں سے ہانپ رہا تھا۔ باربار درد کے مارے اس کے جسم میں جھرجھری دوڑ جاتی اور وہ کراہ اٹھتا۔ لیکن وہ برابر دوڑتا رہا۔

بورنازیان زیادہ صبر نہ کر سکا۔ وہ چلایا:

"اے، دوست! کیا تم نے زنامنسکی بھائیوں کو زک دینے کا بیڑا اٹھایا ہے؟"

نووارد ایک جھٹکے سے تن کر کھڑا ہو گیا۔ تھکن اور درد اس کے چہرے سے غائب ہو گیا۔ اس نے بے نیازی سے جھاڑیوں کی طرف دیکھا اور ایک لفظ کہے بغیر کچھ عجیب طرح سے ڈگ مگ ڈگ مگ چلتا ہوا جنگل میں غائب ہو گیا۔

"کون ہے وہ، سرکس کا مداری یا دیوانہ؟" بورنازیان نے کچھ گھبرا کر پوچھا۔

میجر استروچکوف نے بتایا۔ وہ ابھی ابھی نیند سے چونکا تھا۔
''اس کے پیر نہیں ہیں۔ وہ نقلی پیروں سے مشق کر رہا ہے۔ وہ لڑاکو ہوائی جہازوں کی فوج میں واپس جانا چاہتا ہے۔''

ان اونگھتے ہوئے لوگوں پر ان الفاظ نے ٹھنڈے پانی کے چھینٹوں کا کام کیا۔ وہ اچھل پڑے اور سب ایک ساتھہ بات کرنے لگے۔ وہ حیران تھے کہ وہ آدمی جس میں ان کو کوئی عجوبہ بات نظر نہ آئی تھی، جس میں انہیں اس کے سوا اور کچھہ نظر نہ آیا تھا کہ وہ کچھہ عجیب انداز سے چلتا ہے، دراصل پیروں سے محروم تھا۔ اس کا لڑاکو ہوائی جہاز اڑانے کا خیال انہیں بالکل لغو، ناقابل یقین بلکہ بکواس معلوم ہوا۔ انہوں نے ایسے لوگوں کے واقعات کا ذکر کیا جو معمولی بات پر ہوائی فوج سے سبکدوش کر دئیے گئے تھے، مثلاً کسی کی دو انگلیاں جاتی رہی تھیں، کسی کو اعصابی تھکن تھی۔ اور بعض تو اس وجہ سے چلتے کر دئیے گئے تھے کہ ان کے پیروں میں سپاٹ پن کی علامت پیدا ہو گئی تھی۔ ہمیشہ سے، یہاں تک کہ جنگ کے زمانے میں بھی، فوج کے اور دوسرے شعبوں کے مقابلے میں ہواباز کی صحت کا معیار زیادہ اونچا تھا۔ اور اس کے علاوہ ان کا خیال تھا کہ لڑاکو ہوائی جہاز جیسی پیچیدہ اور تیز حس مشین کو بے پیر والے ہواباز کے لئے قابو میں رکھنا ناممکن تھا۔

سب کو اس پر اتفاق تھا کہ میریسئف کا ارادہ محض خیالی پلاؤ ہے۔ پھر بھی اس میں انہیں بڑی کشش معلوم ہوئی۔
''یا تو تمہارا دوست نرا احمق ہے یا ایک عظیم الشان انسان۔ اس کے علاوہ وہ اور کچھہ نہیں ہو سکتا،'' بورنازیان نے یہ نتیجہ نکالا۔

یہ خبر ایک ایک وارڈ میں آن کے آن میں پھیل گئی کہ سینی‌ٹوریم میں بے پیروں کا آدمی موجود ہے جو لڑاکو ہوائی جہاز اڑانے کے خواب دیکھتا ہے۔ کھانے کے وقت تک الکسئی توجہ کا مرکز بن گیا اگرچہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اسے خود اس کا احساس نہ تھا۔ اوو جب لوگوں نے اس کو دیکھا کہ وہ کھانے کی میز پر اپنے پہلو میں بیٹھے ہوئے آدمیوں کے ساتھہ زور زور سے قہقہے لگا رہا ہے، بڑے چاؤ سے کھانا کھا رہا ہے، حسین ویٹرسوں کی

تعریف روائتی انداز میں کر رہا ہے، پارک میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ مٹرگشت کر رہا ہے، کروکے کھیلنا سیکھ رہا ہے اور کبھی کبھی والی بال کھیلنے کی کوشش بھی کر رہا ہے تو ان کو اس میں کوئی عجوبہ بات نظر نہ آئی سوائے اس کے کہ وہ ذرا آہستہ آہستہ اور بھٹک بھٹک کر چلتا تھا۔ واقعہ تو یہ ہے کہ وہ حد سے زیادہ معمولی لوگوں میں سے ایک معلوم ہوتا تھا۔ ہر شخص جلد ہی اس کا عادی ہو گیا اور سب نے اس کی طرف خاص توجہ کرنا چھوڑ دیا۔

یہاں پہنچنے کے دوسرے دن، ڈھلتی سہ پہر میں، الکسئی زینوچکا سے ملنے کے لئے دفتر میں گیا۔ اس نے اپنے کھانے میں سے ایک پیسٹری بچا لی تھی اور اسے گوکھرو کے پتے میں لپیٹ کر ساتھ لایا تھا۔ اس نے بڑے طمطراق سے یہ پیسٹری زینوچکا کو پیش کی، بے تکلفی سے میز پر بیٹھ گیا اور لڑکی سے پوچھا کہ آخر وہ اپنا وعدہ کب پورا کریگی۔

"کیسا وعدہ؟" زینوچکا نے بھویں چڑھاتے ہوئے پوچھا۔

"زینوچکا تم نے مجھے ناچ سکھانے کا وعدہ کیا ہے۔"

"لیکن..." لڑکی نے احتجاج کرنے کی کوشش کی۔

"مجھے بتایا گیا ہے کہ تم اتنی اچھی استانی ہو کہ اپاہج کو بھی ناچنا سکھا دیتی ہو اور اچھے بھلے لوگ تم سے ناچنا سیکھ کر نہ صرف پیروں سے ہاتھ دھو لیتے ہیں بلکہ ان کا دماغ بھی چل جاتا ہے — جیسا کہ فیدیا کے ساتھ ہوا۔ ہم کب شروع کرینگے؟ ہمیں قیمتی وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے۔"

ہاں، اس کو یہ نووارد خاصا پسند آیا۔ اس کے پیر نہ تھے۔ پھر بھی وہ چاہتا تھا کہ زینوچکا اسے ناچنا سکھائے! اور کیوں نہیں؟ وہ خوش‌رو آدمی تھا۔ اس کی سانولی جلد سے سرخ رنگت جھلکتی تھی۔ اس کے بال نرم اور گھنگھریالے تھے۔ وہ عام لوگوں کی طرح چلتا تھا اور اس کی آنکھیں بڑی جاندار تھیں، تمسخر بھری لیکن کچھ اداس۔ زینوچکا کی زندگی میں ناچنے کی اہمیت معمولی نہ تھی۔ وہ ناچ کی رسیا تھی اور واقعی تھی بھی اچھی رقاصہ... اور میریسئف، ہاں، وہ واقعی خوش‌رو اور دل کش تھا۔

وہ راضی ہو گئی۔ اس نے بتایا کہ اسے بوب گوروخوف نے

ناچنا سکھایا تھا جو سوکولنیکی بھر میں مشہور تھا۔ وہ پال سوداکوفسکی کا بہترین چیلا اور پیرو تھا جس کا ماسکو بھر میں جواب نہ تھا اور جو فوجی اکادمیوں میں اور خارجہ امور کی کمیساریت کے کلب میں بھی ناچنے کی تعلیم دیتا تھا۔ زینوچکا نے ناچ جگت کی ان نامور شخصیتوں سے بال روم کے ناچ کی بہترین روایتوں پر دسترس حاصل کی تھی۔ وہ اس کو بھی ناچنا سکھائیگی حالانکہ اسے پوری طرح یقین نہیں تھا کہ بغیر پیر کے بھی ناچنا ممکن تھا۔ اس لئے وہ اس کو جن شرطوں پر ناچنا سکھانے کے لئے تیار ہوئی ذرا سخت تھیں: اسے فرماں برداری اور محنت سے کام کرنا چاہئے، اس کی محبت میں گرفتار ہونے سے بچنا چاہئے، اس لئے کہ یہ سبق میں رکاوٹ پیدا کرتی ہے اور سب سے زیادہ یہ کہ اسے اس وقت جلن نہیں محسوس کرنی چاہئے جب دوسرے اس کو اپنے ساتھ ناچنے کی دعوت دیں۔ صرف ایک کے ساتھ ناچنے میں اس کا ہنر جاتا رہیگا اور اس کے علاوہ ایک ہی آدمی کے ساتھ ناچنے میں مزا بھی نہیں آتا۔

میریسئف نے یہ شرطیں بے روک ٹوک مان لیں۔ زینوچکا نے اپنے شعلہ فشاں سر کو جھٹکا دیا اور وہیں کے وہیں اپنے حسین پیروں کو بڑی خوبصورتی سے اٹھا کر، ناچ کا پہلا سبق دینے لگی۔ ایک زمانے میں میریسئف نے ''روسکایا'' اور دوسرے پرانے ناچ ناچنے میں بڑی چستی اور مستعدی کا ثبوت دیا تھا۔ کامی‌شین کے پارک میں فائر بریگیڈ کا بینڈ دھنیں بجاتا تھا اور وہ ناچتا تھا۔ اسے نغمے اور موسیقی کی شدبد تھی اور اس نے جلد ہی ترنگ سے بھرا ہوا یہ فن سیکھ لیا۔ اب اس کے سامنے دقت یہ تھی کہ اسے زندہ، نرم اور متحرک پیروں کو سدھانا نہ تھا بلکہ یہ فن چمڑے کے ان فیتوں کو سکھانا تھا جو اس کی پنڈلیوں سے بندھے ہوئے تھے۔ بھاری اور بوجھل نقلی پیروں میں زندگی اور حرکت پیدا کرنے کے لئے ایک غیر انسانی جدوجہد اور قوت ارادی کی ضرورت تھی۔

لیکن ان کو اس نے اپنی فرماں برداری پر مجبور کر دیا۔ ہر نئے قدم پر — ہر پھسلن، ہر دوڑ، ہر چکر اور لہر پر — جو وہ سیکھتا اس کا دل خوشی سے جھوم اٹھتا تھا، وہ ایک لڑکے

کی طرح کھل اٹھتا تھا۔ ناچ کے یہ قدم بال روم ناچ کی اس پیچیدہ تکنیک کی ترتیب پال سوداکوفسکی نے کی تھی۔ ناچ کی اصطلاحیں ایسی تھیں کہ ان کا بڑا رعب پڑتا تھا اور کانوں کو خوشگوار معلوم ہوتی تھیں۔ جب وہ کوئی نیا قدم سیکھہ لیتا تو اپنے اوپر فتح حاصل کر لینے کی اس خوشی میں وہ اپنی استانی کو فرش سے اٹھاتا اور ہوا میں معلق کر دیتا۔ لیکن کسی کو، اور خاص طور پر اس کی استانی کو، ذرا اندازہ نہ ہو پاتا کہ اسے ہر نیا اور پیچیدہ قدم سیکھنے کے لئے کتنا درد جھیلنا پڑتا ہے۔ یہ کوئی بھی نہ دیکھتا کہ جب وہ مسکراتے ہوئے چہرے سے پسینہ پونچھتا ہے تو ساتھہ ہی بڑی بے پروائی کے ساتھہ آنکھوں سے آنسو بھی پونچھہ لیتا ہے۔

ایک دن وہ لنگڑاتا ہوا اپنے کمرے میں پہنچا۔ وہ تھک کر چور ہو رہا تھا لیکن بہت خوش تھا۔

"میں ناچنا سیکھہ رہا ہوں!"، اس نے فاتحانہ شان سے میجر کے سامنے اعلان کیا جو اپنے خیال میں غرق کھڑکی کے پاس کھڑا تھا۔ کھڑکی کے باہر گرمیوں کا دن خاموشی سے دم توڑ رہا تھا اور ڈوبتے سورج کی آخری کرنیں درختوں کے سروں میں سونے کی طرح چمکتی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔

میجر نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"اور میں کامیاب ہونگا!"، میریسئف نے اپنے نقلی پیر الگ پھینک کر آرام محسوس کرتے ہوئے اور اپنی سن ٹانگوں کو زور زور سے کھجاتے ہوئے پکے ارادے کے ساتھہ کہا۔

استروچکوف کھڑکی کی طرف منہ کئے رہا۔ اس کے شانے ہلنے لگے اور اس کے منہ سے عجیب قسم کی آوازیں نکلنے لگیں جیسے سسکیاں بھر رہا ہو۔ الکسئی خاموشی سے کمبل کے اندر چلا گیا۔ میجر کا کچھہ عجیب حال تھا۔ یہ آدمی جو اب جوان نہ تھا، جو کل تک ہسپتال کے وارڈ کو اپنے بذلہ سنج سنکی پن اور صنف نازک سے بیزاری کی بدولت زعفران زار بنائے ہوئے تھا، اسکول کے لڑکے کی طرح محبت میں سرتاپا گرفتار ہو گیا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کا درد، درد لادوا ہے۔ وہ دن میں کئی کئی بار دفتر جاتا، کلاودیا میخائلوونا کو ماسکو ٹیلیفون کرتا۔ ہر آتے

جاتے مریض کے ساتھ پھول، پھل، چاکلیٹ اور تحریری پیغام بھیجتا۔ وہ اس کو لمبے لمبے خط لکھتا اور جب اسے کوئی مانوس سا لفافہ ملتا تو وہ خوش ہو جاتا اور مذاق کرتا۔

لیکن وہ اس کی ہر پیش قدمی کو ٹھکرا دیتی، اس کا حوصلہ ذرا نہ بڑھاتی۔ اس کو اس پر ترس بھی نہ آتا۔ وہ لکھتی کہ میں کسی اور سے محبت کرتی ہوں اور اب اس کا سوگ منا رہی ہوں۔ دوستانہ طور پر وہ میجر کو صلاح دیتی کہ اس کو چھوڑ دے، اسے بھول جائے، اس پر پیسے اور وقت برباد نہ کرے۔ اسی دوستانہ اور کھرے انداز نے، محبت میں سب سے زیادہ دل آزار رویے نے میجر کو پریشان کر رکھا تھا۔

الکسئی کمبل کے اندر دراز تھا اور مصلحتاً خاموش پڑا تھا۔ میجر کھڑکی سے ہٹا اور تیزی سے الکسئی کے بستر کے پاس آیا۔ وہ اس پر جھکا اور اسے جھنجھوڑتے ہوئے چیخا:

''وہ چاہتی کیا ہے؟ میں کیا ہوں، مجھے بتاؤ؟ کیا میں کھیت کی سولی ہوں؟ کیا میں بدصورت ہوں، بڈھا ہوں، کوڑھی ہوں؟ اس کی جگہ کوئی اور ہوتی تو... لیکن بکنے سے کیا ہوگا!''

وہ آرام کرسی میں گر گیا اور سر پکڑکے اتنے زور زور سے ہلنے لگا کہ کرسی کراہ اٹھی۔

''وہ عورت ہے، ہے نا؟ اس میں کم از کم میرے لئے ٹوہ تو پیدا ہونی چاہئے! چڑیل! میں اس سے محبت کرتا ہوں۔ کاش تم جانتے! تم اس دوسرے آدمی کو جانتے تھے... بتاؤ وہ کس معنی میں مجھ سے بہتر تھا؟ اس نے آخر اس لڑکی کا من کیسے جیتا تھا؟ کیا وہ مجھ سے زیادہ عقل مند تھا؟ کیا وہ زیادہ حسین تھا؟ وہ کس قسم کا ہیرو تھا؟''

الکسئی کو کمیسار وروبیوف یاد آیا، اس کا بڑا سا پھولا ہوا جسم، تکیے پر رکھا ہوا موم کی طرح زرد چہرہ۔ اور ابدی نسوانی غم میں ڈوبی عورت کے مجسمے کی طرح ایک عورت کھڑی ہوئی — اور ریگستان میں مارچ کرتی ہوئی سرخ فوج کے بارے میں وہ حیرت انگیز کہانی۔

''وہ کھرا انسان تھا، میجر! وہ بالشویک تھا۔ کاش ہم بھی ویسے ہو سکتے۔''

وہ خبر جو لغو معلوم ہوتی تھی پورے سینی‌ٹوریم میں پھیل گئی: بے پیر والے ہواباز نے ناچنا شروع کر دیا تھا۔

زینوچکا دفتر میں اپنا کام ختم کرتی تو اسے گلیارے میں اپنا شاگرد انتظار کرتا ہوا ملتا۔ وہ اس کے لئے جنگلی پھولوں کا گچھا یا کھانے سے بچا کر چاکلیٹ یا سنترہ لاتا۔ زینوچکا سنجیدگی سے اس کا بازو پکڑتی اور وہ دونوں تفریح کے کمرے میں چلے جاتے جو گرمیوں میں سنسان پڑا رہتا تھا۔ یہ چوکس شاگرد پہلے ہی تاش کی میزیں اور پنگ پانگ کی میز کھسکا کر دیوار کے پاس کھڑی کر دیتا تھا۔ زینوچکا بڑی دل کشی سے ناچ کا کوئی نیا قدم سکھاتی، ہواباز بھویں جوڑ کر اس کو چھوٹے اور خوبصورت پیروں سے فرش پر پیچیدہ ڈیزائن بناتے ہوئے دیکھتا۔ تب لڑکی گمبھیر چہرے کے ساتھ تالیاں بجاتی اور گننا شروع کرتی:

"ایک، دو، تین — ایک، دو، تین — سیدھے ہاتھ کو پھسلو!.. ایک، دو، تین — ایک، دو، تین — الٹے ہاتھ کو پھسلو!.. گھومو!.. ہاں ہاں!.. ایک،دو، تین ایک، دو، — اب لہراؤ! آؤ ہم دونوں مل کر ناچیں!"

بے پیر کے آدمی کو ناچنا سکھانے کا فرض ایسا تھا جو نہ تو بوب گوروخوف نے انجام دیا تھا اور نہ پال سوداکوفسکی نے۔ شاید اسے کوے جیسے کالے بالوں اور ہنستی ہوئی آنکھوں والا سانولا شاگرد بھا گیا تھا۔ شاید اس کی دونوں وجہیں ہوں — چاہے اس کی جو وجہ بھی ہو، وہ اپنا سارا خالی وقت جی جان سے اسی کام میں لگاتی۔

شام کو جب ریت سے ڈھکا ہوا ندی کا کنارا، والی بال کے میدان اور گلی ڈنڈے کے احاطے سنسان ہو جاتے تو اس وقت مریضوں کا محبوب مشغلہ ناچنا ہوتا۔ الکسئی جی کھول کے ان تماشوں میں حصہ لیتا۔ وہ اچھی طرح ناچتا۔ وہ ایک ناچ کو بھی ہاتھ سے جانے نہ دیتا۔ کئی بار اس کی استانی کو افسوس ہوا کہ اس نے شاگرد کو بیکار ایسی سخت شرطوں میں جکڑ دیا تھا۔ اکارڈین کی دھن پر جوڑے کمرے میں گھومتے۔ میریسئف جوش سے سرخ

چہرے اور کوندتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ پھسلتا، لہراتا، چکراتا اور گھومتا اور اپنی سبک قدم شعلہ فشاں بالوں والی پارٹنر کو بڑی چستی کے ساتھ نچاتا جیسے اسے ذرا محنت نہ کرنی پڑ رہی ہو۔ اور ان لوگوں کو جو اس بہادر ناچنے والے کو ناچتے دیکھتے تھے، ذرا شبہ بھی نہ ہو سکتا تھا کہ وہ ہر بار کمرے سے باہر جا کر کیا کرتا ہے۔

وہ تمتماتے ہوئے چہرے پر مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے اور رومال سے بڑی شان بے نیازی کے ساتھ پنکھا جھلتے ہوئے، مکان سے باہر نکلتا۔ لیکن دروازے سے باہر نکلتے ہی مسکراہٹ کی جگہ درد و کرب کی کیفیت لے لیتی۔ زینے کی ریلنگ کو تھامتے ہوئے، لڑکھڑاتے اور کراہتے ہوئے وہ برساتی کے زینے سے اترتا اور اوس میں بھیگی ہوئی گھاس پر دراز ہو جاتا اور اپنے پورے جسم کو نم اور گرم زمین پر دباتے ہوئے مارے درد کے خوب روتا۔ نقلی پیروں کے کسے ہوئے فیتوں سے تکلیف ہی ایسی ہوتی تھی۔

وہ ٹانگوں کو آرام دینے کے لئے فیتے کھول لیتا۔ جب اسے کچھ آرام و سکون حاصل ہوتا تو وہ دوبارہ فیتوں کو باندھتا اور مکان کے اندر واپس آ جاتا۔ وہ ان دیکھے طور پر چپکے سے ہال میں آ جاتا جہاں اکارڈین بجانے والا پسینے میں شرابور بے تکان نغموں سے فضا میں گونج پیدا کرتا رہتا تھا۔ وہ سرخ بالوں والی زینوچکا کے پاس آتا جس کی آنکھیں پہلے ہی سے ہجوم میں اسے اور ڈھونڈتی رہتی تھیں۔ وہ ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیرتا، اس کے موتی جیسے سفید اور ہموار دانت جھلک پڑتے پھر یہ چست اور سبک جوڑا دائرے میں چکر کھانے لگتا۔ زینوچکا اس کی خبر لیتی کہ کیوں چھوڑ کر چل دئے۔ وہ مذاق کے انداز میں برابر کا جواب دیتا اور وہ پھر گھومنے لگتے اور کچھ اس انداز سے کہ ان میں اور دوسرے ناچنے والوں میں کوئی فرق نظر نہ آتا۔

ان کٹھن مشقوں نے اپنا کام کیا۔ اب الکسئی کو نقلی پیروں کی بیڑیوں کا احساس کم ہوتا چلا گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ پیر قلم کی طرح لگ گئے ہیں۔

الکسئی خوش تھا ۔ اب اسے صرف ایک پریشانی تھی — اولیا کا کوئی خط نہیں آ رہا تھا ۔ گووزدیف اور اس کی لڑکی کے افسوسناک تجربے کے بعد اس نے جو خط لکھا تھا اس کو ایک مہینے سے اوپر ہو رہا تھا ۔ وہ اس خط کو اب ایک تباہ کن خط سمجھتا تھا ۔ بہر حال، وہ ایک مہمل خط تو تھا ہی ۔ لیکن اس کا کوئی جواب نہ آیا ۔ وہ جسمانی ورزش اور دوڑنے کی مشق میں روزانہ سو قدم کا اضافہ کردیتا ۔ ہر صبح اس مشق کے بعد وہ بھاگا ہوا دفتر میں خطوں کا خانہ دیکھنے کے لئے جاتا ۔ شاید کوئی خط ہو ۔ سب سے زیادہ خطوں کا انبار ''م،، کے خانے میں ہوتا ۔ وہ ان کو الٹ پلٹ کر دیکھتا، مگر سب بیکار !

ایک دن، ناچ کے سبق کے دوران میں، بورنازیان کا کالا سر تفریحی ہال کی کھڑکی سے جھانکتا نظر آیا ۔ اس کے ہاتھہ میں چھڑی تھی اور ایک خط ۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ منہ سے کچھہ پھوٹتا، میریسئف نے اس کے ہاتھہ سے خط جھپٹ لیا جس پر اسکول کی لڑکی کی جلی اور گول گول لکھائی میں پتہ لکھا ہوا تھا اور پھر یہ جا وہ جا، باہر نکل گیا ۔ کھڑکی کے پاس بورنازیان بھونچکا رہ گیا اور کمرے کے بیچوں بیچ اس کی استانی غصے میں بپھری کھڑی رہی ۔

''زینوچکا اس زمانے میں سبھی ایک جیسے ہیں،، بورنازیان نے باتونی خالہ کے انداز میں شگوفہ چھوڑا ''سب چرکا دے جاتے ہیں ۔ ان میں سے کسی کی باتوں میں نہ آنا ۔ ان سے یوں بھاگو جیسے لاحول سے شیطان بھاگتا ہے ۔ بہتر ہو اگر تم مجھے اپنا شاگرد بنا لو ۔،، یہ کہہ کر اس نے اپنی چھڑی کھڑکی میں سے ہال کے اندر پھینکی اور ہانپتا اور چنگھاڑتا ہوا کھڑکی پر چڑھہ گیا جس کے پاس زینوچکا افسردہ اور گھبرائی ہوئی کھڑی تھی ۔

الکسئی دوڑتا ہوا جھیل کی طرف گیا ۔ اس کے ہاتھہ میں خط تھا ۔ لگتا تھا جیسے کوئی اس کے پیچھے سے دوڑ کر آئیگا اور اس سے یہ خزانہ چھین لیگا ۔ وہ سرسراتے ہوئے سرکنڈوں کو چیر کر بھاگتا ہوا گیا اور ایک چٹان پر بیٹھہ گیا جس پر کائی جمی ہوئی تھی ۔ لمبی لمبی گھاس میں چھپا ہوا وہ اس بےبہا لفافے کو غور سے دیکھنے لگا جس کو وہ تھرتھراتی ہوئی انگلیوں میں

تھامے ہوئے تھا۔ اس میں کیا لکھا ہوگا؟ دیکھیں میری قسمت کا کیا فیصلہ ہوتا ہے؟ لفافہ مڑا تڑا اور میلا کچیلا تھا۔ اس منزل تک پہنچنے سے پہلے خوب چکر لگائے ہونگے۔ الکسئی نے احتیاط سے لفافے کا ایک کنارا چاک کیا اور اسے خط کی آخری سطر نظر آئی۔ ''پیارے، ہمیشہ ہمیشہ تمہاری، اولیا۔،، اس کی جان میں جان آئی۔ اس نے اسکول کی کاپی کا ورق ران پر رکھھ کر برابر کیا۔ نہ جانے کیوں ان پر مٹی کے دھبے اور موم‌بتی کے قطروں کے نشان تھے۔ اولیا ہمیشہ اتنی صاف ستھری رہتی تھی۔ آخر اسے ہوا کیا تھا؟ اور تب اس نے وہ باتیں پڑھیں جن کو پڑھ کر اس کا دل فخر اور اندیشوں سے بھر گیا۔ معلوم ہوا کہ اولیا نے مل کو ایک مہینے قبل چھوڑ دیا تھا اور اب وہ اسٹیپی میدان میں کامی‌شین کی اور دوسری لڑکیوں اور عورتوں کے ساتھ زندگی کاٹ رہی تھی۔ جیسا کہ اس نے لکھا تھا وہ ''ایک بڑے شہر کے چاروں طرف، جس کا نام ہم سب کے لئے مقدس ہے،، ٹینک کو روکنے کے لئے گڈھے کھود رہی تھی اور مورچہ بندی کر رہی تھی۔ استالن گراد کا نام خط میں ایک جگہ بھی نہیں لیا گیا تھا۔ لیکن جس محبت، پریشانی اور امید کے ساتھ اس ''بڑے شہر،، کے بارے میں لکھا تھا اس سے صاف ظاہر تھا کہ اس کی مراد استالن گراد سے تھی۔

اس نے لکھا کہ اس کی طرح ہزاروں والنٹیر دن رات اسٹیپی میدان میں کام کر رہے تھے۔ وہ کھدائی کر رہے تھے، مٹی ڈھو رہے تھے، کنکریٹ بچھا رہے تھے اور تعمیر کا کام کر رہے تھے۔ اس خط سے خوشی کے جذبات پھوٹ رہے تھے لیکن بعض جملوں سے یہ بات صاف تھی کہ وھاں کی لڑکیوں اور عورتوں پر کتنا کڑا وقت آن پڑا ہے۔ پہلے تو اس نے ان باتوں کے بارے میں لکھا تھا جن میں وہ دل و جان سے محو تھی۔ پھر اس نے اس کے سوال کا جواب دیا تھا۔ اس نے جل کر لکھا تھا کہ مجھے تمہارے پچھلے خط سے بڑا صدمہ ہوا جو ''مجھے یہاں خندقوں میں،، ملا۔ اگر مجھے یہ نہ معلوم ہوتا کہ تم اس وقت محاذ پر ہو جہاں آدمی کے اعصاب پر خوفناک بوجھہ ہوتا ہے — ہاں اگر ایسا نہ ہوتا تو تمہیں معاف نہ کرتی۔

اس نے لکھا تھا ''میری جان، وہ کیسی محبت ہے جو قربانی نہ کر سکے؟ پیارے، ایسی کوئی محبت نہیں ہوتی۔ اگر ایسی محبت ہوتی ہے تو میرے خیال میں یہ محبت نہیں ہے۔ ایک ہفتہ ہو گیا ہے کہ میں نہا دھو نہیں سکی ہوں۔ میں پتلون اور بوٹ پہنتی ہوں جن سے پنجے جھانکتے رہتے ہیں۔ میرا چہرہ دھوپ میں ایسا سنولا گیا ہے کہ چھلکا اترتا رہتا ہے اور جلد بالکل کھردری اور نیلی ہو گئی ہے۔ اگر میں اس حالت میں، بالکل نڈھال، گندی، مریل اور بدصورت تمہارے پاس آؤں تو کیا تم مجھے نکال دوگے یا مجھ پر الزام رکھوگے؟ بیوقوف دوست! تم جو کچھ بھی ہو، میں تمہیں یہ بتانا چاہتی ہوں کہ میں تمہارا انتظار کر رہی ہوں، تم جیسے بھی ہو... میں اکثر تمہارے بارے میں سوچتی ہوں۔ اور ان ''خندقوں'' میں آنے سے پہلے تمہیں خواب میں بھی دیکھا کرتی تھی۔ یہاں تو ہم سب لکڑی کے تختوں پر پڑتے ہی مردوں کی طرح غافل ہو جاتے ہیں۔ میں تمہیں بتانا چاہتی ہوں کہ جب تک میں زندہ ہوں، ہمیشہ کوئی تمہاری راہ دیکھتا رہیگا۔ تم جیسے بھی ہو، کوئی تمہارا انتظار کرتا رہیگا... تم کہتے ہو کون جانے تمہارے دشمنوں کو محاذ پر کچھ ہوجائے۔ لیکن اگر ان 'خندقوں' میں مجھے کچھ ہو جائے، کوئی حادثہ ہو اور میں اپاہج ہو جاؤں تو کیا تم مجھے نکال دوگے؟ یاد ہے تمہیں، جب ہم ٹکنیکل اسکول میں پڑھتے تھے تو ہم الجبرا کے سوال جگہ بدلنے کی ترکیب سے حل کیا کرتے تھے؟ ایسے ہی اب میری جگہ بیٹھ کر سوچو۔ اگر تم ایسا کرو تو جو کچھ تم نے لکھا ہے اس پر تمہیں شرم آئیگی...''

میریسئف دیر تک بیٹھا اس خط پر غور کرتا رہا۔ سورج کا دھکتا ہوا عکس سیاہ پانی میں چمک رہا تھا۔ چلچلاتی ہوئی گرمی تھی۔ سرکنڈے سرسرا رہے تھے اور بڑے بڑے نیلے پتنگے سیج کے ایک تنکے سے اڑتے اور دوسرے پر بیٹھ جاتے۔ پانی کی سطح پر تیرنے والے لم ٹنگو کیڑے سرکنڈوں کے درمیان بھاگ رہے تھے۔ وہ اپنے پیچھے پانی کی ہموار سطح پر جھالر کی طرح

ایک نشان چھوڑ جاتے تھے۔ ھلکی ھلکی لہریں ریتیلے ساحل کی آغوش کو تھپتھپا رہی تھیں۔

"کیا ہے یہ؟" الکسئی نے سوچا "کیا اسے غیب سے معلوم ہو گیا؟ خدا کی طرف سے اس کے دل میں یہ بات پڑ گئی؟" اس کی ماں کہا کرتی تھی "دل غیب کی بات بتاتا ہے۔" یا خندقوں کی کٹھن زندگی نے اس لڑکی میں سمجھہ پیدا کر دی تھی اور اس نے دل ھی دل میں وہ کچھہ جان لیا تھا جو اسے بتانے کی ھمت نہ ہوئی تھی؟ اس نے ایک بار پھر خط پڑھا۔ نہیں ایسی کوئی بات نہ تھی۔ یہ غیب کی خبر نہ تھی۔ یہ محض اس کی باتوں کا جواب تھا۔ اور جواب بھی کیسا!

الکسئی نے ٹھنڈی سانس لی۔ آہستہ آہستہ کپڑے اتارے اور چٹان پر کپڑوں کا ڈھیر لگایا۔ وہ ہمیشہ اس چھوٹی سی تنہا اور خاموش کھاڑی میں نہاتا تھا۔ یہ جگہ صرف اسے معلوم تھی۔ وہ سرکنڈوں سے گھری ہوئی کھاڑی کی اس ریتیلی آغوش میں ہمیشہ نہایا کرتا۔ اس نے اپنے نقلی پیروں کے فیتے کھولے اور آہستہ آہستہ چٹان سے پھسلا، ننگے ٹھنٹھوں پر چلنا اس کے لئے دوبھر تھا۔ پھر بھی وہ چاروں ہاتھہ پاؤں پر نہ جھکا۔ وہ درد سے ہونٹ کاٹتے ہوئے جھیل میں اترا اور ٹھنڈے اور گہرے پانی میں ڈبکی لگا گیا۔ ساحل سے کچھہ دور تک تیرتا ہوا گیا، اور دیر تک چت لیٹ کر پانی میں خاموش پڑا رہا۔ وہ نیلے اور اتھاہ آسمان کو گھورتا رہا۔ اس کی وسعتوں میں چھوٹے چھوٹے ابر پارے تیزی سے تیر رہے تھے اور ایک دوسرے سے ٹکرا رہے تھے۔ اس نے کروٹ لی اور دیکھا کہ پانی کی ٹھنڈی، نیلی اور چکنی سطح پر ساحل کا الٹا عکس پڑ رہا ہے اور سوسن کے زرد اور سفید پھول تیرتے ہوئے گول گول پتوں کے درمیان چمک رہے ہیں۔ اچانک اسے اولیا کا عکس نظر آیا جو چٹان پر بیٹھی ہوئی تھی۔ یہ وھی اولیا تھی جس کو وہ خواب میں دیکھتا تھا۔ وہ چھینٹ کا فراک پہنے ہوئے تھی۔ اس کی ٹانگیں لٹک رہی تھیں، حالانکہ وہ پانی تک نہیں پہنچ رہی تھیں۔ سطح کے اوپر کٹی ہوئی بدصورت ٹانگیں ہل رہی تھیں۔ اس نے زور سے پانی پر ہاتھہ مارا تاکہ یہ منظر ٹوٹ پھوٹ کر رہ جائے۔ اولیا نے ادل بدل کا جو طریقہ تجویز کیا تھا اس سے بات نہیں بنتی!

دکھن میں صورت انتہائی نازک ہو گئی۔ بہت دنوں سے اخباروں میں دون کے کنارے لڑائی کی خبریں آنا بند ہو گئی تھیں۔ ایک دن سوویت اطلاعاتی بیورو کے کمیونکے میں ان کزاک گاؤں کا ذکر تھا جو دون کی دوسری طرف والگا اور استالن گراد کے راستے پر تھے۔ ان ناموں کی اہمیت ان لوگوں کی نظر میں کوئی خاص نہ تھی جو ان علاقوں سے ناواقف تھے۔ لیکن الکسئی نے جو وهیں پیدا ہوا اور پلا بڑھا تھا، تاڑلیا کہ دون کی دفاعی لائن ٹوٹ گئی ہے اور جنگ کے شعلے استالن گراد کی دیواروں تک پہنچ گئے ہیں۔

استالن گراد! اب تک یہ نام کمیونکے میں نہیں آیا تھا لیکن ہر شخص کی زبان پر تھا۔ ۱۹۴۲ء کے موسم خزاں میں یہ نام پریشانی اور دکھہ کے ساتھہ زبان پر آتا تھا۔ یہ شہر کے نام کی طرح نہیں بلکہ کسی ایسے چہیتے عزیز کے نام کی طرح زبان پر آتا تھا جو موت کے منہ میں ہو۔ میریسئف کے لئے یہ پریشانی عام پریشانی سے کہیں زیادہ بڑھہ چڑھہ کر تھی کیونکہ اولیا کہیں قریب ہی، شہر سے باہر، اسٹیپی میدان میں تھی اور کون جانے اس کو کیسی آزمائشوں سے گزرنا پڑ رہا ہوگا؟ اب وہ اس کو ہر روز خط لکھتا۔ لیکن ان خطوں کی کیا اہمیت تھی جن پر میدان جنگ کے کسی ڈاک خانے کا پتہ لکھا ہوتا تھا؟ کیا پیچھے ہٹتی ہوئی فوجوں کے اس ہنگامے میں یہ خط اس کو مل سکینگے — گھمسان جنگوں کے اِس جہنم میں جو والگا کے میدانوں میں دھک رہا تھا۔

ہوابازوں کا سینیٹوریم شہد کی مکھیوں کے اس چھتے کی طرح گونجتا رہتا جسے چھیڑ دیا گیا ہو۔ عام تفریحیں ختم ہو گئیں — ڈراٹ، شطرنج، والی بال، گلی ڈنڈے اور تاش کے کھیل — جو جوش اور ولولے کے رسیا مریض جھیل کے کنارے جھاڑیوں میں کھیلا کرتے تھے۔ یہ سب کھیل بند ہو گئے۔ ہر شخص، یہاں تک کہ انتہائی کاہل قسم کے لوگ بھی وقت سے ایک گھنٹہ پہلے ہی صبح صبح بستر سے اٹھہ جاتے تاکہ ریڈیو پر صبح سات بجے

میدان جنگ کی پہلی رپورٹ سن سکیں۔ کمیونکے میں ہوابازوں کے کارناموں کا ذکر آتا تو ہر شخص کچھ اداس اداس سا گھومنے لگتا۔ ان کو نرسوں میں کیڑے نظر آتے اور کھانے اور پابندیوں اور ضابطوں کے خلاف بڑبڑاتے جیسے یہ سینی‌ٹوریم کا قصور تھا کہ وہ یہاں دھوپ میں آئینے کی طرح چمکتی ہوئی جھیل کے کنارے پرسکون جنگل میں منڈلاتے پھر رہے تھے اور استالن گراد کے قریب گھاس کے میدان میں لڑ نہیں رہے تھے۔ آخر سینی‌ٹوریم میں آرام کرنے والوں نے اعلان کر دیا کہ وہ اس زندگی سے اوب چکے ہیں۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ وقت مقررہ سے پہلے انہیں چھٹی دی جائے تاکہ وہ اپنے اپنے دستوں میں واپس جا سکیں۔

ایک دن ڈھلتی سہ پہر کو ہوائی فوج کے عملے کے شعبے سے ایک کمیشن آیا۔ کئی افسر طبی دستے کا نشان اپنی وردی پر لگائے ہوئے، دھول سے اٹی ہوئی کار سے اترے۔ آگے کی سیٹ سے ایک ہٹا کٹا افسر سیٹ کی دیوار کے سہارے بڑی مشکل سے اٹھا۔ یہ تھا اول درجے کا فوجی سرجن، میرووولسکی۔ وہ ہوائی فوج میں کافی مشہور تھا۔ ہواباز، اس کی پدرانہ شفقت کی وجہ سے اس کو بہت چاہتے تھے۔ کھانے پر اعلان ہوا کہ کمیشن ان لوگوں میں سے والنٹیر چنے‌گا جو اپنی بیماری کی چھٹی کم کروا کر اپنے اپنے دستے میں فوراً واپس جانا چاہتے ہیں۔

اگلی صبح کو، میریسئف، منہ اندھیرے اٹھا اور معمول کے مطابق ورزش کئے بغیر جنگلوں کی راہ لی اور ناشتے کے وقت تک وہیں رہا۔ ناشتے پر اس نے کچھ نہ کھایا۔ جب ویٹرس نے دیکھا کہ اس نے کھانے کو ہاتھ بھی نہیں لگایا تو اسے ذرا ڈانٹ پلائی۔ اس نے جھنجلا کر جواب دیا حالانکہ لڑکی اس کے ساتھ مروت سے پیش آنا چاہتی تھی۔ جب استروچکوف نے اس سے کہا کہ میاں وہ تو تم سے اخلاق برت رہی ہے اور تم چراغ پا ہوئے جا رہے ہو تو وہ اچھلا اور کھانے کے کمرے سے نکل گیا۔ زینوچکا گلیارے کی دیوار پر لگا ہوا سوویت اطلاعاتی بیورو کا خبرنامہ پڑھ رہی تھی۔ الکسئی اس سے سلام کلام کئے بغیر آگے بڑھ گیا۔ وہ بھی ایسی بن گئی جیسے اسے دیکھا ہی نہ ہو۔ اس نے صرف آہستہ سے شانے ہلایا۔ لیکن جب وہ، واقعی اس کو دیکھے

بغیر، یونہی گزر گیا تو اس کا دل دکھا اور قریب قریب اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ اس نے پکارا۔ الکسئی نے منہ پھیرتے ہوئے غصے سے کہا:

''ہاں، کیا چاہئے؟''

''کامریڈ سینئر لفٹیننٹ، تم کیوں...'' لڑکی نے ہولے سے جواب دیا اور سرخ ہو گئی۔ اس کے گال دھک اٹھے اور اس کے بالوں کی طرح شعلہ رنگ ہو گئے۔

الکسئی نے فوراً اپنے بگڑے ہوئے مزاج پر قابو پا لیا اور ایسا معلوم ہوا کہ اس کا پورا جسم خالی ہو گیا ہے۔

''آج میری قسمت کا فیصلہ ہونے والا ہے'' اس نے دھیمی آواز میں کہا۔ ''ہاتھ ملاؤ اور میرے لئے دعا کرو...''

معمول سے زیادہ لنگڑاتے ہوئے وہ اپنے کمرے میں گیا اور خود کو مقفل کر لیا۔

کمیشن تفریح کے ہال میں بیٹھا۔ وہیں اس کا سارا سامان آراستہ کر دیا گیا تھا — سانس جانچنے کا آلہ، مٹھیوں کے دباؤ کا آلہ، بینائی جانچنے کے کارڈ، وغیرہ۔ سینی‌ٹوریم کی پوری آبادی ساتھ والے کمرے میں اکٹھی ہو گئی۔ وہ سب جو اپنی بیماری کی چھٹی ختم کروانا چاہتے تھے (اور قریب قریب سبھی چاہتے تھے) ایک لمبی قطار میں کھڑے ہو گئے۔ زینوچکا آئی اور اس نے سب کو ایک ایک پرچہ دیا جس پر لکھا تھا وہ کس وقت بلائے جائینگے اور ان سے کہا کہ وہاں سے چلے جائیں۔ شروع کے چند آدمی جب کمیشن کے مرحلے سے گزر گئے تو یہ افواہ پھیل گئی کہ کمیشن بہت زیادہ سخت نہیں ہے۔ بھلا ایسے وقت کمیشن سخت کیسے ہو سکتا تھا جب والگا کے کنارے ایسی خون آشام جنگ چھڑی ہوئی تھی اور ضرورت تھی سر اور دھڑ کی بازی لگا دینے کی۔ الکسئی برساتی کے سامنے اینٹ کی نیچی دیوار پر پاؤں لٹکائے بیٹھا تھا۔ جب کوئی شخص باھر آتا تو بے‌نیازی سے پوچھتا جیسے اسے کوئی خاص دلچسپی نہ ہو:

''کہو کیسا رہا؟''

''میرا تو بیڑا پار ہے!'' وہ آدمی خوش خوش وردی کا بٹن لگاتے ہوئے یا پیٹی کستے ہوئے جواب دیتا۔

میریسئف سے پہلے بورنازیان اندر گیا۔ اس نے اپنی چھڑی دروازے کے باہر چھوڑ دی اور کمرے میں داخل ہوا اور کوشش کرتا رہا کہ جسم میں ڈگمگاہٹ اور ٹانگ میں لنگ نہ پیدا ہو۔ اس کو دیر تک وہاں رکھا گیا۔ آخر کھلی ہوئی کھڑکی سے الکسئی کے کانوں میں گرم گرم باتوں کی آوازیں آئیں۔ دروازہ کھلا اور بورنازیان لپکتا ہوا نکلا۔ وہ بہت بپھرا نظر آ رہا تھا۔ اس نے بپھری ہوئی نظروں سے الکسئی کو دیکھا اور بالکل ناک کی سیدھہ میں دیکھتا اور چیختا چنگھاڑتا اور بھٹکتا ہوا پارک کی طرف چلا گیا۔

"دفترشاهی کے غلام! کنویں کے مینڈک! ان کو آخر هوابازی کے بارے میں معلوم کیا ہے؟ کیا ان کے خیال میں یہ بھی کوئی بیلے ہے؟.. چھوٹی ٹانگ!.. کم بخت بالکل انیما اور انجکشن کے سوا اور کچھہ جانتے ہی نہیں!"

الکسئی کا دل ڈوبا جا رہا تھا۔ لیکن وہ خوش خوش اور مسکراتا ہوا تیز تیز قدموں سے کمرے کے اندر آیا۔ کمیشن ایک لمبی میز کے کنارے بیٹھا تھا۔ درمیان میں گوشت کے پہاڑ کی طرح اول درجے کا فوجی سرجن میرووِلسکی براجمان تھا۔ پہلو کی ایک میز پر، مریضوں کے حالات کے کاغذات کے ڈھیر کے سامنے زینوچکا بیٹھی تھی۔ وہ اپنے سفید اور کلف بھرے لبادے میں گڑیا کی طرح ننھی منی اور خوبصورت معلوم ہو رہی تھی۔ اس کے باریک سفید رومال سے سرخ بالوں کی ایک لٹ بڑی ادا سے جھانک رہی تھی۔ اس نے الکسئی کو اس کی بیماری کا پروانہ پکڑایا اور نرمی سے اس کا ہاتھہ دبایا۔

"نوجوان، اب اوپر کے کپڑے اتار لو" سرجن نے آنکھوں کو سکیڑتے ہوئے کہا۔

میریسئف نے ورزش بیکار نہیں کی تھی۔ دھوپ اشنان اکارت نہیں گیا تھا۔ سرجن دل ہی دل میں اس کے گٹھیلے اور خوبصورت جسم کی تعریف کئے بغیر نہ رہ سکا۔ اس کا ایک ایک پٹھا اس کی سانولی جلد کے نیچے تڑپتا ہوا نظر آ رہا تھا۔

"تم تو مزے میں داؤد کے مجسمے کے سوڈل کا کام کر

سکتے ہو،، کمیشن کے ایک ممبر نے اپنی ہمہ دانی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

میریسئف آسانی سے تمام امتحانوں میں پاس ہو گیا۔ اس کی مٹھیوں کا دباؤ معیار سے کوئی پچاس فیصدی زیادہ تھا، سانس کی جانچ میں اس نے آلے کے کانٹے کو اس کی آخری حد تک پہنچا دیا۔ اس کے خون کا دباؤ نارمل تھا اور اس کے اعصاب بہترین حالت میں تھے۔ آخر میں اس نے طاقت کی جانچ کرنے والی مشین کا فولادی دستہ اتنے زور سے کھینچا کہ اسپرنگ ٹوٹ گئی۔

''ہواباز ؟،، سرجن نے چہرے پر خوشی کی کیفیت پیدا کرتے ہوئے پوچھا۔ وہ اپنی کرسی پر اور بھی آرام سے پھیل گیا۔ وہ ''سینئر لفٹیننٹ میریسئف کے کارڈ،، کے بالائی کونے پر اپنا فیصلہ لکھنے ہی والا تھا۔

''ہاں۔،،

''لڑاکو ہواباز ؟،،

''ہاں۔،،

''اچھا اور لڑو ! تمہارے جیسے لوگوں کی ضرورت ہے، بہت ضرورت ہے!.. ہاں ذرا بتانا تمہیں کیا تکلیف تھی؟،،

الکسئی کا منہ اتر گیا۔ اسے محسوس ہوا کہ بنا بنایا کھیل بگڑ رہا ہے۔ سرجن نے اس کے کارڈ کا معائنہ کیا اور اس کے چہرے سے حیرانی کی کیفیت چھلکنے لگی۔

''کٹے ہوئے پیر... یہ کیا؟ بکواس! یہ غلطی ہوگی، ایں؟ تم جواب کیوں نہیں دیتے؟،،

''نہیں یہ غلطی نہیں ہے،، الکسئی نے بہت ہولے سے اور بہت آہستہ آہستہ کہا جیسے پھانسی کے تختے پر چڑھ رہا ہو۔

سرجن اور کمیشن کے ممبروں نے مشکوک نظروں سے اس ہٹے کٹے، گٹھے ہوئے جسم کے پرجوش نوجوان کو دیکھا اور ان کی سمجھ میں نہ آیا کہ آخر معاملہ کیا ہے۔

''پتلون کے پائنچے اوپر اٹھاؤ !،، سرجن نے بے صبری کے لہجے میں حکم دیا۔

الکسئی کا رنگ زرد پڑ گیا۔ اس نے بےبسی سے زینوچکا کو دیکھا اور آہستہ آہستہ اپنی پتلون کے پائنچے اوپر چڑھائے۔ اس

کے چہرے پر مایوسی کھنڈ گئی۔ اس نے لکڑی کے پیروں کو کھول دیا اور ہاتھہ پہلو میں گرا دئے۔

''ہمارا مذاق اڑانا چاہتے ہو، یا کچھہ اور؟ ذرا دیکھنا ہمارا کتنا وقت ناس گیا۔ یقینی تم بغیر پیروں کے ہوائی فوج میں واپس جانے کی بات تو سوچ نہیں سکتے، ہے نا؟،، آخر سرجن نے کہا۔

''میں سوچتا نہیں۔ میں تو واپس جا کے رہونگا!،، الکسئی نے دھیمی آواز میں جواب دیا۔ اس کی سیاہ آنکھوں میں بغاوت کے شعلے چمک رہے تھے۔

''بغیر پیروں کے، تمہاری عقل ماری گئی ہے!،،

''ہاں میں بغیر پیروں کے ہوائی جہاز اڑاؤنگا،، الکسئی نے جواب دیا۔ اب اس میں بغاوت نہیں بلکہ سکون تھا۔ اس نے اپنی پرانی وضع کی وردی کی جیب سے رسالے کا ایک تراشہ نکالا جو بڑی صفائی سے تہہ کیا گیا تھا۔ ''دیکھئے،، اس نے سرجن کو تراشہ دکھاتے ہوئے کہا ''اس نے ایک پیر سے ہوائی جہاز اڑایا۔ آخر میں دو پیروں کے بغیر کیوں ہوائی جہاز نہیں اڑا سکتا؟،،

سرجن نے تراشہ پڑھا اور الکسئی کو حیرت اور احترام سے دیکھا۔

''ہاں، لیکن تمہیں اس قابل بننے کے لئے غضب کی محنت اور مشق کرنی ہوگی۔ اس آدمی نے دس برس تک مشق کی۔ تم کو اپنے پیر اس طرح استعمال کرنے ہونگے جیسے وہ بالکل اصلی ہوں،، اس نے کچھہ نرم پڑتے ہوئے کہا۔

اس آن الکسئی کو ایک غیرمتوقع کمک پہنچی۔ زینوچکا اپنی میز کے پیچھے سے جھپٹ کر بڑھی۔ اس نے ہاتھہ جوڑے جیسے دعا مانگ رہی ہو اور اس کا رنگ اتنا سرخ ہو گیا کہ پسینے کے قطرے اس کی کنپٹیوں پر چمکنے لگے۔ وہ بولی:

''کامریڈ سرجن، آپ اسے ناچتے ہوئے دیکھئے! وہ اتنا اچھا ناچتا ہے کہ دونوں پیر والے بھی ایسا نہیں ناچتے!،،

''ناچ؟ غضب خدا کا! کیا مطلب!..،، سرجن کے منہ سے نکلا اور اس نے چاروں طرف بھونچکا نظروں سے کمیشن کے ممبروں کو دیکھا۔

الکسئی نے بھی فوراً زینوچکا کا راگ الاپنا شروع کر دیا۔

"ابھی فیصلہ نہ کیجئے"، اس نے کہا۔ "آج رات کو ہمارا ناچ دیکھنے آئیے اور پھر دیکھئے ہم کیا کچھ کر سکتے ہیں۔"

جب الکسئی دروازے کی طرف چلا تو اس نے آئینے میں کمیشن کے ممبروں کی جھلک دیکھی جو بڑے جوش سے ایک دوسرے سے بات کر رہے تھے۔

زینوچکا کو، کھانے سے پہلے، الکسئی درختوں کے ایک جھنڈ میں نظر آیا۔ اس نے بتایا کہ کمیشن نے اس کے چلے آنے کے بعد بھی دیر تک میریسئف کے بارے میں بحث کی۔ سرجن نے کہا تھا کہ میریسئف ایک غیر معمولی نوجوان ہے اور کون جانے وہ واقعی ہوائی جہاز اڑا سکے۔ روسی کیا نہیں کر سکتا؟ اس کے جواب میں کمیشن کے ایک ممبر نے کہا کہ ہوابازی کی تاریخ میں اس قسم کا کوئی واقعہ نہیں ملتا۔ سرجن نے اس کا جواب دیا کہ ہوابازی کی تاریخ کو بہت سی باتیں معلوم نہیں تھیں لیکن اس جنگ میں سوویت ہوابازوں نے نئے کارنامے انجام دئے اور تاریخ میں اضافہ کیا۔

والنٹیروں کی روانگی کا جشن منانے کے لئے ایک الوداعی ناچ کا انتظام ہوا۔ والنٹیروں کی تعداد دو سو نکل تھی۔ یہ ایک شاندار تقریب تھی۔ ماسکو سے ایک فوجی بینڈ بلوایا گیا اور اس محل کے کمروں اور گلیاروں میں نغمہ گرجتا گونجتا رہا اور جالی سے سجی ہوئی کھڑکیاں لرز لرز اٹھیں۔ ہواباز بے تکان ناچ رہے تھے۔ ان کے چہرے پسینے سے بھیگے ہوئے تھے۔ ان میں سب سے زیادہ ترنگ میں، چوکس اور پرجوش میریسئف تھا۔ وہ شعلہ گوں زلفوں والی لڑکی کے ساتھ ناچ رہا تھا۔ یہ ایک اچھوتا جوڑا تھا!

فوجی سرجن میرووولسکی کھلی کھڑکی میں بیٹھا تھا۔ اس کے سامنے ٹھنڈی بیر کا گلاس رکھا تھا۔ وہ ایک چھن کو بھی میریسئف اور اس کی شعلہ گوں زلفوں والی ساتھی سے نظر نہ ہٹا سکا۔ وہ ایک سرجن تھا اور وہ بھی فوجی سرجن۔ وہ نقلی اور اصلی پیروں کا فرق خوب جانتا تھا۔

اور اب جو اس نے گٹھیلے جسم کے اس ہوا باز کو اپنی نازک، دلکش ساتھی کے ساتھ ناچتے دیکھا تو وہ یہ سوچے بنا نہ رہ سکا کہ ہو نہ ہو اس میں کوئی دھوکا ہے۔ آخرکار الکسئی

تالیاں بجاتے ہوئے تماشائیوں کے گھیرے میں روسی لوک ناچ ''بارنیا،، ناچنے اور پوری دیوانگی سے اپنی رانوں اور گالوں کو تھپتھپانے اور اچھلنے کودنے کے بعد میروولسکی کے پاس گیا۔ وہ پسینے میں شرابور اور جوش میں تھا۔ سرجن نے خاموشی اور تعظیم کے ساتھ اس سے ہاتھ ملایا۔ الکسئی کچھ نہ بولا لیکن اس نے اپنی آنکھیں سرجن کی آنکھوں میں ڈال دیں اور التجا بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے جواب کا تقاضا کرنے لگا۔

''تم خود جانتے ہو،، سرجن نے آخرکار کہا ''کہ مجھے کوئی حق نہیں کہ تمہارا تقرر سیدھے کسی دستے میں کروں۔ لیکن میں تمہیں عملے کے شعبے کے لئے ایک سرٹیفکیٹ دونگا۔ میں سفارش کرونگا کہ مناسب ٹریننگ کے بعد تم ہوابازی کے لئے فٹ ہو جاؤگے۔ بہر حال، تم میرے ووٹ پر بھروسہ کر سکتے ہو۔،،

میروولسکی سینی‌ٹوریم کے صدر کے بازو میں بازو ڈال کر ہال سے نکل گیا۔ سینی‌ٹوریم کا صدر بھی کافی تجربہ‌کار فوجی سرجن تھا۔ دونوں کے دل حیرانی اور تحسین و تعریف کے جذبات سے بھرے ہوئے تھے۔ وہ بستر پر لیٹنے سے پہلے دیر تک بیٹھے سگریٹ پیتے اور غور کرتے رہے کہ واقعی سوویت لوگوں کو کسی چیز کی دھن سما جائے تو وہ کر کے رہتے ہیں...

موسیقی ابھی گونج ہی رہی تھی اور کھلی کھڑکی سے چھنتی ہوئی روشنی میں ناچنے والوں کے سائے زمین پر پھیل اور تیر رہے تھے۔ اس وقت الکسئی میریسئف اوپر کی منزل میں غسل خانے میں بند، اپنی ٹانگوں کو ٹھنڈے پانی میں ڈالے پڑا تھا۔ وہ اتنے زور زور سے ہونٹ چبا رہا تھا کہ ان سے خون نکلنے لگا تھا۔ مارے درد کے قریب قریب بیہوش ہوتے ہوئے اس نے اپنی ٹانگیں پانی میں ڈال دیں جن میں نقلی پیروں کی زبردست رگڑ سے بڑے بڑے خون آلود چھالے پڑ گئے تھے۔

ایک گھنٹہ بعد، جب میجر استروچکوف کمرے میں آیا تو میریسئف نہا دھو کر تازہ دم، ایک آئینے کے سامنے بیٹھا اپنے بھیگے ہوئے گھونگریالے بالوں میں کنگھا کر رہا تھا۔

''زینوچکا تمہیں ڈھونڈ رہی ہے۔ تمہیں تو چاہئے تھا کہ

اسے لے کر الوداعی سیر کے لئے نکلتے۔ مجھے اس لڑکی پر افسوس آتا ہے۔"

"آؤ ہم ساتھ ہی چلیں!" میریسئف نے اشتیاق کے ساتھ جواب دیا "آؤ، پاویل ایوانووچ" اس نے التجا کی۔

اس خوبصورت لڑکی کے ساتھ اکیلے ہونے کا خیال، جس نے اسے ناچ سکھانے کے لئے اتنی تکلیف اٹھائی تھی، اس کے لئے بہت پریشان کن تھا۔ اولیا کا خط ملنے کے بعد وہ اس کی موجودگی میں عجیب بے تکاپن سا محسوس کرتا تھا۔ وہ استروچکوف سے التجا کرتا رہا یہاں تک کہ آخر اس نے بڑبڑاتے ہوئے اپنی ٹوپی اٹھا لی۔

زینوچکا بچے کھچے پھولوں کے ساتھ بالکنی میں انتظار کر رہی تھی۔ اس کے پاس فرش پر پھول کے پتے اور پنکھڑیاں بکھری ہوئی تھیں۔ الکسئی کے پیروں کی آہٹ سن کر وہ بڑے اشتیاق سے لپکی لیکن جب اس نے دیکھا کہ وہ اکیلا نہیں تو بجھ سی گئی۔

"آؤ ہم جنگل کو خدا حافظ کہنے چلیں" الکسئی نے بڑے اطمینان سے تجویز پیش کی۔

انہوں نے ایک دوسرے کے بازو میں بازو ڈال دئے اور لائم کے درختوں کے درمیان پرانی ٹھنڈی سڑک پر چلنے لگے۔ ان کے قدموں کے ساتھ ساتھ، چاندنی میں نہائی ہوئی زمین پر، ان کی کوئلے کی طرح سیاہ پرچھائیاں ان کا پیچھا کر رہی تھیں اور یہاں وہاں موسم خزاں کے ٹپکائے ہوئے پیلے پتے بکھرے ہوئے سنہرے سکوں کی طرح چمک رہے تھے۔ وہ ٹھنڈی سڑک کے آخری نکڑ پر پہنچے، پھاٹک سے باہر نکلے اور سرمئی اور نم گھاس پر چلتے ہوئے جھیل کی طرف چل دئے۔ جھیل نرم اور سفید دھند کے کمبل سے ڈھکی ہوئی تھی اور بھیڑ کی سفید کھال کی طرح دکھائی دے رہی تھی۔ دھند زمین سے چپکی ہوئی تھی اور ان کی کمر تک اٹھتی ہوئی، ٹھنڈی چاندنی میں پراسرار انداز سے سانس لے رہی تھی اور چمک رہی تھی۔ ہوا نم تھی اور اس میں موسم خزاں کی بھیگی بھیگی خوشبو بسی ہوئی تھی۔ گھڑی میں ہوا ٹھنڈی اور برفیلی سی ہو جاتی اور گھڑی میں گرم، جیسے دھند کی اس جھیل میں بیک وقت گرم لہریں بھی اٹھ رہی ہوں اور سرد بھی...

”معلوم ہوتا ہے جیسے ہم دیو ہوں اور بادلوں کے اوپر چل رہے ہوں، ہے نا؟“ الکسئی نے کچھہ سوچتے ہوئے کہا۔ اس نے گھبراہٹ کے ساتھہ یہ محسوس کیا کہ لڑکی کا بازو پورے زور سے اس کی کہنی کو دبا رہا ہے۔

”دیو نہیں بلکہ احمق — ہم سر سے پیر تک بھیگ جائینگے اور راستے میں ہمیں ٹھنڈ لگ جائیگی،“ استروچکوف غرایا، جو معلوم ہوتا تھا کہ خود اپنے افسردہ خیالات میں ڈوبا ہوا تھا۔

”میں اس معاملے میں تم سے بہتر ہوں۔ میرے پیر ہی نہیں کہ بھیگیں اس لئے مجھے ٹھنڈ نہیں لگ سکتی،“ الکسئی نے ہنستے ہوئے کہا۔

”آؤ! آؤ! اس وقت وہاں بڑا پرلطف منظر ہوگا!“ زینوچکا نے ان کو دھند سے ڈھکی ہوئی جھیل کی طرف کھینچتے ہوئے للکارا۔

وہ پانی میں گرتے گرتے بچے اور جب اچانک دھند کی گھٹاؤں میں سے ٹھیک پیروں کے پاس انہیں سیاہی ابھرتی ہوئی نظرآئی تو وہ ٹھٹک کر کھڑے ہو گئے۔ قریب ہی ایک چھوٹا سا پشتہ تھا اور اس سے بندھی ہوئی چپو والی کشتی کے دھندلے خطوط نظر آرہے تھے۔ زینوچکا دھند میں غائب ہو گئی اور لوٹی تو اس کے ہاتھہ میں دو چپو تھے۔ انہوں نے چپوؤں کو پھندے میں ڈالا۔ الکسئی نے چپو سنبھال لئے۔ زینوچکا اور استروچکوف کشتی کے دنبالے میں بیٹھہ گئے۔ خاموش پانی میں کشتی آہستہ آہستہ تیر رہی تھی، کشتی کبھی دھند میں کھو جاتی اور کبھی کھلے ہوئے پانی میں نکل آتی۔ چاندنی نے بڑی فیاضی سے پانی کی کالی اور چمکتی ہوئی سطح پر چاندی کی چادر بچھا دی تھی۔ سب خاموش تھے۔ سب اپنے اپنے خیال میں کھوئے ہوئے تھے۔ رات پرسکون تھی۔ چپوؤں سے پانی کے قطرے پارے کی طرح بھاری سے ٹپکتے اور بکھر جاتے۔ چپوؤں کے پھندے آہستہ چرچرا رہے تھے، کہیں کوئی پرندہ چیخ رہا تھا، پانی کے اس پار کہیں دور سے کسی الو کے بولنے کی مدھم سی آواز آ رہی تھی۔

”مشکل سے یقین آ سکتا ہے کہ کہیں قریب ہی زوردار جنگ ہو رہی ہے...“ زینوچکا نے ہولے سے کہا ”میرے ساتھیو، تم

مجھے خط لکھوگے؟ ہاں الکسئی پیتروویچ، تم مجھے خط لکھوگے نا؟ ہاں چاہے منا سا خط ہی سہی- میں پتہ لکھہ کر چند پوسٹ کارڈ تمہارے ساتھہ کر دونگی، کیوں ٹھیک ہے نا؟ تم ضرور لکھوگے نا: 'زندہ ہوں، اچھا ہوں، سلام و نیاز!'، اور اس کو ڈاک میں ڈال دوگے، ٹھیک ہے نا؟..''

''میں کہہ نہیں سکتا کہ یہاں سے جانے کی مجھے کتنی خوشی ہے! لعنت ہو! میں کافی سے زیادہ اینڈ چکا! میرے ہاتھوں میں کچھہ کرنے کے لئے کھجلی ہو رہی ہے!''، استروچکوف چلایا-

وہ سب پھر خاموش ہو گئے- چھوٹی چھوٹی لہریں ہولے ہولے نرمی سے کشتی کے کناروں سے ٹکراتی رہیں- اس کے پیٹ کے نیچے پانی سویا سویا سا غراتا رہا اور اس کے دنبالے سے کٹتا ہوا پانی ایک چمکتے ہوئے زاویے کی شکل میں پھیلتا رہا- دھند چھٹ گئی اور چاند کی تھرتھراتی ہوئی نیلگوں کرن ساحل سے دوڑتی ہوئی پانی پر تیرتی چلی گئی- اس کرن نے سوسن کے پھولوں کی پنکھڑیوں کو جھلمل جھلمل روشن کر دیا-

''آؤ گانا گائیں''، زینوچکا نے دعوت دی اور اس نے انتظار کئے بغیر ریبی‌نا کے پیڑ کے بارے میں گیت چھیڑ دیا-

اس نے درد بھری لے میں شروع کے بول گائے، بالکل اکیلی- لیکن اس کے بعد کے استروچکوف نے اپنی دلکش بھاری آواز میں بول چھیڑ دئے- الکسئی کو کبھی شبہ بھی نہ ہوا تھا کہ اس کی آواز اتنی پیاری اور دل گداز ہوگی- اس گیت کی درد انگیز اور جذبات کی آگ سے دہکتی ہوئی لے پانی کی چکنی سطح پر تیر رہی تھی- ایک مرد اور ایک عورت کی طرار آوازیں مل کر ایک دوسرے کے دل کی لگی کو سہارا دے رہی تھیں- الکسئی کو اپنے کمرے کے باہر ریبی‌نا کا وہ چھریرا درخت یاد آ گیا جس میں گوندنیوں کا اکلوتا گچھا لگا ہوا تھا اور زمیں دوز گاؤں میں وہ بڑی بڑی آنکھوں والی واریا- پھر سب کچھہ مٹ گیا — جھیل اور یہ جنوں خیز چاندنی، کشتی اور گیت گانے والے — سب کچھہ- اب اسے چاندی جیسی چاندنی میں کاسی‌شین والی لڑکی نظر آئی- لیکن یہ وہ اولیا نہ تھی جو پھولوں سے لدے ہوئے مرغزار میں ڈیزی کے شگوفوں کے درمیان بیٹھی تھی- یہ تو بالکل دوسری، انجانی لڑکی تھی، تھکن

سے نڈھال، دھوپ سے رخسار داغ داغ، پھٹے پھٹے ھونٹ، پسینے سے شرابور وردی، ھاں وہ استالن گراد کے قریب لمبی لمبی گھاس کے میدان میں کہیں کدال چلا رھی تھی۔

اس نے چپو چھوڑ دئے اور گیت کے آخری بول گانے کے لئے سر میں سر ملانے لگا۔

٦

اگلی صبح سینی‌ٹوریم کے پھاٹکوں سے بسوں کا ایک لمبا کارواں گزرا۔ ابھی بسیں برساتی ھی میں تھیں کہ میجر استروچکوف نے ایک بس کے پائدان پر بیٹھے بیٹھے ریبی‌نا کے درخت کے بارے میں اپنا محبوب گیت چھیڑ دیا۔ دوسری بسوں کے لوگوں نے بھی راگ میں راگ ملایا اور الوداعی سلام و پیام، دعائیں اور نیک خواھشیں، بورنازیان کی فقرے بازیاں، کھڑکی سے الکسئی کو زینوچکا کی الوداعی نصیحتیں — سبھی کچھھ، اس پرانے گیت کے سادہ اور معنی خیز بول میں کھو گئے جو ایک زمانے سے بھلا دیا گیا تھا — وہ گیت جو دوبارہ زندہ ھو گیا تھا اور جس نے جب الوطنی کی عظیم جنگ کے دوران میں لوگوں کے دل موہ لئے تھے۔

اس طرح بسیں پھاٹکوں سے نکلیں اور اپنے ساتھہ نغمے کی گہری اور پر آھنگ سروں کا طوفان لئے ھوئے بڑھہ گئیں۔ گیت ختم ھوا تو گانے والے خاموش ھو گئے اور کوئی ایک لفظ نہ بولا یہاں تک کہ شہر کے مضافات کی پہلی فیکٹریاں اور مزدوروں کی بستیاں بس کی کھڑکیوں کے سامنے سے تیرتی ھوئی پیچھے رہ گئیں۔

میجر استروچکوف اب تک بس کے پائدان پر بیٹھا تھا۔ اس کی وردی کے بٹن کھلے ھوئے تھے۔ وہ مسکراتے ھوئے قدرت کے حسن کی داد دے رھا تھا۔ وہ انتہائی جوش اور مزے میں تھا۔ جنم جنم کا یہ سپاھی پھر ایک بار آگے بڑھہ رھا تھا۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کرنا اس کی فطرت میں تھا۔ اور اسی لئے اس وقت وہ اپنے خاص موڈ میں تھا۔ وہ کسی دستے میں جا رھا تھا۔ اس کو معلوم نہ تھا کس دستے میں۔ لیکن کوئی دستہ بھی ھو

وہ اس کے لئے گھر کی طرح تھا۔ میریسئف خاموش اور بیقرار بیٹھا تھا۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ اس کی زبردست کٹھنائیاں تو اب آگے آنے والی تھیں اور کون کہہ سکتا تھا کہ آیا وہ ان رکاوٹوں کو پار بھی کر سکیگا یا نہیں؟

بس سے اترتے ھی سیدھے اس نے میروولسکی کی راہ لی اور رات بسر کرنے کے لئے انتظام کرنے کی زحمت بھی نہ اٹھائی۔ یہاں اسے پہلی بدقسمتی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اس کا بہی خواہ، جس کو اتنی مشکل سے اس نے اپنا طرفدار بنایا تھا، غائب تھا۔ وہ کسی فوری اور اہم کام سے کسی اور جگہ ہوائی جہاز سے گیا ہوا تھا۔ اور کافی دن تک اس کے آنے کی امید نہ تھی۔ جس افسر سے الکسئی کی بات چیت ہوئی تھی اس نے کہا کہ قاعدہ کے مطابق ایک درخواست لکھہ کر دے دو۔ وہ فوراً کھڑکی کے پاس درخواست لکھنے بیٹھہ گیا۔ اس نے درخواست لکھی اور متعلقہ افسر کے حوالے کر دی جو ٹھگنے سے قد کا پتلا دبلا آدمی تھا۔ اس کی آنکھیں تھکن سے نڈھال تھیں۔ اس نے وعدہ کیا کہ وہ اپنے بس بھر اس کے لئے سب کچھہ کریگا اور صلاح دی کہ دو دن بعد پھر یہاں ہو جانا۔ الکسئی نے التجا کی، گڑگڑایا، دھمکیاں تک دیں لیکن سب بیکار! افسر نے اپنی ھڈیالی مٹھیوں کو سینے پر دباتے ہوئے جواب دیا کہ قاعدہ یہی ہے اور اس کی خلاف ورزی کرنا اس کے بس میں نہیں۔ کسی بھی حال میں، واقعی اس معاملے میں جلدی کرنا اس کے لئے ممکن نہ تھا۔ میریسئف جی ھار کر ھاتھہ جھٹکتے ہوئے وھاں سے چلا گیا۔

اس طرح شعبہ جنگ کے ایک دفتر سے دوسرے دفتر میں مارے مارے پھرنے کا آغاز ہوا۔ اس کی مشکلات اس وجہ سے اور بھی بڑھہ گئی تھیں کہ ھسپتال میں اتنی عجلت میں اسے لایا گیا تھا کہ اسے کپڑے، کھانے اور روپے کے سرٹیفکیٹ بھی نہیں مل سکے۔ اور نہ اس نے اب تک یہ چیزیں حاصل کرنے کی زحمت گوارا کی تھی۔ اس کے پاس چھٹی کا سرٹیفکیٹ تک نہ تھا۔ اگرچہ ان معاملات سے متعلق، مہربان اور مددگار قسم کے افسر نے وعدہ کیا تھا کہ وہ ضروری کاغذات منگوانے کے لئے اس کے رجمنٹ کے ھیڈ کوارٹر کو ٹیلیفون کریگا لیکن میریسئف کو اچھی طرح

معلوم تھا کہ اس طرح کے کام کتنی سستی سے ہوتے ہیں اور اس نے سمجھہ لیا کہ کچھہ عرصے تک اسے بغیر روپوں کے، بغیر رہنے کی جگہ اور راشن کے ماسکو میں رہنا پڑیگا جہاں زندگی جنگ کے زمانے میں بڑی دشوار تھی، جہاں ایک ایک کلوگرام روٹی اور ایک ایک گرام‌شکر کی حیثیت غیر مترقبہ نعمت سے کم نہ تھی۔

اس نے ہسپتال میں انیوتا کو ٹیلیفون کیا۔ اس کی آواز سے ظاہر ہوتا تھا کہ یا تو وہ بہت پریشان تھی یا بہت مصروف۔ لیکن وہ اس کے آنے پر بہت خوش ہوئی اور اصرار کیا کہ اسے چند دن اس کے ہاں ٹھہرنا چاھئے۔ ایسا کرنا اس لئے اور بھی آسان تھا کہ وہ ہسپتال میں رہتی تھی اور میریسئف اکیلا اس گھر میں براجمان ہو سکیگا۔

سینی‌ٹوریم نے ہر جانےوالے مریض کو پانچ دن کا خشک راشن دیا تھا اس لئے دوبارہ غور کئے بغیر میریسئف اسی مانوس خستہ‌حال چھوٹے سے گھر میں رہنے کے لئے چلا گیا جو نئے عالیشان مکانوں کے پیچھے احاطوں کی گہرائیوں میں کھویا ہوا تھا۔ اب سر پر چھت کا آسرا تو تھا اور کھانے کو کچھہ دال دلیا بھی۔ چلو اب وہ چند دن انتظار کر سکتا تھا۔ وہ مانوس اندھیرے اور گھومتے ہوئے زینے پر چڑھا جس میں بلیوں، مٹی کا تیل اور دھلے ہوئے بھیگے کپڑوں کی بو بسی ہوئی تھی۔ اس نے دروازہ ٹٹولا اور زور زور سے دستک دی۔

دروازہ کھلا لیکن دروازے کے پٹ دو زنجیروں کی وجہ سے نیم‌وا رہے۔ چھوٹی سی بوڑھی عورت نے پتلا سا چہرہ تنگ دراڑ سے باھر نکالا، الکسئی کو بے اعتمادی اور سوالیہ نظر سے دیکھا اور پوچھا کہ وہ ہے کون، کس سے ملنا چاھتا ہے اور نام کیا ہے۔ تب کہیں زنجیریں جھنکارتی ہوئی الگ ہوئیں اور دروازہ پورا کھلا۔

”آننا دانی‌لوونا گھر پر نہیں ہے۔ اس نے ٹیلیفون پر تمھارے بارے میں بتایا تھا۔ اندر آجاؤ، میں تمہیں اس کا کمرہ دکھاؤں۔“ اس نے اپنی بے‌جان اور دھندلی آنکھوں سے اس کے چہرے، اس کی وردی اور خاص طور پر اس کے تھیلے کا جائزہ لیا۔ ”شاید

تمھیں گرم پانی کی ضرورت ہوگی؟ وہاں انیچکا کا مٹی کا تیل والا اسٹو و ہے۔ میں تمھارے لئے کچھہ پانی گرم کر دونگی...،،

الکسئی بلاجھجک اس جانے پہچانے کمرے میں داخل ہو گیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ ہر جگہ خانہ بے تکلف محسوس کرنے کی سپاهیانہ صلاحیت، جو میجر استروچکوف میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، اب آہستہ آہستہ اس پر بھی اپنا اثر دکھا رہی تھی۔ پرانی لکڑی، گرد اور فنائل کی گولیوں کی مانوس خوشبو — ان سب چیزوں کی خوشبو جنھوں نے بیسیوں برس وفاشعاری سے اچھی طرح خدمت کی تھی — ہاں ان سب چیزوں نے مل کر اس کے جذبات جگا دئے جیسے سالہاسال کی صحرانوردی کے بعد وہ گھر لوٹ آیا ہو۔

اس پورے وقت میں بوڑھی عورت اس کے پیچھے پیچھے منڈلاتی رهی اور اس کی زبان کی قینچی چلتی رہی کہ روٹی کی دوکان میں غضب کی قطار بندھی رہتی ہے اور اگر کوئی قسمت کا دھنی ہو تو اسے راشن کارڈ پر کالی روٹی کے بجائے سفید رول مل جاتا ہے۔ اس نے بتایا کہ پچھلے دن اس نے ایک بس میں کسی بھاری بھر کم فوجی افسر کو کہتے سنا تھا کہ استالن گراد کے پاس جرمنوں کی خوب خبر لی جا رہی ہے اور اس پر ہٹلر ایسا پاگل ہوا کہ اسے پاگل خانے میں بند کرنا پڑا اور اب جرمنی میں اس کے ''ڈبل،، کا سکہ چل رہا ہے۔ اس نے اپنی پڑوسن الیوتینا ارکادیونا کا بھی ذکر کیا، جس کو واقعی ایک مزدور کا راشن کارڈ ملنے کا کوئی حق نہ تھا، اس نے تام چینی کا بڑھیا دودھہ دان اس سے ادھار لیا اور پھر لوٹانے کا نام نہ لیا۔ اس نے آننا دانیلوونا کے ماں باپ کی بات بھی چھیڑی جو بڑے بھلے مانس تھے اور اب مہاجروں کے ساتھہ کہیں چلے گئے تھے۔ اور پھر خود آننا دانیلوونا کے بارے میں بھی — کم سخن اور اچھے لچھن کی لڑکی تھی وہ۔ وہ دوسری لڑکیوں کی طرح نہ تھی جو خدا جانے کن کن لوگوں کے ساتھہ گلچھرے اڑاتی پھرتی ہیں اور مردوں کو گھراٹھا لاتی ہیں۔ آخر میں اس نے پوچھا:

''کیا تم اس کے ٹینک‌مین ہو۔ سوویت یونین کے هیرو؟،،

''نہیں میں ہواباز ہوں۔،، اور وہ یہ دیکھہ کر بڑی مشکل سے اپنی مسکراہٹ کو دبا سکا کہ بڑھیا کے رنگ بدلتے ہوئے

چہرے سے حیرانی، دکھ، بےاعتمادی اور غصہ ایک ساتھ چھلکے پڑ رہے ہیں۔

اس نے ہونٹ بھینچ لئے۔ وہ غصے کے ساتھ بھڑ سے دروازہ بھیڑتے ہوئے نکل گئی اور گلیارے سے بولی۔ اب اس کی آواز میں پہلے والی خوش اخلاقی نہ تھی:

''ہاں اگر تمہیں گرم پانی کی ضرورت ہو تو خود مٹی کے تیل کے اسٹوو پر گرم کر لینا۔''

معلوم ہوتا تھا ہسپتال میں انیوتا کو بہت مصروف رہنا پڑتا تھا کیونکہ اسے موسمِخزاں کے اس دن انیوتا کا گھر توجہ سے محروم معلوم ہوا۔ ہر چیز پر گرد کی موٹی سی تہہ جمی ہوئی تھی۔ کھڑکیوں اور تپائی پر رکھے ہوئے پھول زرد پڑ گئے تھے اور مرجھا رہے تھے جیسے بہت دنوں سے ان میں پانی نہ ڈالا گیا ہو۔ میز پر روٹی کے ٹکڑے بچھے ہوئے تھے جن پر پھپھوند جمی ہوئی تھی اور کیتلی اپنی جگہ سے نہیں ہٹائی گئی تھی۔ پیانو بھی غبار کی نرم اور سرمئی تہہ سے ڈھکا ہوا تھا اور ایک بہت بڑی مکھی جو اسی ہوئی ہوا میں گھٹتی ہوئی معلوم ہوتی تھی، ایک ہی لے سے بھن بھن کئے جا رہی تھی اور کھڑکی کے دھندلے اور زردی مائل شیشے سے ٹکرا رہی تھی۔

میریسئف نے کھڑکیاں کھولیں۔ کھڑکیاں ایک ڈھلوان باغ میں کھلتی تھیں جہاں ترکاریوں کی کیاریاں نظر آ رہی تھیں۔ تازہ ہوا کا ایک زوردار جھونکا کمرے میں آیا اور اس نے جمی ہوئی گرد اتنے زور سے اڑائی کہ دھندسی اڑتی نظر آنے لگی۔ الکسئی کو خوب سوجھی — اس نے سوچا کہ وہ کمرے کو صاف ستھرا کر کے رکھ دے اور اگر انیوتا ہسپتال سے کسی طرح چھوٹ کر اس سے ملنے آئے تو یہ دیکھ کر اسے خوش گوار حیرانی ہو۔ اس نے بڑھیا سے التجا کر کے ایک بالٹی مانگی، ایک جھاڑن اور جھاڑو لی اور اس مہم پر جٹ گیا جس کو صدیوں سے مرد حقارت کی نظر سے دیکھتے آئے تھے۔ کوئی ڈیڑھ گھنٹے تک جھاڑ پونچھ کرتا رہا اور اسے اس سیدھے سادے کام میں بڑا مزا آیا۔

شام کو وہ پل پر گیا جہاں اس گھر کی طرف جاتے ہوئے اس نے لڑکیوں کو بڑے بڑے چمکتے ہوئے، تازہ پھول بیچتے دیکھے

تھے۔ اس نے ایک گچھا خریدا اور ان کو پیانو اور میز پر گلدانوں میں سجایا، خود ٹھاٹ سے آرام کرسی پر بیٹھا اور پورے بدن میں میٹھی میٹھی تھکن محسوس کرتے ہوئے سانس کے ساتھ بڑے چاؤ سے کھانے کی خوشبو پینے لگا جو بڑھیا اس کے لائے ہوئے سامان سے باورچی خانے میں پکار رہی تھی۔

لیکن انیوتا اتنی تھکی ہوئی گھر لوٹی کہ اس نے مشکل سے سلام کلام کیا اور کوچ پر ڈھیر ہو گئی اور اس کو پتہ بھی نہ چلا کہ کمرہ کتنا صاف ہو رہا ہے۔ ہاں جب وہ کچھ دیر آرام کر چکی تو ایک گلاس پانی پینے کے بعد اس نے چاروں طرف حیرانی سے نظر دوڑائی۔ اس نے ایک تھکی ہوئی مسکراہٹ اور ممنونیت کے ساتھ میریسئف کی کہنی کو دباتے ہوئے کہا:

"کوئی تعجب نہیں جو گریشا تمہیں اتنا چاہتا ہے اور اس سے مجھے جلن ہوتی ہے۔ کیا تم نے یہ سب کیا ہے الیوشا... تم نے خود؟ تم بڑے اچھے لڑکے ہو! کیا تمہیں گریشا کی کوئی خبر ہے؟ وہ وہاں ہے۔ مجھے کل ہی اس کا خط ملا ہے۔ بہت ہی منا سا خط — چند سطریں اور بس۔ وہ استالن گراد میں ہے۔ کیا سوچتے ہو تم، بتاؤ وہ احمق لڑکا کیا کر رہا ہے — داڑھی بڑھا رہا ہے! ایسے وقت! وہاں بہت خطرہ ہے، ہے نا؟ کیوں الیوشا، ہے نا؟ لوگ استالن گراد کے بارے میں کتنی خوفناک باتیں کرتے ہیں!"

"وہاں تو جنگ ہو رہی۔"

الکسئی کے تیور چڑھ گئے۔ اس نے ٹھنڈی سانس لی۔ اسے ان سبھوں پر رشک آ رہا تھا جو وہاں والگا پر تھے، جہاں وہ گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی جس کا ذکر ہر شخص کی زبان پر تھا۔

وہ پوری شام باتیں کرتے رہے۔ انہوں نے جی بھرکے ٹین کے گوشت کا مزا اٹھایا اور چونکہ دوسرا کمرہ مقفل تھا اس لئے دو رفیقوں کی طرح ایک ہی کمرے میں سو گئے — انیوتا پلنگ پر سوئی اور الکسئی صوفے پر۔ دونوں پڑتے ہی جوانی کی نیند میں بے خبر ہو گئے۔

الکسئی کی آنکھ کھلی اور وہ اٹھ کر صوفے پر بیٹھا تو کمرے میں گردآلود کرنیں ناچ رہی تھیں۔ انیوتا جا چکی تھی۔ اس

کو صوفے کے پشتے پر ایک پرچہ ملا: ''مجھے جلدی سے هسپتال بھاگنا ہے۔ میز پر چائے رکھی ہے اور الماری میں روٹی۔ شکر نہیں ہے۔ ہفتے سے پہلے نہیں آ سکونگی۔ انیوتا۔''

ان دنوں الکسئی کبھی کبھار ہی گھر سے باہر نکلا۔ ''بیکار مباش کچھہ کیا کر'' کے مطابق اس نے بڑھیا کے چولھے، مٹی کے تیل والے اسٹوو، پتیلیاں، بجلی کے بٹن اور (بڑھیا کی التجا پر) اس کمبخت الیوتینا ارکادیونا کی کافی پیسنے والی مشین کی مرمت کر ڈالی، جس نے تام‌چینی کا دودھه‌دان لے کر واپس کرنے کا نام تک نہ لیا تھا۔ اس طرح اس نے بڑھیا کی خوشنودی حاصل کی اور اس کے شوہر کی بھی جو ایک عمارتی ٹرسٹ میں کام کرتا تھا۔ وہ ہوائی دفاع کے بریگیڈ میں خدمات انجام دے رہا تھا۔ کئی کئی دن، کئی کئی رات غائب رہتا تھا۔ بوڑھا جوڑا اس نتیجے پر پہنچا کہ ٹینک‌مین تو خیر لاجواب ہوتے ہی ہیں لیکن ہواباز بھی کوئی ان سے ہیٹے نہیں ہوتے۔ اور جب آدمی ان کو اچھی طرح جانتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ بڑے گمبھیر، گھربار سے محبت کرنے والے ہوتے ہیں حالانکہ ان کا پیشہ بڑاویسا، یعنی ہوائی ہوتا ہے۔

آخرکار وہ دن آیا جب الکسئی کو فیصلہ جاننے کے لئے عملے کے شعبے میں جانا پڑا۔ جس دن جانا تھا اس سے پہلی رات اس نے صوفے پر آنکھوں میں کاٹ دی۔ صبح کو اٹھا، شیو کیا، منه ہاتھه دھوئے، دفتر بالکل منٹ منٹ ٹھیک وقت پر حاضر ہوا، اور سب سے پہلے وہ نظم و نسق کے محکمے کے اس میجر کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا، جسے اس کی قسمت کا فیصلہ کرنا تھا۔ پہلی ہی نظر میں میجر اسے نہیں بھایا۔ اس نے الکسئی کو نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا، جیسے اس نے اس کو آتے ہوئے دیکھا ہی نہ ہو۔ وہ اپنے کام میں مصروف رہا۔ فائل نکالتا اور چھانٹتا رہا۔ اس نے بہت سے ٹیلیفون کئے۔ کلرک لڑکی کو بڑی تفصیل سے بتایا کہ فائل پر نمبر کس طرح لگاتے ہیں۔ پھر باہر گیا اور دیر تک واپس نہ آیا۔ اس اثنا میں الکسئی کو اس کے لمبوترے چہرے، لمبی ناک، داڑھی مونچھه صاف دھلے دھلائے گالوں، چمکتے ہوئے ہونٹوں اور ڈھلواں پیشانی سے (جو غیر محسوس طور پر چمکتی ہوئی گنجی چندیا سے جا ملی تھی) دلی نفرت ہو گئی۔ آخر میجر

واپس آیا، بیٹھا اور اپنے کلنڈر کے ورق الٹے اور تب جا کر الکسئی کی طرف توجہ کی:

''کیا تم مجھ سے ملنا چاہتے ہو، کامریڈ سینئر لفٹیننٹ؟''
اس نے شاندار اور خود اعتماد کھرج دار آواز میں پوچھا۔

میریسئف نے اس کو اپنا کام بتایا۔ میجر نے کلرک سے الکسئی کے کاغذات منگوائے اور جب تک کاغذات آئیں وہ ٹانگیں پھیلا کر بیٹھ گیا اور بڑی توجہ سے دانتوں میں خلال کرتا رہا جن کو اس نے ازراہ اخلاق ہتھیلی سے چھپا لیا تھا۔ جب کاغذات اس کے سامنے آئے تو اس نے میریسئف کے فائل کا جائزہ لینا شروع کیا۔ اچانک اس نے تیزی سے ہاتھ ہلایا اور ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا اور الکسئی کو بیٹھنے کی دعوت دی۔ ظاہر تھا کہ وہ اس حصے تک پہنچ گیا تھا جہاں کٹے ہوئے پیروں کاذکر تھا۔ وہ پڑھتا رہا۔ جب ختم کر چکا تو اس نے نظریں اٹھائیں اور پوچھا:

''اچھا کیا چاہتے ہو، میں کیا کر سکتا ہوں تمہارے لئے؟''

''میں چاہتا ہوں کہ لڑاکو دستے میں مجھے بحال کیا جائے۔''

میجر کرسی کی ٹیک پر اڑ گیا۔ اس نے حیرانی سے ہواباز کو دیکھا جو اب تک اس کے سامنے کھڑا تھا اور اس نے خود اپنے ہاتھ سے اس کے لئے کرسی کھینچی۔ اس کی گھنی بھویں اس کی چکنی اور چمکتی ہوئی پیشانی پر اور اوپر چڑھ گئیں:

''لیکن تم ہوائی جہاز نہیں اڑا سکتے!''

''میں اڑا سکتا ہوں اور اڑاؤنگا! مجھے کسی ٹریننگ اسکول میں جانچ کے لئے بھجوا دیجئے!'' میریسئف نے قریب قریب چیختے ہوئے کہا اور اس کے لہجے میں ایسا ناقابل تسخیر عزم تھا کہ کمرے میں دوسری میزوں پر بیٹھے ہوئے افسروں کی سوالیہ نظریں اٹھ گئیں کہ آخر یہ سانولا اور بانکا لفٹیننٹ اتنی ہٹ دھرمی سے کاہے کا مطالبہ کر رہا ہے۔

میجر کو یقین ہو گیا کہ اس کے سامنے کھڑا ہوا آدمی یا تو کوئی مجذوب تھا یا خبطی۔ اس نے کنکھیوں سے الکسئی کے غصے میں تمتمائے ہوئے چہرے اور ''وحشی'' شعلہ فشاں آنکھوں کو دیکھا اور لہجے میں انتہائی نرمی پیدا کرتے ہوئے بولا:

''لیکن ذرا سوچو تو! بغیر پیروں کے ہوائی جہاز اڑانا کیوں کر ممکن ہے؟ اور تمہارے خیال میں وہ کون ہے جو تمہیں اس کی اجازت دیگا؟ مہمل ہے یہ! اس سے پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا!،،

''پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا! ہاں اب ہوگا!،، میریسئف نے سختی اور ہٹ دھرمی سے کہا۔ اس نے جیب سے ایک نوٹ بک نکالی۔ اس میں سے رسالے کا تراشہ نکالا۔ اور میجر کے سامنے پھیلا دیا۔

دوسری میزوں پر بیٹھے ہوئے افسروں نے اپنا اپنا کام چھوڑ دیا اور غور سے بات چیت سننے لگے۔ ان میں سے ایک اپنی میز سے اٹھا اور میجر کے پاس گیا جیسے کسی کام کے بارے میں پوچھ گچھ کرنا چاہتا ہے۔ اس نے ماچس مانگی اور میریسئف کے چہرے پر نظر دوڑائی۔ میجر نے تراشے کا جائزہ لیا اور آخر بولا:

''ہم اس کو سند نہیں مان سکتے۔ ہمارے پاس اپنی ہدایات ہیں۔ ان ہدایات میں بڑی سختی سے وضاحت کی گئی ہے کہ کون لوگ، ہوائی فوج کے کن زمروں کے لئے فٹ ہیں۔ دو پیروں کے غائب ہونے کی باتیں چھوڑو، اگر تمہاری صرف دو انگلیاں بھی غائب ہوتیں تو میں تمہیں ہوائی جہاز کو ہاتھ لگانے کی اجازت نہ دیتا۔ یہ رہا تمہارا تراشہ، یہ کوئی ثبوت نہیں۔ میں تمہاری ہمت کی داد دیتا ہوں، لیکن...،،

میریسئف غصے سے کھول رہا تھا۔ اس کا جی چاہا کہ میجر کی میز سے دوات اٹھائے اور اس کے چمکتے ہوئے گنجے سر پر دے مارے۔ اس نے گھٹتی ہوئی آواز میں کہا:

''اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟،،

یہ کہہ کر اس نے اپنا آخری پتہ میز پر رکھ دیا — یہ تھا اول درجے کا فوجی سرجن میروولسکی کا دیا ہوا سرٹیفکیٹ۔ میجر نے اس کو مشتبہ انداز سے اٹھایا۔ سرٹیفکیٹ باقاعدہ اور باضابطہ لکھا ہوا تھا۔ اس پر میڈیکل کور کے شعبے کی مہر تھی اور اس پر ایک ایسے سرجن کے دستخط تھے جس کی ہوائی فوج میں بے حد قدر کی جاتی تھی۔ میجر نے سرٹیفکیٹ پڑھا اور اس کا لہجہ زیادہ دوستانہ ہو گیا۔ اس کے سامنے بیٹھا ہوا آدمی کوئی پاگل نہ تھا۔ یہ غیر معمولی نوجوان پیروں کے غائب ہونے کے باوجود واقعی

سنجیدگی سے ہوائی جہاز اڑانا چاہتا تھا۔ وہ ایک متین اور سنجیدہ فوجی سرجن کو، جس کا کافی اثر ورسوخ تھا، قائل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا کہ ہاں وہ ہوائی جہاز اڑا سکتا ہے۔ میجر نے ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے میریسئف کی فائل ایک طرف کھسکائی۔

''میں بہت کچھ کرنا چاہتا ہوں تمہارے لئے، لیکن کچھ کر نہیں سکتا۔ اول درجے کا فوجی سرجن جو جی میں آئے، لکھ سکتا ہے لیکن ہمارے پاس صاف اور قطعی ہدایات ہیں اور ان کی خلاف ورزی ہرگز نہیں ہونی چاہئے... اگر میں ان کی خلاف ورزی کروں تو جوابدہ کون ہوگا — فوجی سرجن؟''

میریسئف نے جلتی ہوئی نفرت سے اس آسودہ‌خاطر، خوداعتماد، مطمئن اور خوش اخلاق افسر کو دیکھا، اس نے اس کی کسی کسائی وردی کے صاف ستھرے کالر کو دیکھا، اس نے اس کے بالوں سے بھرے ہوئے ہاتھوں اور بڑے بڑے کٹے ہوئے بھدے ناخنوں پر نظر ڈالی۔ آخر کوئی اس کو کس طرح سمجھائے؟ کیا وہ سمجھ پائیگا؟ کیا اس کو معلوم ہے کہ فضائی جنگ کیا چیز ہے؟ شاید اس نے پوری زندگی میں کبھی گولیوں کے چلنے کی آواز سنی ہی نہ ہو۔ اس نے اپنی پوری طاقت سے خود پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا:

''تو اب میں کیا کروں؟''

میجر نے کندھے ہلائے اور جواب دیا:

''اگر تمہیں اصرار ہے تو اس صورت میں اتنا کر سکتا ہوں کہ تمہیں صف بندی کے کمیشن کے پاس بھجوا دوں۔ لیکن میں پہلے سے جتائے دیتا ہوں اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلیگا۔''

''تو پھر مجھے کمیشن کے پاس ہی روانہ کر دیجئے!'' کرسی میں گرتے ہوئے میریسئف نے زور سے سانس لی۔

پھر دفتر مارے پھرنے کا دور شروع ہوا۔ تھکے ہارے افسر، اپنے اپنے کام میں گردن تک غرق، اس کی باتیں سنتے، حیرت اور ہمدردی کا اظہار کرتے اور بڑی بے بسی سے کندھے ہلاتے۔ واقعی وہ کر بھی کیا سکتے تھے؟ ان کے پاس ہدایات تھیں، بہت اچھی ہدایات، جن کی توثیق اعلیٰ کمان نے کی تھی — اور پھر قدیم روائتیں تھیں — وہ ان کی خلاف ورزی کیوں کر کر سکتے تھے؟ اور وہ بھی جب قصہ اتنا صاف ہو! ان سب کو اس دبائے نہ دبنے

والے اپاھج آدمی سے دلی ھمدردی تھی... ایک ایسا آدمی جو لڑنےوالوں کی صف میں واپس جانے کے لئے تڑپ رھا تھا۔ ان میں سے کسی کو ھمت نہ ھوتی تھی کہ اسے دوٹوک جواب دے دیں۔ اس لئے وہ اس سے عملے کے شعبے سے صف بندی کے شعبے کی ایک ایک میز کا طواف کراتے رہے اور ھر ایک نے رحم کھا کر اس کو کمیشن کے پاس بھیجا۔

اب میریسئف پر نہ تو انکار کا اثر ھوتا اور نہ ڈانٹ پھٹکار کا، نہ اھانت آمیز ھمدردی اور کرم فرمائی کا جس کے خلاف اس کی روح بغاوت پر آمادہ ھو جاتی تھی۔ اس کو اپنے آپ کو قابو میں رکھنے کا قرینہ آ گیا۔ اس کا لہجہ صلح پسندانہ ھو گیا۔ اگرچہ بعض بعض دن اس کو دو یا تین بار انکار کا سامنا کرنا پڑتا، لیکن وہ امید کا دامن نہ چھوڑتا۔ رسالے کا تراشہ اور فوجی سرجن کا سرٹیفکیٹ، دونوں، دن رات جیب میں لئے لئے پھرنے کی وجہ سے، جگہ جگہ سے پھٹ گئے اور ان پر اسے باریک کاغذ چپکانا پڑا۔

اس کی اس آوارہ گردی کی سختیاں اور بھی جان لیوا اس لئے ھو رھی تھیں کہ ایک طرف تو وہ رجمنٹ سے جواب کا انتظار کر رھا تھا اور دوسری طرف کھانے، کپڑے اور روپے کے سرٹیفکیٹ سے محروم تھا۔ سینی‌ٹوریم نے جو سامان دیا تھا وہ کب کا ختم ھو چکا تھا۔ یہ سچ ھے کہ انیوتا کے گھر میں، بوڑھا جوڑا، (جس سے اب اس کی گاڑھی چھننے لگی تھی،) یہ دیکھ کر کہ اب وہ اپنے لئے کھانا وانا کچھ نہیں پکاتا، ضد کر کے اسے اپنے ساتھ کھانے پر بلا لیا کرتا۔ لیکن اس کو معلوم تھا کہ یہ بوڑھا جوڑا، کھڑکیوں کے سائے میں زمین کے چھوٹے سے تختے پر، کتنا خون پسینہ ایک کرتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ایک ایک گاجر اور پیاز کا ایک ایک تنکا ان کے لئے کتنا قیمتی ھے، وہ ھر صبح اپنی راشن کی روٹی میں حصہ بٹاتے جس طرح ننھے ننھے بھائی اور بہن مٹھائی میں اپنا حصہ بٹاتے ھیں۔ اس لئے اس نے ٹھاٹ سے یہ جڑ دیا کہ کھانا پکانے کی زحمت سے بچنے کے لئے وہ افسروں کے کھانے کے کمرے میں کھانا کھا لیتا ھے۔

ھفتہ آیا ــ وہ دن جب انیوتا کو چھٹی ملنےوالی تھی۔ اس پورے عرصے میں ھرشام وہ انیوتا کوٹیلیفون پر اپنے غیر اطمینان بخش

حالات کی رپورٹ دیا کرتا تھا۔ اس نے ایک آخری قدم اٹھانے کا فیصلہ کیا۔ اس کے سامان کے تھیلے میں اس کے باپ کی چاندی کی ایک پرانی سگریٹ کی ڈبیہ تھی۔ اس پر گاڑی کے سیاہ نقوش ابھرے ہوئے تھے، جس کو تین دوڑتے ہوئے گھوڑے کھینچ رہے تھے۔ اس پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی: ''تمہاری شادی کی پچیسویں سالگرہ پر تمہارے دوستوں کی طرف سے۔'' الکسئی سگریٹ نہیں پیتا تھا لیکن اس کی ماں نے خاندان کی یہ قیمتی یادگار، محاذ کی طرف روانہ ہوتے وقت اس کی جیب میں ڈال دی تھی۔ اور اس نے اس بھاری اور بھدی چیز کو ہمیشہ اپنے ساتھہ رکھا تھا۔ جب وہ ہوائی جہاز لے کر اڑتا تو اسے ''اچھے شگون'' کے طور پر اپنی جیب میں رکھتا۔ اس نے سگریٹ کی ڈبیہ سامان کے تھیلے سے نکالی اور کمیشن کی دکان پر گیا۔

ایک پتلی دبلی عورت نے، جس سے فنائل کی گولیوں کی بو آ رہی تھی، ڈبیہ کو ہاتھوں میں الٹ پلٹ کر دیکھا اور اپنی سوکھی ہوئی انگلی سے عبارت کی طرف اشارہ کیا اور بولی کہ عبارت والی چیزیں بیچنے کے لئے نہیں لی جاتیں۔

''لیکن میں اس کے لئے بہت زیادہ نہیں مانگ رہا ہوں۔ تم خود ہی بتاؤ کیا دے سکتی ہو۔''

''نہیں، نہیں۔ اس کے علاوہ کامریڈ افسر، میرا خیال ہے کہ ابھی تمہاری عمر اتنی کم ہے کہ تم اپنی شادی کی پچیسویں سالگرہ پر تحفے قبول کرنے کے لائق نہیں ہوئے ہو'' فنائل کی بو مارتی ہوئی عورت نے الکسئی کو سر سے پیر تک پھری ہوئی بے رنگ آنکھوں سے گھورتے ہوئے کڑواہٹ کے ساتھہ کہا۔

الکسئی کا چہرہ گرم اور سرخ ہو گیا۔ اس نے کاؤنٹر سے سگریٹ کی ڈبیہ جھپٹ لی اور باہر کا راستہ لیا۔ کسی نے اس کا بازو پکڑ کر اسے روک لیا اور اس کے کان کے پاس شراب میں بسی ہوئی بھاری سانس کی گرمی محسوس ہوئی۔

''بڑی خوبصورت سی ننھی منی چیز ہے تمہارے پاس۔ کیا کہا تم نے سستی ہے؟'' ایک بد صورت سے شخص نے پوچھا۔ اس کی داڑھی اور مونچھیں بڑھی ہوئی تھیں۔ اس کی ناک ابھری ہوئی اور نیلی تھی۔ اس نے اپنا تھرتھراتا ہوا نسیلا ہاتھہ سگریٹ کی ڈبیہ

کی طرف بڑھایا۔ ''زوردار ۔ حب الوطنی کی جنگ کے ایک ھیرو کے اعزاز میں، چلو میں اس کے لئے پانچ 'سرمئی، نوٹ دے دونگا۔،،

الکسئی نے سودا نہیں کیا۔ اس نے پانچ سو روبل کے نوٹ لئے اور کباڑ کی اس بدبودار دنیا سے نکل کر باھر صاف ھوا میں آگیا۔ اس نے قریب ترین بازار میں گوشت خریدا، چربی اور روٹی خریدی، کچھه آلو اور پیاز خریدی۔ یہاں تک کہ تیز پات خریدنے سے بھی نہ چوکا۔ اس طرح لد لدا کر اس نے گھر کی راہ لی۔ وہ اب اس کو اپنا گھر ھی کہا کرتا تھا۔ راستہ میں وہ چربی کا ایک ٹکڑا چباتا رھا۔

''میں نے پھر اپنا راشن لینے اور خود ھی کھانا پکانے کافیصلہ کیا ھے۔ کھانے کے کمرے میں وہ لوگ غضب کا برا کھانا کھلاتے ھیں!،، باورچی خانے کی میز پر سامان کا ڈھیر لگاتے ھوئے اس نے بڑی بی سے جھوٹ کہا۔

شام کو گھر پر شاندار کھانا انیوتا کا انتظار کر رھا تھا: آلو اور گوشت کا شوربہ جس کی یاقوتی سطح پر تیز پات کی ھوائیاں تیر رھی تھیں۔ بھنا ھوا گوشت اور پیاز۔ اس کے ساتھہ ساتھہ کروندے کی جیلی بھی جو بڑی بی نے آلوؤں کے چھلکوں کے آٹے سے تیار کی تھی۔ لڑکی گھر لوٹی تو زرد اور تھکن سے نڈھال تھی۔ اس نے زبردستی، خود کو مجبور کر کے، منہ ھاتھہ دھویا اور کپڑے بدلے۔ اس نے پہلا کورس کھایا اور اس کے بعد دوسرا کورس کھاتے ھوئے اپنی پرانی جادو کی آرام کرسی پر بیٹھہ گئی جو آدمی کو ایک پرانے دوست کی طرح اپنے نرم گدیلے بازوؤں میں لے لیتی تھی اور کانوں میں شیریں خوابوں کی لوری شروع کر دیتی تھی۔ لڑکی بیٹھی بیٹھی اونگھہ گئی اور اس نے جیلی کا انتظار بھی نہ کیا جو نل کی دھار کے نیچے پڑی ٹھنڈی ھو رھی تھی۔

ایک جھپکی لینے کے بعد، جب اس کی آنکھہ کھلی تو شام کے سرمئی سائے چھوٹے اور صاف ستھرے کمرے میں جھانک رھے تھے جو آرام دہ پرانے فرنیچر سے اتنا زیادہ بھرا ھوا تھا۔ کھانے کی میز پر، الکسئی دونوں ھاتھوں سے سر تھامے بیٹھا تھا۔ وہ اتنے زور سے سر دبائے ھوئے تھا جیسے اسے کچل دینا چاھتا ھو۔ انیوتا اس کا چہرہ نہیں دیکھہ سکتی تھی۔ لیکن وہ جس طرح بیٹھا تھا اس

سے صاف ظاہر تھا کہ وہ انتہائی مایوسی اور غم میں گھٹ رہا ہے۔ اس مضبوط اور اٹل نوجوان کے لئے انیوتا کا دل ترس کے جذبات سے امڈ آیا۔ وہ اٹھی اور دھیرے دھیرے الکسئی کی طرف بڑھی۔ اس نے الکسئی کا بڑا سا سر اپنے ہاتھوں میں لے کر تھپتھپایا اور اس کی انگلیاں الکسئی کے سخت بالوں میں دوڑنے لگیں۔ الکسئی نے اس کا ہاتھ پکڑا، اس کی ہتھیلی کو چوما، اچھلا اور خوش و خرم مسکراتے ہوئے پوچھا:

''کروندے کی جیلی کے بارے میں کیا خیال ہے؟ خوب ہو تم! میں تو یہاں اسے پانی کی دھار میں رکھ کر ٹھنڈا کر رہا ہوں اور تم ہو کہ وہاں انٹاغفیل۔ کیا یہ کسی بھی باورچی کا دل توڑنے کے لئے کافی نہیں ہے؟''

ہر ایک نے ''شاندار'' جیلی کی ایک ایک پلیٹ اڑائی جو سرکے کی طرح کھٹی تھی۔ ہر چیز کے بارے میں انہوں نے خوب گپ ہانکی — ہاں جیسے آپس میں معاہدہ ہو گیا ہو — انہوں نے دو چیزوں کے بارے میں بالکل بات نہ کی — انہوں نے گووزدیف اور میریسئف کا قصہ نہ چھیڑا۔ اس کے بعد دونوں اپنے اپنے بسترکا انتظام کرنے لگے۔ انیوتا گلیارے میں چلی گئی اور الکسئی کے نقلی پیروں کے کھٹ سے فرش پر گرنے کا انتظار کرنے لگی۔ پھر وہ اندر آئی اور لیمپ بجھا کر، کپڑے اتارنے کے بعد بستر میں گھس گئی۔ کمرہ اندھیرا تھا۔ دونوں خاموش تھے۔ لیکن چادر کی سرسراہٹ اور بستر کی اسپرنگ کی چیخ سے ظاہر تھا کہ وہ جاگ رہا تھا۔ آخر انیوتا نے پوچھا:

''کیا تم سو رہے ہو، الیوشا؟''

''نہیں۔''

''سوچ رہے ہو؟''

''ہاں۔ اور تم؟''

''میں بھی سوچ رہی ہوں۔''

دونوں پھر خاموش ہو گئے۔ سڑک کے نکڑ پر مڑتے ہوئے ایک ٹرام چیخی۔ ایک چھن کو بجلی کی ایک چنگاری بھڑکی اور کمرے کو روشن کر گئی۔ اور اسی ایک چھن میں دونوں نے ایک دوسرے کا چہرہ دیکھا۔ دونوں کی آنکھیں چاروں پٹ کھلی ہوئی تھیں۔

...اس دن الکسئی نے انیوتا کو اپنی بے نتیجہ آوارہ گردی کے متعلق کچھہ نہیں بتایا تھا لیکن اس نے تاڑ لیا کہ اس کا قصہ گھپلے میں پڑ گیا ہے اور شاید اب اس کا بے پناہ جذبہ مایوسیوں سے ہار کر جواب دینے لگا ہے۔ اس کے اندر عورت کے دل نے اسے یہ بھی بتا دیا کہ وہ آدمی کتنا دکھہ جھیل رہا ہے۔ ساتھہ ہی اس دل نے اسے بتایا کہ یہ دکھہ چاہے اس پر کتنا ہی ستم ڈھا رہا ہو، ہمدردی کا ایک لفظ بھی اس کے درد کو بڑھا دیگا اور کسی قسم کی تسکین اور دلاسا اس کو اور بھی صدمہ پہنچائیگا۔

دوسری طرف، وہ چت لیٹا تھا۔ اس کا سر اس کے ہاتھوں پر رکھا تھا۔ وہ اس حسین لڑکی کے بارے میں سوچ رہا تھا جو اس کے بستر سے چند قدم پرے لیٹی تھی۔ وہ اس کے دوست کی محبوبہ اور ایک اچھی رفیقہ تھی۔ وہ چند قدم اٹھاتا اور اس اندھیرے کمرے میں اس کے پاس پہنچ جاتا۔ لیکن دنیا کی کوئی طاقت اسے وہ چند قدم اٹھانے پر تیار نہیں کر سکتی تھی جیسے یہ لڑکی، جسے وہ بہت کم جانتا تھا، لیکن جس نے اسے پناہ دی تھی، اس کی اپنی بہن کی طرح ہو۔ شاید میجر استروچکوف سنے تو اس کا مذاق اڑائے اور اس کی بات کا یقین نہ کرے۔ لیکن کون جانے؟ شاید اس وقت وہ اسے اور دوسروں سے زیادہ بہتر طور پر سمجھہ سکے... انیوتا کتنی اچھی لڑکی ہے! بیچاری، کتنی تھک جاتی ہے اور پھر بھی فوجی ہسپتال میں اپنے کام کے متعلق کتنا جوش دکھاتی ہے!

''الیوشا!،، انیوتا نے آہستہ سے پوچھا۔

میریسئف کے کوچ سے پر آھنگ سانسوں کی آواز آ رہی تھی۔ ہواباز سو رہا تھا۔ لڑکی اپنے بستر سے اٹھی۔ ہولے ہولے ننگے پیر اٹھاتی ہوئی اس کے بستر کے پاس آئی، اس کا تکیہ برابر کیا اور اس کے کمبل کو اس کے دونوں طرف جسم کے نیچے اٹکایا جیسے وہ کوئی بچہ ہو۔

۷

کمیشن نے سب سے پہلے الکسئی کو بلایا۔ بھاری بھرکم فوجی سرجن، جو اپنے مشن سے واپس آ گیا تھا، پھر صدر تھا۔ اس

نے الکسئی کو فوراً پہچان لیا اور اس کا استقبال کرنے کے لئے اٹھا بھی -

''وہ تمھیں نہیں لیتے، نہیں؟،، اس نے محبت اور ہمدردی بھرے لہجے میں کہا - ''ہاں تمھارا معاملہ مشکل ہے - تمھیں قانون کی دیوار پھلانگنی ہوگی - یہ کوئی آسان کام نہیں - ،،

کمیشن نے الکسئی کی جانچ کرنے کی زحمت نہیں اٹھائی - فوجی سرجن نے اس کی درخواست پر لال پنسل سے لکھا ''عملے کا شعبہ - اس نوجوان کو بطور آزمائش ٹریننگ اسکول بھیج دیا جائے - ،،

اس کاغذ کے ساتھ الکسئی سیدھا عملے کے شعبے کے افسر اعلی کے پاس پہنچا - اسے جنرل کو دیکھنے کی اجازت نہیں ملی - وہ قریب قریب بھڑک اٹھا - جنرل کا ایڈجوٹنٹ کالی کالی مونچھوں والا جوان، سڈول جسم کا کپتان تھا اور اس کا چہرہ اتنا دوستانہ، خوش مزاجی سے بھرا ہوا اور شفیق تھا کہ الکسئی میز کے سامنے بیٹھ گیا - بقول خود وہ ان ''نگہبان فرشتوں،، کو برداشت نہیں کر سکتا تھا، پھر بھی اس نے کپتان کو اپنا سارا ماجرا سنا ڈالا - اور خود اپنی لن ترانی پر حیران رہ گیا - کہانی میں بار بار ٹیلیفون سے رکاوٹ پیدا ہو رہی تھی - باربار کپتان اٹھتا اور اپنے افسر اعلی کے کمرے میں غائب ہو جاتا - لیکن ہر بار وہ واپس آتا اور الکسئی کے سامنے بیٹھ جاتا اور اس کو اپنی بھولی، بچپن بھری آنکھوں سے دیکھتا جن سے تجسس بھی جھلکتا اور تحسین اور بے اعتمادی بھی - وہ جلدی سے کہتا :

''اچھا اپنی کہانی چالو رکھو - پھر کیا ہوا؟،، یا وہ یکایک کہانی کا سلسلہ کاٹ دیتا ''کیا یہ سچ ہے؟ کیا تم سنجیدگی سے کہہ رہے ہو؟ اچھا، اچھا!،،

جب میریسئف نے اسے دفتر بھٹکنے کا قصہ سنایا تو کپتان، جو اپنی کم عمری کے باوجود دفتری مشین کی تمام پیچیدگیوں سے اچھی طرح مانوس معلوم ہوتا تھا، بھڑک کر بولا :

''شیطان! ان کو اس کا کوئی حق نہیں تھا کہ تمھیں اس طرح بھگاتے پھریں! تم لاجواب آدمی ہو — واقعی میں اپنے جذبات کا اظہار نہیں کر سکتا — ایک انوکھے آدمی! .. لیکن، بہر حال،

وہ حق بجانب بھی تھے! بغیر پیروں کا آدمی ہوائی جہاز نہیں اڑا سکتا!،،

''لیکن بغیر پیروں کا آدمی بھی اڑا سکتا ہے! ذرا دیکھئیے اسے۔،، اور میریسئف نے اس کو رسالے کا تراشہ، فوجی سرجن کی رائے اور وہ کاغذ دکھایا جس میں اسے عملے کے شعبے میں جانے کی ہدایت کی گئی تھی۔

''لیکن تم پیروں کے بغیر ہوائی جہاز کس طرح اڑاؤگے؟ تم پر لطف آدمی ہو! تمہیں یہ کہاوت تو معلوم ہوگی: بے پیروں کا آدمی کبھی ناچ نہیں سکتا۔،،

کوئی اور کہتا تو یقینی میریسئف کو اس کی بات بری لگتی اور وہ بھڑک اٹھتا اور کچھ سخت بات کہہ دیتا۔ لیکن کپتان کا چہرہ نیک دلی سے اس طرح دمک رہا تھا کہ الکسئی اچھل کھڑا ہوا اور لڑکپن بھری گستاخی سے بولا:

''کبھی نہیں دیکھا آپ نے؟ اچھا، دیکھئیے!،، اور ان الفاظ کے ساتھ اس نے استقبالیہ کمرے میں پوری وحشت سے ناچنا شروع کر دیا۔

کچھ دیر تو کپتان مبہوت اسے دیکھتا رہا اور پھر اچھلا اور ایک لفظ کہے بغیر اس نے الکسئی کے کاغذات جھپٹ لئے اور افسر اعلی کے دفتر کے دروازے میں غائب ہو گیا۔

وہاں وہ کافی دیر تک رہا۔ جب الکسئی نے دفتر میں دبی دبی بات چیت کی دو آوازیں سنیں تو اس کا پورا جسم تنتا ہوا محسوس ہوا اور اس کا دل بڑے درد کے ساتھ تیزی سے دھڑکنے لگا جیسے وہ ایک برق پرواز ہوائی جہاز میں غوطہ لگا رہا ہو۔

کپتان دفتر سے خوش خوش مسکراتا ہوا نکلا۔

''اچھا،، وہ بولا ''ظاہر ہے جنرل ہوابازوں کے عملے میں تمہارے شامل ہونے کی بات ذرا بھی سننے کو تیار نہ تھے۔ لیکن دیکھو کیا لکھا ہے انہوں نے: 'تنخواہ یا راشن میں کسی کٹوتی کے بغیر عرضی گزار کو ہوائی اڈے کی انتظامی بٹیلین میں خدمات پر مامور کر لیا جائے۔' سمجھے تم؟ بغیر کسی کٹوتی کے...،،

کپتان یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ مسرت کے بجائے الکسئی کے چہرے پر غصے کی آگ بھڑک اٹھی۔

''انتظامی بٹیلین! کبھی نہیں!،، وہ چلایا ''کیا تم نہیں سمجھتے؟ میں راشن اور تنخواہ کے لئے پریشان نہیں ہوں! میں ہواباز ہوں! میں ہوا میں پرواز کرنا چاہتا ہوں۔ میں لڑنا چاہتا ہوں!.. لوگ اتنی سی بات کیوں نہیں سمجھتے؟ اس سے سادہ بات اور کیا ہو سکتی ہے؟..،،

کپتان گھبرا گیا۔ واقعی یہ آدمی عجیب و غریب تھا۔ کوئی دوسرا ہوتا تو اس بات پر خوشی سے ناچ اٹھتا... لیکن یہ آدمی! بالکل سنکی ہے! لیکن کپتان کو یہ خبطی زیادہ سے زیادہ بھانے لگا تھا۔ وہ پورے خلوص سے اس کے ساتھہ ہمدردی محسوس کر رہا تھا اور اس مصیبت میں اس کی مدد کرنا چاہتا تھا۔ یکایک اس کو ایک بات سوجھی۔ اس نے میریسئف کو آنکھہ ماری اور انگلی سے اشارہ کیا اور افسر اعلی کے دفتر کے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے سرگوشی میں بولا:

''جنرل کے بس میں جو کچھہ تھا، اس نے کر دیا۔ اب اس کے بس میں کچھہ بھی نہیں۔ میں اپنی عزت کی قسم کھا کر کہتا ہوں۔ اگر انہوں نے ہوابازوں کے عملے میں تمہارا تقرر کیا تو لوگ خود ان ہی کو پاگل سمجھہ بیٹھینگے۔ تم سیدھے ہمارے افسر اعلی کے پاس چلے جاؤ۔ صرف وہ تمہاری مدد کر سکتا ہے۔،،

الکسئی کے اس نئے دوست نے اس کے لئے ایک پاس حاصل کیا اور کوئی آدھے گھنٹے بعد وہ افسر اعلی کے دفتر کے قالین سے ڈھکے ہوئے فرش پر بےقراری سے ٹہل رہا تھا۔ اس نے اس کے بارے میں پہلے کیوں نہ سوچا؟ بلاشبہ! یہی جگہ ہے جہاں اسے وقت ضائع کئے بغیر سیدھے چلے آنا تھا! اب ہار یا جیت کی سیدھی بازی تھی... کہا جاتا ہے کہ خود افسر اعلی اپنے زمانے میں زوردار ہواباز رہ چکا تھا۔ وہ ضرور سمجھہ سکیگا! وہ ایک لڑاکو ہواباز کو انتظامی بٹیلین میں نہیں بھیجیگا!،،

بہت سے جنرل اور کرنل استقبالیہ کمرے میں بیٹھے دبی آوازوں میں باتیں کر رہے تھے۔ بعض، جو دیکھنے میں ٹھہرائے گھبرائے معلوم ہو رہے تھے، زوروں پر کش اڑا رہے تھے۔ سینئر لفٹیننٹ اپنی عجیب و غریب بھٹکتی ہوئی چال سے ادھر ادھر ٹہل رہا تھا۔ جب سب وزیٹر جا چکے اور میریسئف کی باری آئی تو وہ

تیزی سے میز کی طرف بڑھا جس پر گول گول چہرے والا میجر منہ کھولے بیٹھا تھا۔

''کیا تم خود افسر اعلی سے ملنا چاہتے ہو، کامریڈ سینئر لفٹیننٹ؟،، میجر نے پوچھا۔

''ہاں۔ مجھے ان سے ایک بہت ہی اہم ذاتی کام ہے۔،،

''شاید آپ اس کے بارے میں مجھے پہلے کچھہ بتائیں؟ کرسی لے لیجئے۔ بیٹھہ جائیے! کیا آپ سگریٹ پیتے ہیں؟،، اور اس نے میریسئف کی طرف سگریٹ کی ڈبیہ بڑھائی۔

الکسئی سگریٹ نہیں پیتا تھا لیکن کسی وجہ سے اس نے ایک سگریٹ لی اور اس کو اپنی انگلیوں کے درمیان کچلتے ہوئے میز پر رکھہ دیا اور یکایک بگ‌ٹٹ اپنی مصیبتوں کی داستان چھیڑ دی جس طرح اس نے کپتان کے سامنے کیا تھا۔ میجر نے اس کی کہانی سنی۔ اس میں خوش اخلاقی کا جذبہ اتنا نہ تھا جتنی ہمدردی اور دوستانہ توجہ تھی۔ اس نے رسالے کا تراشہ پڑھا اور اول درجے کے فوجی سرجن کی رائے دیکھی۔ اس کی ہمدردی سے میریسئف حوصلہ اتنا بڑھا کہ اس کا جی چاہا کہ وہ ناچنے کی صلاحیت کا مظاہرہ بھی کر دے اور... قریب قریب اس نے سارا تماشا ہی بگاڑ دیا کیونکہ ٹھیک اسی آن دفتر کا دروازہ زور سے کھلا اور ایک لمبا، پتلا دبلا افسر نکلا جس کے بال کوے جیسے سیاہ تھے۔ الکسئی نے اس کو فوراً پہچان لیا۔ وہ اس کو تصویر میں دیکھہ چکا تھا۔ وہ اپنے لمبے فوجی کوٹ کے بٹن لگاتے ہوئے ایک جنرل سے کچھہ کہہ رہا تھا جو اس کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔ وہ اس قدر پریشان نظر آ رہا تھا کہ اس نے میریسئف کو دیکھا بھی نہیں۔

''میں کریملن جا رہا ہوں،، اس نے اپنی گھڑی دیکھتے ہوئے میجر سے کہا ''چھہ بجے استالن گراد جانے کے لئے ہوائی جہاز کا حکم دو۔ ویرخنایا پوگرومنایا میں لینڈنگ ہوگی۔،، ان الفاظ کے ساتھہ وہ اسی تیزی سے غائب ہو گیا جس تیزی سے آیا تھا۔

میجر نے فوراً ہوائی جہاز کا حکم دیا اور اسے یاد آیا کہ میریسئف کمرے ہی میں تھا۔ اس نے معذرت چاہتے ہوئے کہا:

''تمہاری قسمت بری ہے۔ ہم جا رہے ہیں۔ تمہیں پھر آنا ہوگا۔ کیا تمہارے رہنے کی کوئی جگہ ہے؟،،

اس غیر معمولی مہمان کے سانولے چہرے سے، جس سے ابھی ایک لمحہ پہلے اتنا عزم اور قوت ارادی ٹپک رہی تھی، اتنی زبردست مایوسی اور تھکن ٹپکنے لگی کہ میجر کی رائے بدل گئی۔

"بہت اچھا..." وہ بولا "میں جانتا ہوں افسر اعلی بھی یہی کرتا۔"

یہ کہہ کر اس نے سرکاری کاغذ پر چند سطریں لکھیں اور کاغذ کو لفافے میں ڈال دیا اور اس پر یہ پتہ لکھا: "عملے کے شعبے کے افسراعلی کے نام۔" اس نے لفافہ میریسئف کو دیا اور اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے بولا:

"میں دل سے تمہاری کامیابی چاہتا ہوں!"

اس پرچے میں لکھا ہوا تھا: "سینئر لفٹیننٹ میریسئف اعلی کمانڈر سے ملے ہیں۔ ان کی طرف پوری توجہ دی جائے۔ ان کو لڑنے والے ہوابازوں کی صفوں میں لوٹنے میں ہر ممکن مدد دینی چاہئے۔"

ایک گھنٹے کے بعد چھوٹی مونچھوں والے کپتان نے میریسئف کو اپنے افسر اعلی کے کمرے میں پہنچا دیا۔ بوڑھا جنرل بہت ہی بھاری بھر کم معلوم ہوتا تھا، اس کی بھویں گھنی اور چڑھی چڑھی تھیں۔ اس نے پوچھ پڑھا اور اپنی ہنستی ہوئی نیلی آنکھوں کو اوپر اٹھا کے قہقہہ لگایا اور کہا:

"اچھا تو تم وہاں ہو آئے؟ یہ میں ضرور کہوں گا کہ تیز آدمی ہو! تم وہی ہو نا جو اس لئے آپے سے باہر ہوگئے تھے کہ میں نے تم کو انتظامی بٹیلین میں بھیج دیا تھا! ہا۔ ہا۔ ہا!" وہ چہک چہک کر باتیں کرنے لگا۔ "اچھے لڑکے! میں دیکھتا ہوں کہ تم پکے ہواباز ہو۔ تم انتظامی بٹیلین میں جانا نہیں چاہتے! برا لگا، ہے نا؟.. کیا مذاق ہے!.. بھئی میں تمہارا کیا بناؤں، میرے جوان ناچنے والے، ایں؟ تم تو اپنی گردن توڑلوگے اور پھر وہ لوگ تمہیں بحال کرنے کی سزا میں مجھے بڈھا سڑی کہہ کر میری گردن ناپ لینگے! لیکن کون جانے کہ تم کیا کر بیٹھو؟ اس لڑائی میں ہمارے نوجوانوں نے اس سے بھی بڑے بڑے کارنامے انجام دے کر دنیا کو حیرت میں ڈال دیا ہے... لاؤ دیکھیں تمہارے کاغذات کہاں ہیں؟"

یہ کہہ کر جنرل نے بے پروائی سے، شکستہ خط میں، مشکل سے لفظوں کو مکمل کرتے ہوئے کاغذ پر یہ لکھا: ''امیدوار کو ٹریننگ اسکول بھیج دیا جائے۔،، میریسئف نے تھرتھراتے ہوئے ہاتھ سے کاغذ جھپٹ لیا، تحریر وہیں کھڑے کھڑے پڑھی، اور پھر زینے کی لینڈنگ پر ایک بار اور پڑھی، اور پھر نیچے جہاں سنتری پاس کا معائنہ کرتا تھا، پھر ٹرام میں اور آخر میں سڑک پر بارش میں۔ دنیا میں وہ واحد شخص تھا جو بے پروائی سے گھسیٹے ہوئے ان الفاظ کے معنی سمجھتا تھا اور ان کی قدروقیمت جانتا تھا۔

اس دن الکسئی میریسئف نے مارے خوشی کے اپنی گھڑی بیچ دی — یہ گھڑی ڈویژنل کمانڈر کا تحفہ تھی اور اس سے جو پیسے ہاتھ آئے، اس سے قسم قسم کی کھانے کی چیزیں اور شراب خریدی، انیوتا کو ٹیلیفون کیا اور التجا کی کہ اپنے ہسپتال سے کسی طرح دو گھنٹے کی چھٹی لے کر آ جاؤ، بوڑھے جوڑے کو انیوتا کے گھر بلایا اور اپنی عظیم الشان فتح کا جشن منانے کا انتظام کیا۔

۸

ماسکو کے پاس یہ ٹریننگ اسکول، جو ایک چھوٹے سے ہوائی اڈے سے بہت قریب تھا، ان پریشان کن دنوں میں بہت مصروف تھا۔

استالن گراد کی لڑائی میں ہوائی فوج ایک بڑا کام انجام دے رہی تھی۔ والگا کے اس مضبوط قلعے کا آسمان، جو ہمیشہ دھندلا اور شعلوں اور دھماکوں کے دھوئیں سے بھرا رہتا تھا، انتھک فضائی ٹکروں کا مرکز تھا۔ یہ تصادم باضابطہ جنگوں کی شکل اختیار کر لیتے تھے۔ دونوں طرف نقصان بہت زیادہ ہوتا۔ مجاہد استالن گراد زیادہ سے زیادہ ہوابازوں کا مطالبہ کر رہا تھا... اس وجہ سے لڑائی کے لئے ہوابازی کا ٹریننگ اسکول، جہاں ہسپتال سے آنے والے ہوابازوں اور سول ہوابازوں کو از سر نو تربیت دی جاتی تھی، رات دن کام کرتا رہتا تھا۔ ٹریننگ کے ہوائی جہاز جو دیکھنے میں پتلی پتلی لمبی مکھیوں کی طرح معلوم ہوتے تھے، جھنڈ کے جھنڈ،

چھوٹے اور بھرے ہوائی اڈے کے اوپر یوں پرواز کرتے نظر آتے تھے جیسے باورچی خانے کی میز کے اوپر مکھیاں، اور ان کی بھنبھناھٹ صبح سے شام تک گونجتی رھتی۔ جب کبھی آدمی کی نظر پہیوں کے نشان سے بھرے ھوئے میدان پر پڑتی تو کوئی نہ کوئی ھواباز زمین چھوڑتا ھوا یا ھوائی اڈے پر اترتا ھوا نظر آتا۔

اسکول کا چیف آف اسٹاف چھوٹے سے قد کا ھٹا کٹا آدمی تھا، وہ سرخ چھرےوالا تگڑا لفٹیننٹ کرنل تھا، اس کی نیند کی ماتی آنکھیں سرخ تھیں۔ اس نے غصے بھری آنکھوں سے میریسئف کو دیکھا جیسے کہہ رھا ھو ''تمھیں یہاں کیا مصیبت کھینچ لائی؟ ویسے ھی ھمارے پاس بہت کچھہ کرنے کو ھے۔'' اس نے اس کے کاغذات چھین لئے۔

''یہ آدمی میرے پیروں پر اعتراض کریگا اور یہاں سے مجھے دھتا بتا دیگا'' میریسئف نے لفٹیننٹ کرنل کی ٹھوڑی پر جمی ھوئی خشخشی داڑھی پر دزدیدہ نظر ڈالتے ھوئے سوچا۔ لیکن ٹھیک اسی وقت لفٹیننٹ کرنل کے نام بیک وقت دو ٹیلیفون آئے۔ اس نے ایک رسیور کندھے سے دباتے ھوئے کان سے لگایا اور دوسرے رسیور میں جھنجلاھٹ کے ساتھہ دھاڑا اور ساتھہ ھی میریسئف کے کاغذات پر نگاھیں دوڑائیں۔ ظاھر ھے اس نے صرف جنرل کا لکھا ھوا حکم پڑھا کیونکہ اس نے فوراً اس تحریر کے نیچے لکھا ''لفٹیننٹ ناؤموف۔ تیسرا ٹریننگ دستہ۔ شامل کر لیا جائے۔'' پھر دونوں رسیور رکھتے ھوئے اس نے تھکی ھوئی آواز میں پوچھا:

''کیا تمھارے پاس کپڑے اور کھانے کے سرٹیفکیٹ ھیں؟ نہیں ھیں؟ ھاں میں جانتا ھوں تم کیا کہنے والے ھو۔ ھسپتال میں وقت نہیں ملا۔ لیکن میں تمھیں کھانا کہاں سے دونگا؟ فوراً درخواست لکھو۔ لیکن سرٹیفکیٹ کے بغیر آگے جانے نہ دونگا۔''

''اچھا میں ابھی کر دونگا!'' میریسئف نے خوش ھو کر سلامی داغتے ھوئے جواب دیا ''کیا میں جا سکتا ھوں؟''

''ھاں'' لفٹیننٹ کرنل نے بے پروائی سے ھاتھہ ھلا کر جواب دیا۔ یکایک وہ چیخا ''ٹھہرو! یہ کیا؟'' اس نے بھاری چھڑی کی طرف اشارہ کیا جس پر سنہرے نقش‌ونگار ابھرے ھوئے تھے، واسیلی واسیلی‌وچ کا تحفہ۔ جب میریسئف دفتر سے چلا تو اپنے

جوش میں یہ تحفہ کونے میں بھول گیا۔ ”یہ کیا ہے؟ اسے پھینک دو! لوگ سمجھینگے یہ فوجی دستہ نہیں بلکہ خانہ بدوشوں کا پڑاؤ ہے! یا پارک: چھڑی، بید، چابک!.. جلد ہی تم اپنی گردن میں تعویذ لٹکائے نظر آؤگے اور اپنے کاک پٹ میں کالی بلی لئے پھروگے۔ مجھے دوبارہ یہ لعنت دیکھنے نہ دینا۔ چھیلا کہیں کے!“

”بہت اچھا، کامریڈ لفٹیننٹ کرنل!“

الکسئی کو معلوم تھا کہ ابھی آگے بہت سی مشکلات کا سامنا ہے: اس کو درخواست لکھنا تھا اور اس بگڑے دل لفٹیننٹ کرنل کو یہ بتانا تھا کہ اصلی کاغذات کہاں رفوچکر ہو گئے۔ اسکول میں ہمیشہ لوگوں کے آنے جانے کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ اس کی وجہ سے کھانا نا کافی رہتا تھا۔ ٹریننگ پانے والے سپاہی دن کا کھانا ختم کرتے اور رات کے کھانے کا انتظار کھینچنے لگتے۔ اسکول کی کھچا کھچ بھری ہوئی عمارت میں جہاں تیسرے دستے کا پڑاؤ تھا، بھاپ کے نل پھٹ گئے تھے اور غضب کی ٹھنڈ تھی۔ پہلی رات کو مستقل الکسئی اپنے کمبل اور چمڑے کے کوٹ تلے ٹھٹھرتا رہا... لیکن اس ساری افراتفری اور بے آرام زندگی کے باوجود وہ اس مچھلی کی طرح محسوس کر رہا تھا جو پہلے ریت پر دم توڑ رہی ہو لیکن سمندر کی ایک لہر آئی ہو اور اسے واپس اپنی آغوش میں بہا لے گئی ہو۔ اس کو یہاں کی ہر چیز پسند تھی۔ پڑاؤ کی یہ زندگی اس کو یقین دلا رہی تھی کہ وہ منزل سے قریب ہے۔

مانوس ماحول، خوش خوش لوگ جن کا وہ عادی تھا۔ وہ چمڑے کے کوٹ پہنے ہوئے تھے، ان کی کھال کھردری تھی اور ان کا رنگ کمھلا رہا تھا۔ کتے کی کھال کے بوٹ، ان کے دھوپ سے سنولائے ہوئے چہرے اور پھنسی ہوئی آوازیں۔ وہی مانوس فضا، ہوائی جہاز کے پٹرول کی میٹھی اور تیز خوشبو میں بسی ہوئی، گرم ہوتے ہوئے انجنوں کی گھن گرج سے گونجتی ہوئی، اور اڑتے ہوئے ہوائی جہازوں کی آواز کی مسلسل اور پرسکون گھنگھناہٹ سے دھڑکتی ہوئی فضا۔ تیل سے داغدار چکٹ لبادے پہنے اور تھکن سے گرتے ہوئے سے مستریوں کے سنجیدہ ستے ہوئے چہرے، جھنجھلاتے ہوئے استادوں کے دھوپ میں سنولائے ہوئے

تانبے جیسے چہرے، موسمیاتی اسٹیشن میں چیری کے رنگ کے گالوں والی لڑکیاں، کمانڈ پوسٹ کے چولھے سے نکلتا ہوا نیلگوں دھواں... سگنلوں کی کھرکھراہٹ اور ٹیلیفونوں کی گھنٹیوں کی تیز آواز ... ہواباز ہیں کہ محاذ جاتے جاتے ''بطور یادگار'' چمچے اٹھائے لئے جا رہے ہیں اور کھانے کے کمرے میں چمچوں کا ٹوٹا پڑا ہوا ہے... دیواری اخبار رنگین پنسلوں سے لکھے جا رہے ہیں اور ان اخباروں میں جوان ہوابازوں کے بارے میں کارٹون کا ہونا ضروری ہے جو ہوا میں اڑتے وقت بھی اپنی محبوباؤں کے خواب دیکھتے ہیں۔ نرم اور بھوری کیچڑ جس پر پہیوں کے نشان ابھرے ہوئے ہیں، چہکتی گونجتی گپیں، چٹخارے دار چٹپٹے جملے اور پھبتیاں جو ہوابازی کی اصطلاحوں سے بھری ہوئی ہوں — ہاں یہ ساری باتیں مانوس اور پرانی تھیں۔

میریسئف فوراً کھل اٹھا۔ اس کی زندہ دلی اور من موجی پن، جو لڑاکو ہوابازوں کی خصوصیت ہے، واپس آگیا۔ حالانکہ لگتا تھا کہ یہ خوبیاں اس سے ہمیشہ کو چھن چکی ہیں۔ وہ تن کر چلتا، اپنے سے نیچے عہدوں کے لوگوں کی سلامی کا جواب چستی اور پھرتی سے دیتا، اپنے سے اونچے عہدے کے لوگوں سے سامنا ہوتا تو بڑی چستی سے قدم سے قدم ملا کر چلتا۔ جب اسے وردی ملی تو اس نے ہوائی اڈے کی انتظامی بٹیلین کے ایک بوڑھے سرجنٹ سے اسے ''فٹ'' کرایا۔ یہ سرجنٹ اپنی شہری زندگی میں درزی تھا اور اب وہ اپنے خالی وقتوں میں فوجی سائز کی وردی کو ٹھیک ٹھاک کرکے ذرا شوقین مزاج اور ٹھاٹ باٹ والے لفٹیننٹوں پر فٹ کیا کرتا۔

پہلے دن ہی میریسئف لفٹیننٹ ناؤموف سے ملنے ہوائی اڈے گیا۔ وہ تیسرے دستے کا استاد تھا اور اسے اسی کی نگرانی میں دیا گیا تھا۔ ناؤموف چھوٹے قد کا جوشیلا آدمی تھا۔ اس کا سر بہت بڑا اور بازو لمبے تھے۔ وہ آسمان پر آنکھیں جمائے ''ٹی'' کے نشان کے پاس دوڑ رہا تھا۔ آسمان میں ایک چھوٹا سا ہوائی جہاز اڑتا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ ہوائی جہاز میں بیٹھے ہوئے ہواباز پر گرم ہوتے ہوئے چیخ رہا تھا:

''کاٹھ کا الو!.. کہتا ہے لڑاکو ہواباز تھا!.. وہ مجھے الو نہیں بنا سکتا!''

میریسئف اپنا تعارف کرانے کے لئے آگے بڑھا اور اس نے فوجی قاعدے کے مطابق سلام کیا۔ لیکن ناؤموف نے صرف ھاتھه ھلایا، آسمان کی طرف اشارہ کیا اور چیخا:

''دیکھتے ہو؟ بڑا آیا کہیں کا! ہوا بھی ڈر سے کانپ رہی ہے! یوں تیر رہا ہے جیسے برف کے گڈھے میں ڈیزی کا پھول!..''

الکسئی کے دل کو یه استاد فوراً بھا گیا۔ وہ ان سرپھرے قسم کے لوگوں کو پسند کرتا تھا جو اپنے کام سے پاگلوں جیسی محبت کرتے ہیں، جن کے ساتھه ایک قابل اور پر جوش ہواباز کا نباہ خوب ہوتا ہے۔ الکسئی نے اس ہواباز کے بارے میں جو ہوائی جہاز اڑا رہا تھا کچھه نکته رس باتیں کہیں۔ چھوٹے قد کے لفٹیننٹ نے اب غور سے اسے سر سے پیر تک دیکھا اور پوچھا:

''میرے دستے میں آ رہے ہو؟ تمہارا نام کیا ہے؟ تم نے کس قسم کے ہوائی جہاز اڑائے ہیں؟ کیا تم جنگ میں حصه لے چکے ہو؟ کتنے دنوں سے تم نے ہوابازی نہیں کی؟''

الکسئی کو یقین نه تھا که وہ اس کا سارا جواب سن رہا ہے کیونکه اس نے پھر اپنی نگاہیں آسمان پر جما دیں اور آنکھوں پر ھاتھه سے اوٹ کرتے ہوئے دوسری مٹھی ہوا میں لہرائی اور چیخا:

''بدمعاش الو کی دم!.. ذرا دیکھنا کیا چکر کاٹ رہا ہے! جیسے ڈرائنگ روم میں دریائی گھوڑا!..''

اس نے الکسئی کو اگلی صبح آنے کا حکم دیا اور وعدہ کیا که وہ فوراً اس کی جانچ کریگا۔

''جاؤ ابھی آرام کرو،، اس نے کہا ''سفر کے بعد آرام کی ضرورت ہوتی ہے۔ کچھه کھایا بھی ہے تم نے؟ یہاں کے ہنگامے میں لوگ آسانی سے کھلانا پلانا بھی بھول سکتے ہیں، جانتے ہو... گنوار، بیوقوف! ذرا ٹھہرو۔ نیچے اترو تو پھر مزا چکھاتا ہوں، بڑے آئے کہیں کے 'لڑاکو'!''

الکسئی آرام کرنے نہیں گیا، خاص طور پر اس وجه سے که ہوائی اڈے کے میدان میں اسے اسکول کے کلاس روم ''۹ الف'' سے زیادہ گرمی محسوس ہو رہی تھی۔ ہوا کی لہروں میں خشک اور چبھتی ہوئی ریت بہتی ہوئی میدان میں دوڑ رہی تھی۔ اس

کو انتظامی بٹیلین میں ایک موچی مل گیا۔ اس نے اپنا ہفتہ بھر کا تمباکو کا راشن اس کو دیا اور کہا کہ میری چمڑے کی افسروں والی پرانی پیٹی سے دو فیتے بنا دو، جس میں سوراخ اور بکسوئے ہوں۔ وہ فیتے کی مدد سے اپنے نقلی پیروں کو ہوائی جہاز کے پیڈل سے باندھنا چاہتا تھا۔ فوری ضرورت اور کام کی غیر معمولی نوعیت کے پیش نظر موچی نے تمباکو کے علاوہ وادکا کے ''ادھے،، کا بھی مطالبہ کیا اور وعدہ کیا کہ میں ''بڑھیا کام،، کر کے دونگا۔ میریسئف ہوائی اڈے پر واپس گیا اور ہوائی جہازوں کو اڑتے ہوئے دیکھنے لگا، جیسے یہ عام معمولی ٹریننگ کی اڑانیں نہ ہوں بلکہ بہترین ہوابازوں کا مقابلہ ہو۔ یہاں تک کہ آخری ہوائی جہاز بھی رینگتا ہوا اپنی صف میں واپس آ گیا اور رسی سے باندھ دیا گیا، وہ ہوائی جہازوں کو اڑتے ہوئے کم دیکھ رہا تھا اور ہوائی اڈے کی ہوا میں آزادی سے سانس لے کر زندگی زیادہ محسوس کر رہا تھا۔ وہ ہوائی اڈے کی سرگرمیوں کو اپنے اندر جذب کر رہا تھا — انجنوں کی اسٹ گھنگھناہٹ، راکٹوں کی بوجھل آواز اور تیل اور پٹرول کی بو۔ اس کا پورا وجود جھوم رہا تھا۔ یہ خیال دور دور پیدا نہیں ہوا کہ کل ہوائی جہاز اس کا حکم ماننے سے انکار کر سکتا ہے، ہوائی جہاز بے قابو ہوکر گر سکتا ہے۔

وہ اگلی صبح ہوائی اڈے پر پہنچا تو وہ بالکل سنسان پڑا تھا۔ ہوائی جہازوں کی صفوں میں انجن گرم ہو رہے تھے اور گھنگھنا رہے تھے، گرم ہوتے ہوئے انجنوں سے شعلے نکل رہے تھے اور مستری پنکھوں کو گھمانے کے بعد یوں اچھل کر الگ جا کھڑے ہوتے تھے جیسے وہ سانپ ہوں۔ صبح کی مانوس آوازیں سنائی دیں:

''ریڈی!،،

''کن ٹیکٹ!،،

''کن ٹیکٹ!،،

کسی نے الکسئی کو ڈانٹ بتائی اور پوچھا کہ اتنے سویرے آخر ہوائی جہازوں کے پاس کیوں منڈلا رہے ہو۔ جواب میں اس نے مذاق کے طور پر فقرہ چست کیا اور نجانے کیوں مستقل دوہراتا رہا ''ریڈی، کن ٹیکٹ، کن ٹیکٹ!،، کیونکہ یہ لفظ اس کے دماغ

میں جم کر رہ گئے تھے۔ آخر ہوائی جہاز رینگتے اور ڈگمگاتے ہوئے اس جگہ پر پہنچے جہاں سے اڑتے تھے۔ ان کے پر تھرتھرا رہے تھے جن کو مستری سہارا دئے ہوئے تھے۔ اب ناؤموف بھی پہنچ گیا۔ وہ سگریٹ کے آخری جلتے ہوئے ٹکڑے پر دم لگا رہا تھا۔ یہ ٹکڑا اتنا چھوٹا تھا کہ لگتا تھا جیسے وہ محض دھوئیں سے رنگین انگلیوں ہی سے دھواں نکال رہا ہو۔

''اچھا تو تم آ گئے!،، اس نے الکسئی کے رسمی سلام کے جواب میں کہا۔ ''اچھا، جو پہلے آئے پہلے کھائے۔ نمبر نو کے پچھلے کاک پٹ میں بیٹھ جاؤ۔ میں ایک منٹ میں تمہارے پاس آتا ہوں۔ دیکھیں تم کس قسم کی چڑیا ہو۔،،

الکسئی ہوائی جہاز کی طرف چلا اور اس کے استاد نے جلدی جلدی آخری کش لگائے۔ وہ استاد کے آنے سے پہلے پہلے اپنے پیروں کو پیڈل سے باندھ لینا چاہتا تھا۔ آدمی تو ویسے بھلا مانس معلوم ہوتا تھا مگر کون جانے؟ ہو سکتا ہے اچانک اس کے جی میں آئے اور وہ ہنگامہ کھڑا کر دے اور اس کی جانچ لینے سے انکار کر دے۔ میریسئف پھسلتا ہوا ہوائی جہاز کے پر پہ چڑھا اور بڑی مشکل سے لڑکھڑاتے ہوئے کاک پٹ کی دیوار کو پکڑ لیا۔ جوش اور مشق نہ ہونے کی وجہ سے سارے جتن کئے مگر ٹانگوں کو اٹھا کر اندر لےجانے میں کامیابی نہ ہوئی۔ عمر رسیدہ مستری نے لمبوترا اور اداس منہ اٹھا کر اسے دیکھا اور حیرانی کے ساتھ سوچا ''بدمعاش پئے ہوئے ہے!،،

آخرکار الکسئی اپنی بے لچک ٹانگ کو اندر لے جانے میں کامیاب ہو گیا اور ناقابل یقین محنت سے کام لیتے ہوئے اس نے دوسری ٹانگ کو بھی اندر پہنچا دیا اور دھم سے اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ اس نے فیتوں کی مدد سے اپنے نقلی پیر پیڈل سے جکڑ لئے۔ فیتے بڑے کارآمد ثابت ہوئے۔ فیتے اس کے پیروں پر خوب فٹ آئے جیسے لڑکپن میں اس کے اسکیٹ کے فیتے فٹ آتے تھے۔

استاد نے سر کاک پٹ میں گھسایا اور پوچھا:

''بتاؤ کیا تم نے پی رکھی ہے؟ ذرا میں تمہارا منہ تو سونگھوں۔،،

الکسئی نے سانس باہر پھینکی۔ جب استاد کو اطمینان ہو

گیا کہ اس کے منہ سے شراب کی بو بالکل نہیں آ رہی ہے تو اس نے دھمکی کے طور پر مستری کو گھونسہ دکھایا۔

''ریڈی!،،

''کن ٹیکٹ!،،

''کن ٹیکٹ!،،

انجن چند بار غرایا اور پھر پسٹن بڑے آھنگ سے دھڑکنے لگے۔ میریسئف خوشی سے قریب اچھل پڑا اور خود بخود اس نے گیس کا لیور کھینچ دیا لیکن اس نے استاد کی غراتی ہوئی آواز انٹرکوم میں سنی:

''سانڈ کی طرح مت بھاگنا، ہاں!،،

خود استاد نے انجن کی گیس پوری کی پوری کھول دی۔ انجن غرانے اور گھنگھنانے لگا اور ہوائی جہاز بھٹکتا ہوا دوڑنے لگا۔ استاد نے خود بخود اسٹیرنگ گئر کھینچا اور چھوٹا سا طیارہ، جو مکھی کی طرح دکھائی دیتا تھا سیدھا آسمان مَیں بلند ہو گیا۔ یہ وہ ہوائی جہاز تھا جس کا نام شمالی محاذ پر ''جنگل‌بان،، وسطی محاذ پر ''کرم کلے والا،، اور جنوبی محاذ پر ''مکئی والا،، پڑ گیا تھا۔ یہ ہوائی جہاز سپاھیوں کے دوستانہ چٹکلوں اور پھبتیوں کے لئے اچھا تختہ مشق تھا۔ وہ چرخ چوں چرخ چوں بھلے ھی کرتا ہو مگر سپاھی اسے اپنا جگری اور وفادار دوست تصور کرتے تھے اور اس کا احترام کرتے تھے۔ یہ وہ ہوائی جہاز تھا جس پر سارے ہوابازوں نے ہوائی پرواز سیکھی تھی۔

آئینے میں استاد کو اپنے نئے شاگرد کا چہرہ نظر آ رہا تھا۔ اس نے نہ جانے کتنے ایسے سپاھیوں کے چہرے دیکھے تھے جو ایک طویل وقفے کے بعد ہوائی جہاز اڑانے آتے تھے! اس نے بہت سے لاجواب ہوابازوں کی آسودہ خاطر مسکراہٹ دیکھی تھی۔ اس نے ایسے جوشیلے ہوابازوں کی جلتی ہوئی آنکھیں دیکھی تھیں جو ہسپتال ہسپتال مارے پھرنے کے بعد خود کو دوبارہ اپنی اصلی فضا میں پاتے تھے۔ اس نے ان لوگوں کو پیلا پڑتے ہوئے دیکھا تھا جو ہوائی جہاز سے گر کر زخمی ہوئے ہوں، ان کے چہرے سے گھبراہٹ ٹپکنی لگتی تھی اور وہ ہونٹ کاٹنے لگتے تھے۔ اس نے ان نوسکھیوں کا جسارت بھرا تجسس بھی دیکھا تھا جو پہلی بار

ہوا میں بلند ہو رہے ہوں۔ لیکن جب سے وہ استاد کی خدمت انجام دے رہا تھا، اس وقت سے اب تک، اس پورے زمانے میں، آئینے نے کبھی بھی اسے ایسے عجیب جذبات کا عکس نہیں دکھایا تھا جیسے جذبات اس سانولے اور وجیہ سینئر لفٹیننٹ کے چہرے سے چھلکے پڑ رہے تھے۔ مگر یہ صاف ظاہر تھا کہ وہ کوئی نوسکھیا نہ تھا۔

بخار جیسی تمتماھٹ نے نئے شاگرد کی جلد کو رنگین بنا دیا تھا۔ اس کے ہونٹ زرد تھے۔ یہ زردی ڈر کی زردی نہ تھی۔ یہ رنگ کسی جذباتی رفعت اور بالیدگی سے پیدا ہوا تھا اور ناؤموف کی سمجھ سے باہر تھا۔ یہ ہے کون؟ اس پر کیا بیت رہی ہے؟ آخر مستری نے یہ کیوں سوچا کہ وہ پئے ہوئے ہے؟ جب ہوائی جہاز اڑا اور ہوا میں معلق ہو گیا تو اس وقت استاد نے دیکھا تھا کہ اس کے شاگرد کی آنکھیں جو ہوائی عینک سے آزاد تھیں، اس کی کالی، پر حوصلہ، جپسیوں جیسی آنکھیں بھر آئیں اور اس نے آنسوؤں کو اس کے گالوں پر ڈھلکتے ہوئے دیکھا۔ اس نے دیکھا کہ جب ہوائی جہاز نے چکر کاٹا تو ہوا کے ایک جھونکے نے اس کے گالوں پر سے آنسوؤں کو اڑا کر فضا میں تحلیل کر دیا۔

''کچھ چول کھسکی ہوئی ہے اپنی جگہ سے۔ مجھے اس سے ہوشیار رہنا ہوگا۔ آدمی کیا نہیں کر سکتا... کون جانے...،، ناؤموف نے سوچا۔ لیکن ترچھے آئینے میں جھلکتے ہوئے پر جوش چہرے سے جھلکتے ہوئے جذبات میں کچھ ایسی بات تھی کہ استاد کا دل اس کی طرف کھنچنے لگا۔ وہ یہ محسوس کر کے حیران رہ گیا کہ کوئی چیز اس کے گلے میں اٹک رہی ہے اور اس کے سامنے کے آلات دھندلا گئے۔

''اب تم چلاؤ،، اس نے انٹرکوم میں کہا۔ لیکن اس نے صرف اسٹیرنگ گئر اور پیڈل پر سے اپنی گرفت ڈھیلی کر لی اور بالکل چوکس بیٹھا رہا کہ جیسے ہی شاگرد کسی قسم کی کمزوری دکھائے وہ پھر ہوائی جہاز کو اپنے قابو میں کر لے۔ اس نے دوہرے گئر کے ذریعہ محسوس کیا کہ اس کا نیا شاگرد اپنے پر اعتماد اور تجربہ کار ہاتھ سے ہوائی جہاز چلا رہا ہے۔ چیف آف اسٹاف کی اصطلاح میں ''وہ خدا کے فضل سے ہواباز،، تھا۔ چیف آف اسٹاف گھاگ ہواباز تھا اور بہت پہلے، خانہ جنگی میں ہواباز

کی حیثیت سے فرائض انجام دے چکا تھا۔ پہلے چکر کے بعد ناؤموف کے دل میں نئے شاگرد کی طرف سے کوئی ڈر نہ رہا۔ ہوائی جہاز اچھی طرح "قاعدے کے مطابق" اڑتا رہا۔ صرف ایک عجیب بات تھی اور وہ یہ کہ سیدھی اڑان کے وقت یہ شاگرد بار بار ہوائی جہاز کو دائیں یا بائیں جھکاتا تھا یا اوپر نیچے کرتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ خود اپنے فن کا امتحان لے رہا ہے۔ ناؤموف نے فیصلہ کیا کہ اگلے دن ہواباز کو اکیلے ہوائی جہاز اڑانے کی اجازت دے دینی چاہئے اور دو تین اڑان کے بعد اسے ٹریننگ کے ہوائی جہاز "اوت۔۲" میں ڈال دینا چاہئے۔ یہ لڑاکو ہوائی جہاز کا لکڑی کا چھوٹا نمونہ تھا۔

ٹھنڈ تھی۔ پر کے تھرمامیٹر میں پارہ صفر سے ۱۲ ڈگری کم دکھائی دے رہا تھا۔ کاک‌پٹ میں کلیجہ چھلنی کرنے والی ہوا جھپٹ رہی تھی اور استاد کے کتے کی کھال کے بوٹوں میں گھس رہی تھی اور اس کے پیروں کو برف کی طرح جمائے دے رہی تھی۔ اترنے کا وقت آ گیا تھا۔

لیکن جب کبھی وہ انٹرکوم کے ذریعہ "اتارو" کا حکم دیتا اسے اپنے آئینے میں کالی کالی، جلتی اور التجا کرتی ہوئی آنکھیں دکھائی دیتیں۔ نہیں ان میں التجا نہ تھی، ان میں مطالبہ تھا اور اس کا دل انکار نہ کر سکا۔ دس منٹ کے بجائے وہ آدھے گھنٹے تک پرواز کرتے رہے۔

کاک پٹ سے نکل کر ناؤموف نے پیر پٹکنا اور بازوؤں کو ہلانا شروع کر دیا۔ یقینی اس صبح کے پالے میں چبھن سی موجود تھی۔ لیکن شاگرد تھوڑی دیر تک کاک‌پٹ میں کچھ ٹٹولتا رہا اور پھر آہستہ آہستہ اور کچھ جھجکتا ہوا اترا۔ جب وہ زمین پر اترا تو وہ ہوائی جہاز کے پر کے پاس زمین پر بیٹھ گیا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک مسرت بھری اور واقعی خمارآلود مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس کے گال پالے اور جوش جذبات سے دھک رہے تھے۔

"ٹھنڈ کھا گئے، ایں؟" استاد نے پوچھا۔ "ہوا تو میرے بوٹوں میں بھی گھس رہی تھی۔ لیکن تم تو معمولی جوتے پہنے ہوئے ہو! کیا تمہارے پیر نہیں ٹھٹھرے؟"

''میرے پیر کہاں؟،، خود اپنے خیال پر ہنستے ہوئے نئے شاگرد نے جواب دیا۔

''کیا؟،، ناؤموف کے منہ سے بے اختیار نکلا اور مارے تعجب کے اس کا منہ لٹک گیا۔

''میرے پیر نہیں ہیں،، میریسئف نے بہت ہی صاف آواز میں دوہرایا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا کہ تمہارے 'پیر نہیں ہیں،؟ کیا تمہارا مطلب ہے کہ تمہارے پیروں میں کچھ خرابی ہے؟،،

''نہیں۔ میرے پیر سرے سے ہیں ہی نہیں۔ یہ نقلی پیر ہیں۔،،

چند لمحے تو ناؤموف بالکل مبہوت زمین پر جما کھڑا رہا۔ اس عجیب و غریب آدمی نے جو کچھ کہا تھا، اس پر یقین نہیں کیا جا سکتا تھا۔ پیر بالکل ندارد! لیکن ابھی ابھی تو وہ ہوائی جہاز اڑا رہا تھا اور اچھی طرح اڑا رہا تھا!..

''دیکھیں،، اس نے کہا اور اس کی آواز میں اندیشے کی گونج تھی۔

اس تجسس سے الکسئی کو نہ تو جھنجلاہٹ ہوئی اور نہ کسی قسم کا صدمہ پہنچا۔ اس کے برعکس اس نے اس دلچسپ مسخرے استاد کی حیرانی کو آخری ''ٹچ،، دینے کی ٹھانی اور ایک مداری کی طرح جو کوئی کرتب دکھا رہا ہو، اس نے اپنی پتلون کے پائنچے اٹھا لئے۔

شاگرد چمڑے اور الیمونیم کے پیروں پر کھڑا تھا اور اس کو، مستری اور ان ہوابازوں کی قطار کو ہنستی ہوئی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا جو ہوائی جہاز میں پرواز کرنے کا انتظار کر رہے تھے۔

ایک آن میں ناؤموف اس نوجوان کے ہیجان کی وجہ بھانپ گیا۔ وہ اس کے چہرے پر ایک غیر معمولی کیفیت، اس کی سیاہ آنکھوں میں آنسوؤں اور زیادہ سے زیادہ دیر تک ہوا میں پرواز کرتے رہنے کی خواہش کو سمجھ گیا۔ اس شاگرد نے اسے بھونچکا کر دیا تھا۔ وہ اس کی طرف لپکا اور بڑے زور سے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے بولا:

''لڑکے آخر تم یہ کیوں کر کر سکے؟ تم نہیں جانتے... تم نہیں جانتے، تم کیسے آدمی ہو۔''

اصلی کام پورا ہو چکا تھا۔ الکسئی نے استاد کا دل جیت لیا تھا۔ وہ شام کو ملے اور انہوں نے ٹریننگ کا ایک پروگرام تیار کیا۔ ان کو اتفاق تھا کہ الکسئی کی پوزیشن بہت کٹھن ہے۔ اگر اس سے ذرا سی لغزش ہوئی تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہوابازی سے محروم کر دئے جانے کا خطرہ تھا۔ اس کے دل میں یہ خواهش مچل رہی تھی کہ جلد ازجلد لڑاکو ہوائی جہاز میں بیٹھے اور اڑکر وہاں پہنچے جہاں اس وقت ملک کے بہترین سپاہی مورچہ جما رہے تھے — والگا کے کنارے اس مشہور شہر کی طرف... لیکن وہ اس پر راضی ہو گیا کہ وہ ہر قسم کی ٹریننگ حاصل کرنے کا مرحلہ بڑے صبر سے طے کریگا۔ اس نے محسوس کر لیا کہ اس کی جو پوزیشن تھی اس میں صرف ''اے ون'' سرٹیفکیٹ اپنا کام کر سکیگا۔

۹

میریسئف پانچ ماہ سے زیادہ ٹریننگ اسکول میں رہا۔ ہوائی اڈہ برف سے ڈھکا ہوا تھا اور ہوائی جہاز کو برف پر پھسلنے والی پٹریوں پر دوڑایا جاتا تھا۔ جب وہ ''علاقے'' کے اوپر فضا میں بلند ہوتا تو خزاں کے تابناک رنگ زمین پر پھیلے نظر نہ آتے بلکہ پوری زمین پر صرف دو رنگ پھیلے نظر آتے — سیاہ اور سفید۔ استالن گراد میں جرمنوں کی پسپائی، چھٹی جرمن فوج کی تباهی اور پاؤلس پر قبضے کی سنسنی خیز خبریں اب قصہ پارینہ بن چکی تھیں۔ جنوب میں ایک بے نظیر اور ناقابل تسخیر پیش‌قدمی کی لہر اٹھ رہی تھی۔ جنرل روتمستروف کے ٹینک جرمن محاذ میں گھس پڑے تھے اور دشمن کے عقب میں تباهی اور بربادی کا بازار گرم کر رہے تھے۔ ایسے وقت میں جب محاذ پر ایسے واقعات ہو رہے ہوں اور جب محاذ کے اوپر آسمان میں ایسی خوفناک جنگیں ہو رہی ہوں الکسئی کے لئے یہ زیادہ سے زیادہ مشکل ہوتا جا رہا تھا کہ ٹریننگ کے چھوٹے سے ہوائی جہاز میں ''بھنبھناتا'' پھرے۔

ہاں یہ ہسپتال کے گلیارے میں ان گنت بار قدم پھونک پھونک کر اٹھانے یا سوجے ہوئے ٹھنٹھوں پر، درد اور تکلیف کے ساتھ مزورکا یا فاکس ٹروٹ ناچ ناچنے سے زیادہ تکلیف‌دہ تھا۔

لیکن ہسپتال میں اس نے عہد کیا تھا کہ وہ لڑاکو ہوابازوں کی فوج میں واپس جائیگا اور عملی خدمت انجام دیگا۔ اس نے ایک منزل طے کی تھی اور غم اور درد، تھکن اور مایوسی کے باوجود اس کی طرف بڑھنے کی جد و جہد کر رہا تھا۔ ایک دن اس کے نام ایک موٹا سا لفافہ آیا جو کلاودیا میخائلونا نے اس کے پتے پر بھجوایا تھا۔ اس میں کئی خط تھے اور ایک خط خود اس کا تھا۔ اس نے پوچھا تھا زندگی کیسی کٹ رہی ہے، کیا کیا کامیابیاں نصیب ہوئیں اور اس کے خواب سچ ثابت ہوئے یا نہیں۔

''کیا، سچ ثابت ہوئے؟،، اس نے اپنے آپ سے پوچھا لیکن اس کا جواب دئے بغیر اس نے خطوں کو چھانٹنا شروع کیا۔ کئی خط تھے: ایک تو اس کی ماں کا تھا، ایک اولیا کا، ایک گووزدیف کا اور ایک اور تھا جس پر اسے بہت زیادہ حیرانی ہوئی۔ اس پر پتہ ''موسمی سرجنٹ،، کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا اور اس کے نیچے یہ عبارت تھی ''از کپتان کوکوشکن،،۔ اس نے اس خط کو سب سے پہلے پڑھا۔

کوکوشکن نے لکھا تھا کہ اسے پھر مار گرایا گیا تھا۔ اس کے ہوائی جہاز کو گولی لگی اور اس میں آگ لگ گئی۔ وہ ہوائی چھتری لے کر کود گیا اور اپنی صفوں میں اترنے میں کامیاب ہو گیا۔ لیکن اس عمل کے دوران میں اس کے بازو کے جوڑ میں موچ آ گئی اور اب وہ میڈیکل بٹیلین میں زیر علاج ہے۔ اس نے لکھا تھا: ''پڑا پڑا انیما کے جانباز سورماؤں کے درمیان مارے بوریت کے مر رہا ہوں۔،، بہر حال وہ پریشان نہ تھا کیونکہ اس کو یقین تھا کہ وہ جلد ہی اپنے ہوائی جہاز میں واپس پہنچ جائیگا۔ اس نے لکھا تھا کہ یہ خط وہ الکسئی کی مشہور و معروف نامہ نگار ویرا گاوریلووا سے لکھوا رہا تھا، جو اس کی بدولت اب تک ''موسمی سرجنٹ،، کے نام نامی سے یاد کی جاتی تھی۔ اس نے یہ بھی لکھا تھا کہ ویرا بہت ہی اچھی ساتھی ہے اور اس کی بدقسمتی کے زمانے میں ایک زبردست سہارا رہی ہے۔ اس نکتے پر

پہنچ کر ویرا نے خود اپنی طرف سے لکھا تھا کہ یہ محض کونستانتن کا مبالغہ ہے۔ اس خط سے الکسئی کو معلوم ہوا کہ اب تک اس کے دستے کے لوگ اس کو یاد کرتے ہیں اور کھانے کے ہال میں سورماؤں کی شبیہوں میں اس کی تصویر کا بھی اضافہ ہو گیا ہے اور اسے پھر گارد ہوابازوں کے درمیان دیکھنے کی امید اب تک ختم نہیں ہوئی ہے۔ گارد ہواباز! میریسئف مسکرایا اور اس نے سر ہلایا۔ یقینی کوکوشکن اور اس کی رضاکار سکریٹری کا دھیان بہت ہی بٹا ہوا ہوگا جب ہی وہ لوگ یہ بتانا بھول گئے کہ ان کے دستے کو ''گارد،، کا اعزاز بخشا گیا ہے!

اس کے بعد الکسئی نے اپنی ماں کا خط کھولا۔ یہ ایک چھوٹا سا بات چیت کے انداز میں لکھا ہوا خط تھا جیسے خط عام طور پر مائیں لکھتی ہیں — بیٹے کے لئے پریشانی اور تردد سے بھرا ہوا خط: کس طرح اس کی زندگی بسر ہو رہی ہے، اسے ٹھنڈ تو نہیں لگتی، کیا اسے کھانے کو کافی ملتا ہے، کیا اسے سردیوں کے گرم کپڑے ملتے ہیں؟ کیا وہ اس کے لئے ایک جوڑا دستانوں کا بن دے؟ وہ اب تک پانچ جوڑے بن چکی تھی اور سوویت سپاہیوں کے لئے بطور تحفہ روانہ کر چکی تھی۔ اس نے ان میں سے ہر دستانے کے انگوٹھے میں ایک پرچہ ٹانک دیا تھا اور اس میں لکھا تھا ''امید ہے کہ یہ تمھاری سرخ روئی کا شگون ثابت ہونگے۔،، اس کو امید تھی کہ ان دستانوں میں سے ایک جوڑا اس کے بیٹے کو ملا ہوگا۔ وہ بہت ہی اچھے، گرم دستانے تھے۔ اس نے یہ دستانے اپنے خرگوشوں کے رویں سے بنے تھے۔ ہاں وہ یہ لکھنا تو بھول ہی گئی تھی کہ اب اس کے پاس خرگوشوں کا ایک خاندان جمع ہے۔ ایک مادہ اور ایک نر خرگوش اور سات چھوٹے چھوٹے۔ صرف خط کے آخر میں، پرانی ماںتا بھری باتوں کے بعد اس نے سب سے اہم چیز کے بارے میں لکھا تھا: جرمنوں کو استالن گراد سے مار بھگایا گیا ہے، بہت سے جرمن مارے گئے اور لوگوں کا تو کہنا ہے کہ ان میں سے ایک بڑا جنرل تو قید بھی کر لیا گیا۔ ہاں اور جب وہ مار بھگائے گئے تو اولیا پانچ دن کی چھٹی پر کامی‌شین آئی تھی۔ وہ اس کے گھر ٹھہری تھی کیونکہ اولیا کا گھر بم سے اڑ گیا تھا۔ اب وہ انجنیرنگ دستے میں کام کرتی تھی اور لفٹیننٹ

کے عہدے پر مامور تھی۔ اس کا شانہ زخمی ہو گیا تھا لیکن اب وہ اچھی ہو گئی تھی اور اسے ایک تمغہ بھی دیا گیا تھا... کس قسم کا تمغہ ہاں بڑی بی کو ظاہر ہے یہ بتانے کا خیال نہ آیا۔ اس کے گھر میں قیام کے دوران میں اولیا مستقل سوتی رہتی اور جب جاگتی ہوتی تو صرف اس کے بارے میں بات کرتی رہتی۔ اور وہ تاش کے پتوں سے فال نکالتیں اور ہر بار اینٹ کی بیگم پھول کے بادشاہ کے اوپر نکلتی تھی۔ الکسئی کو خوب معلوم تھا کہ اس کا کیا مطلب ہوتا ہے! ماں نے لکھا تھا کہ جہاں تک اس کا تعلق ہے وہ خود اسی اینٹ کی بیگم سے بہتر بہو کی کوئی خواہش نہیں رکھتی۔

الکسئی بڑی بی کے اس بھولے تدبر پر مسکرایا اور اس نے بڑی احتیاط سے ''اینٹ کی بیگم،، کا سرمئی لفافہ کھولا۔ یہ کوئی لمبا خط نہ تھا۔ اولیا نے لکھا تھا کہ ''خندقوں،، کی کھدائی کے بعد اس کی ''انجنیرنگ بٹیلین،، کے بہترین کارکنوں کو باضابطہ فوجی انجنیرنگ دستے میں شامل کر لیا گیا تھا۔ اب اس کا عہدہ لفٹیننٹ ٹکنیشین کا تھا۔ اسی کے دستے نے، دشمنوں کی بمباری کے باوجود، ماماۓف کورگان کی مورچہ بندی کی تھی جو اب اتنا مشہور ہو چکا ہے۔ اسی دستے نے ٹریکٹر کے کارخانے کے چاروں طرف قلعہ‌بندی کی تھی اور اس کے لئے اسے ''سرخ پرچم،، کا تمغہ ملا ہے۔ اولیا نے لکھا تھا کہ ان پر بڑا کٹھن وقت آن پڑا ہے۔ ہرچیز کھرپیے سے لے کر ٹین کا گوشت تک والگا کی دوسری طرف سے لانا پڑتا ہے — اور اس پر برابر مشین گنوں کی بوچھار جاری رہتی ہے۔ اس نے لکھا تھا کہ شہر میں ایک عمارت بھی اپنی جگہ پر سلامت باقی نہیں رہی ہے۔ پوری سرزمین بموں کے بنائے ہوئے گڈھوں سے پٹی پڑی ہے اور چاند کی بہت ھی بڑی تصویر کی طرح نظر آتی ہے۔

اولیا نے لکھا تھا کہ جب وہ ھسپتال سے نکلی تو وہ اور اس کے دوسرے ساتھی کار میں استالن‌گراد کی سڑکوں پر نکالے گئے اور انھوں نے مردہ جرمنوں کے انبار دیکھے جو قبر میں سلائے جانے کے لئے جمع کئے گئے تھے۔ بہت سے اب تک سڑکوں کے کنارے کنارے پڑے ہوئے تھے۔ ''کتنا میرا جی چاہا کہ تمہارا دوست

ٹینک میں، جس کا پورا خاندان نیست و نابود ہو گیا، یہاں آ سکتا اور یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھہ سکتا۔ میں سچ کہتی ہوں یہ سب چیزیں فلمانی چاھئیں اور اس کے جیسے لوگوں کو دکھانا چاھئے۔ وہ دیکھیں کہ ہم نے دشمن سے کیسا انتقام لیا ہے!،، اس نے آخر میں لکھا تھا (الکسئی نے اس دھندلے جملے کو کئی بار پڑھا) کہ اب وہ محسوس کرتی ہے کہ وہ استالن گراد کی لڑائی کے بعد اس کے لائق ہو گئی ہے جو سورماؤں کا سورما ہے۔ یہ خط جلدی میں لکھا گیا تھا، کسی ریلوے اسٹیشن پر، جہاں گاڑی ذرا دیر کو رکی تھی۔ اسے معلوم نہ تھا کہ وہ لوگ کہاں جا رہے ہیں اور اس لئے اپنا ڈاک کا پتہ نہ لکھہ سکتی تھی۔ نتیجے کے طور پر، جب تک کہ اسے اس کا دوسرا خط نہ ملا، الکسئی اس کو نہ تو خط لکھہ سکا اور نہ یہ کہہ سکا کہ وہ لڑکی، وہ چھوٹی اور نازک لڑکی جس نے گھمسان کی جنگ میں اتنی جانفشانی سے کام لیا تھا، دراصل ''سورماؤں کی سورما،، تھی۔ اس نے لفافے کو الٹا اور اس نے صاف خط میں لکھا ہوا دیکھا: گارد جونئر لفٹیننٹ ٹکنیشین، اولگا...

جب کبھی الکسئی کو ہوائی اڈے پر مہلت ملتی تو وہ یہ خط نکالتا اور پھر پڑھتا اور بہت دنوں تک یہ خط، ہوائی اڈے کی کلیجہ چھلنی کرنے والی ٹھنڈک میں، اور ''۹ الف،، کے کلاس روم میں، جو اب تک اس کا مسکن تھا، اس کا دل گرماتا رہا۔

آخرکار، استاد ناؤموف نے اس کی جانچ والی اڑان کا ایک دن مقرر کر دیا۔ اس کو ایک ''اوت۔ ۲،، ہوائی جہاز اڑانا تھا اور اس اڑان کا معائنہ استاد کو نہیں بلکہ چیف آف اسٹاف کو کرنا تھا — اسی تگڑے، کھردرے نقوش والے، ہٹے کٹے لفٹیننٹ کرنل کو جس نے اس کے آنے پر اس کا استقبال اتنی سرد مہری سے کیا تھا۔

یہ جانتے ہوئے کہ زمین سے اس کی کڑی نگرانی ہو رہی ہے اور اس کی قسمت کا فیصلہ ہونے والا ہے، الکسئی نے اس دن ہوابازی میں کمال کر دیا۔ اس نے اس چھوٹے سے ہوائی‌جہاز کو اتنی چابکدستی اور خوبصورتی سے اڑایا کہ بے ساختہ لفٹیننٹ کرنل

کے منہ سے تعریف کے کلمے نکل نکل گئے۔ جب میریسئف ہوائی جہاز سے اترا اور چیف کے سامنے حاضر ہوا تو ناؤموف کی ایک ایک جھری سے جھانکتی ہوئی خوشی اور جوش سے تاڑ گیا کہ وہ امتحان میں پورا اترا۔

''تم ہوابازی کا ایک شاندار انداز رکھتے ہو! ہاں... تم ہی وہ ہواباز ہو جس کو میں کہتا ہوں کہ ''خود اللہ‌میاں نے اپنے ہاتھہ سے بنایا ہے،، لفٹیننٹ کرنل غرایا۔ ''سنو، کیا تم استاد کی حیثیت سے یہاں فرائض ادا کرنا چاہتے ہو؟ ہمیں تمہارے جیسے لوگوں کی ضرورت ہے۔،،

میریسئف نے دوٹوک انکار کر دیا۔

''اچھا، تم احمق ہو! لڑ تو کوئی بھی سکتا ہے لیکن یہاں تم لوگوں کو اڑنا سکھاؤگے۔،،

یکایک لفٹیننٹ کرنل کی نظر میریسئف کی چھڑی پر پڑی جس کے سہارے وہ کھڑا تھا۔ لفٹیننٹ کرنل کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

''تم سے اب تک وہ مصیبت چپکی ہوئی ہے!،، وہ گرجا ''لاؤ یہ مجھے دو! کیا تمہارا خیال ہے کہ تم چھڑی لے کر کسی پکنک پر جا رہے ہو؟ تم کسی ٹھنڈی سڑک پر نہیں ہو... نافرمانی کرنے کے جرم میں اڑتالیس گھنٹے گارد روم میں بند!.. بہترین ہواباز! دماغ چل گیا ہے! ابکے تم اپنے ہوائی‌جہاز کے دھڑ پر اینٹ کا اکہ بناتے نظر آؤگے! اڑتالیس گھنٹے! سنا تم نے کیا کہا میں نے؟،،

لفٹیننٹ کرنل نے میریسئف کے ہاتھہ سے چھڑی چھین لی اور ادھر ادھر کوئی چیز تلاش کرنے لگا جس پر پٹک کر اسے توڑ دے۔

''کامریڈ لفٹیننٹ کرنل مجھے کچھہ کہنے کی اجازت دیجئے! اس کے پیر نہیں ہیں،، استاد ناؤموف نے بیچ میں کہا۔

چیف آف اسٹاف کا چہرہ اور بھی سرخ ہو گیا۔ اس کی آنکھیں نکل پڑیں اور وہ زور زور سے سانس لینے لگا۔

''کیا مطلب؟ کیا تم مجھے الو بنانے کی کوشش کر رہے ہو؟ کیا استاد نے جو کچھہ کہا ہے سچ ہے؟،،

میریسئف نے سر ہلایا اور دزدیدہ نظروں سے اپنی قیمتی چھڑی

کی طرف دیکھا جو اس وقت تباہی کے خطرے میں گھری ہوئی تھی۔ واقعی اب وہ واسیلی‌وچ کے تحفے سے بالکل جدا نہ ہوتا تھا۔

لفٹیننٹ کرنل نے مشتبہ نظروں سے ان دوستوں کو دیکھا اور آواز کو کھینچتے ہوئے بولا:

''اچھا... اگر یہ بات ہے تو... پھر اپنے پیر دکھاؤ!.. ہونھہ!..''

الکسئی اول درجے کے بہترین سرٹیفکیٹ کے ساتھ ٹریننگ اسکول سے چلتا کیا گیا۔ جھلاتے ہوئے لفٹیننٹ کرنل نے، اس بوڑھے ''ہوائی بھیڑئیے'' نے سب سے زیادہ اس کے اس کمال کی تعریف کی اور جب تحسین و آفریں پر آیا تو اس نے کسی قسم کا بخل نہ دکھایا۔ اس نے سفارش کی کہ میریسئف ''چابکدست، تجربہ کار اور مضبوط قوت ارادی کا ہواباز ہے اور ہوابازی کے کسی بھی شعبے میں ہر قسم کے فرائض انجام دے سکتا ہے۔''

۱۰

میریسئف نے باقی جاڑا اور موسم بہار کے شروع کا زمانہ اعلی ہوابازی کے اسکول میں گزارا۔ یہ پرانی طرز کا ہوابازی کا اسکول تھا۔ اس میں ایک بہترین ہوائی اڈہ تھا، بہترین قیام گاہیں اور لاجواب کلب گھر تھا، جس کے اسٹیج پر بعض مرتبہ ماسکو کی تھیٹر کمپنیاں پروگرام پیش کرتی تھیں۔ یہ اسکول بھی کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ لیکن یہاں جنگ سے پہلے کے قاعدوں اور ضابطوں پر سختی سے عمل ہوتا تھا اور ٹریننگ پانے والے شاگردوں کو وردی وغیرہ کے معاملے میں چھوٹی چھوٹی باتوں کا بھی بہت خیال رکھنا پڑتا تھا، کیونکہ اگر بوٹ پر پالش نہ ہو، کوٹ کا ایک بٹن غائب ہو یا جلدی میں نقشے کا خول پیٹی کے اوپر باندھ لیا گیا ہو تو مجرم کو کمانڈنٹ کے حکم سے دو گھنٹے ڈرل کرنا پڑتی تھی۔

ہوابازوں کا ایک بڑا گروہ، جس میں الکسئی میریسئف شامل تھا، ایک نئی قسم کا سوویت لڑاکو ہوائی جہاز ''لا۔ ۵'' اڑانے

کی مشق حاصل کر رہا تھا۔ ٹریننگ بہت ہی مفصل قسم کی تھی جس میں انجن اور دوسرے حصوں کا مطالعہ بھی شامل تھا۔ لکچر کے وقت الکسئی یہ دیکھ کر بھونچکا رہ جاتا کہ اس کی غیرموجود گی کی مختصر مدت میں سوویت ہوابازی نے کتنی ترقی کرلی۔ جنگ کے شروع میں جو چیزیں ایک بڑا زوردار جدید کارنامہ معلوم ہوتی تھیں اب فرسودہ ہو گئی تھیں۔ تیز رفتار ''ابابیلیں'' اور سبک ''میگس'' جن کو جنگ کے شروع میں بڑا شاہکار تصور کیا جاتا تھا اب ہٹائے جا رہے تھے اور ان کی جگہ وہ ہوائی جہاز لے رہے تھے جو زمانہ جنگ میں ایجاد ہوئے اور اب دھڑا دھڑ کارخانوں سے نکل رہے تھے۔ جدید ترین ڈیزائن کے شاندار ''یاکس''، ''لا - ۵'' جو اب عام ہو چکے تھے، اور دو نشستوں والے ''ایل'' یہ اڑتے ہوئے ٹینک، جو زمین پر استرا سا پھیر دیتے اور دشمن پر گولیاں، بم اور شل برساتے چلے جاتے۔ جرمنوں نے ان کو اپنی بدحواسی میں ''کالی موت'' کا نام دے دیا تھا۔ جنگ آزما لوگوں کی حکمت اور دانش نے جو نئے ہوائی جہاز ایجاد کئے تھے، ان کی بدولت فضائی لڑائی کا فن بہت پیچیدہ ہو گیا تھا۔ ہواباز کے لئے اپنے ہوائی جہاز کا علم اور ناقابل تسخیر ہمت ہی کافی نہ تھی بلکہ ہوا میں جلدی سے رستے کی سدھ پا لینے اور فضائی لڑائی کو اس کے مختلف اجزا میں تقسیم کر دینے کی اور اکثر حکم کا انتظار کئے بغیر لڑائی کا فیصلہ کرنے اور اس کو تکمیل تک پہنچانے کی صلاحیت بھی ضروری تھی۔

یہ سب کچھ بہت دلچسپ تھا۔ لیکن خوفناک اور زوردار پیش قدمی کی جنگ تو محاذ پر ہو رہی تھی۔ اور روشن اور شاندار کلاس روم میں ایک آرام دہ اور سیاہ ڈھکن والے ڈسک کے سامنے بیٹھ کر لکچر سنتے ہوئے الکسئی میریسئف محاذ پر پہنچنے کے لئے تڑپتا رہتا۔ اس کا جی جنگ کی فضا میں سانس لینے کو مچلا کرتا۔ اس نے جسمانی درد پر قابو پانا سیکھ لیا تھا۔ اسے ناممکن کو ممکن کر دکھانے کا گر آ گیا تھا۔ لیکن مجبوراً لادی ہوئی بیکاری کی اکتاہٹ پر قابو پانے کی قوت ارادی سے محروم تھا اور بعض مرتبہ ہفتوں وہ اسکول کے چاروں طرف اداس اداس اور کھویا کھویا، بگڑے تیور کے ساتھ منڈلاتا رہتا۔

الکسئی کی خوش قسمتی سے، میجر استروچکوف بھی اس کے قیام کے زمانے میں اسکول میں موجود تھا۔ دونوں پرانے یاروں کی طرح ملے۔ استروچکوف الکسئی کے کوئی دو ہفتے بعد وہاں پہنچا اور پہنچتے ہی وہ اسکول کی زندگی میں غرق ہو گیا۔ اس نے خود کو فوراً وہاں کے انتہائی کٹھن قاعدے قانون کا عادی بنا لیا جو جنگ کے دنوں میں بڑے غیر معمولی معلوم ہوتے تھے۔ اس نے سب سے یاری گانٹھ لی۔ وہ الکسئی کی اداسی کی وجہ فوراً تاڑ گیا۔ رات کو غسل خانے سے خواب گاہ کی طرف جاتے ہوئے وہ مذاقاً الکسئی کی پسلیوں میں کہنی مارتا اور کہتا:

''ارے یار، دکھی نہ ہو! ہمارے لڑنے کو بہت کافی لڑائی باقی رہ جائیگی! دیکھتے نہیں اب تک ہم برلن سے کتنے دور ہیں! ابھی ہمیں میلوں آگے جانا ہے۔ ہمیں ہمارا حصہ ملیگا، گھبراؤ مت۔ خوب جی بھر کے لڑ لینگے۔''

ایک دوسرے سے جدائی کے ان دو تین مہینوں کے دوران میں میجر بہت دبلا ہو گیا تھا اور اس پر بڑھاپا سا آگیا تھا۔ وہ فوجیوں کی اصطلاح میں ''دل شکستہ'' نظر آتا تھا۔

جاڑے کے وسط میں اس ٹولی نے جس میں الکسئی اور استروچکوف شامل تھے، ہوابازی کی مشق شروع کر دی۔ اب تک الکسئی ہوائی جہاز ''لا - ۵'' سے اچھی طرح مانوس ہو چکا تھا۔ یہ ایک چھوٹا سا، چھوٹے چھوٹے پروں والا طیارہ تھا۔ اس کو دیکھ کر اڑتی ہوئی مچھلی کا گمان ہوتا تھا۔ اکثر، وقفے کے وقت وہ باہر ہوائی اڈے کی طرف نکل جاتا اور ان طیاروں کو تھوڑی دور دوڑنے کے بعد سیدھے آسمان میں بلند ہوتے اور رخ بدلتے ہوئے ہوائی جہازوں کے نیلے ''پیٹ'' کو دھوپ میں چمکتے دیکھتا۔ وہ کسی ایک ہوائی‌جہاز کے پاس جاتا، اس کا جائزہ لیتا، اس کے پروں کو تھپتھپاتا، اس کے پہلوؤں کو سہلاتا، جیسے یہ ہوائی‌جہاز نہیں بلکہ ایک خوبصورت، سدھایا اور سکھایا ہوا گھوڑا ہو۔ آخرکار وہ وقت آیا جب اس ٹولی کو اڑان کے لئے ایک صف میں کھڑا کیا گیا۔ ہر شخص اپنی صلاحیت اور فن کا امتحان لینے کے لئے بے چین تھا۔ جب وقت آیا تو ان میں ایک دبی دبی سی کشمکش شروع ہو گئی کہ کون پہلے ہوا میں بلند ہو۔ سب سے پہلے جس کو استاد نے

پکارا، وہ تھا استروچکوف۔ میجر کی آنکھیں چمک اٹھیں، وہ معنی خیز انداز سے مسکرایا اور اپنی ہوائی چھتری کا فیتہ باندھتے ہوئے اور کاک پٹ کی چھت بند کرتے ہوئے جوش میں سیٹی بجانے لگا۔

انجن گھنگھنانے اور گرجنے لگا اور ہوائی جہاز ہوائی اڈے پر زور سے دوڑا اور اپنے پیچھے سفوف جیسی برف کی ایک لکیر چھوڑ گیا جو دھوپ میں دھنک کی طرح چمکتی نظر آ رہی تھی۔ ایک آن میں ہوائی‌جہاز ہوا میں بلند تھا اور اس کے پر دھوپ میں چمک رہے تھے۔ استروچکوف نے ہوائی اڈے کے اوپر ایک چھوٹا سا چکر لگایا، کئی بار بڑی خوبصورتی سے کتراتا ہوا نکل گیا، ہوا میں قلابازیاں کھائیں اور بڑی چابکدستی سے تمام مقررہ کرتب پورے کئے، اچانک آنکھوں سے اوجھل ہو گیا اور یکایک پھر اسکول کی چھت کے پیچھے سے جھپٹا اور گرجتے ہوئے انجن کے ساتھ، پوری برق رفتاری سے ہوائی اڈے کے اوپر اوپر تیرتا چلا گیا اور نیچے کھڑے ہوابازوں کی ٹوپیاں چھوتا ہوا نکل گیا جو اپنی باری کا انتظار کر رہے تھے۔ ہوائی‌جہاز پھر غائب ہو گیا۔ لیکن وہ پھر جلد ہی واپس آ گیا اور بہت اطمینان سے نیچے اترا اور بڑی خوبصورتی سے میدان میں آ کر رک گیا۔ جب استروچکوف اچھل کر کاک پٹ سے نکلا تو مارے جوش و ہیجان کے کھلا جا رہا تھا۔ وہ اسکول کے لڑکے کی طرح خوشی سے پاگل ہو رہا تھا جیسے اپنی دلچسپ اور کامیاب شرارت پر نازاں ہو۔

"یہ مشین نہیں، یہ تو وائلن ہے۔ وائلن، خدا کی قسم وائلن ہے!" وہ ہانپتے ہوئے چلایا اور استاد کی بات کاٹ دی جو اس کے من چلے پن پر ڈانٹ پلا رہا تھا۔ "اس پر تو چائکوفسکی کی دھنیں بجائی جا سکتی ہیں... میں سچ کہتا ہوں!" اس نے میریسئف کو اپنے مضبوط بازوؤں میں جکڑتے ہوئے کہا۔ "زندگی خوب چیز ہے، الیوشا!"

واقعی یہ ایک لاجواب ہوائی جہاز تھا۔ ہر شخص کو اس پر اتفاق تھا۔ میریسئف کی باری آئی۔ اس نے اپنے پیروں کو فیتے کی مدد سے پیڈل سے باندھ دیا اور ہوا میں بلند ہو گیا۔ دفعتاً اس نے محسوس کیا کہ یہ گھوڑا اس کے جیسے بے پیر شہسوار کے لئے ضرورت سے زیادہ برق‌رو ہے۔ اس کے لئے مزید احتیاط کی

ضرورت تھی۔ جب ہوائی‌جہاز ہوا میں بلند ہوا تو میریسئف اور ہوائی‌جہاز میں وہ بھر پور اور شاندار یگانگت نہیں پیدا ہو سکی جو ہوابازی کو نشاط انگیز بناتی ہے۔ وہ بہت ہی عمدہ ہوائی جہاز تھا۔ وہ ایک ایک حرکت، اسٹیرنگ گئر پر ہاتھہ کی ایک ایک لرزش کو محسوس کرتا تھا اور فوراً اسی کے مطابق عمل شروع کر دیتا تھا۔ جہاں تک اس کی زودحسی کا تعلق ہے واقعی وہ وائلن کی طرح تھا۔ اب جاکر الکسئی کو اپنا ناقابل تلافی نقصان پوری طرح محسوس ہوا کہ اس کے نقلی پیر کتنے بے حس ہیں۔ اس نے محسوس کیا کہ اس قسم کے جہاز میں بہترین نقلی پیر، بہترین ٹریننگ کے باوجود، جیتے جاگتے، زود حس اور لچکیلے پیروں کی جگہ نہیں لے سکتے۔

ہوائی‌جہاز بڑی آسانی اور لچک کے ساتھہ ہوا کو کاٹتا ہوا اڑتا رہا اور اسٹیرنگ گئر کے ہلکے سے ہلکے اشارے پر لبیک کہتا رہا۔ لیکن الکسئی اس سے ڈر رہا تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ جب وہ رخ بدلتا ہے تو اس کے پیر ذرا سستی دکھاتے ہیں، ان میں وہ ہم آہنگی نہ تھی جو ہواباز کے لئے ایک قسم کا قدرتی رد عمل بن جاتی ہے۔ اس سستی سے تو ہوائی‌جہاز ناچ سکتا ہے اور یہ چیز ہلاکت آفریں ثابت ہو سکتی ہے۔ الکسئی نے خود کو پابند گھوڑے کی طرح محسوس کیا۔ وہ بزدل نہ تھا اور اس کو موت کا ڈر نہ تھا۔ وہ تو اپنی ہوائی چھتری کی جانچ کئے بغیر ہی ہوائی‌جہاز کو لے اڑا تھا۔ لیکن اسے ڈر تھا کہ ذرا بھی بھول چوک ہوئی تو اسے لڑاکو فوج سے چلتا کر دیا جائیگا اور اس کے محبوب‌ترین پیشے کا دروازہ ہمیشہ کے لئے اس پر بند ہو جائیگا۔ اس نے دگنی احتیاط سے کام لیا اور جب اس نے ہوائی جہاز اتارا تو خاصا بدحواس تھا۔ اپنے پیروں کی بے حسی کی وجہ سے اس نے بہت بے ڈھنگے پن سے ہوائی‌جہاز اتارا اور برف پر چند بار بھونڈے پن سے بھٹکا۔

الکسئی کاک‌پٹ سے اترا تو بالکل خاموش تھا اور اس کے تیور بگڑے ہوئے تھے۔ اس کے ساتھیوں نے اور استاد تک نے اپنی بوکھلاہٹ چھپاتے ہوئے اس کی تعریف کی اور اس کو مبارکباد دی۔ لیکن اس مروت سے اسے اور بھی صدمہ پہنچا۔ اس

نے ہاتھ کے اشارے سے ان کو ایک طرف ہٹایا اور بھٹک بھٹک کر اپنے پیر گھسیٹتے ہوئے اسکول کی سرمئی عمارت کی طرف چل دیا۔ ناکامی اور لڑا کو طیارے میں بیٹھنے کے بعد — جبکہ دو چار ہاتھ لب بام رہ گیا، اپریل کی اس صبح کے بعد، جب اس کا ہوائی جہاز چیڑ کے درختوں سے ٹکرایا تھا، یہ سب سے بڑا حادثہ تھا۔ اس نے نہ دن کا کھانا کھایا، نہ رات کے کھانے پر گیا۔ اسکول کے قاعدے کی خلاف‌ورزی کرتے ہوئے وہ دن کے وقت سر کے نیچے ہاتھ رکھے اور بوٹ چڑھائے اپنے بستر پر پڑا رہا۔ کسی نے بھی، جسے اس کے دکھ کا حال معلوم تھا، اسے برا بھلا نہیں کہا — نہ تو اس کے پاس سے گزرتے ہوئے افسروں نے اور نہ اسکول کے چپراسی نے۔ استروچکوف اندر آیا اور اس سے بات کرنے کی کوشش کی۔ لیکن جب اسے کوئی جواب نہیں ملا تو افسوس کے ساتھ سر جھٹکتے ہوئے واپس چلا گیا۔

کمرے سے استروچکوف کے جاتے ہی، اسکول کا سیاسی افسر، لفٹیننٹ کرنل کپوستین اندر آیا۔ وہ چھوٹے قد اور معمولی صورت شکل کا آدمی تھا۔ اس کی آنکھوں پر موٹے شیشوں کی عینک چڑھی ہوئی تھی۔ وہ ڈھیلی ڈھالی وردی پہنے ہوئے تھا جو اس کے جسم پر بورے کی طرح جھولتی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ یہاں کے شاگرد، بین الاقوامی مسائل پر اس کا لکچر سننے کے لئے جان دیتے تھے۔ ان لکچروں کے دوران میں یہ بھونڈا سا آدمی ان کے اندر فخر کا احساس پیدا کر دیتا تھا کہ وہ اس عظیم جنگ کے سپاہی ہیں۔ لیکن یہی شاگرد اس کو افسر کی حیثیت سے کوئی خاص اہمیت نہ دیتے تھے۔ وہ اسے ایک غیر فوجی آدمی تصور کرتے تھے جو اتفاق سے ہوائی فوج میں بھرتی ہو گیا ہو اور جسے ہوابازی کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہ ہو۔ میریسئف کی طرف کپوستین نے کوئی توجہ نہ دی اور کمرے میں چاروں طرف نظر دوڑائی، ہوا کو سونگھا اور یکایک غصے سے بولا:

"یہاں کس نے سگریٹ پی ہے؟ سگریٹ پینے کے لئے ایک کمرہ موجود ہے۔ کامریڈ سینئر لفٹیننٹ آخر اس کا کیا مطلب ہے؟"

''میں سگریٹ نہیں پیتا،، الکسئی نے بے نیازی سے کہا اور اپنے بستر پر پڑا رہا۔

''اور تم وہاں کیوں پڑے ہو؟ کیا تم قانون نہیں جانتے؟ جب تم سے کوئی بڑا افسر داخل ہو تو تم اٹھتے کیوں نہیں؟ اٹھو۔،،

یہ حکم نہ تھا ۔ اس کے برعکس یہ باتیں ایک غیر فوجی کے سے مہذب اور نرم انداز میں کہی گئی تھیں۔ لیکن میریسئف نے بے نیازی سے اس حکم کی تعمیل کردی اور اپنے بستر کے پاس ''اٹنشن،، کے پوز میں کھڑا رہا۔

''یہ ٹھیک ہے کامریڈ سینئر لفٹیننٹ،، کپوستین نے حوصلہ افزا انداز میں کہا ''اب بیٹھ جاؤ اور آؤ کچھ بات چیت کریں۔،،

''کس چیز کے بارے میں؟،،

''تمہارے بارے میں۔ آؤ باہر چلیں۔ میں سگریٹ پینا چاہتا ہوں۔ اور یہاں سگریٹ پینے کی اجازت نہیں۔،،

وہ باہر گلیارے میں چلے گئے جہاں مدھم روشنی ہو رہی تھی — بجلی کے بلب بلیک آؤٹ کی وجہ سے نیلے رنگے ہوئے تھے۔ وہ کھڑکی کے پاس کھڑے ہو گئے۔ کپوستین نے پائپ کے کش اڑانا شروع کئے۔ ہر کش کے ساتھ اس کا چوڑا اور فکرمند چہرہ چمک اٹھتا۔

''آج میں تمہارے استاد کی خبر لینا چاہتا ہوں،، اس نے کہا۔

''کس لئے؟،،

''اسکول کے افسروں کی اجازت کے بغیر تمہیں ہوائی‌جہاز میں اوپر بھیجا اس لئے... تم یوں مجھے کیوں گھور رہے ہو؟ حقیقت تو یہ ہے کہ میں خود ڈانٹ پھٹکار کا مستحق ہوں کہ تم سے پہلے بات چیت کیوں نہیں کی۔ میرے پاس وقت نہیں، ہر وقت مصروف رہتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں، لیکن... اچھا خیر اسے چھوڑو! دیکھو، میریسئف، ہوابازی تمہارے لئے ایسی آسان چیز نہیں اور اسی وجہ سے میں تمہارے استاد کی خبر لینا چاہتا ہوں۔،،

الکسئی نے کچھ نہ کہا۔ وہ حیران سوچتا رہا کہ یہ پائپ کے کش اڑانے والا شخص کس ڈھب کا آدمی ہے۔ کیا وہ دفتری

قسم کا آدمی تھا، جو اس وجہ سے جھنجلایا ہوا تھا کہ کسی نے اس کی حاکمانہ برتری کو نظر انداز کر دیا تھا اور اسکول کے ایک غیر معمولی واقعہ کی اسے اطلاع نہ دی تھی۔ یا وہ ایک حقیر افسر تھا جس نے قاعدوں میں وہ دفعہ تلاش کر لی تھی، جس کی رو سے ان لوگوں کے لئے ہوابازی ممنوع تھی، جن میں کوئی جسمانی خرابی یا معذوری ہو۔ یا کوئی سڑی تھا جو اپنی طاقت کی نمائش کے موقع کی تاک میں بیٹھا رہتا ہے۔ وہ چاہتا کیا ہے؟ آخر وہ ایسے وقت کیوں ٹپک پڑا جب ویسے ہی میریسئف کا دل ٹوٹا ہوا تھا اور اس کا جی چاہ رہا تھا اپنے گلے میں پھانسی کا پھندا ڈال لے...

اس کا جی چاہا کہ اس آدمی کو ٹھو کر مار کر وہاں سے باہر نکال دے۔ لیکن اس نے مشکل سے خود پر قابو پایا۔ مہینوں کے مصائب و آلام نے اسے کسی نتیجے تک پہنچنے میں جلد بازی سے بچنے کا سبق پڑھا دیا تھا۔ اس معمولی آدمی کپوستین میں کمیسار وروبیوف کی ہلکی ہلکی سی جھلک نظر آتی، جسے میریسئف کھرا انسان کہا کرتا تھا۔ کپوستین کے پائپ کی روشنی بھڑکتی اور بجھ جاتی۔ اس کا چوڑا چہرہ، موٹی ناک اور ذہین اور چبھتی ہوئی آنکھیں نیلگوں اندھیرے میں ابھرتیں اور پھر غائب ہو جاتیں۔ کپوستین بولتا رہا:

”سنو میریسئف، میں تمہاری تعریف کرنا نہیں چاہتا، لیکن چاہے تم جو بھی کہو، تم دنیا میں بے پیر کے واحد آدمی ہو جو لڑاکو ہوائی‌جہاز اڑا رہا ہے۔ واحد آدمی!“ اس نے پائپ کا اگلا حصہ کھولا اور اس میں جھانک کر مدھم بلب کو دیکھا اور بوکھلاہٹ کے عالم میں سر ہلایا: ”میں تمہارے لڑاکو فوجی دستے میں واپس جانے کی خواہش کے بارے میں بات نہیں کر رہا ہوں۔ واقعی یہ جذبہ قابل تعریف ہے۔ لیکن اس میں کوئی خاص بات نہیں۔ ایسے زمانے میں ہر شخص فتح حاصل کرنے کے لئے اپنے بس بھر سب کچھ کرتا ہے... آخر اس کمبخت پائپ کو کیا ہو گیا ہے؟“

اس نے پھر پائپ کے اگلے حصے کو صاف کرنا شروع کیا اور ایسا معلوم ہوا جیسے وہ پائپ میں کھویا ہوا ہے۔ لیکن الکسئی

کو یہ برا شگون معلوم ہوا، وہ اس کی بات سننے کو بے تاب تھا۔ کپوستین اپنے پائپ سے الجھتا رہا اور بولتا رہا جیسے اسے یہ جاننے کی پروا نہ ہو کہ اس کے الفاظ کا کیا اثر ہو رہا ہے۔

"یہ سینئر لفٹیننٹ الکسئی میریسئف کا ذاتی معاملہ نہیں ہے۔ نکتہ یہ ہے کہ تم بے پیر کے آدمی ہو، اور پھر بھی تم نے وہ ہنر اور مہارت حاصل کی ہے جواب تک دنیا کی نظر میں صرف ایسا آدمی حاصل کر سکتا ہے، جو جسمانی طور پر بالکل درست ہو، اور وہ بھی سو میں ایک آدمی۔ تم صرف شہری میریسئف نہیں ہو، تم ایک عظیم تجربہ کرنے والے ہو... اوہ! آخر میں نے اسے ٹھیک کر دیا! یقینی اس میں کچھ پھنس گیا ہوگا... اس لئے میں کہتا ہوں، ہم تم سے ایک معمولی ہواباز کا سلوک نہیں کر سکتے، ہمیں اس کا حق نہیں، سمجھے؟ تم نے ایک اہم تجربہ شروع کیا ہے اور ہمارا فرض یہ ہے کہ ہم ہر طرح اس میں تمہاری مدد کریں۔ لیکن کس طرح؟ یہ تم بتاؤ۔ ہم تمہاری مدد کس طرح کریں؟"

کپوستین نے دوبارہ پائپ بھرا، اسے جلایا اور بار بار سرخ روشنی ابھرنے اور غائب ہونے لگی، روشنی نے اس کے چوڑے چہرے اور موٹی ناک کو اندھیرے سے ابھارا اور پھر اندھیرے میں غرق کر دیا۔

اس نے وعدہ کیا کہ وہ اسکول کے چیف سے طے کریگا کہ میریسئف کے لئے مزید اڑانوں کا انتظام کیا جائے اور الکسئی سے کہا کہ وہ خود اپنے لئے ٹریننگ کا پروگرام مرتب کرے۔

"لیکن دیکھئے تو اس میں کتنا ایندھن برباد جائیگا!" الکسئی نے افسوس کے ساتھ کہا اور اس پر حیران رہ گیا کہ اس معمولی سے چھوٹے قد کے آدمی نے کتنی سادگی سے اس کے تمام اندیشوں کو ختم کر دیا۔

"بلاشبہ ایندھن اہم چیز ہے اور خاص طور پر ایسے وقت میں۔ ہم ایک ایک چلو تیل کا خیال کرتے ہیں۔ لیکن تیل سے بھی زیادہ قیمتی چیزیں ہیں" کپوستین نے جواب دیا اور اس کے بعد بڑی احتیاط سے اس نے پائپ کو اپنے بوٹ کی ایڑی پر مار کر راکھ جھاڑی۔

اگلے دن سے میریسئف نے اکیلے مشق کرنا شروع کی۔ اس نے یہ کام محض اس مستقل مزاجی کے ساتھ نہیں کیا جو چلنے، دوڑنے اور ناچنے کی مشق کرنے کے زمانے میں دکھائی تھی۔ اس نے یہ کام کچھ اس انداز سے کیا جیسے کوئی طاقت اسے اوپر اٹھا رہی ہو۔ اس نے ہوابازی کی ٹکنیک کا تجزیہ کرنے کی کوشش کی، ہر تفصیل کا مطالعہ کرنے، اس کو چھوٹی سے چھوٹی حرکتوں میں تقسیم کرنے کی کوشش کی اس نے ہر حرکت کو علیحدہ علیحدہ سیکھنے اور جاننے کی جدو جہد کی۔ اب وہ اس چیز کا مطالعہ کر رہا تھا جو اس نے جوانی میں خود بخود سیکھ لی تھی۔ وہ چیز جو اس نے پہلے مشق اور عادت سے سیکھی تھی، آج اسی کو ذہنی طور پر سیکھ رہا تھا۔ ذہنی طور پر وہ ہوابازی کے فن کے تمام اجزائے ترکیبی الگ الگ کرتا اور اس طرح اسے ان میں سے ہر حرکت کے لئے ایک خاص گر آ گیا اور اس نے اپنی تمام حسوں کو اپنے کٹے ہوئے پنجوں سے پنڈلیوں میں منتقل کر دیا۔

یہ کام بڑا ہی کٹھن اور جان جوکھوں کا تھا اور اس کا نتیجہ اتنا چھوٹا تھا کہ آسانی سے نظر نہ آ سکتا تھا۔ لیکن پھر بھی، ہر بار جب وہ ہوا میں بلند ہوتا تو محسوس کرتا کہ ہوائی جہاز زیادہ سے زیادہ اس سے ہم آہنگ ہوتا جا رہا ہے، وہ اس کا زیادہ سے زیادہ فرماں بردار بنتا جا رہا ہے۔

''اچھا، کہو کام کیسا چل رہا ہے، بھائی؟،، کپوستین سے ملاقات ہوتی تو وہ اس سے پوچھتا۔

جواب میں میریسئف انگوٹھا * دکھا دیتا۔ اس نے مبالغے سے کام نہیں لیا تھا۔ وہ ترقی کر رہا تھا، آہستہ آہستہ مگر یقینی۔ اور سب سے اہم بات یہ تھی کہ وہ اب خود کو کمزور سوار کی طرح برق پا اور بدکے ہوئے گھوڑے پر سوار محسوس نہیں کرتا تھا۔ اسے پھر سے اپنے ہنر پر اعتماد پیدا ہو گیا۔ معلوم ہوتا تھا اس بات کی خبر ہوائی جہاز کو بھی ہوتی جا رہی ہے اور ہوائی جہاز ایک جاندار چیز کی طرح، یک گھوڑے کی طرح جو

---

* روسی کسی چیز کو لاجواب کہنا چاہتے ہیں تو انگوٹھا دکھاتے ہیں۔

اپنی پیٹھ پر ایک اچھے شہسوار کو بھانپ لیتا ہے، زیادہ سے زیادہ فرماں بردار بنتا گیا اور رفتہ رفتہ اس نے اپنی پرواز کے سارے جوہر الکسئی پر عیاں کر دئیے۔

۱۱

بہت دن پہلے کی بات ہے۔ الکسئی کے لڑکپن کا زمانہ تھا۔ وہ والگا کے گھاٹ پر شروع شروع کی چکنی اور شیشے کی طرح چمکتی ہوئی برف پر اسکیٹنگ سیکھنے جایا کرتا تھا۔ واقعہ تو یہ ہے کہ اس کے پاس اسکیٹ نہیں تھے۔ اسکیٹ خریدنا اس کی ماں کے بس کا روگ نہ تھا۔ ہاں جس لوہار کے ہاں اس کی ماں دھلائی وغیرہ کا کام کیا کرتی تھی، اس نے ماں کی التجا پر، لکڑی کے بلاک بنا دئیے تھے جس کے نیچے موٹے موٹے تار لگے ہوئے تھے۔

الکسئی نے ڈور اور لکڑی کے ٹکڑوں کی مدد سے ان بلاکوں کو اپنے پرانے اور پیوند زدہ فیلٹ بوٹوں سے باندھ دیا۔ ان پر چلتا ہوا وہ دریا تک گیا اور دھنستی ہوئی اور ترنم کے ساتھ چرچراتی ہوئی پتلی برف پر جا کھڑا ہوا۔ کامی‌شین کے آس پاس کے سارے لڑکے خوشی کے نعرے لگاتے ہوئے چھوٹے چھوٹے شیطانوں کی طرح کد کڑے لگاتے، ایک دوسرے کے پیچھے دوڑتے، پھسلتے اور تیرتے نظر آ رہے تھے۔ وہ اپنے اسکیٹوں پر اچھل کود رہے تھے اور ناچ رہے تھے۔ ان کی رفتار اور چال ڈھال میں بے ساختہ پن اور روانی تھی۔ لیکن الکسئی جیسے ہی قدم رکھتا برف اس کے پیروں کے نیچے سے سرکتی ہوئی معلوم ہوتی اور وہ چاروں خانے چت گر جاتا اور چوٹ کھاتا۔ وہ فوراً اچھل کر کھڑا ہو جاتا۔ ڈرتا کہ کہیں اس کے ساتھی تاڑ نہ جائیں کہ اسے کہیں چوٹ لگی ہے۔ وہ دوبارہ اسکیٹنگ کرنے کی کوشش کرتا اور چت گرنے سے بچنے کی کوشش میں آگے بڑھتا، ایک قدم اور پھر منہ کے بل گرتا۔ وہ اچھل کر اٹھتا اور کانپتی ہوئی ٹانگوں پر کھڑا ہو جاتا اور یہ سوچنے کی کوشش کرتا کہ یہ کیوں کر ہوا اور دوسرے لڑکوں کو دیکھتا کہ وہ کس طرح اسکیٹنگ کرتے ہیں۔ اب اسے معلوم ہوا کہ

اپنے جسم کو نہ بہت زیادہ آگے جھکانا چاہئے اور نہ پیچھے۔ اس نے اپنے جسم کو سیدھا تان کر چند قدم پہلو کی طرف اٹھائے اور ابکے پہلو کے بل گرا۔ اس طرح وہ شام تک باربار گرتا اور اٹھتا رہتا اور جب وہ سر سے پاؤں تک برف سے اٹا ہوا تھکی تھکی اور کانپتی ہوئی ٹانگوں کے ساتھ گھر لوٹا تو اس کی ماں کا دل جل گیا۔

لیکن اگلی صبح پھر وہ برف پر واپس پہنچ لیا۔ اب وہ زیادہ اعتماد کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا، اب وہ اتنا بار بار نہ گرتا اور دوڑ کر کئی میٹر تک پھسلتا چلا جاتا۔ لیکن اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود اس سے آگے ترقی نہ کر سکا حالانکہ وہ صبح سے شام تک برف پر ڈٹا رہا۔

الکسئی اس سرد اور برفیلے طوفانی دن کو کبھی نہ بھلا سکا جب چمکتی ہوئی منجمد برف پر سفوف جیسی برف اڑ رہی تھی۔ اس دن الکسئی نے خوش قسمتی سے صحیح قدم اٹھایا اور خود ہی یہ دیکھ کر بھونچکا رہ گیا کہ وہ بس پھسلتا چلا جا رہا ہے، ہر نئے چکر کے ساتھ اس کی رفتار زیادہ تیز ہوتی گئی اور اس کا اعتماد بڑھتا گیا۔ یہ سارا تجربہ، جو اس نے باربار گرنے اور چوٹ کھانے اور باربار اپنی کوشش کو دوہرانے کے دوران میں جمع کیا تھا — اس نے جو کچھ بھی چھوٹے چھوٹے گر سیکھے تھے اور عادتیں ڈالی تھیں، اچانک ایک دوسرے میں مدغم ہو کر ایک ہوتی ہوئی معلوم ہوئیں۔ اور اب اس نے اپنی ٹانگوں سے کام لینا شروع کر دیا اور محسوس کرنے لگا کہ اس کے پورے جسم میں لڑکپن، تفریح و نشاط اور ثابت قدمی سے بھرے ہوئے اس کے پورے وجود میں گداز اور فرحت انگیز اعتماد پیدا ہو رہا ہے۔

اب کے بھی اس کے ساتھ یہی کچھ پیش آیا۔ وہ کئی بار پوری ثابت قدمی کے ساتھ ہوائی جہاز لے کر ہوا میں بلند ہوا۔ اس نے پھر خود کو ہوائی جہاز میں جذب کر دینے اور اپنے نقلی پیروں کے چمڑے اور الیمونیم کے ذریعہ اس کو محسوس کرنے کی کوشش کی۔ کبھی کبھی وہ سوچتا کہ وہ کامیاب ہو رہا ہے اور یہ محسوس کرکے اس کا دل باغ باغ ہو جاتا۔ اس نے کوئی کرتب دکھانے کی کوشش کی لیکن فوراً بھانپ لیا کہ اس کے اس عمل میں اعتماد کی کمی ہے۔ ہوائی جہاز جھجکتا اور ہاتھ سے نکلتا ہوا

محسوس ہوا اور اس نے بڑی تلخی سے امید کی کلی کو مرجھاتے ہوئے محسوس کیا اور دل گھبرا دینے والی بے جان پرواز شروع کر دی۔

لیکن مارچ میں ایک دن، جب برف پگھل رہی تھی، صبح صبح ہوائی اڈے کی برف سیاہ پڑ گئی، نرم نرم برف اتنا زیادہ دھنسنے لگی کہ ہوائی جہاز برف پر گہری لیک چھوڑ جاتے۔ الکسئی ایک لڑاکو ہوائی جہاز اڑاتا ہوا ہوا میں بلند ہوا۔ ایک طرف کی ہوا کے جھونکے ہوائی جہاز کو اپنے رخ سے ہٹا دیتے۔ الکسئی کو باربار ہوائی جہاز کو ٹھیک رخ پر لانا پڑتا۔ ہوائی جہاز کو ٹھیک رخ پر ڈالنے کی کوشش کرتے ہوئے اس نے یکایک محسوس کیا کہ ہوائی جہاز اس کا فرماں بردار ہے اس کا پورا وجود ہوائی جہاز کو محسوس کر رہا تھا۔ یہ احساس بجلی کی کوند کی طرح چمکا اور شروع میں وہ اس پر یقین نہ کر سکا۔ اسے اتنی مایوسیاں نصیب ہوئی تھیں کہ اسے اپنی اس خوش نصیبی پر فوراً یقین نہ آ سکا۔

اس نے تیزی سے دائیں ہاتھ کو ہوائی جہاز کا رخ کاٹا۔ ہوائی جہاز نے پوری فرماں برداری سے ٹھیک ٹھیک اس کی تعمیل کی۔ اس کو بالکل ویسا ہی احساس ہوا جیسا والگا کے کنارے سیاہ اور سخت برف پر ہوا تھا۔ ایسا لگا کہ بوجھل اور پھیکا دن یکایک روشن اور تابناک ہو گیا ہے۔ اس کا دل مارے خوشی کے تیزی سے دھڑکنے لگا اور مارے جذبات کے اس نے محسوس کیا جیسے اس کا گلا گھٹ رہا ہو۔

ایک ان دیکھی سرحد پر پہنچ کر، اس کی تمام تر ثابت قدم کوششوں کا امتحان ہوا۔ وہ اس سرحد سے نکل گیا اور اب اس نے ان انگنت دنوں کی جفاکشی کے پھل کا مزا بغیر کسی دشواری اور تھکن کے اٹھانا شروع کیا۔ اس نے وہ خاص چیز حاصل کر لی تھی جس کو حاصل کرنے کی ناکام کوشش وہ اتنے دنوں سے کر رہا تھا — وہ ہوائی جہاز میں مدغم ہو گیا تھا۔ اسے محسوس ہوتا تھا کہ وہ اس کے جسم کا ہی حصہ ہے۔ اب بے حس اور بے جان نقلی پیر اس چیز میں رکاوٹ نہ تھے۔ اس کے رگ وپے میں سرشاری اور مسرت کی لہریں سی دوڑنے لگیں اور اس نے کئی بار ہوائی جہاز

کو زور سے کاٹا، غوطہ لگایا اور کرتب ختم کرتے ہی ہوائی جہاز کو نچاتے ہوئے زمین کی طرف گرایا۔ زمین سیٹی بجاتی ہوئی تیزی سے بھنور کی طرح ناچنے لگی اور ہوائی اڈہ، اسکول کی عمارت، موسمیاتی اسٹیشن کا مینار، اپنی دھاری دار اور ہوا سے پھولی ہوئی آستین کے ساتھ — ایک مسلسل دائرے میں ناچنے لگے۔ اس نے ایک پراعتماد جنبش سے ہوائی جہاز کو اس گرداب سے نکالا اور ایک بار اور زور سے اوپر کو جھپٹا۔ اب جا کر اس وقت کے مشہور ہوائی جہاز ”لا - ۵“ نے اپنی تمام جانی اور انجانی خوبیاں اس پر کھول دیں۔ تجربہ کار ہاتھوں میں یہ ہوائی جہاز کیا چیز تھی! وہ اسٹیرنگ گئر کے ایک ایک اشارے پر ناچتا تھا، وہ بہت ہی مشکل اور نازک قسم کے کرتب آسانی سے کرتا تھا اور بالکل تیر کی طرح ہوا کو چیرتا ہوا فضا میں بلند ہوتا چلا جاتا تھا، پھرتیلا، چست اور تیز۔

میریسئف کاک‌پٹ سے نکلا تو جھوم رہا تھا، جیسے نشے میں ہو۔ اس کے پھیلے ہوئے ہونٹوں پر احمقانہ مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی۔ اس نے غصے میں بپھرے ہوئے استاد کو نہیں دیکھا اور نہ اس کی ڈانٹ پھٹکار سنی۔ اسے بکنے دو! گارد روم؟ اچھا اچھا وہ گارد روم کی سزا بھگتنے کو تیار تھا۔ اب اس سے کیا فرق پڑ سکتا تھا؟ ایک بات صاف تھی — وہ ہواباز تھا اور اچھا ہواباز! اس کی ٹریننگ پر جو فاضل پٹرول خرچ ہوا تھا وہ اکارت نہیں گیا۔ وہ اس خرچ کا بدلہ سو گنا ادا کر دیگا۔ ہاں بس یہ لوگ اسے محاذ پر بھیج دیں۔

اس کے کوارٹر میں ایک خوشگوار اور غیر متوقع چیز اس کا انتظار کر رہی تھی۔ اس کے تکیے پر گووزدیف کا خط پڑا ہوا تھا۔ اپنی منزل تک پہنچنے سے پہلے یہ خط کہاں کہاں، کتنے دنوں اور کس کس کی جیب میں مارا مارا پھرا تھا۔ یہ بتانا مشکل تھا کیونکہ لفافہ مڑاتڑا، میلا کچیلا اور تیل سے داغ داغ تھا۔ یہ ایک صاف لفافے میں رکھا ہوا تھا جس پر انیوتا کے ہاتھ کا پتہ لکھا ہوا تھا۔

ٹینک مین نے لکھا تھا کہ ایک بہت ہی بری بات ہوئی۔ ایک جرمن ہوائی جہاز کے پر سے اس کے سر میں چوٹ آ گئی

تھی! وہ اس وقت کور کے ہسپتال میں تھا۔ اسے امید تھی کہ دو تین دن میں چھٹکارا مل جائیگا۔ اور یہ عجیب حادثہ اس طرح ہوا: جب استالن گراد میں چھٹی جرمن فوج کا راستہ کٹ گیا تو گووزدیف کا ٹینک دستہ، بھاگتے ہوئے جرمنوں کے محاذ میں گھس گیا اور جو دراڑ پڑ گئی تھی، اس میں سے گزرتے ہوئے اسٹیپی میدانوں میں، جرمن محاذ کے عقب میں جا نکلا۔ اس چھاپے میں ایک بٹیلین کی کمان گووزدیف کے ہاتھہ میں تھی۔

یہ ایک لاجواب چھاپہ تھا! فولادی بیڑہ جرمنوں کے عقب پر ٹوٹ پڑا، یہ مورچہ بند گاوؤں اور ریلوے جنکشنوں پر جھپٹا اور ان پر بجلی کی طرح ٹوٹا۔ ٹینک سڑکوں پر دوڑتے چلے گئے اور جو فوجیں ان کے راستے میں آئیں، انہیں گولیوں سے چھلنی کرتے اور کچلتے ہوئے آگے بڑھتے رہے اور جب جرمن دستے بھاگ کھڑے ہوئے تو ٹینکوں اور موٹر سوار فوج نے گولے بارود کے خزانوں اور پلوں کو اڑا دیا، ریلوے کے سوئچوں اور انجنوں کارخ بدلنے والے چاک کو برباد کر دیا اور اس طرح بھاگتے ہوئے جرمنوں کی ریلوں کا راستہ بند کر دیا۔ انہوں نے ازسر نو ٹینکوں میں ایندھن بھرا اور قبضے میں آئے ہوئے مال غنیمت سے خود کو لیس کیا اور اس سے پہلے کہ جرمنوں کے دم میں دم آئے انہوں نے پھر آگے بڑھنا شروع کر دیا۔ جرمنوں کو یہ معلوم کرنے کا موقع بھی نہیں مل سکا کہ اب ٹینکوں کا رخ کس طرف ہے۔

''ہم اسٹیپی میدانوں میں بودیونی کی گھوڑ سوار فوج کی طرح تیز تیز بڑھتے رہے، الیوشا! جرمنوں کے چھکے چھوٹ گئے! تمہیں یقین نہیں آئیگا مگر بعض مرتبہ ہم نے تین ٹینکوں اور ایک مقبوضہ بکتربند موٹر سے پورے پورے دیہاتوں اور ذخیروں پر قبضہ کیا۔ الیوشا، جنگ میں بھگدڑ اور گھبراہٹ بڑا کام کرتی ہے۔ دشمنوں میں ایک بار اچھی طرح بھگدڑ مچ جائے تو پھر وہ دو ڈویژنوں کے زبردست حملوں کے برابر ہے۔ صرف اس کی ضرورت ہے کہ اس کو بڑی چالاکی اور چابکدستی سے جاری رکھا جائے — بالکل الاؤ کی طرح۔ ایندھن — یعنی غیر متوقع واروں کا سلسلہ رکنے نہ پائے اور آگ بجھنے نہ پائے۔ ہم جرمن اسلحہ خانے میں گھسے تو ہمیں وہاں چراند بھرے ڈھیر کے سوا اور کچھہ نہ دکھائی دیا۔ ہم

ان کے درمیان سے یوں نکلتے چلے گئے جس طرح چھری پنیر کو کاٹتی چلی جائے۔

"...اور یہ دلچسپ تماشا یوں ہوا: ہمارے اعلی افسر نے ہمیں بلایا اور کہا کہ اسکاؤٹنگ کرنے والے ایک ہوائی جہاز نے یہ پیغام دیا ہے کہ فلاں فلاں جگہ ایک بہت بڑا ہوائی اڈہ ہے۔ کوئی تین سو ہوائی جہاز ایندھن، اور سامان جنگ۔ اس نے اپنی لال مونچھوں پر تاؤ دیا اور بولا 'گووزدیف، آج رات کو اس ہوائی اڈے کی طرف چل دو۔ بالکل دبے پاؤں جاؤ، ایک بار بھی گولی نہ چلاؤ، گویا تم جرمن ہو، اور جب تم کافی قریب پہنچ جاؤ تو ان پر ٹوٹ پڑو، اپنی تمام توپوں سے آگ برساؤ اور اس سے پہلے کہ ان کو اور چھور کا پتہ چلے سب تہس نہس کرکے رکھہ دو — اور ہاں ایک بد معاش بھی ہاتھہ سے نکلنے نہ پائے۔ یہ کام ہماری ٹولی اور ایک اور بٹیلین کے سپرد ہوا جو میری کمان میں دے دی گئی تھی۔ باقی دستہ روستوف کی طرف بڑھہ گیا۔

"ہاں ہم اس ہوائی اڈے تک یوں پہنچ گئے جیسے لومڑی مرغی خانے میں گھستی ہے۔ تم یقین نہیں کروگے الیوشا، لیکن ہم بالکل وہاں تک پہنچ گئے جہاں ٹریفک کے جرمن سپاہی کھڑے تھے۔ ہم ہوائی اڈے کے پاس پہنچ گئے اور ہمیں کسی نے نہیں روکا۔ صبح دھند میں لپٹی ہوئی تھی اور ان کو کچھہ بھی نظر نہ آیا۔ وہ صرف انجن کی آواز سن سکے اور ٹینکوں کی گھڑ گھڑاہٹ۔ وہ سمجھے کہ ہم جرمن ہیں۔ اب ہم نے پر پھڑ پھڑائے اور ان پر ٹوٹ پڑے۔ میں کہتا ہوں الیوشا، خوب تفریح رہی! ہوائی جہاز قطاروں میں کھڑے تھے۔ ہم نے بکتر توڑ گولیاں برسائیں۔ ہر بوچھار سے کم از کم پانچ چھہ ہوائی جہاز چھلنی ہو جاتے تھے۔ لیکن ہم نے دیکھا کہ ہم اس طرح کام پورا نہیں کر سکینگے۔ کیونکہ ہوائی جہازوں کے عملے کے بعض لوگ جو ذرا ہیاؤ والے تھے، اپنے انجنوں کو چالو کرنے لگے۔ اس لئے ہم نے اپنی کھڑکیاں بند کیں اور ان کی دموں سے جا ٹکرائے۔ یہ ٹرانسپورٹ کے ہوائی جہاز تھے، بڑے لمبے چوڑے، بھاری بھر کم۔ ہم ان کے انجنوں کو نشانہ نہیں بنا سکتے تھے۔ اس لئے ہم نے ان کی دموں کو نشانہ بنایا۔ ظاہر ہے جس طرح وہ انجنوں کے بغیر نہیں اڑ سکتے تھے، اسی طرح

دموں کے بغیر بھی وہ نہیں اڑ سکتے تھے۔ اور یہیں میں چت ہوا۔ میں نے کھڑکی کھولی اور یہ دیکھنا چاہا کہ کیا رنگ ہے گرد و پیش کا۔ اور ٹھیک اسی آن میرا ٹینک ایک ہوائی جہاز سے بھڑ گیا۔ اس کے پر کا ایک ٹکڑا اڑا اور میرے سر سے ٹکرایا۔ وہ تو خیر ہوئی کہ میرے خود نے ذرا چوٹ کی شدت کم کر دی ورنہ میرا تو ٹکٹ کٹ گیا تھا... اب سب ٹھیک ٹھاک ہے اور میں جلد ھی ہسپتال سے نکل کر اپنے ٹینک چلانے والے یاروں کے درمیان ہونگا۔ اصلی مصیبت یہ ہے کہ ان لوگوں نے ہسپتال میں میری داڑھی صفا چٹ کر دی۔ ذرا سوچو میں نے کتنی مصیبت سے یہ داڑھی اگائی تھی — بڑی اچھی، چوڑی چکلی داڑھی تھی۔ آئے اور صاف کرکے چلتے بنے اور انہیں ذرا رحم نہ آیا۔ خیر جہنم میں جائے داڑھی! ہم بہت تیزی سے آگے بڑھ رہے ھیں لیکن پھر بھی امید ہے کہ جنگ ختم ہوتے ہوتے میں دوسری داڑھی اگا لونگا اور اپنی بد صورتی پر پردہ ڈال لونگا۔ ہاں لیکن تمہیں بتا دوں الیوشا، نہ جانے کیوں انیوتا میری داڑھی کے خلاف ہو گئی ہے اور ہر خط میں صلواتیں سناتی ہے۔،،

خط بہت لمبا چوڑا تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ گووزدیف نے یہ خط ہسپتال کی بوریت کو دور کرنے کے لئے لکھا تھا۔ اس نے خط کے آخر میں یہ بھی لکھا تھا کہ استالن گراد کے قریب، جب وہ اور اس کے ساتھی بغیر ٹینکوں کے لڑ رہے تھے (ان کے ٹینک جاتے رہے تھے اور وہ نئے ٹینکوں کا انتظار کر رہے تھے) تو مشہور مامائف کورگان کے علاقے میں اس کی ملاقات استیپان ایوانووچ سے ہوئی۔ بڈھے نے ایک ٹریننگ کورس پورا کر لیا تھا اور غیر کمیشن یافتہ افسر ہو گیا تھا — ایک ٹینک توڑ رائفل کی پلٹن کا کمانڈر، سرجنٹ میجر۔ لیکن اس نے نشانہ بازی کی عادت نہیں چھوڑی تھی۔ جیسا کہ اس نے گووزدیف سے کہا تھا فرق صرف یہ تھا کہ اب وہ بڑے شکاروں کی تاک میں رہتا تھا — اب اس کا شکار محض بے پروا فاشست نہیں تھے جو اپنی اپنی خندقوں سے دھوپ اشنان کے لئے نکلتے تھے، اب اس کا شکار مضبوط اور کائیاں درندے — جرمن ٹینک تھے۔ لیکن اس شکار کو نشانہ بناتے ہوئے بھی یہ بڈھا سابق سائبیریائی نشانہ باز کی پہلی والی چابکدستی اور ہنرمندی، انتہائی صبر و تحمل

اور لاجواب نشانے کا مظاہرہ کرتا ہے۔ جب وہ ملے تو انہوں نے مال غنیمت میں ملی ہوئی ایک گھٹیا شراب کی بوتل میں حصہ بٹایا جو دور اندیش استیپان ایوانووچ نے احتیاط سے رکھ چھوڑی تھی۔ شراب پیتے ہوئے اس نے اپنے تمام دوستوں کو یاد کیا۔ استیپان ایوانووچ نے کہا تھا کہ میریسئف کو اس کا سلام پہنچا دیا جائے اور اس نے ہم دونوں کو جنگ کے بعد اپنے پنچائتی فارم آکر ملنے اور گلہریوں یا چھوٹی بطخوں کے شکار پر چلنے کی دعوت دی۔

اس خط نے الکسئی کے دل پر پھایا رکھا اور ساتھ ہی اسے غمگین بھی کر دیا۔ وارڈ نمبر بیالیس والے اس کے تمام ساتھی دوبارہ بہت دنوں سے لڑ رہے تھے۔ اب اس وقت، گریشا گووزدیف اور بوڑھا استیپان ایوانووچ کہاں تھے؟ کس طرح ان کی زندگی بسر ہو رہی تھی؟ جنگ کی لہر انہیں کس خطے میں بہا لے گئی تھی؟ کیا وہ زندہ تھے؟ اولیا کہاں تھی؟

پھر اسے کمیسار وروبیوف کی بات یاد آئی۔ اس نے کہا تھا کہ سپاہیوں کے خط بجھے ہوئے ستاروں کی روشنی کی طرح ہیں جو ہم تک پہنچتے پہنچتے ایک جگ بتا دیتی ہے۔ اس لئے کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ستارا بہت پہلے بجھ چکا ہوتا ہے لیکن اس کی تابناک اور دل کی کلی کھلانے والے روشنی خلا کو چیرتی ہوئی آتی ہے اور ہم تک بجھے ہوئے ستارے کی نرم تب و تاب پہنچاتی رہتی ہے۔

چوتھا حصہ

۱

۱۹۴۳ء کی گرمیوں میں ایک دن، جب فضا گرم تھی، ایک خستہ حال ٹرک اس سڑک پر بھاگا چلا جا رہا تھا جو ویران کھیتوں کے درمیان دوڑتی چلی گئی تھی، جن میں سرخی مائل گھاس پھوس اگی ہوئی تھی۔ ٹرک گڈھوں میں دھچکے کھاتا اور گھڑ گھڑاتا محاذ کی طرف چلا جا رہا تھا۔ اس کے ٹوٹے پھوٹے اور گرد سے اٹے ہوئے دونوں پہلوؤں پر سفید رنگ سے لکھی ہوئی یہ عبارت دھندلی دھندلی نظر آ رہی تھی ''میدان جنگ کی ڈاک''۔ ٹرک آگے بڑھ رہا تھا اور اپنے پیچھے سرمئی دھول کے بڑے بڑے بادل چھوڑے جا رہا تھا۔ بادل اٹھتے اور گھٹی ہوئی خاموش ہوا میں آہستہ آہستہ پھیل جاتے۔

ٹرک ڈاک کے تھیلوں اور تازہ اخباروں کے پلندوں سے بھرا ہوا تھا۔ اس میں دو فوجی بیٹھے تھے۔ وہ ہوابازوں کی وردی پہنے ہوئے تھے۔ ان کے سروں پر اونچی اونچی ٹوپیاں تھیں جن پر نیلے فیتے لگے ہوئے تھے۔ وہ بھی ٹرک کے دھچکوں اور جھٹکوں کے ساتھ اچھل اور جھوم رہے تھے۔ دونوں میں سے چھوٹی عمر کا ہواباز، اپنے شانوں پر ٹنکے ہوئے بالکل نئے بلے سے ہوائی فوج کا سرجنٹ میجر معلوم ہوتا تھا۔ سنہری بالوں والے اس نوجوان کا بدن چھریرا اور بڑا سڈول تھا۔ اس کے چہرے میں کنوارپن کی ایسی لطیف نرمی تھی کہ لگتا تھا اس کی دمکتی ہوئی جلد کے نیچے سے خون جھلک رہا ہے۔ اس کی عمر کوئی انیس برس ہو گی۔ وہ سرد و گرم دیکھے ہوئے پختہ کار سپاہی کی طرح پیش آنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ دانت پیس کر تھوکتا، بھاری آواز میں گالیاں

بکتا، انگلی جتنی موٹی سگریٹ بناتا اور ہر چیز سے بے پروا نظر آنے کی کوشش کرتا۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود یہ بات صاف تھی کہ وہ محاذ پر پہلی بار جا رہا تھا اور گھبرایا ہوا تھا۔ گرد و پیش کی ہر چیز — سڑک کے کنارے منہ کے بل زمین پر پڑی ہوئی ٹوٹی پھوٹی توپ، کوئی سوویت ٹینک جس کے برج تک گھاس اگ آئی تھی، ایک جرمن ٹینک کا ٹوٹا پھوٹا ڈھانچہ جو یقیناً کسی بم کا براہ راست نشانہ بن کر ٹھنڈا ہو گیا تھا، بموں کے بنائے ہوئے گڈھے جو گھاس سے بھرے ہوئے تھے، ندی پر پڑے ہوئے پل کے پاس مائنوں کا ڈھیر جو انجنیرنگ دستے نے سڑک سے ہٹائی تھیں اور دور نظر آتے ہوئے جرمن سپاہیوں کے قبرستان میں برچ کی لکڑی کی صلیبیں — غرض جنگوں کی یہ تمام نشانیاں جو یہاں لڑی گئی تھیں اور جن کو دیکھ کر ایک پرانا تجربہ کار سپاہی کوئی خاص توجہ نہ دیتا — ہاں ان میں سے ہر چیز اس لڑکے میں حیرت اور تعجب کے جذبات پیدا کر رہی تھی۔ ان میں سے ہر چیز اسے خاص معنویت، اہمیت اور دلچسپی کی چیز معلوم ہو رہی تھی۔

دوسری طرف، یہ صاف نظر آ سکتا تھا کہ اس کا ساتھی، جو سینئر لفٹیننٹ تھا، واقعی پرانا سپاہی تھا اور بہت کچھ سرد گرم دیکھ چکا تھا۔ پہلی نظر میں تو وہ تیئیس چوبیس برس کا نوجوان معلوم ہوتا تھا۔ لیکن اس کے سنولائے ہوئے اور زمانے کا سرد گرم جھیلے ہوئے چہرے اور آنکھوں کے گرد اور منہ اور پیشانی پر باریک باریک جھریوں کو دیکھ کر، اور اس کی سیاہ، سوچ میں ڈوبی ہوئی، تھکی تھکی آنکھوں میں جھانک کر دیکھنے سے اندازہ ہوتا تھا کہ اس کی عمر دس برس زیادہ ہے۔ ان قدرتی مناظر کا اس پر کوئی خاص اثر نہیں ہو رہا تھا۔ ادھر ادھر بم سے ٹوٹی پھوٹی زنگ آلود مشینوں کا ملبہ بکھرا دیکھ کر اس کو ذرا حیرت نہ ہوتی تھی۔ جب ٹرک ایسے دیہاتوں کے درمیان سے گزرتا جو جل کر راکھ ہو گئے تھے، تو ان کو دیکھ کر بھی اسے حیرت نہ ہوتی، اسے گرے ہوئے سوویت ہوائی جہاز کو دیکھ کر بھی تعجب نہ ہوا جو اینٹھے اور ٹوٹے ہوئے المونیم کا ڈھیر بن گیا تھا، ذرا دور ہٹ کر، اس کا تباہ حال انجن پڑا تھا اور بالکل پاش پاش دم، جس پر ایک سرخ ستارہ اور نمبر چمک

رہے تھے۔ اس کو دیکھ کر نوعمر سپاہی سرخ ہو گیا، کانپ گیا۔

افسر اخباروں کے پلندوں کے ڈھیر کی آرام دہ کرسی بنا کر ایک انوکھی سی، بھاری آبنوسی چھڑی کے دستے پر اپنی ٹھوڑی جمائے بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ چھڑی پر سنہرے نقش و نگار ابھرے ہوئے تھے۔ تھوڑی تھوڑی دیر پر وہ چونک کر آنکھیں کھول دیتا جیسے اپنی غنود گی کو دور بھگا رہا ہو، وہ خوش خوش مسکرا کر چاروں طرف نظریں دوڑاتا اور گرم اور معطر ہوا میں زور زور سے سانس لیتا۔ سڑک سے ہٹ کر، جھومتی ہوئی لمبی لمبی سرخ گھاس کے سمندر کے اوپر اسے دو دھبے نظر آئے۔ غور سے دیکھنے پر وہ دو ہوائی جہاز معلوم ہوئے جو ایک دوسرے کے پیچھے آسمان میں آہستہ آہستہ تیر رہے تھے۔ اس کی غنود گی اسی آن ہوا ہو گئی، آنکھیں چمک اٹھیں اور نتھنے پھڑکے۔ اس نے آنکھیں ان مبہم دھبوں پر جمائے ہوئے ڈرائیور کی کیبن کی چھت تھپتھپائی اور چلایا:

”بچو! سڑک چھوڑ دو!“

وہ کھڑا ہوا اور تجربہ کار نگاہوں سے آس پاس کا جائزہ لیا اور اس نے ڈرائیور کو نالے کے مٹیالے گڈھے کی طرف اشارہ کیا۔ اس کے کنارے بھورے رنگ کے جنگلی پھول اور گھاس کے سنہرے پودوں سے ڈھکے ہوئے تھے۔

کم عمر سپاہی مسکرایا، جیسے طرح دے رہا ہو۔ ہوائی جہاز بہت دور بالکل بے ضرر سے چکر کھا رہے تھے۔ ایسا لگتا تھا کہ ان کو اس اکیلے ٹرک سے ذرا دلچسپی نہیں تھی جو سنسان اور بے رنگ کھیتوں کے درمیان گرد و غبار کے بادل اٹھا رہا تھا۔ لیکن اس سے پہلے کہ اس کے منہ سے احتجاج کا ایک لفظ نکلے، ڈرائیور نے ٹرک کو سڑک سے ہٹایا اور ٹرک شور مچاتا اور گھڑگھڑاتا ہوا گڈھے کی طرف لپکا۔

جیسے ہی ٹرک گڈھے کے پاس پہنچا، سینئر لفٹیننٹ نکلا اور گھاس پر بیٹھتے ہوئے مستعدی سے سڑک کا جائزہ لینے لگا۔

”تم آخر یہ سب کیا ہنگامہ کھڑا کر رہے ہو...“ چھوٹی عمر کے سپاہی نے کہنا شروع کیا اور طنز بھری نظر سے افسر

کو دیکھا لیکن اس سے پہلے کہ اس کا جملہ ختم ہو سینئر افسر منہ کے بل زمین پر گر گیا اور چلایا:

''لیٹ جاؤ!،،

ٹھیک اسی وقت دو بڑے بڑے سائے انجن کی گھنگھناہٹ کے ساتھہ، ان کے سر کے اوپر سے ایک عجیب قسم کی گھڑ گھڑاہٹ پیدا کرتے ہوئے گزرے۔ ہوا میں اس سے ایک عجیب تھرتھراہٹ پیدا ہو گئی۔ اس سے بھی نو عمر سپاہی کو زیادہ ڈر نہ لگا: معمولی ہوائی جہاز ہیں اور بلاشبہ اپنے۔ اس نے پلٹ کر دیکھا اور یکایک اسے سڑک کے کنارے ایک الٹا ہوا زنگ آلود ٹرک نظر آیا جس سے دھواں نکل رہا تھا اور شعلے بھڑک رہے تھے۔

''اوہ! ارے وہ تو آگ لگانے والے بم برسا رہے ہیں،، ٹرک کے ڈرائور نے ٹرک کو دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا جس کا بم سے چور چور پہلو شعلوں میں جھلس رہا تھا۔ ''اب وہ ٹرکوں کے پیچھے پنجے جھاڑ کر پڑ گئے ہیں۔،،

''شکاری،، سینئر لفٹیننٹ نے اور زیادہ آرام سے گھاس پر دراز ہوتے ہوئے اطمینان سے جواب دیا ''ہمیں انتظار کرنا پڑیگا۔ وہ جلد ہی واپس آئینگے۔ وہ سڑک پر منڈلا رہے ہیں۔ لڑکے، بہتر ہوتا اگر تم اپنے ٹرک کو اور پیچھے، اس برچ کے درخت کے نیچے کر دیتے۔،،

اس نے یہ بات اتنے اطمینان اور اعتماد کے ساتھہ کہی جیسے جرمن ہوابازوں نے ابھی ابھی اس کو اپنا پلان بتایا ہو۔ ڈاک کے ساتھہ ایک ڈاکیہ بھی تھی۔ وہ جوان لڑکی تھی۔ اب اس کا رنگ زرد تھا اور اس کے گرد آلود ہونٹوں پر ایک کمزور اور پریشان سی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ وہ دزدیدہ نظروں سے پرسکون آسمان کو دیکھہ رہی تھی جس پر موسم گرما کی موج در موج گھٹائیں تیر رہی تھیں۔ سرجنٹ میجر نے دراصل اس کو سنانے کے لئے بڑی لاپروائی کے لہجے میں کہا — وہ دل ہی دل میں کچھہ عجیب سی بو کھلاہٹ محسوس کر رہا تھا۔

''بہتر ہو کہ ہم آگے چلیں۔ وقت کیوں برباد کیا جائے؟ جو آدمی پھانسی پانے کے لئے پیدا ہوا ہے وہ پانی میں ڈوب کر تو مرنے سے رہا۔،،

سینئر لفٹیننٹ نے خاموشی سے گھاس کی ایک پتی چباتے ہوئے اس نوجوان کی طرف دیکھا۔ اس وقت اس کی بپھری ہوئی سیاہ آنکھوں میں بہت ہی ہلکی سی چمک پیدا ہوئی۔

''لڑکے سنو! اس سے پہلے کہ تمہیں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے یہ کہاوت بھول جاؤ۔ ایک بات اور ہے کامریڈ سرجنٹ میجر۔ محاذ پر تمہیں اپنے سے بڑے افسروں کے حکم کی تعمیل کرنی چاہئے۔ اگر حکم ہے 'لیٹ جاؤ!'، تو تمہیں لیٹ جانا چاہئے۔''

اسے گھاس میں کھٹی رسیلی گھاس سوریل نظر آئی۔ اس نے اس کا ریشہ دار چھلکا ناخن سے اتارا اور اس سخت پودے کو مزالے کر چبانے لگا۔ ہوائی جہاز کے انجنوں کی گھنگھناھٹ پھر سنائی دی اور وہی دونوں ہوائی جہاز بہت نیچے سڑک کے اوپر اڑتے ہوئے آئے۔ وہ ہلکے ہلکے ایک پر سے دوسرے پر کی طرف ڈول رہے تھے۔ وہ اتنا نیچے اڑ رہے تھے کہ ان کے گہرے پیلے پروں پر ''سواستیکا'' کے کالے اور سفید نشان اور قریب تر اڑنے والے جہاز کے دھڑ پر تو حکم کے اکے کا نشان بھی بالکل صاف نظر آیا۔ سینئر لفٹیننٹ نے بڑی سستی سے گھاس کے چند اور پودے اکھیڑے اور آہستہ آہستہ چبائے، گھڑی دیکھی اور حکم دیا:

''خطرہ ختم ہوا! آؤ چلیں! جلدی چلو! اس جگہ سے ہم جتنا دور ہو جائیں اتنا ہی اچھا ہے!''

ڈرائور نے ہارن بجایا اور ڈاکیہ لڑکی گڈھے سے دوڑتی ہوئی آئی۔ اس نے سینئر لفٹیننٹ کو جنگلی سرخ اسٹرابری کے گچھے پتوں اور ڈالیوں سمیت پیش کئے۔

''لو یہ تو پکنے لگی ہیں... ہمیں تو پتہ بھی نہ چلا کہ گرمیوں کا موسم کب گزر گیا۔'' سینئر لفٹیننٹ نے اسٹرابری کے گچھوں کو سونگھا اور وردی کی جیب کے کاج میں گلدستے کی طرح لٹکا لیا۔

''یہ تم کیسے جانتے ہو کہ وہ واپس نہیں آئینگے اور اب آگے سفر کرنا محفوظ ہے؟'' نوجوان نے سینئر لفٹیننٹ سے پوچھا جو پھر خاموش ہو گیا تھا اور گڈھوں میں ہچکولے کھاتے ہوئے ٹرک کے ساتھ آھنگ سے جھوم رہا تھا۔

''یہ تو صاف ہے۔ یہ ہوائی جہاز ہیں ''میسرز،، یعنی ''می۔ ۱۰۹،، ان میں پینتالیس منٹ سے زیادہ کا ایندھن نہیں ہوتا۔ ان کا ایندھن ختم ہو چکا ہے اور وہ پھر ایندھن لینے گئے ہیں۔،،

سینئر لفٹیننٹ نے کچھہ ایسے انداز میں اس کا جواب دیا جیسے کہہ رہا ہو لوگ اتنی معمولی سی بات کیوں نہیں سمجھہ پاتے۔ اب نوجوان نے زیادہ مستعد ہو کر آسمان کا جائزہ لینا شروع کیا۔ وہ چاہتا تھا کہ سب سے پہلے وہی ''میسرز،، کے لوٹنے کا اعلان کرے۔ لیکن ہوا اتنی صاف شفاف تھی، ہوا گھنی اور فراواں گھاس، گرد اور گرم زمین کی خوشبو سے اس طرح بسی ہوئی تھی، ٹڈے اتنے زور سے لہک لہک کے بول رہے تھے اور گھاس سے بھری ہوئی سنسان وادی میں چکاوک کا نغمہ اتنی شدت سے گونج رہا تھا کہ وہ جرمنوں کے اور خطرے کے بارے میں بھول گیا اور صاف اور خوشگوار آواز میں گیت گانے لگا جو ان دنوں محاذ پر بہت مقبول تھا۔ یہ گیت ایک سپاہی کے بارے میں تھا جو خندق میں پڑا اپنی محبوبہ کے لئے تڑپ رہا ہے۔

''کیا تمہیں 'ریبی‌نا' والا گیت یاد ہے؟،، اس کے ہم راہ نے پوچھا۔

نوجوان نے اثبات میں سر ہلایا اور وہ پرانا گیت چھیڑ دیا۔ سینئر لفٹیننٹ کے تھکے ہوئے، گرد آلود چہرے پر غم کی پرچھائیں سی چھا گئی۔

''یار، تم ٹھیک نہیں گا رہے،، اس نے کہا ''یہ کوئی مزاحیہ گیت نہیں ہے۔ تمہیں اس میں اپنا کلیجہ نکال کے رکھہ دینا چاہئے۔،، اور اس نے بہت ہی نرم اور ہلکی مگر صاف آواز میں یہ سر چھیڑ دیا۔

ایک لمحے کو ڈرائیور نے ٹرک روک دیا اور ڈاکیہ لڑکی کیبن سے نکلی۔ اس نے پہیے پر قدم جمایا اور اچھل کر ٹرک کے پچھلے حصے میں آ گئی جہاں دوستانہ ہاتھوں نے اسے سنبھال لیا۔

''میں نے تم لوگوں کو گاتے ہوئے سنا اس لئے سوچا کہ میں بھی شامل جاؤں...،،

اور وہ تینوں مل کر ٹرک کی گھڑ گھڑاہٹ اور ٹڈوں کی زور دار ٹراہٹ کے ساز پر گانے لگے۔

نوجوان مزے میں آ گیا۔ اس نے اپنے تھیلے سے ایک باجا نکالا اور بجانے لگا۔ وہ ایک منٹ بجاتا اور پھر کنڈکٹر کی طرح اسے ہوا میں لہراتے ہوئے گانے میں شامل ہو جاتا۔ اور اس بے رنگ اور چابک کی طرح دوڑتی ہوئی ویران سڑک پر، گرد آلود، فراواں اور بے تحاشا لہراتی ہوئی گھاس اور جھاڑیوں کے درمیان اس گیت کی زور دار اور غم انگیز دھنیں گونج گئیں — اس گیت کی دھنیں جو گرمی میں جلتے ہوئے کھیتوں کی طرح نیا بھی تھا اور پرانا بھی، خوشبو دار گھاس میں ٹڈیوں کی زور دار ٹراہٹ کی طرح پر زور، صاف آکاش میں گاتے ہوئے چکاوکوں کے نغمے کی طرح طرار اور بلند و بیکراں آسمان کی طرح پر سکون اور گہرا۔

وہ لوگ گانے میں اتنا محو تھے کہ جب ڈرائیور نے یکایک بریک لگایا تو وہ چونک کر اچھل پڑے اور ٹرک سے لڑھکتے لڑھکتے بچے۔ ٹرک سڑک کے بیچوں بیچ رک گیا۔ سڑک کے کنارے گڈھے میں تین ٹن کا ٹرک الٹا پڑا تھا۔ اس کے دھول میں اٹے ہوئے پہیے ہوا میں معلق تھے۔ نوجوان کا رنگ زرد پڑ گیا۔ لیکن اس کا ساتھی ٹرک سے کودا اور الٹے ہوئے ٹرک کی طرف لپکا۔ وہ ایک عجیب بھٹکتی اور لنگڑاتی سی چال سے چل رہا تھا۔ ایک لمحے بعد، ڈاک ٹرک کا ڈرائیور کیبن سے ایک کوارٹرماسٹر کپتان کو کھینچ رہا تھا جو خون میں لتھڑا ہوا تھا۔ اس کا چہرہ شیشے سے ٹکرا کر کٹ گیا تھا اور اس پر خراشیں پڑ گئی تھیں۔ اس کے چہرے کا رنگ راکھ جیسا ہو رہا تھا۔ سینئر لفٹیننٹ نے نظریں اٹھائیں۔

”یہ تو دم توڑ چکا ہے۔“ اس نے ٹوپی اتاری۔ ”کوئی اور ہے ٹرک میں؟“

”ہاں، ڈرائیور“ ڈاک ٹرک کے ڈرائیور نے کہا۔

”تم وہاں کھڑے کیا دیکھ رہے ہو ٹکر ٹکر؟ آؤ اور ہاتھ بٹاؤ!“ سینئر لفٹیننٹ نے اداس نوجوان کو ڈانٹا۔ ”کیا تم نے اس سے پہلے خون نہیں دیکھا ہے؟ تم اس کی عادت ڈالو۔ تمھیں بہت زیادہ خون دیکھنا ہے! لو یہ ہے شکاریوں کا شکار۔“

ڈرائیور زندہ تھا۔ وہ آہستہ آہستہ کراہ رہا تھا۔ لیکن اس کی آنکھیں مندی ہوئی تھیں۔ کوئی زخم نظر نہ آتا تھا۔ لیکن

معلوم ہوتا تھا کہ جب ٹرک پر بم لگا تو ٹرک گڈھے میں جا گرا اور ڈرائیور کا سینہ زور سے ہینڈل سے ٹکرایا اور وہ کیبن کی ٹوٹی پھوٹی چیزوں میں پھنس کر رہ گیا۔ سینئر لفٹیننٹ نے اس کو اٹھا کر ڈاک ٹرک میں ڈالنے کا حکم دیا۔ لفٹیننٹ کے پاس کپڑے کے ایک ٹکڑے میں لپٹا ہوا بہت اچھا سا بالکل نیا فوجی کوٹ پڑا تھا۔ کوٹ اس نے زخمی کے لیٹنے کے لئے بچھا دیا۔ وہ ٹرک کے فرش پر بیٹھ گیا اور اس نے زخمی کا سر اپنے زانو پر رکھ لیا۔

''جہاں تک ہو سکے تیز چلاؤ!،، اس نے حکم دیا۔

زخمی کے سر کو بڑی نرمی سے سہارا دیتے ہوئے وہ اپنے کسی بہت دور کے خیال پر مسکرایا۔

ٹرک ایک چھوٹے سے گاؤں کی سڑک پر دوڑ رہا تھا۔ شام کا جھٹپٹا پھیل چکا تھا۔ تجربہ کار نگاہیں فوراً تاڑ سکتی تھیں کہ یہ گاؤں کسی چھوٹے سے ہوائی دستے کا کمانڈ پوسٹ تھا۔ سامنے کے باغوں میں چیری اور سیب کے سوکھے درختوں کی گرد میں اٹی ہوئی شاخوں سے بندھے ہوئے تار ہوا میں معلق تھے۔ یہ تار کنویں کے کھمبوں اور احاطوں کے جنگلوں کے ستونوں سے بھی بندھے ہوئے تھے۔ مکانوں کے پاس، کھپریل کے سائبانوں میں، جہاں کسان عام طور پر اپنی گاڑیاں اور کھیتی باڑی کا سامان رکھتے ہیں، خستہ حال ''امکا،، موٹریں اور جیپ گاڑیاں کھڑی نظر آ رہی تھیں۔ یہاں وہاں، چھوٹی چھوٹی کٹیاؤں کی کھڑکیوں کے دھندلے دھندلے شیشوں سے نیلے فیتوں والی اونچی ٹوپیاں اوڑھے ہوئے سپاھی نظر آ رہے تھے اور ٹائپ رائٹروں کی کھٹ کھٹ سنائی دے رہی تھی۔ اور ایک مکان سے، جہاں تمام تاروں کا جال جا کر اکٹھا ہو گیا تھا، ٹیلی گراف کے آلے کی پرآہنگ آواز آ رہی تھی۔

یہ گاؤں شاھراہ اور چھوٹی چھوٹی سڑکوں سے پرے واقع تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ویران اور گھاس سے ڈھکی ہوئی اس وادی میں یہ گاؤں ایک نشانی کے طور پر باقی رہ گیا تھا کہ آؤ اور دیکھو کہ ہٹلر کے حملے سے پہلے اس خطے میں لوگوں کی زندگی کتنی اچھی، کیسی خوشگوار تھی۔ پیلی پیلی پانی والی گھاس سے ڈھکے ہوئے تالاب میں بھی پانی بھرا ہوا تھا۔ یہ حصہ بید مجنوں کے درختوں سے گھرا ہوا تھا اور بڑا ٹھنڈا اور روشن تھا۔ سرخ سرخ

چونچ والے برف جیسے سفید ہنسوں کا جوڑا گھاس پات کو چیرتا اور اپنے پروں کو چونچ سے سنوارتا اور پانی کے چھینٹے اڑاتا ہوا تیر رہا تھا۔

زخمی آدمی کو ایک کٹیا میں پہنچایا گیا جس پر ریڈ کراس کا جھنڈا لہرا رہا تھا۔ پھر ٹرک گاؤں کے اندر گیا اور ایک صاف ستھری عمارت کے سامنے رکا۔ یہ گاؤں کے اسکول کی عمارت تھی۔ ٹوٹی ہوئی کھڑکی میں گھسے ہوئے ان گنت تاروں اور برساتی میں مشین گن سے مسلح ایک سنتری کے کھڑے ہونے سے یہ صاف ظاہر تھا کہ یہ اسٹاف ہیڈ کوارٹر تھا۔

''میں ونگ کمانڈر سے ملنا چاھتا ہوں،، سینئر لفٹیننٹ نے اردلی سے کہا جو کھڑکی پر بیٹھا ایک رسالے کا معمہ حل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

نوجوان، سینئر لفٹیننٹ کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ اس کے سینئر ساتھی نے عمارت میں داخل ہوتے ہی میکانکی انداز سے اپنی وردی کے سامنے کا حصہ برابر کیا، پیٹی کے اندر انگوٹھے ڈال کر اس کی شکنیں دور کیں اور کالر کے بٹن لگائے۔ اس نے بھی فوراً اس کی نقل کی۔ یہ کم سخن ساتھی اس نوجوان کے من کو بھا گیا تھا اور اب ہر چیز میں وہ اس کی نقل کرنے کی کوشش کرتا تھا۔

''کرنل مصروف ہیں،، اردلی نے جواب دیا۔

''ان سے کہو کہ میرے پاس ہوائی فوج کے اسٹاف ہیڈکوارٹر کے عملے کے شعبہ کا ایک فوری خط ہے۔،،

''تم کو انتظار کرنا پڑیگا۔ وہ ہوائی اسکاؤٹوں کے گروہ سے بات چیت کر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا ہے کہ کوئی دخل در معقولات نہ کرے۔ جاؤ اور تھوڑی دیر باغ میں بیٹھ کر وقت کاٹو۔،،

اردلی پھر معمہ حل کرنے کی مہم میں کھو گیا۔ یہ نووارد باھر گئے اور پھولوں کی ایک کیاری کے پاس بنچ پر بیٹھ گئے۔ کیاری اینٹوں سے گھری ہوئی تھی۔ لیکن اب بے توجہی کی وجہ سے لمبی لمبی گھاس سے ڈھک گئی تھی۔ جنگ سے پہلے، موسم گرما کی سہ پہر کے وقت اسکول کی بوڑھی استانی دن بھر کام کاج کرنے

کے بعد یہاں آتی ہوگی اور آرام کرتی ہوگی - کھلی ہوئی کھڑکیوں سے دو آوازیں صاف صاف سنائی دے رہی تھیں - ایک آواز بھاری اور بڑی جوشیلی تھی اور کوئی رپورٹ دے رہا تھا:

''اس سڑک پر، جو بولشوئیے گوروخووہ اور کریستووزدویژینسکی کے گرجا گھر کی طرف جاتی ہے، کافی ہماهمی اور دوڑ دھوپ نظر آتی ہے - ٹرکوں کے کاروان سب ایک ہی سمت میں جا رہے ہیں — محاذ کی طرف - یہاں، ٹھیک گرجا گھر کے احاطے کے قریب، گڈھے میں، ٹرک ہیں یا ٹینک... میرا خیال ہے کہ کسی بڑے دستے کو وہاں جمایا جا رہا ہے...''

''تمہیں یہ خیال کیوں ہے؟'' ایک اونچی آواز نے بات کاٹی -

''ہمیں گولیوں کی باڑ کا مقابلہ کرنا پڑا - ہم مشکل سے جان بچا سکے - کل تک یہاں کچھ نہ تھا - صرف میدان میں چند کھلے ہوئے باورچی خانے نظر آتے تھے - میں ٹھیک ان کے اوپر اڑا اور مزاج پرسی کے طور پر ہم نے ان کی تھوڑی سی خاطر تواضع کر دی - لیکن آج! ان کی گولہ باری خوفناک تھی!.. ظاہر ہے کہ وہ محاذ کی طرف بڑھ رہے ہیں - ''

''خانہ 'ز' کے بارے میں کیا خیال ہے؟''

''وہاں بھی کافی دوڑ بھاگ ہو رہی ہے - لیکن اتنی زیادہ نہیں - یہاں جنگل کے قریب ٹینک کا ایک بڑا کاروان رواں دواں ہے - کوئی ایک سو ٹینک ہونگے - ٹینک دستوں میں بٹے ہوئے کوئی پانچ کلومیٹر تک پھیلے ہوئے ہیں - ڈھکے چھپے نہیں بلکہ دن دھاڑے آگے بڑھ رہے ہیں - شاید یہ محض دکھاوے کا پینترا ہے... یہاں، یہاں اور یہاں، محاذ کے قریب توپوں والی فوج ہے اور گولے بارود کے ذخیرے بھی - یہ لکڑیوں کے ڈھیر سے چھپے ہوئے ہیں - کل تک یہ چیزیں یہاں نہیں تھیں... بڑے بڑے ذخیرے - ''

''بس؟''

''جی ہاں بس، کامریڈ کرنل - کیا میں رپورٹ لکھ کر دوں؟''

''رپورٹ؟ نہیں، رپورٹ کا وقت نہیں! فوراً فوجی ہیڈ کوارٹر جاؤ! سمجھتے ہو اس کا مطلب کیا ہے؟ اے اردلی، میری کار! کپتان کو ہوائی فوج کے ہیڈ کوارٹر بھیجو!''

کرنل کا دفتر ایک کشادہ کلاس روم میں تھا۔ لکڑی کے کندوں کی ننگی دیواروں والے اس کمرے میں واحد فرنیچر ایک میز تھی جس پر میدان جنگ کے ٹیلیفونوں کے چرمی کیس پڑے تھے۔ ایک بڑا سا ہوائی نقشے کا بکس نقشے سمیت رکھا تھا اور پاس ہی ایک سرخ پنسل پڑی تھی۔ کرنل چھوٹے قد اور گٹھے ہوئے جسم کا زندہ دل آدمی تھا۔ وہ ہاتھ پیچھے باندھے ہوئے ٹہل رہا تھا۔ وہ سوچ میں ڈوبا ہوا ہوابازوں کے پاس سے دوبار گزر گیا جو ''اٹنشن،، کے پوز میں کھڑے تھے۔ یکایک وہ ان کے سامنے رکا اور کچھ سوالیہ نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگا۔

''سینئر لفٹیننٹ الکسئی میریسئف حاضر ہے، سانولے افسر نے بوٹوں کی ایڑیوں کو بجاتے ہوئے اور سلامی داغتے ہوئے کہا۔

''سرجنٹ میجر الیکساندر پتروف،، نوجوان نے کہا اور اپنے فوجی بوٹوں کی ایڑیوں کو اور بھی زور سے بجایا اور زیادہ آن بان سے سلامی داغنے کی کوشش کی۔

''ونگ کمانڈر، کرنل ایوانوف،، جواب میں چیف چنگھاڑا۔

''خط؟،،

میریسئف نے بڑے نپے تلے انداز سے اپنے نقشے کے بکس سے خط نکالا اور کرنل کو دیا۔ اس نے جلدی جلدی پیغام پڑھا اور کچھ ٹوہ لگاتی ہوئی نگاہوں سے نوواردوں کو دیکھا اور بولا:

''خوب! تم بڑے وقت پر آئے۔ لیکن انہوں نے اتنے کم آدمی کیوں بھیجے؟،، اچانک اسے کچھ یاد آگیا اور اس کے چہرے پر حیرت کی کیفیت چھا گئی ''ایک منٹ رکنا!،، اس کے منہ سے نکلا۔ ''کیا تم میریسئف ہو؟ ہوائی فوج کے چیف آف اسٹاف نے مجھے تمہارے بارے میں ٹیلیفون کیا تھا اور مجھے خبردار کیا کہ تم...،،

''یہ کوئی اہم بات نہیں، کامریڈ کرنل،، الکسئی نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔ اس کا لہجہ ذرا روکھا سا تھا۔ ''مجھے اپنے فرائض بجالانے کی اجازت دیجئے۔،،

کرنل نے سینئر لفٹیننٹ کو تجسس بھری نظروں سے دیکھا اور سر ہلاتے ہوئے مسکرا کر منظوری دے دی۔

''ٹھیک! اردلی، ان لوگوں کو چیف آف اسٹاف کے پاس لے جاؤ اور میری طرف سے حکم دے دو کہ ان کے کھانے پینے اور

سونے وغیرہ کا انتظام کر دیا جائے۔ کہہ دو کہ ان کو گارد کپتان چیسلوف کے اسکواڈرن میں شامل کر لیا جائے۔،،

پتروف کا خیال تھا کہ ونگ کمانڈر ضرورت سے زیادہ ہنگامہ پسند معلوم ہوتا ہے۔ میریسئف کو وہ پسند آیا۔ ایسے لوگ جو تیزی سے کام کریں جو پل بھر میں معاملے کو بھانپ لیں، صفائی سے سوچ سکیں اور قطعی فیصلے کر سکیں، ایسے آدمی تو خاص طور پر اس کے دل کو بھاتے تھے۔ باغ میں بیٹھے بیٹھے اس نے ہوائی اسکاؤٹ کی جو رپورٹ سنی تھی وہ اس کے دماغ پر چھا کر رہ گئی تھی۔ بہت سی ایسی علامتوں کو سپاہی سمجھ سکتا ہے — فوجی ہیڈکوارٹر سے روانہ ہونے کے بعد انہیں سڑکوں پر ہجوم نظر آیا، رات کے وقت سڑک پر سنتری بڑی سختی سے بلیک‌آؤٹ پر اصرار کرتے تھے اور نافرمانی کی صورت میں ٹائیر میں گولی مار دینے کی دھمکی دیتے تھے، سڑکوں سے پرے برچ کے جنگلوں میں ٹینک، ٹرک اور توپیں جمع تھیں، سپاہیوں کے ہجوم اور شور اور ہنگامے اور ویران سڑک پر بھی اس دن جرمن ''شکاریوں،، نے ان پر حملہ کیا تھا — ہاں ان سب علامتوں سے میریسئف نے بھانپ لیا کہ طوفان سے پہلے کا سناٹا ختم ہونے والا ہے۔ جرمن کہیں اس علاقے میں اب تازہ حملہ کرنے والے تھے، یہ حملہ بہت جلد ہوگا۔ سوویت فوجی کمان کو یہ معلوم تھا اور وہ اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کے لئے مستعد تھی۔

۲

بے چین سینئر لفٹیننٹ بھلا پتروف کو کھانے پر تیسرے کورس کا انتظار کرنے کی فرصت کیوں کر دیتا۔ اس نے پتروف کو اٹھا دیا اور اسے ساتھ لے کر ایندھن کے ایک ٹرک میں بیٹھ گیا جو ہوائی اڈے کی طرف جا رہا تھا۔ ہوائی اڈہ گاؤں سے باہر ایک چراگاہ میں تھا۔ یہاں ان نوواردوں نے اسکواڈرن کمانڈر گارد کپتان چیسلوف سے اپنا تعارف کرایا۔ وہ چڑھی ہوئی تیوریوں والا کم سخن آدمی تھا۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود وہ بڑا نیک مزاج آدمی

معلوم ہوتا تھا۔ اس نے زیادہ رسمی باتیں نہیں کیں بلکہ ان کو سیدھے گھاس سے ڈھکے ہوئے مٹی کے شیڈ میں لے گیا جہاں دو بالکل نئے چمکتے ہوئے نیلے رنگ کے ”لا۔ ۵“ ہوائی جہاز کھڑے تھے اور ان پر گیارہ اور بارہ نمبر پڑے ہوئے تھے۔ یہ وہ ہوائی جہاز تھے جو ان نوجوانوں کو اڑانے کو ملے تھے۔ انہوں نے سہ پہر کا باقی وقت برچ کے مہکتے ہوئے جنگل میں کاٹا جہاں ہوائی جہازوں کی گھنگھناہٹ بھی چڑیوں کے نغموں کو دبانے میں ناکام تھی۔ وہ ہوائی جہازوں کا معائنہ کرتے رہے، نئے مستریوں سے باتیں کرتے رہے اور دستے کی زندگی سے واقفیت حاصل کرتے رہے۔

وہ اپنی دھن میں کچھ ایسا کھو گئے کہ جب آخری ٹرک سے گاؤں لوٹے تو شام کا دھندلکا چھا چکا تھا۔ انہیں رات کے کھانے سے ہاتھ دھونا پڑا۔ لیکن اس سے انہیں پریشانی نہیں ہوئی۔ ان کے سامان کے تھیلوں میں کھانے کی خشک چیزیں تھیں جو ان کو سفر کے لئے دی گئی تھیں۔ سونے کی جگہ کا معاملہ البتہ زیادہ گمبھیر تھا۔ جنگلی گھاس پات سے بھرے ہوئے اس سنسان ویرانے میں یہ چھوٹا سا ”نخلستان“ ہوابازوں اور ہوائی دستوں کے عملوں سے ضرورت سے زیادہ کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ کھچا کھچ بھرے ہوئے ایک مکان کے بعد دوسرے مکان کے چکر لگانے کے بعد اور وہاں کے مکینوں سے چخ چخ کرنے کے بعد جو ان کے لئے جگہ دینے کو تیار نہ تھے، کوارٹرماسٹر نے اس افسوسناک حقیقت پر فلسفیانہ خیال آرائی کی۔ آخر مکان ربر کے بنے ہوئے تو تھے نہیں اور انہیں کھینچ کر پھیلایا تو نہیں جا سکتا تھا۔ اس نے ان لوگوں کو پھر اگلے ہی مکان میں ٹھونس دیا اور کہا:

”رات تو یہیں بسر کر لو۔ صبح ہم تمہارا کوئی اور انتظام کر دینگے۔“

اس جھونپڑے میں پہلے ہی نو آدمی برا جمان تھے اور وہ سب کے سب دراز ہو چکے تھے۔ مٹی کے تیل کا چراغ، جو شل کے خول سے بنایا گیا تھا (جنگ کے شروع میں اس کو ”کاتیوشا“ کہتے تھے اور استالن گراد کے بعد اس کا نام ”استالن گرادکا“ پڑ گیا تھا) مدھم مدھم روشنی سے نیند میں محو پیکروں کو اجاگر کر رہا تھا۔ بعض لوگ چارپائیوں اور تختوں پر سوئے ہوئے تھے

اور بعض زمین پر پیال بچھا کر اور اس پر اپنے کیپ ڈال کر سو گئے تھے۔ ان نو کے علاوہ اس جھونپڑے میں اس کے مالک بھی تھے۔ ایک بڑھیا اور اس کی جوان بیٹی۔ وہ جگہ کی کمی کی وجہ سے بڑے روسی چولھے کے اوپر والے حصے پر دراز تھیں۔

نووارد چوکھٹ پر ہی رک گئے اور سوچ میں پڑ گئے کہ ان سوئے ہوئے لوگوں پر سے کس طرح چھلانگ لگائیں۔ چولھے پر سے بڑھیا گرجی:

''یہاں؟ جگہ نہیں، یہاں جگہ نہیں! سوجھتا نہیں تمہیں کہ یہاں پہلے ہی ضرورت سے زیادہ بھیڑ ہے؟ ہم تمہیں کہاں چپکائیں، چھت پر؟''

پتروف کچھ ایسا بوکھلایا کہ اس کے قدم اکھڑنے لگے۔ لیکن میریسئف احتیاط سے قدم اٹھاتے ہوئے میز کی طرف بڑھا۔

''نانی، ہمیں بس ایک کونا چاہئے جہاں ہم اپنا کھانا کھا سکیں۔ دن بھر کچھ نہیں کھایا،'' اس نے کہا ''تم ہمیں ایک پلیٹ اور دو پیالیاں دے سکتی ہو؟ ہم یہاں سو کر تمہیں تنگ نہیں کرینگے۔ آج رات خاصی گرم ہے ہم باہر باغ میں سو سکتے ہیں۔''

چولھے کی چھت پر سے، چڑچڑاتی ہوئی بڑھیا کے پیچھے سے، دو ننگے پاؤں نمودار ہوئے۔ ایک نازک پیکر خاموشی سے چولھے پر سے پھسلا اور سونے والوں کے درمیان بڑی مہارت سے سنبھلتے ہوئے گلیارے کے دروازے میں غائب ہو گیا۔ جلد ہی لڑکی چند پلیٹیں لے کر آ گئی۔ دو رنگین پیالیاں اس کی لمبی انگلیوں پھنسی ہوئی تھیں۔ شروع میں تو پتروف نے سوچا کہ یہ کوئی بچی ہے۔ لیکن جب وہ میز کے پاس آئی اور جب مدھم زرد روشنی نے اس کے چہرے کو اندھیرے سے اجاگر کیا تو اس نے دیکھا کہ وہ تو جوان لڑکی تھی۔ بڑی حسین لڑکی! ہاں اس کے بھورے بلاؤز، ٹاٹ کے لہنگے اور بوڑھی عورتوں کی طرح سینے اور پشت پر بندھی ہوئی چیتھڑے چیتھڑے شال نے اس کے حسن کو پھیکا کر دیا تھا۔

''مارینا! مارینا! یہاں آ چڑیل!'' چولھے پر سے بڑھیا غرائی۔ لیکن لڑکی نے سنی ان سنی کر دی۔ اس نے پھرتی سے میز پر صاف

اخبار پھیلایا، پلیٹیں، پیالیاں، کانٹے رکھے اور باربار کنکھیوں سے پتروف کو دیکھتی رہی۔

''لو، اب کھانا کھاؤ۔ امید ہے تمہیں کھانے میں لطف آئیگا،، اس نے کہا ''کچھ کاٹنے یا گرم کرنے کی ضرورت تو نہیں؟ لاؤ میں ایک سکنڈ میں کر دوں۔ ہاں کوارٹرماسٹر نے کہا ہے کہ ہم باہر آگ نہ جلائیں۔،،

''مارینا یہاں آ!،، بڑھیا نے آواز دی۔

''اس کی پروا نہ کرو۔ وہ کچھ ڈر گئی ہے۔ جرمنوں کا ہول بیٹھ گیا ہے اس کے دل میں،، لڑکی نے کہا ''رات کو سپاہی نظر آ جائیں تو میرے کارن پریشان ہو جاتی ہے۔ اس پر خفا نہ ہونا۔ صرف رات کو اس کا یہ حال ہوتا ہے۔ دن کے وقت وہ بالکل ٹھیک رہتی ہے۔،،

میریسئف کو اپنے تھیلے میں کچھ ساسیج، گوشت کا ایک ٹین، دو سوکھی ہوئی ہیرنگ مچھلیاں جن پر نمک چمک رہا تھا اور ایک فوجی روٹی ملی۔ پتروف کچھ کم خوش نصیب ثابت ہوا۔ اس کے پاس صرف گوشت اور رسک تھے۔ مارینا نے یہ سب کچھ اپنے چھوٹے چھوٹے مضبوط ہاتھوں سے کاٹا اور کچھ اس طرح پلیٹوں پر پھیلا کر رکھا کہ دیکھتے ہی منہ میں پانی بھرآئے۔ اس کی گھنی پلکوں میں چھپی ہوئی آنکھیں باربار پتروف کے چہرے کا جائزہ لینے لگیں۔ پتروف بھی اسے دزدیدہ نظروں سے دیکھ لیتا۔ جب دونوں کی آنکھیں ملتیں تو دونوں سرخ ہو جاتے، ان کی تیوریاں چڑھ جاتیں اور وہ منہ پھیر لیتے۔ وہ صرف میریسئف کے ذریعہ بات چیت کرتے اور ایک دوسرے سے براہ راست بالکل مخاطب نہ ہوتے۔ ان کو دیکھنے میں الکسئی کو بڑا مزا آیا۔ اسے مزا بھی آیا اور اس کا دل غمگین بھی ہو گیا۔ دونوں اتنے شاداب اور جوان تھے۔ ان کے مقابلے میں اس نے خود کو بوڑھا اور تھکا ہوا محسوس کیا جس کی زندگی کا بڑا حصہ پیچھے رہ گیا تھا۔

''مارینا، تمہارے پاس کچھ کھیرے تو نہیں ہونگے، ایں؟،، اس نے پوچھا۔

''ہیں تو سہی،، لڑکی نے شرارت بھری مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

''اور شاید تمہارے پاس ایک دو ابلے ہوئے آلو بھی نکل آئیں؟''

''ہاں۔ اگر تم ڈھنگ سے مانگو۔''

وہ پھر سونے والوں کے اوپر سے سبک اور بے آواز چھلانگ لگاتی ہوئی کمرے سے چلی گئی، جیسے کوئی پروانہ ہو۔

''کامریڈ سینئر لفٹیننٹ!'' پتروف نے احتجاج کیا ''آخر تم ایک نئی انجانی لڑکی سے اتنے بے تکلف کیسے ہو جاتے ہو؟ اس سے کھیرے مانگنا اور...''

میریسئف بے ساختہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

''سنو دوست، کیا خیال ہے تمہارا، آخر تم ہو کہاں؟ ہم محاذ پر ہیں، ہیں نا؟.. اے نانی، بڑبڑانا بند کرو! آؤ نیچے اور ہمارے ساتھ کھانا کھاؤ!''

آپ ہی آپ بھنبھناتی اور بڑبڑاتی ہوئی بڑھیا چولھے سے اتری، میز تک آئی اور فوراً ساسیج پر ٹوٹ پڑی۔ معلوم ہوا کہ جنگ سے پہلے اسے ساسیج بہت مرغوب تھے۔

چاروں ایک ساتھ میز پر جم گئے اور دوسرے مکینوں کے خراٹوں اور نیند بھری بڑبڑاہٹ کے ساز پر بڑے مزے لے لے کر کھانا کھانے لگے۔ الکسئی پورے وقت بک بک کرتا رہا، کبھی بڑھیا کو چھیڑتا اور کبھی مارینا کو ہنساتا۔ آخرکار خود کو فوجی زندگی کی فضا میں محسوس کرکے اس نے اس چیز کا پورا مزا اٹھانا شروع کیا۔ اسے محسوس ہوا جیسے مدتوں دیس میں آوارہ پھرنے کے بعد، اپنے گھر واپس آ گیا ہو۔

کھانا ختم کرتے کرتے دوستوں کو معلوم ہوا کہ یہ گاؤں یوں بچ گیا کہ یہ جرمن فوج کا ہیڈ کوارٹر تھا۔ جب سوویت فوج نے پیش قدمی شروع کی تو جرمن اس طرح سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے کہ انہیں گاؤں کو ملیامیٹ کرنے کا موقع نہیں ملا۔ فاشستوں نے بڑھیا کی آنکھوں کے سامنے اس کی سب سے بڑی لڑکی کی عصمت لوٹ لی تو وہ پاگل ہو گئی۔ لڑکی بعد میں تالاب میں ڈوب مری۔ پورے آٹھ مہینے جب جرمن ضلع میں رہے مارینا مکان کے پیچھے خالی کھلیان میں چھپی رہی جس کا دروازہ پیال اور کباڑ سے چھپا دیا گیا تھا۔ اس پورے زمانے میں اسے سورج کی جھلک بھی دکھائی نہ

دی۔ رات کے وقت اس کی ماں دھواں نکلنے کی چمنی سے اسے کھانا اور پانی پہنچا دیتی۔ الکسئی جتنا زیادہ لڑکی سے گپ کرتا رہا، اتنا ہی زیادہ وہ پتروف کو دیکھتی رہی اور اس کی چنچل اور شرمیلی آنکھوں سے ایک طرح کی چھپی ہوئی سراہنا جھلک رہی تھی۔

انہوں نے گپ کرتے اور ہنستے ہوئے کھانا ختم کیا۔ مارینا نے کفائیت شعاری سے کام لیتے ہوئے بچا ہوا کھانا میریسئف کے تھیلے میں واپس رکھہ دیا اور کہا کہ آڑے وقت میں ہر چیز سپاہی کے کام آتی ہے۔ اس کے بعد اس نے اپنی ماں کے کان میں کچھہ کہا، پھر وہ مڑی اور پوری قطعیت سے بولی:

''سنو! جب کوارٹرماسٹر تمہیں یہاں چھوڑ گیا ہے تو پھر یہیں رک جاؤ رات کی رات! تم چولھے پر سو رہو میں اور ماں نیچے تہہخانے میں سو جائیں گے۔ سفر کے بعد تمہیں آرام کی ضرورت ہے! کل ہم تمہارے لئے جگہ تلاش کر لینگے۔''

پھر وہ سبک قدموں سے سونے والوں کے اوپر سے پھلانگتی ہوئی باہر نکل گئی اور پیال کے ایک گانٹھہ کے ساتھہ واپس آئی۔ اس نے پیال کو چولھے کی چھت پر پھیلایا اور کچھہ کپڑا لپیٹ کر تکیہ سا بنا دیا۔ اس نے یہ سب کچھہ بڑی تیزی اور چابکدستی سے اور شور پیدا کئے بغیر کیا۔ اس کے انداز میں بلی کی سی پھرتی اور چستی تھی۔

''کیوں یار، اچھی لڑکی ہے نا؟'' میریسئف نے اپنی رائے کا اظہار کیا اور فرحت کے احساس کے ساتھہ پیال پر لیٹ گیا اور ہاتھہ پاؤں اتنے زور سے پھیلائے کہ جوڑ جوڑ چٹخنے لگے۔

''بری نہیں ہے'' پتروف نے بناوٹی بےنیازی سے کام لیتے ہوئے کہا۔

''تم نے دیکھا تمہیں کس طرح گھور رہی تھی!..''

''نہیں میں نے نہیں دیکھا! وہ تو تم سے پورے وقت بات کرتی رہی!''

منٹ بھر بعد اس کی سانس کی پر آہنگ آواز سنائی دی۔ لیکن میریسئف نہ سو سکا۔ ٹھنڈی اور مہکتی ہوئی پیال پر لیٹے لیٹے اس نے دیکھا کہ مارینا کمرے میں داخل ہوئی اور کچھہ ڈھونڈنے لگی۔ باربار اس کی نظر چولھے کی طرف اٹھہ جاتی۔ اس نے میز

پر رکھے ہوئے چراغ کی بتی کاٹی، کئی دفعہ چوری چوری چولھے کی طرف دیکھا اور سوتے ہوئے لوگوں کے درمیان ہولے ہولے قدم اٹھاتی ہوئی دروازے سے نکل گئی۔ نہ جانے کیوں چیتھڑوں میں چھپی ہوئی اس سندر اور کومل لڑکی کو دیکھ کر، الکسئی کی روح میں اداس اداس سے سکون کا احساس تیر گیا۔ سونے کی جگہ کا مسئلہ حل ہو گیا تھا۔ اگلی صبح اسے پہلی جنگی اڑان پر جانا تھا۔ اس کا ساتھی پتروف تھا۔ لیکن لیڈر میریسئف تھا۔ کیا انجام ہوگا؟ وہ اچھا لڑکا معلوم ہوتا تھا۔ پہلی ہی نظر میں مارینا اس کے عشق میں گرفتار ہو گئی تھی۔ خیر، بہتر ہو کہ وہ تھوڑی دیر سو لے!

اس نے کروٹ لی، پیال میں سرسراہٹ ہوئی اور وہ بے خبر سو گیا۔

جب وہ اٹھا تو اسے محسوس ہوا کہ کوئی بڑا بھیانک حادثہ ہو گیا ہے۔ ایک دم اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ بات کیا تھی، لیکن ایک سپاہی کے فطری جذبے کے تحت وہ اچھل پڑا۔ اس نے پستول جھپٹ لیا۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ ہے کہاں۔ تلخ دھویں کا بادل، جس سے لہسن کی بو آ رہی تھی، ہر چیز کو اپنی آغوش میں لئے ہوئے تھا۔ اور جب دھویں کا بادل چھٹ گیا تو اسے اپنے سر کے اوپر عجیب اور بڑے بڑے ستارے چمکتے نظر آئے۔ دن کی سی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے دیکھا جھونپڑے کی دیواروں کے کندے ماچس کی تیلیوں کی طرح بکھرے ہوئے تھے، اکھڑی ہوئی چھت، شہتیر اور تھوڑی دور پر کوئی چیز جل رہی تھی۔ اس کے کانوں میں کراہنے کی آواز آئی۔ اسے ہوائی جہازوں اور گرتے ہوئے بموں کی خوفناک دھمک سنائی دی۔

''لیٹ جاؤ!،، اس نے پتروف سے چیخ کر کہا جو ملبوں کے ڈھیر میں چولھے کی چھت پر بیٹھا اپنے چاروں طرف وحشت سے دیکھ رہا تھا۔

وہ اینٹوں پر لیٹ گئے اور اپنے دھڑ کو ان پر زور سے دبانے لگے۔ اسی آن بم کا ایک بڑا سا ٹکڑا چمنی سے ٹکرایا اور ان پر لال گرد اور سوکھی ہوئی مٹی کی بارش ہونے لگی۔

''ہلو مت! خاموش پڑے رہو!،، میریسئف نے حکم دیا اور

اٹھ کر بھاگنے کی خواہش کو بھی دبا دیا، یہ خواہش رات کو بمباری کے وقت ہر شخص کے دل میں پیدا ہوتی ہے — جس طرف منہ اٹھے بھاگتے چلے جاؤ، جب تک دم میں دم ہو بھاگتے رہو۔

بمبار دکھائی نہ دیتے تھے۔ وہ پیراشوٹ سے بندھے ہوئے راکٹوں کی روشنی کے اوپر منڈلا رہے تھے۔ لیکن اس جھلملاتی اور پھڑکتی ہوئی روشنی میں بھی گرتے ہوئے بم صاف دکھائی دے رہے تھے۔ بم روشنی کے حلقے میں گرتے اور نیچے آتے آتے بڑے سے بڑے ہوتے چلے جاتے، زمین سے ٹکراتے، دھماکا ہوتا، سرخ شعلے گرمیوں کے اندھیرے میں بھڑک بھڑک اٹھتے۔ ایسا لگتا کہ دھرتی پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہوئی جا رہی ہے اور گرج رہی ہے۔

ہواباز چولھے سے چمٹ گئے جو ہر دھماکے کے ساتھ ہلنے اور تھرتھرانے لگتا تھا۔ وہ دھڑ، گال اور ٹانگیں چولھے کی چھت پر دبائے ہوئے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ چپک کر اینٹوں میں جذب ہو جانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ پھر انجنوں کی گھنگھناہٹ دور کہیں غائب ہو گئی اور فوراً ہی سڑک کے اس پار سے جلتے ہوئے ملبوں کی چٹخ اور سائیں سائیں کی آواز سنائی دی۔

”ہاں، انہوں نے ہمیں جھنجھوڑ دیا، ہم تازہ دم ہو گئے،، میریسئف نے پرسکون بنتے ہوئے کہا اور اپنے کپڑوں سے پیال اور گرد جھاڑنے لگا۔

”لیکن ان لوگوں کا کیا ہوا جو یہاں سوئے ہوئے تھے؟،، پتروف نے تردد کے ساتھ پوچھا۔ اس نے اپنے جبڑوں کی تھرتھراہٹ اور ہچکی کو روکنے کی کوشش کرتے ہوئے پوری وحشت سے کہا ”اور مارینا؟،،

وہ چولھے سے اتر گئے۔ میریسئف کے پاس ایک ٹارچ تھی۔ اس نے فرش پر بکھرے ہوئے تختوں اور کندوں کے نیچے تلاش کیا۔ وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ بعد میں ان کو معلوم ہوا کہ ہوابازوں نے وارننگ سن لی تھی اور وہ بھاگ کر خندقوں میں چھپ گئے تھے۔ پتروف اور میریسئف نے تمام ملبوں میں ڈھونڈ ڈالا مگر مارینا اور اس کی ماں کا کوئی سراغ نہ ملا۔ انہوں نے پکارا لیکن کوئی جواب نہ آیا۔ آخر ان کا حشر کیا ہوا؟ کیا وہ اس بمباری میں بچ نہ سکیں؟

گشتی ٹولیاں سڑک پر نکل چکی تھیں۔ اور امن بحال کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ انجینرنگ دستے کے لوگ آگ بجھا رہے تھے، ملبوں کو ڈھا کر گڑے ہوئے مردوں اور زخمیوں کو نکال رہے تھے۔ اردلی سڑکوں پر دوڑ رہے تھے اور ہوابازوں کے نام پکار رہے تھے۔ رجمنٹ فوراً ایک اور مرکز پر پہنچا دی گئی۔ ہوابازوں اور مستریوں وغیرہ کو ہوائی اڈے پر اکٹھا کر لیا گیا تاکہ پوپھٹتے ہی وہ اپنے ہوائی جہاز لے اڑیں۔ مردم شماری سے معلوم ہوا کہ جان کا نقصان بہت زیادہ نہیں ہوا تھا۔ ایک ہواباز زخمی ہوا تھا اور دو مستری اور اپنی چوکیوں پر کئی سنتری ہلاک ہوئے تھے۔ قیاس یہ تھا کہ بہت سے گاؤں والے ہلاک ہو گئے تھے لیکن کل کتنے، اس کا اندازہ تاریکی اور افراتفری کی وجہ سے نہیں لگایا جا سکتا تھا۔

صبح تڑکے ہوائی اڈے کی طرف جاتے ہوئے، میریسئف اور پتروف اس گھر کے پاس سے گزرے جہاں انہوں نے رات بسر کی تھی تو ان کا دل نہ مانا، وہ پل بھر کورک گئے۔ کندوں اور لکڑیوں کے انبار کے درمیان انجنیرنگ دستے کے دو سپاہی اسٹریچر اٹھائے لئے جا رہے تھے جس پر کوئی خون سے لتھڑی ہوئی چادر سے ڈھکا پڑا تھا۔

''کون ہے؟'' پتروف نے پوچھا۔ اس کا چہرہ زرد تھا۔ برے برے اندیشوں سے اس کا دل بھر آیا۔

اسٹریچر اٹھائے ہوئے سپاہیوں میں سے ایک داڑھی والے نے جس کی عمر زیادہ تھی اور جس کو دیکھ کر میریسئف کو استیپان ایوانووچ کی یاد آ گئی، تفصیل سے بتایا:

''ایک بڑھیا اور ایک لڑکی۔ ہمیں تہہ خانے میں ملیں۔ انہیں ڈھیتی ہوئی اینٹوں سے چوٹ آئی۔ آن کی آن میں موت کے گھاٹ اتر گئیں۔ نہ جانے یہ لاش بچی کی ہے یا کسی لڑکی کی۔ اتنی چھوٹی سی ہے کہ کچھ پتہ نہیں چلتا۔ مکھڑے سے بڑی سن موھنی لگتی ہے۔ اس کی چھاتی پر اینٹ گری۔ بڑی خوبصورت ہے، ننھی بچی کی طرح۔''

...اس رات جرمنوں نے اپنا آخری بڑا حملہ کیا اور سوویت فوجوں پر حملہ کر کے انہوں نے کورسک کی وہ جنگ چھیڑ دی جو ان کے لئے جان لیوا ثابت ہوئی۔

ابھی تک سورج نہیں نکلا تھا۔ گرمیوں کی مختصر رات کی تاریک ترین گھڑی تھی۔ لیکن ہوائی اڈے میں گرم ہوتے ہوئے انجن گھنگھنا رہے تھے شبنم سے بھیگی ہوئی گھاس پر نقشہ پھیلا ہوا تھا۔ اور اس پر جھکا ہوا کپتان چیسلوف اپنے اسکواڈرن کے ہوابازوں کو نیا ہوائی اڈہ اور اس کا راستہ دکھا رہا تھا۔

''آنکھیں کھلی رکھو،، وہ کہہ رہا تھا ''ایک دوسرے کو آنکھ سے اوجھل نہ ہونے دو۔ ہوائی اڈہ جنگ کی ٹھیک اگلی صفوں میں ہے۔،،

نیا اڈہ واقعی لڑائی کے مورچے سے بالکل قریب تھا، نقشے پر مورچے کا نشان نیلی پنسل سے بنا ہوا تھا۔ یہ جگہ زبان کی طرح نکلی ہوئی تھی اور جرمن فوجوں کی صفوں میں گھستی چلی گئی تھی۔ وہاں جانے کے لئے ان کو پیچھے نہیں بلکہ آگے اڑنا پڑتا تھا۔ ہواباز خوش تھے۔ اس حقیقت کے باوجود کہ ابکے پھر پہل دشمن نے کی تھی، سوویت فوج پیچھے ہٹنے کی نہیں بلکہ حملہ کرنے کی تیاری کر رہی تھی۔

سورج کی پہلی کرنوں نے آسمان کو روشن کر دیا تھا۔ جب دوسرا اسکواڈرن اپنے کمانڈر کے پیچھے پیچھے ہوا میں بلند ہوا تو کھیتوں میں ابھی گلابی دھند امڈ رہی تھی۔ ایک دوسرے کے قریب اڑتے ہوئے ہوائی جہازوں نے دکھن کا رخ کیا۔

میریسئف اور پتروف ایک دوسرے کے ساتھ اپنی پہلی اڑان میں قریب قریب اڑتے رہے۔ اس مختصر اڑان میں پتروف نے اپنے لیڈر کے پر اعتماد اور استادانہ اسٹائل کو پہچان لیا اور میریسئف نے جان بوجھ کر کئی بار تیزی سے اچانک رخ بدلتے ہوئے اندازہ لگا لیا کہ اس کے پیچھے پیچھے اڑنے والا ہواباز جیوٹ کا نوجوان ہے، اس کی نظر تیز ہے اور اعصاب مضبوط اور جو چیز اس کی نظر میں سب سے اہم تھی وہ یہ کہ اسے اڑانے کا اچھا اسٹائل آتا تھا اگرچہ ابھی تک اس میں وہ اعتماد نہ تھا۔

نیا ہوائی اڈہ پیدل رجمنٹ کے عقب میں تھا۔ اگر جرمنوں کو ان کا پتہ چل جاتا تو وہ بھاری توپوں سے ہی نہیں بلکہ ہلکی

توپوں سے بھی ان کو اپنا نشانہ بنا سکتے تھے۔ لیکن ان کے پاس اتنا وقت کہاں تھا کہ ٹھیک اپنی ناک تلے ابھرنے والے ہوائی اڈے کا درد سر پالیں۔ ابھی اندھیرا ہی تھا کہ انہوں نے سوویت فوجوں کی مورچہ‌بندیوں پر گولے برسانا شروع کئے جن کا ذخیرہ انہوں نے بہار بھر جمع کیا تھا۔ مورچہ بند علاقے میں، آسمان کی بلندیوں میں، ایک سرخ اور تھرتھراتی ہوئی لپک بلند ہو رہی تھی۔ دھماکوں سے ہر چیز سٹ‌جاتی اور معلوم ہوتا کہ ہر منٹ سیاہ درختوں کے گھنے جنگل ہوا میں بلند ہو رہے ہیں۔ اس چیختے، چنگھاڑتے اور لرزتے ہوئے اندھیرے میں کسی چیز کا پتہ چلانا دشوار تھا۔ سورج ایک دھندلی سی سرخ تھالی کی طرح آسمان میں معلق تھا۔

ایک ماہ قبل سوویت ہوابازوں نے، جرمن پوزیشن کا حال معلوم کرنے کے لئے جو آسمانی دورہ کیا تھا وہ رائگاں نہ گیا تھا۔ اس سے جرمن کمان کے ارادوں کا سراغ مل گیا تھا۔ ان کی فوجوں کی پوزیشن اور مورچہ بندی کا حال، خانہ بہ خانہ نقشے پر موجود تھا۔ جرمن، اپنی عادت کے مطابق، غافل سوئے ہوئے دشمن کی پشت میں پوری طاقت سے خنجر گھونپنے کے منصوبے باندھہ رہے تھے۔ لیکن دشمن صرف سوتا بنا ہوا تھا، اس نے حملہ آور کا ھاتھہ پکڑ لیا اور اسے اپنی زوردار آھنی گرفت میں کچل کر رکھہ دیا۔ بیسیوں کلومیٹر پر پھیلے ہوئے محاذ پر توپوں کی تیاریوں کی گھن گرج ابھی مٹی بھی نہ تھی اور ابھی جرمنوں کے کان خود اپنی توپوں کی دھمک اور گرج سے بہرے ہو رہے تھے اور بارود کے دھوئیں سے ان کی صفوں پر بادل سے چھا رہے تھے کہ انہیں خود اپنی خندقوں پر گولوں کی سرخ گیندیں گرتی ہوئی نظر آئیں۔ سوویت توپوں کے گولے نشانے پر بیٹھے۔ انہوں نے جرمنوں کی طرح پورے حلقوں پر گولے نہیں برسائے بلکہ خاص خاص مرکزوں، توپ‌خانوں، ٹینکوں کے ذخیروں، حملے کے لئے صف بند پیدل فوجوں کو اپنا نشانہ بنایا۔ انہوں نے پلوں پر، زمین کے نیچے چھپے ہوئے گولےبارود کے ذخیروں پر اور کمانڈ پوسٹوں پر گولے برسائے۔

جرمن گولےباری نے بڑھہ کر ایک خوفناک جنگ کی شکل اختیار کر لی جس میں دونوں طرف سے مختلف قسم کی ہزارہا توپیں

حصه لے رہی تھیں۔ جب کپتان چیسلوف کا اسکواڈرن ہوائی اڈے پر اترا تو زمین کانپ گئی اور دھماکوں کی گھن گرج ایک بے پناہ اور مسلسل گرج میں بدل گئی جیسے گرجتی ہوئی ریل گاڑی پل پر دوڑ رہی ہو — سیٹی بجاتی، گھڑ گھڑاتی اور جھنکارتی ہوئی۔ امڈتے ہوئے دھوئیں کے پہاڑوں نے افق کو آنکھ سے اوجھل کر دیا تھا۔ رجمنٹ کے ہوائی اڈے کے اوپر بمباروں کے دل کے دل اترتے رہے۔ ان میں سے کچھ تو ہنسوں کی قطاروں میں آتے، بعض تیر کے پھل کے شکل میں اور بعض کھلی ہوئی قطاروں میں۔ ان کے بموں کی دھمک، توپوں کی گھن گرج میں الگ پہچانی جا سکتی تھی۔

اسکواڈرنوں کو حکم دیا گیا کہ وہ ''تیاری نمبر ۲'' پر رہیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ہواباز اپنے ہوائی جہازوں کے کاک پٹ میں بیٹھے رہیں اور جیسے ہی پہلا راکٹ ہوا میں بلند ہو وہ چل دیں۔ ہوائی جہاز دھکیل کر برچ کے جنگل کے دامن میں، شاخوں تلے چھپا دئے گئے۔ جنگل کی ٹھنڈی اور سیلی ہوا میں سانپ کی چھتریوں کی خوشبو بسی ہوئی تھی اور مچھروں نے پورے جوش سے ہوابازوں کے چہروں، گردنوں اور ہاتھوں پر ہلہ بول دیا۔ ان کی بھنبھناہٹ توپوں کی گھن گرج میں دب گئی۔

میریسئف نے اپنا خود اتارا اور مچھروں کو اڑاتے ہوئے گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ وہ جنگل کی صبح کی تیز خوشبو سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اس کے پاس ہی اس کے ساتھی کا ہوائی جہاز تھا۔ باربار پتروف کاک پٹ میں اپنی جگہ سے اٹھتا اور کھڑا ہوکر اس سمت دیکھتا جدھر گھمسان کی جنگ جاری تھی۔ وہ ان بمباروں کو بھی دیکھتا جو اوپر سے گزر رہے تھے۔ وہ ہوا میں بلند ہو کر زندگی میں پہلی بار دشمن کا سامنا کرنے کو بیقرار تھا۔ وہ اپنی گولیوں کا نشانہ محض ہوا سے پھولی ہوئی آستین کو نہیں بنانا چاہتا تھا جس کو ہوائی جہاز ''ر - ۵'' کھینچ رہا تھا۔ وہ دشمن کے حقیقی، اڑتے، تڑپتے، دراتے ہوئے جہازوں کو اپنی گولیوں کا نشانہ بنانا چاہتا تھا۔ شاید اس ہوائی جہاز میں وہی ہواباز گھونگھے کی طرح بیٹھا ہو جس کے بم نے اس دھان پان خوبصورت

لڑکی کو خاک و خون کر دیا تھا۔ اب اسے محسوس ہوتا تھا جیسے اس نے اس لڑکی کو اپنے حسین خواب میں دیکھا ہو اور بس۔

میریسئف نے اپنے بیقرار ساتھی کو دیکھا اور دل ہی دل میں سوچا: ''ہماری عمر قریب قریب ایک ہی سی ہے۔ وہ انیس برس کا ہے اور میری عمر تیئیس برس ہے۔ تین چار برس کا فرق مرد کے لئے ہوتا ہی کیا ہے لیکن اپنے ساتھی کے پہلو میں اس نے خود کو ایک تجربہ کار، سنجیدہ اور تھکا ہوا بوڑھا آدمی محسوس کیا۔ پتروف اپنے کاک‌پٹ میں بیقرار ہاتھہ مل رہا تھا، ہنس رہا تھا اور گزرتے ہوئے سوویت ہوائی جہازوں پر چیخ چلا رہا تھا اور الکسئی اس وقت اپنی جگہ پر آرام سے ٹانگیں پسارے لیٹا ہوا تھا۔ وہ پرسکون تھا۔ اس کے پیر نہ تھے۔ اس کے لئے دنیا بھر کے دوسرے ہوابازوں کے مقابلے میں ہوائی‌جہاز اڑانا کئی گنا زیادہ مشکل تھا۔ لیکن پھر بھی وہ پریشان نہ تھا۔ اس کو اپنے فن پر پورا یقین اور اپنی کٹی ہوئی ٹانگوں پر پورا اعتماد تھا۔

شام تک رجمنٹ ''تیاری نمبر ۲،، کی حالت میں رہا۔ کسی وجہ سے اسے ریزرو رکھا گیا۔ ظاہر تھا کہ وہ وقت سے پہلے اس کی پوزیشن ظاہر نہیں کرنا چاہتے تھے۔

رجمنٹ کو سونے کے لئے جو خندقیں ملی تھیں، جرمنوں نے بنائی تھیں۔ یہ خندقیں اس زمانے میں بنائی گئی تھیں جب یہاں جرمنوں کا قبضہ تھا۔ جرمنوں نے ان خندقوں کو آرام دہ بنانے کے لئے تختوں پر گتے اور پیکنگ کے کاغذ لگا دئے تھے۔ دیواروں پر اب تک فلمی ستاروں کی تصویریں چپکی ہوئی تھیں۔ ان کے منہ ہیبت‌ناک حد تک کھلے ہوئے تھے۔ اور دوسری تصویروں میں جرمن شہروں کی جھلک نظر آ رہی تھی۔

توپوں کی گھن گرج جاری رہی۔ زمین دھڑکتی، لرزتی رہی۔ سوکھی ریت دیواروں پر چپکے ہوئے کاغذوں پر سے سرسرا کر پھسلتی اور گرتی رہی۔ اس سے ایک عجیب قسم کی کرکراہٹ اور سرسراہٹ پیدا ہوتی اور معلوم ہوتا کہ خندقوں میں ہزاروں کیڑے مکوڑے دوڑ رہے ہیں۔

میریسئف اور پتروف نے کھلے آسمان کے نیچے اپنے کیپ بچھا کر سونے کا فیصلہ کیا۔ کپڑے اتارے بغیر سونے کا حکم دیا گیا

تھا۔ میریسئف نے محض اپنے پیروں کے فیتے ڈھیلے کر لئے۔ وہ چت لیٹا آسمان کو گھور رہا تھا جو دھماکوں کے سرخ کوندوں میں تھرتھراتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ پتروف فوراً سو گیا۔ وہ نیند میں خراٹے لیتا رہا، بڑبڑاتا رہا، جبڑے چلاتا اور ہونٹ چاٹتا رہا۔ وہ بچے کی طرح سمٹا سمٹایا پڑا تھا۔ میریسئف نے اپنے فوجی کوٹ سے اس کو ڈھک دیا۔ جب اس کو محسوس ہوا کہ اب اسے نیند نہیں آ سکتی تو سردی سے کانپتے ہوئے وہ اٹھا اور زور زور سے اپنے ہاتھ پیر جھٹکے تاکہ جسم میں کچھ گرمی آ جائے اور پھر ایک درخت کے ٹھنٹھ پر بیٹھ گیا۔

توپوں کا بگل بجا۔ یہاں وہاں صرف چند توپخانوں نے اکا دکا گولے برسانا شروع کئے۔ کئی بھٹکے ہوئے گولے اوپر سے سنسناتے ہوئے گئے اور ہوائی اڈے کے آس پاس کہیں گرے۔ عام طور پر اس قسم کی محض دہلانے والی گولہ‌باری کا کسی پر کوئی خاص اثر نہ ہوتا تھا۔ الکسئی نے دھماکوں کی آواز پر مڑکر بھی نہ دیکھا۔ اس کی نگاہیں لڑائی کے مورچے کی طرف جمی ہوئی تھیں۔ اندھیرے میں مورچہ صاف نظر آ رہا تھا۔ اس وقت بھی، رات گئے، وہاں گھمسان کا رن جاری تھا جس کا عکس افق پر پھیلے ہوئے ان سرخ شعلوں کی روشنی میں، سوئی ہوئی زمین پر پڑ رہا تھا۔ اور اس کے اوپر راکٹوں کی جھلملاتی ہوئی روشنیاں کوند جاتی تھیں — جرمنوں کی نیلگوں روشنی اور سوویت فوجوں کی آسمان میں لہراتی ہوئی زردی مائل روشنی۔ جگہ جگہ اکا دکا شعلوں کی بہت ہی بڑی بڑی زبانیں آسمان میں لہراتیں اور زمین پر سے اندھیرے کا پردہ ایک لمحے کو ہٹا دیتیں اور اس کے بعد دھماکے کی گہری سانس کی آواز آتی۔

رات کے بمباروں کی گھڑگھڑاہٹ سنائی دی اور سارے محاذ پر گولیوں نے صدرنگ موتیوں جیسے نقش و نگار ابھار دئے۔ طیارہ شکن توپوں نے تابڑ توڑ گولے اگلنا شروع کئے جو خون کی بوندوں کی طرح آسمان میں تیرتے سنسناتے چلے گئے۔ زمین پھر تھرتھرانے، کراہنے اور سسکنے لگی۔ لیکن برچ کے درختوں کی پھننگوں میں بھنبھناتے ہوئے بھونروں پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ جنگل کی پہنائیوں میں کہیں ایک عقاب انسانی آواز میں بول رہا تھا۔ یہ

شگون برا تھا - گھاٹی کی جھاڑیوں میں ایک بلبل گا رہا تھا، اس کے دل سے دن والا خوف دور ہو چکا تھا، شروع میں تو اس نے جھجک جھجک کر گایا، جیسے اپنی آواز کا امتحان لے رہا ہو یا کسی ساز کا سر ٹھیک کر رہا ہو، لیکن پھر کھل کر گانے لگا، چہک چہک کر، لہک لہک کر - ایسا لگتا تھا کہ خود اپنے نغمے کی گونج سے اس کا دل چاک ہو جائیگا - اس کے نغمے نے آگ سی لگا دی اور دوسرے بلبلوں نے بھی گانا شروع کر دیا اور تھوڑی دیر میں پورا محاذ ہر طرف سے ابھرتے ہوئے شیریں نغموں سے گونج اٹھا - جب ہی تو کورسک کے بلبل دنیا بھر میں مشہور ہیں!

اور اب بلبلوں کے نغمے سے فلک گونج اٹھا تھا - الکسئی، جسے اگلے دن، کمیشن کے سامنے نہیں بلکہ خود موت کے سامنے امتحان کے لئے جانا تھا، بلبلوں کے اس کورس میں جاگتا رہا - اس کے خیالات کا مرکز آنے والی صبح نہ تھی، نہ آنے والی جنگ تھی اور نہ ہی موت کا امکان تھا - اس کے خیالات کا مرکز تو وہ دور افتادہ بلبل تھی جس نے کبھی کامی‌شین کے مضافات میں ان کی خاطر نغمہ چھیڑا تھا - اس کے خیالات تو ''اپنی،، بلبل، اپنی اولیا کے ساتھ اور اپنے پیدائشی شہر کے ساتھ تھے -

پورب میں آکاش کا رنگ پیلا پڑ گیا - رفتہ رفتہ بلبلوں کا نغمہ توپوں کی گھن گرج میں کھو گیا - سورج آہستہ آہستہ میدان جنگ کے اوپر ابھرا، بہت بڑا اور لال بھبوکا - اس کی کرنوں کو گولوں اور دھماکوں کے دھوئیں کو چیرنے میں بڑی دقت ہو رہی تھی -

۴

کورسک کی گھمسان جنگ اسی خون‌آشامی کے ساتھ چلتی رہی - جرمنوں کا ابتدائی منصوبہ یہ تھا کہ کورسک کے دکھن اور اتر میں، ہماری قلعہ بندیوں کو ٹینکوں اور دراتے ہوئے زوردار تیز و تند حملوں سے توڑ کر رکھ دیں، سوویت فوج کے کورسک والے گروہ کو چاروں طرف سے گھیر لیں اور وہاں ''جرمن استالن گراد،، کی بنیاد رکھیں - لیکن سوویت دفاع کی ثابت قدمی نے ان کے منصوبوں پر پانی پھیر دیا - چند دن کے بعد جرمن کمان

نے محسوس کر لیا کہ وہ اس دفاعی دیوار کو توڑنے میں ناکام رہینگے اور اگر کامیاب ہو بھی گئے تو ان کا نقصان اتنا زیادہ ہو چکا ہوگا کہ ان کے پاس پھر آگے بڑھ کر گھیرا ڈالنے کے لئے کافی سپاہی نہ رہ جائینگے۔ لیکن اب بہت دیر ہو چکی تھی۔ اس کو روکا نہ جا سکتا تھا۔ ہٹلر نے اسی حملے پر، اسی جنگی منصوبے، داؤں اور سیاسی قدم پر ساری امیدیں مرکوز کر رکھی تھیں۔ ایک طوفان بپھر چکا تھا۔ یہ طوفان پہاڑ کی ڈھلان پر اتر رہا تھا، اس کی رفتار اور شدت بڑھتی جا رہی تھی۔ اس کے راستے میں جو کچھ بھی آتا وہ اپنے ساتھ بہا لے جاتا۔ جنھوں نے اس طوفان کا دروازہ کھولا تھا، اس کو روکنا ان کے بس میں نہ تھا۔ جرمنوں کی کامیابی ایک ایک کلومیٹر، پورے پورے ڈویژنوں اور دستوں کی تباہی، سینکڑوں ٹینکوں اور توپوں اور ہزاروں گاڑیوں کی بربادی کی شکل میں تل رہی تھی۔ بڑھتی ہوئی فوجیں خاک و خون ہو ہوکر طاقت کھو رہی تھیں۔ جرمن ہیڈکوارٹر کو یہ معلوم تھا۔ لیکن اب اس صورت حال کو روکنا ان کے بس میں نہ تھا۔ اس وقت وہ جنگ کے اس دھکتے ہوئے جہنم میں زیادہ سے زیادہ ریزرو فوج جھونکنے پر مجبور تھے۔

سوویت کمان نے جرمن حملوں کا جواب ان فوجوں کی مدد سے دیا جو یہاں دفاعی مورچے کو سنبھالے ہوئے تھیں۔ سوویت کمان جرمنوں کی اس خوفناک اور جان توڑ جنگ کا نظارہ کر رہی تھی۔ اس نے اپنی ریزرو فوجوں کو دور رکھ چھوڑا تھا اور دشمن کے تھکنے اور نڈھال ہونے کا انتظار کر رہی تھیں۔ جیسا کہ بعد میں میریسئف کو معلوم ہوا، اس کے رجمنٹ کا کام یہ تھا کہ وہ اس فوج کی حفاظت کرے جو جوابی حملے کے لئے صف‌آرا تھی۔ اسی وجہ سے وہ ٹینک کے دستے اور ہوائی فوج کے دستے جن کو ان کے ساتھ حملہ کرنا تھا، اس عظیم جنگ کے شروع میں خاموش تماشائی بنے ہوئے تھے۔ جب دشمن کی تمام فوجیں کھنچ کر میدان جنگ میں آ گئیں تو ہوائی اڈے میں ''تیاری نمبر ۲'' کا حکم ختم ہوا۔ ہوابازوں کو خندقوں میں سونے اور کپڑے اتارنے کی اجازت بھی دے دی گئی۔ میریسئف اور پتروف نے از سر نو رہنے سہنے کا انتظام کیا۔ انہوں نے دیواروں سے لگائی ہوئی تصویروں

اور بدیسی مناظر کے چربوں کو نوچ پھینکا۔ انہوں نے گتے اور کاغذ ادھیڑ کر پھینک دئے اور ان کی جگہ فر اور برچ کی ٹہنیاں بچھائیں۔ اس کے بعد گرتی ہوئی ریت کی سرسراہٹ اور کھر کھراہٹ نے خندقوں کی زندگی میں خلل پیدا نہیں کیا۔

صبح کا وقت تھا، سورج کی تابناک کرنیں خندق کے دروازے سے گزر کر فرش پر بچھی ہوئی چیڑ کی ٹہنیوں اور پتوں پر لوٹ رہی تھیں۔ یہ دونوں دوست ابھی تک اپنے اپنے تخت پر اینڈ رہے تھے۔ یہ تخت دیواروں میں طاق کی طرح بنائے گئے تھے۔ یکایک اوپر راستے سے تیز تیز قدموں کی آہٹ سنائی دی اور کسی نے ہانک لگائی ''ڈاکیہ!،، محاذ پر یہ لفظ جادو کا اثر رکھتا تھا۔

دونوں نے ایک ساتھہ اپنے کمبل جھٹک کر الگ پھینکے۔ میریسئف ابھی اپنے فیتے ہی کس رہا تھا کہ پتروف باہر بھاگ لیا۔ اس نے ڈاکئے کو پکڑا اور الکسئی کے لئے دو خط ہاتھہ میں لئے بڑی فاتحانہ شان سے اندر آیا۔ ایک خط اس کی ماں کا تھا اور دوسرا اولیا کا۔ الکسئی نے بڑھہ کر اپنے دوست کے ہاتھہ سے خط جھپٹ لئے۔ لیکن اسی آن ہوائی اڈے سے بگل کی تیز آواز سنائی دی جو ہوابازوں کو اپنے اپنے طیاروں میں پہنچنے کا پیغام دے رہی تھی۔

میریسئف نے دونوں خطوں کو اپنی وردی کے گریبان میں ڈالا اور فوراً ان کے بارے میں بھول گیا۔ وہ پتروف کے پیچھے پیچھے جنگل کے اس راستے پر ہو لیا جو ہوائی جہازوں کی طرف جاتا تھا۔ وہ کافی تیز بھاگ رہا تھا۔ وہ اپنی چھڑی کے سہارے چل رہا تھا اور بہت کم لنگڑا رہا تھا۔ جب وہ اپنے ہوائی جہاز کے پاس پہنچا تو اس کا پردہ ہٹایا جا چکا تھا اور چیچک رو مستری، جو بات بات پر قہقہہ بلند کرنے کا شوقین تھا، بے صبری سے اس کا انتظار کر رہا تھا۔

انجن گھڑگھڑایا۔ میریسئف اپنے اسکواڈرن کمانڈر کے ہوائی جہاز نمبر ٦ کو گھور رہا تھا۔ کپتان چیسلوف نے اپنے ہوائی جہاز کو دوڑایا اور کھلے ہوئے میدان میں نکل آیا۔ اس نے بازو اٹھایا جس کا مطلب تھا — ''اٹنشن!،،۔ دوسرے انجن بھی گھنگھنانے لگے۔ چکراتی ہوئی، بونڈر جیسی ہوا گھاس کے سروں کو جھکائے دے رہی تھی۔ ہوا کے جھونکے سائیں سائیں کرتے ہوئے برچ کی

شاخوں کو ہلنے اور سرسرانے پر مجبور کر رہے تھے جیسے وہ ٹوٹ پڑینگی۔

الکسئی اپنے ہوائی جہاز کی طرف دوڑ رہا تھا کہ ایک دوسرے ہواباز نے اس کو آ لیا اور چلا کر بتایا کہ اب ٹینک پیش قدمی کر رہے ہیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ لڑاکو ہوائی جہازوں کو ٹینکوں کے راستے کی حفاظت کرنی تھی جو دشمن کے پسپا مورچوں سے ہو کر گزرتا تھا۔ انہیں حملہ آوروں کے اوپر ہوا کو صاف اور محفوظ رکھنا تھا۔ ہوا کی بلندیوں کی حفاظت؟ اس کا مطلب کیا تھا؟ یقینی اس کا مطلب یہ تھا کہ یہ پرسکون اڑان نہ ہوگی۔ دیر یا سویر دشمن سے فضا میں ملاقات ہونی ہی تھی۔ اب امتحان کا وقت آتا ہے! اب وہ ثابت کریگا کہ وہ کسی بھی ہواباز سے کم نہیں ہے اور یہ کہ اس نے اپنا مقصد حاصل کر لیا ہے۔

الکسئی ذرا گھبرایا ہوا تھا۔ لیکن اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ موت سے ہراسان تھا۔ اس کا کارن خطرے کا وہ احساس بھی نہیں تھا جو بہادر سے بہادر اور پر سکون سے پرسکون آدمی کو بھی متاثر کر دیتا ہے۔ کوئی اور چیز تھی جو اسے پریشان کر رہی تھی: کیا اسلحہ خانے والوں نے مشین گنوں اور توپوں کی جانچ کر لی ہے؟ کیا اس کے نئے خود میں ایرفون لگے ہوئے ہیں جس کی آزمائش اب تک نہیں ہوئی تھی؟ کیا پتروف پیچھے نہ رہ جائیگا یا وہ دشمن سے لڑتے وقت ضرورت سے زیادہ تیزی سے تو نہیں ٹوٹ پڑیگا؟ چھڑی کہاں ہے؟ وہ واسیلی واسیلیوچ کا تحفہ کھونا نہ چاہتا تھا۔ اسے یہ پریشانی بھی تھی کہ اس نے جو کتاب خندق میں چھوڑ دی تھی کوئی اٹھا نہ لے جائے۔ یہ ایک ناول تھا جو اس نے پچھلے دنوں اس کے انتہائی سنسنی خیز حصے تک پڑھ ڈالا تھا اور جسے اس نے جلدی میں میز پر پڑا چھوڑ دیا تھا۔ اس کو یاد آیا کہ اس نے پتروف کو خدا حافظ بھی نہیں کہا تھا۔ اس لئے اس نے کاک پٹ سے اس کی طرف ہاتھہ ہلایا۔ لیکن پتروف نے اس کو نہیں دیکھا۔ وہ بڑی بے صبری سے کمانڈر کے اٹھے ہوئے ہاتھہ کو گھور رہا تھا۔ چمڑے کے خود نے اس کے چہرے کو اپنے حلقے میں لے لیا تھا، جس پر سرخی کے دھبے ابھر آئے تھے۔ ہاتھہ گر گیا۔ کاک پٹ کی چھتیں بند کردی گئیں۔

تین ہوائی جہازوں کی ایک ٹولی چنگھاڑتی اور دوڑتی ہوئی چل دی، پھر دوسری ٹولی اور اس کے بعد تیسری ٹولی۔ جیسے ہی پہلے تین ہوائی جہاز ہوا میں بلند ہوئے میریسئف کی ٹولی دوڑی اور ان کے پیچھے ہوا میں بلند ہو گئی اور ان کے نیچے چپٹی زمین تھرتھراتی رہی۔ میریسئف نے اگلے تین ہوائی جہازوں کو نظر میں رکھتے ہوئے سیدھہ بنائی اور اس کے پیچھے پیچھے تیسری ٹولی ہوا میں بلند ہو گئی۔

وہ اگلی صف کے اوپر پہنچے۔ گولوں سے چھلنی اور پٹی ہوئی زمین، ہوا کی بلندیوں سے گرد و غبار سے اٹی ہوئی سڑک کی طرح معلوم ہوتی تھی جس پر زوردار بارش کے پہلے چھینٹے پڑے ہوں۔ ڈھے کر برابر ہوجانے والی خندقیں، جنگی آڑ اور ٹٹیاں اور توپ کے مچان پھوڑے پھنسیوں کی طرح نظر آ رہے تھے۔ توپوں کے وہ مچان جو اب کندوں اور اینٹوں کے ڈھیر کے علاوہ اور کچھہ نہ تھے۔ تباہ‌حال وادی میں پیلی روشنیاں کوند رہی تھیں۔ یہ روشنیاں نیچے کی گھمسان لڑائی سے پیدا ہو رہی تھیں۔ یہ سب کچھہ اوپر سے کتنا چھوٹا، کھلونے جیسا اور عجیب نظر آ رہا تھا! آدمی کو مشکل سے یقین آ سکتا تھا کہ نیچے ہر چیز جل رہی ہے، گرج رہی ہے، لرز اور دھڑک رہی ہے۔ کسے یقین آ سکتا تھا کہ نیچے دھوئیں اور گرد میں پاش پاش زمین پر موت جبڑے چیرے رینگ رہی ہے اور لہلہاتی فصل کاٹ رہی ہے۔

وہ لڑائی کی اگلی صف کے اوپر سے گزرتے چلے گئے، دشمن کے عقب میں ایک چکر سا کاٹا اور دوبارہ لڑائی کی لائن کو پار کیا۔ کسی نے ان پر گولی نہیں چلائی۔ لوگ نیچے اپنی مصیبت میں اتنا کھوئے ہوئے تھے کہ انہیں سر پر منڈلاتے ہوئے چھوٹے چھوٹے نو ہوائی جہازوں کی طرف توجہ دینے کی فرصت نہ تھی۔ لیکن ٹینک کہاں تھے؟ اوہ! وہ رہے! میریسئف نے ان کو جنگل سے رینگ کر نکلتے ہوئے دیکھا، ایک دوسرے کے پیچھے قطار میں۔ اوپر کی بلندیوں سے وہ سوسئی رنگ کے عجیب و غریب بھونروں کی طرح نظر آ رہے تھے۔ جلد ہی ان کی بہت بڑی تعداد جنگل سے نکل آئی تھی۔ لیکن ان کا کارواں تھا کہ برابر ہرے جنگلوں سے رینگتا ہوا نکل رہا تھا اور سڑک اور گڈھوں سے گزرتا ہوا آگے

بڑھ رہا تھا۔ ان کے آگے والے ٹینک تو پہاڑیوں پر چڑھنے لگے اور گولوں سے پاش پاش زمین تک پہنچ گئے۔ ان کی سونڈوں سے سرخ چنگاریاں نکلنے لگیں۔ اگر کوئی بچہ یا گھبرائی ہوئی عورت بھی میریسئف کے ساتھ اوپر سے ٹینکوں کے اس بے پناہ حملے کا نظارہ کرتی، سینکڑوں مشینوں کے اس بے رحم سیل کو دیکھتی جو جرمن مورچوں کی بچی کھچی طاقت کے خلاف رواں دواں تھی تو وہ ذرا نہ ہولتی۔ اس وقت اس نے ایرفون میں، چیخ اور بھنبھناہٹ کی آواز کے درمیان کپتان چیسلوف کی بھاری آواز سنی:

''اٹنشن! میں ہوں چیتا تین! میں چیتا تین! دائیں طرف جرمن ہوائی جہاز! دائیں!''

الکسئی نے اپنے سامنے ایک آڑی لکیر دیکھی۔ یہ کمانڈر کا ہوائی جہاز تھا۔ ہوائی جہاز نے ہچکولے کھائے۔ اس کا مطلب تھا ''وہی کرو جو میں کروں!''

میریسئف نے خود اپنے ساتھ کے ہوائی جہازوں کے لئے اس حکم کو دوہرایا۔ اس نے مڑ کر دیکھا: اس کا ساتھی قریب قریب اس کے برابر ہوا میں معلق تھا۔ بہت اچھے بھیا!

''ڈٹ کر، میرے یار!'' اس نے پکار کر کہا۔

''میں ڈٹا ہوا ہوں!'' گھڑگھڑاہٹ اور بھنبھناہٹ کے درمیان آواز آئی۔

اس نے پھر آواز سنی۔

''میں ہوں چیتا تین، چیتا تین!'' اور پھر حکم ''ساتھ آؤ!''

دشمن قریب تھا۔ ٹھیک ان کے نیچے۔ ان کی قطار اس طرح تھی کہ ایک کے پیچھے ایک جہاز تھا۔ یہ انداز جرمنوں کو بہت پسند تھا۔ یہ ''یونکرس۔ ۸۷'' کا دستہ تھا، ایک انجن والے غوطہ خور بمباروں کا دستہ۔ یہ وہ خوفناک بمبارے تھے جنھوں نے پولینڈ، فرانس، ہالینڈ، ڈنمارک، بلجیم اور یوگوسلاویہ کی لڑائیوں میں قزاقوں جیسی شہرت حاصل کی تھی۔ ان کے بارے میں ساری دنیا کے اخباروں میں، جنگ کے شروع میں رونگٹے کھڑے کرنےوالی داستانیں چھپی تھیں۔ سوویت یونین کی بیکراں وسعتوں میں ان کا کچومر نکل کر رہ گیا۔ بہت سی فضائی لڑائیوں میں سوویت ہوابازوں

نے ان کی کمزوریاں بھانپ لیں۔ اور ہمارے بہترین ہواباز ان ''یونکرسوں،، کو کمتر درجے کا شکار تصور کرنے لگے۔ جیسے وہ جنگلی تیتر یا خرگوش ہوں، ان کے لئے کوئی منجھا ہوا شکاری ہونے کی ضرورت نہ تھی۔

کپتان چیسلوف نے اسکواڈرن کو سیدھے دشمن سے نہیں ٹکرایا۔ اس نے ایک چکر کاٹا۔ میریسئف نے سوچا کہ ہوشیار کپتان دراصل ''سورج کو اپنے پیچھے لینا چاہتا ہے،، تاکہ اس کی چکاچوند پیدا کرنےوالی کرنوں میں چپکے سے دشمن کے قریب پہنچ کر ہلہ بول دے۔ الکسئی دل ہی دل میں مسکرایا اور سوچا ''وہ اتنا گھوم پھیر کے داؤ پیچ سے کام لے کر ان یونکرسوں کی ضرورت سے زیادہ عزت کر رہا ہے۔ پھر بھی احتیاط کرنے میں کوئی نقصان نہیں ہے۔،، اس نے پھر مڑ کر دیکھا پتروف اس کے پیچھے تھا۔ وہ سفید بادلوں کے پس منظر میں صاف اسے دیکھ سکتا تھا۔

جرمن دستہ اب ان کے دائیں ہاتھ پر تھا۔ ہوائی جہاز بڑی خوبصورت قطار بندی کے ساتھ اڑ رہے تھے، مکمل ہم‌آہنگی کے ساتھ جیسے ان دیکھے ڈور میں پروئے ہوئے ہوں۔ اوپر سے برستی ہوئی سورج کی کرنوں میں ان کے پر بڑی چکاچوند کے ساتھ چمک رہے تھے۔

الکسئی نے کمانڈر کے حکم کے آخری الفاظ سے:

''...چیتا تین۔ ٹوٹ پڑو!،،

اس نے دیکھا کہ چیسلوف اور اس کا ساتھی، دشمن کے بازو پر چیل کی طرح جھپٹے۔ قریب ترین ''یونکرس،، پر گولیوں کی بوچھار ہوئی۔ یونکرس گر پڑا اور چیسلوف، اس کا ساتھی اور تیسرا ہواباز، تینوں جرمن ہوائی جہازوں کی صف میں پڑی ہوئی دراڑ میں سے نیچے نکل گئے۔ جرمنوں نے فوراً اپنی صف برابر کر لی اور یونکرس پوری صف بندی کے ساتھ اپنی منزل کی طرف پرواز کرتے رہے۔

الکسئی نے سگنل دیا اور وہ چیخنا چاہتا تھا ''ٹوٹ پڑو!،، لیکن وہ اتنے جذبات اور جوش میں تھا کہ اس کے منہ سے ''ٹو... ٹو... ٹو،، سے زیادہ نہ نکل سکا۔ وہ تو نیچے جھپٹ چکا تھا اور اسے سکون اور ہمواری کے ساتھ اڑتی ہوئی جرمن لائن کے سوا

اور کچھ نظر نہ آ رہا تھا۔ اس نے اس ہوائی جہاز کو اپنے نشانے کے لئے چن لیا جس نے چیسلوف کے گرائے ہوئے ہوائی جہاز کی جگہ لے لی تھی۔ اس کے کانوں میں گونج سنائی دی۔ اس کا دل اتنی وحشت سے دھڑکنے لگا کہ اس کا گلا گھٹتا ہوا محسوس ہوا۔ اس نے اپنے چنے ہوئے شکار کو نشانے کے سوراخ میں رکھا اور اپنے دو انگوٹھوں کو گھوڑوں پر رکھتے ہوئے اس کی طرف جھپٹا۔ سرمئی رنگ کی دھوئیں بھری لکیریں سی اس کے پاس سے گزر گئیں۔ اوھو! وہ گولیاں برسا رہے ہیں! نشانہ خالی گیا! دوبارہ! ابکے زیادہ قریب! کوئی نقصان نہیں پہنچا! پتروف کا کیا حال ہے؟ اس کو بھی نقصان نہیں پہنچا۔ وہ بائیں طرف ہے۔ وار خالی گیا۔ شاباش لڑکے! جرمن ہوائی جہاز کا پہلو سائز میں بڑا ہوتا گیا۔ اس کے انگوٹھوں نے الیمونیم کے ٹھنڈے بٹنوں کو محسوس کیا۔ ذرا اور قریب آ لوں...

یہ وہ لمحہ تھا جب الکسئی نے محسوس کیا کہ وہ ہوائی جہاز میں بالکل ضم ہو گیا ہے۔ اس نے انجن کی دھڑکن محسوس کی جیسے وہ اس کے دل کی دھڑکن ہو۔ اس کے پورے وجود نے ہوائی جہاز کے پروں اور پتوار کی تھرتھراہٹ محسوس کی اور اسے لگا کہ بے لچک نقلی پیروں میں بھی حس جاگ اٹھی ہے اور وہ اس کے اور ہوائی جہاز کی تیز نقل و حرکت کی پوری وابستگی میں رکاوٹ نہیں ہیں۔ فاشسٹ ہوائی جہاز کا خوبصورت گاؤدم دھڑ زد سے ہٹ گیا۔ لیکن پھر اس نے اس کو زد پر لے لیا اور گھوڑے دبا دئے۔ اس نے نہ گولیوں کی دھائیں دھائیں سنی، اور نہ گولیوں کی بوچھار دیکھی لیکن وہ جانتا تھا کہ اس کا وار بھر پور پڑا تھا اور وہ جھپٹتا چلا گیا۔ اس کو یقین تھا کہ اس کا شکار گر جائیگا اور اس کا ہوائی جہاز اس سے نہیں ٹکرائیگا۔ اس نے اپنی زد سے نظر جو ہٹائی تو اسے اپنے نشانے کے ساتھہ والا ہوائی جہاز گرتا نظر آیا۔ کیا دو ہوائی جہاز مار گرائے؟ نہیں۔ یہ پتروف کا کارنامہ تھا۔ وہ اس کے دائیں ہاتھہ پر تھا۔ بالکل نئے نویلے ہواباز کے لئے یہ برا نہ تھا! اس کو اپنی کامیابی سے زیادہ اپنے نوجوان دوست کی اس کامیابی پر مسرت ہوئی۔

دوسری ٹولی بھی جرمن ہوابازوں کی قطاروں میں پڑی ہوئی دراڑ میں گزر گئی۔ اور تب اصلی تماشا شروع ہوا۔ جرمن ہوائی جہازوں کی دوسری موج آئی۔ اس میں نسبتاً کم تجربہ کار ہواباز معلوم ہوتے تھے کیونکہ انہوں نے اپنی صفوں کو توڑنا شروع کر دیا۔ چیسلوف کی ٹولی کے ہوائی جہاز بکھرے ہوئے یونکرسوں کے درمیان پل پڑے اور ان کو مار بھگایا۔ انہوں نے ان کو مجبور کیا کہ اپنے بم خود اپنے مورچوں پر گرا دیں۔ کپتان چیسلوف کی اس مہم کی مراد بر آئی... اس کا مقصد ھی یہ تھا کہ دشمن کو خود اپنی صفوں پر بم برسانے پر مجبور کرے! سورج کو اپنے پیچھے چھپا لینا اس کا اصلی مقصد نہیں تھا۔

جرمنوں کی پہلی قطار پھر برابر ہو گئی اور یونکرس اسی طرف پرواز کرنے لگے جہاں ٹینکوں نے دراڑ پیدا کی تھی۔ تیسری ٹولی کا حملہ کامیاب نہیں ہوا۔ جرمنوں کا کوئی ہوائی جہاز نہیں گرا اور لڑاکو ہوائی جہازوں میں سے ایک غائب ہو گیا۔ اس کو ایک جرمن توپچی نے مار گرایا تھا۔ وہ اس جگہ کے قریب پہنچ رہے تھے جہاں ٹینکوں کو اپنے حملے میں شدت پیدا کرنی تھی۔ اب زیادہ اوپر جانے کا وقت نہ تھا۔ چیسلوف نے نیچے سے حملہ کرنے کا خطرہ مول لیا۔ الکسئی نے دل ھی دل میں اس کی تائید کی۔ وہ خود بیقرار تھا کہ ترچھے حملہ میں ”لا - ۵“ کی شاندار خوبیوں کا فائدہ اٹھا کر دشمن کے پیٹ کو ”چیر پھاڑ“ کر رکھہ دیا جائے۔ پہلی ٹولی نے اوپر کی طرف گولیاں چلانا شروع کر دیں۔ گولیوں کے فوارے اوپر کی طرف چھوٹ رہے تھے۔ دو جرمن صف سے غائب ہو گئے۔ ان میں سے ایک تو یقینی بیچ سے کٹ گیا ہوگا کیونکہ اچانک ان کے دو ٹکڑے ہو گئے اور اس کی دم میریسئف کے انجن سے ٹکراتے ٹکراتے بچی۔

”ساتھہ آؤ!“ میریسئف چلایا اور پتروف کے ہوائی‌جہاز کے کالے خطوط کو کنکھیوں سے دیکھتے ہوئے اس نے اسٹیرنگ گئر کو کھینچا۔

زمین بالکل‌الٹی ہو کر ناچنے لگی۔ الکسئی اپنی سیٹ پر گر گیا جیسے اسے ایک زبردست دھکا لگا ہو۔ اس کو اپنے منہ میں اور ہونٹوں پر خون کا مزا محسوس ہوا۔ اس کی آنکھوں میں

ایک سرخ دھند سی چھا گئی۔ اس کا ہوائی جہاز فضا کی بلندیوں میں ترچھا ہوکر اڑا۔ اپنی سیٹ میں پشت پر بالکل لیٹنے کی سی حالت میں اسے ایک یونکرس کا پیٹ نظر آیا، اس کے موٹے پہیوں کے مضحکہ خیز گاؤدم اسپیٹ نظر آئے۔ یہاں تک کہ اسے پہیوں میں چپکی ہوئی مٹی بھی نظر آئی جو ہوائی اڈے سے ان کے ساتھ چلی آئی تھی۔

اس نے گھوڑے کے بٹن دبا دئیے۔ اس نے دشمن کے جہاز کو کہاں پر زخمی کیا تھا — اس کی گولیاں ایندھن کی ٹنکی میں لگی تھیں، انجن میں لگی تھیں یا بموں کے خانے میں — وہ یہ نہ جانتا تھا۔ لیکن ہوائی جہاز اسی آن ایک دھماکے کے ساتھ دھوئیں میں غائب ہو گیا۔

اس شعلہ فشاں دھماکے کے زور سے میریسئف کا ہوائی جہاز ایک طرف کھسک گیا اور شعلوں کے بادل کے پاس سے گزر گیا۔ اس نے اپنے ہوائی جہاز کو ایک سیدھ میں اڑانا شروع کر دیا اور آسمان پر نگاہیں دوڑائیں۔ اس کا ساتھی اس کے دائیں پہلو میں تھا۔ اس کا ہوائی جہاز سفید بادلوں کے سمندر کے اوپر بیکراں نیلاھٹوں میں معلق تھا۔ یہ بادل صابن کے جھاگ کی طرح معلوم ہوتے تھے۔ آسمان بالکل خالی تھا۔ صرف افق پر، دور کے بادلوں کے پس منظر میں چھوٹے چھوٹے نقطے دکھائی دے رہے تھے۔ یہ تھے یونکرس جو مختلف سمتوں میں بکھر رہے تھے۔ الکسئی نے گھڑی دیکھی اور بھونچکا رہ گیا۔ اس کو لگا تھا کہ یہ لڑائی کم از کم آدھہ گھنٹہ جاری رہی تھی اور اس کا ایندھن اب ختم ہو رہا ہوگا۔ لیکن گھڑی نے بتایا کہ سب کچھہ شروع سے آخر تک ساڑھے تین منٹ میں ختم ہو گیا تھا۔

"زندہ ہو؟" اس نے اپنے ساتھی کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا جو دائیں سے بائیں پہلو میں آ گیا تھا۔

اس‌نے بھانت بھانت کی‌آوازوں کے شور میں دور مسرت کے نشے میں سرشار آواز سنی:

"زندہ ہوں!.. نیچے، ذرا نیچے دیکھو..."

نیچے، دھواں دھواں، چھلنی چھلنی پہاڑی وادی میں‌جگہ جگہ جرمن ہوائی جہاز جل رہے تھے۔ اور خاموش ہوا میں گھنے

دھوئیں کے پورے پورے ستون سے بلند ہو رہے تھے۔ لیکن الکسئی نے دشمن کے ان ہوائی جہازوں کے اس بچے کھچے تماشے کا نظارہ نہیں کیا۔ اس کی آنکھیں تو سبزی مائل سرمئی بھونروں پر جمی ہوئی تھیں جو کھیتوں میں دور دور تک پھیلے نظر آ رہے تھے۔ وہ دو گڈھوں کے پاس سے گزرتے ہوئے دشمنوں کی پوزیشنوں تک پہنچ گئے تھے اور آگے والے بھونرے تواب خندقوں کو پار کر رہے تھے۔ اپنی سونڈوں سے سرخ سرخ چنگاریاں تھوکتے ہوئے، یہ دشمن کے مورچوں سے گزر رہے تھے اور دور دور نکلتے چلے جا رہے تھے اگرچہ اب تک ان کے پیچھے جرمن توپوں کے دغنے سے شعلے کی لکیر سی چمک اٹھتی تھی اور جرمن توپوں سے نکلتا ہوا دھواں صاف دکھائی دیتا تھا۔

میریسئف جانتا تھا کہ دشمنوں کے تباہ و برباد مورچوں کے پیچھے ان بھونروں کے رینگنے کا مطلب کیا ہوتا ہے۔

وہ اس چیز کا نظارہ کر رہا تھا جس کے بارے میں سوویت عوام اور تمام ملکوں کے آزادی پسند لوگوں نے دوسرے دن اخباروں میں مسرت اور سر خوشی کے جذبات کے ساتھہ پڑھا۔ کورسک کے مورچے کے ایک حصے میں، فوج، توپوں کی دو گھنٹے کی زبردست گولے باری کے بعد، دشمنوں کی صفوں میں گھسنے میں کامیاب ہو گئی، دراڑ میں داخل ہوئی اور اس نے سوویت فوجوں کے لئے راستہ صاف کیا جو اب پیش قدمی کر رہی تھیں۔

کپتان چیسلوف کے اسکواڈرن کے نو ہوائی جہازوں میں سے دو اپنے اڈے پر واپس نہیں آئے۔ نو یونکرس مار گرائے گئے۔ اگر جہازوں کی گنتی کے اعتبار سے دیکھا جائے تو نو اور دو کا فرق ایک بڑی فتح کا ثبوت تھا۔ لیکن دو ساتھیوں کے کھوئے جانے سے فتح کی خوشی پر اوس پڑ گئی۔ اپنے ہوائی جہازوں سے اترنے کے بعد ہوابازوں نے جنگ کے بارے میں نہ تو سرخوشی کا اظہار کیا اور نہ نعرے لگائے اور نہ انہوں نے جوش و خروش سے جنگ پر بحث کرتے ہوئے ایک دوسرے کو ٹھوکے دئے، نہ انہوں نے خطرے کے گزر جانے کے بعد پیدا ہونے والی زندہ دلی دکھائی جیسا کہ وہ کامیاب جھڑپ کے بعد کیا کرتے تھے۔ وہ افسردگی کے ساتھہ، چیف آف اسٹاف کے قریب آئے، انہوں نے خشک اور کاروباری

جملوں میں اپنی جنگ آزمائی کے نتائج کے بارے میں رپورٹ دی اور ایک دوسرے سے آنکھ ملائے بغیر چل دئے۔

الکسئی اس رجمنٹ میں نیا تھا۔ وہ ان آدمیوں کو نہیں جانتا تھا جو موت کے گھاٹ اتر گئے تھے۔ لیکن اس کی کیفیت بھی یہی تھی۔ اس کی زندگی کا سب سے بڑا اور سب سے اہم واقعہ ہوا تھا۔ یہ وہ واقعہ تھا جس کے لئے وہ اپنے جسم اور دماغ کی ساری قوت کے ساتھ جدوجہد کرتا رہا تھا اور اسی پر اس کے پورے مستقبل کا دارومدار تھا — بالکل ٹھیک ٹھاک ہو کر اپنی صفوں میں واپسی — آج یہ خواب پورا ہو گیا تھا۔ اس نے ہسپتال کے بستر پر اور پھر بعد میں، جب وہ چلنا اور ناچنا سیکھ رہا تھا، نہ‌جانے کتنی بار اس کے سپنے دیکھے تھے — اس زمانے میں جبکہ وہ ہواباز کی حیثیت سے اپنا فن دوبارہ سیکھنے کی جان توڑ کوشش کر رہا تھا، اس نے یہی خواب دیکھا تھا! اور اب جبکہ اس دیرینہ خواب کے پورا ہونے کا دن آ گیا، جب اس نے دو جرمن ہوائی جہاز مار گرائے اور جب وہ دوبارہ لڑاکو ہوابازوں کی برادری میں شامل ہو گیا تو اس نے اور دوسرے ہوابازوں کی طرح اپنی کامیابی کی رپورٹ چیف آف اسٹاف کو دی، لڑائی کے حالات پر روشنی ڈالی اور اپنے ساتھی کی تعریف کی اور پھر برچ کے درختوں کے سائے تلے بیٹھ گیا اور ان لوگوں کے بارے میں سوچنے لگا جو اس دن میدان کارزار سے واپس نہ آ سکے۔

پتروف واحد شخص تھا جو ہوائی میدان میں دوڑ رہا تھا، وہ ننگے سر تھا اور اس کے سنہرے بال ہوا میں لہرا رہے تھے۔ جو لوگ اس سے ملتے وہ ان کی آستین پکڑ لیتا اور قصہ چھیڑ دیتا۔

”وہ ... ٹھیک میرے پہلو میں تھا، ایک ہاتھ کا فاصلہ سمجھ لو ... اچھا سنو تو ... میں نے دیکھا کہ سینئر لفٹیننٹ لیڈر کو نشانہ بنا رہا ہے۔ میں نے اس کے پہلو والے ہوائی جہاز کو اپنی زد پر لیا اور دھائیں!“

وہ لپکتا ہوا میریسئف کے پاس پہنچا اور اس کے پاس نرم گھاس جیسی کائی پر گر گیا اور ٹانگیں پھیلا دیں۔ لیکن وہ بھلا اس آرام کے پوز میں کب نچلا بیٹھ سکتا تھا۔ وہ اچھلا اور بولا:

”آج تو تم نے بعض شاندار کرتب دکھائے! شاندار! میری

سانس تو اوپر کی اوپر اور نیچے کی نیچے رہ گئی!.. تم نے دیکھا میں نے اس کو کس طرح اپنا نشانہ بنایا؟ ذرا سنو... میں تمہارے پیچھے پیچھے اڑتا رہا اور اب وہ بالکل میرے برابر نظر آیا، بالکل اس طرح قریب جیسے تم اس وقت ہو...،،

''ایک منٹ ٹھہرنا، دوست،، الکسئی نے اپنی جیب کو تھپتھپاتے ہوئے کہا ''وہ خط! آخر وہ خط کیا ہوئے؟،،

اس کو وہ خط یاد آئے جو اسے اسی دن ملے تھے اور ان کو پڑھنے کا اسے موقع نہیں ملا تھا۔ جب اس کو اپنی جیبوں میں وہ خط نہیں ملے تو اسے ٹھنڈا پسینہ آ گیا۔ اس نے ھاتھہ اپنی وردی کے گریبان میں ڈال دیا، سرسراتے ہوئے لفافوں کو محسوس کیا اور اطمینان کی سانس لی۔ اس نے اولیا کا خط ھاتھہ میں لیا اور اس داستان سے بےنیاز ہو کر جو اس کا پرجوش دوست سنا رہا تھا، احتیاط سے لفافے کا ایک کنارا چاک کیا۔

ٹھیک اس وقت آسمان میں ایک راکٹ پھٹا۔ وہ میدان کے اوپر کمان کی طرح تیرا اور ایک سرمئی سا آھستہ آھستہ مٹتا ہوا نشان چھوڑ کر بجھہ گیا۔ ھواباز اچھل کر کھڑے ہو گئے۔ الکسئی نے خط کو گریبان میں ڈال دیا اور اس کا ایک لفظ بھی نہ پڑھہ سکا۔ اس نے لفافہ کھولتے ہوئے خط کے کاغذ کے علاوہ کوئی سخت سی چیز محسوس کی تھی۔ اپنی ٹولی کے آگے اس سمت میں اڑتے ہوئے، جس سے اب وہ مانوس ہو چکا تھا، وہ باربار لفافے کو گریبان میں محسوس کر رہا تھا اور حیران ہو رہا تھا کہ آخر اس میں کیا ھے۔

اس دن جب ٹینکوں والی فوج نے دشمن کے مورچوں میں دراڑ ڈال دی توگارد لڑاکو ھوائی جہازوں کے دستے کے لئے جس میں الکسئی شامل تھا ایک انتہائی مصروف دور کا آغاز ہوا۔ اسکواڈرن پر اسکواڈرن اڑ اڑکر اس علاقے میں پہنچتے رہے جہاں دراڑ ڈالی گئی تھی۔ پہلا اسکواڈرن ابھی واپس آکر زمین پر اتر بھی نہ پاتا کہ دوسرا اسکواڈرن ھوا میں بلند ہو جاتا اور ایندھن کے ٹرک واپس آنے والے ھوائی جہازوں کی طرف دوڑ پڑتے اور ان کے ٹنکیوں کو بڑی فیاضی سے بھر دیتے۔ گرم انجنوں کے اوپر تھرتھراتی ہوئی دھند تیرتی رھتی۔ ایسی دھندتو گرمیوں کی گرم بارش کے بعد کھیتوں

پر چھاتی ہے۔ ہوابازوں نے اس دن کھانے کے لئے بھی کاک پٹ کو نہیں چھوڑا۔ ان کا کھانا الیمونیم کے برتنوں میں ان تک پہنچا دیا گیا۔ لیکن کوئی بھی کھانے کے موڈ میں نہ تھا۔ کھانا ان کے گلے میں پھنس رہا تھا۔

کپتان چیسلوف کا اسکواڈرن دوبارہ نیچے اترا۔ ہوائی جہاز رینگتے ہوئے جنگل میں پہنچ گئے۔ ان کی ٹنکیوں میں تیل بھرا جانے لگا، میریسئف کاک‌پٹ میں بیٹھا، تھکن کے میٹھے میٹھے درد کے احساس کے ساتھہ مسکرا رہا تھا اور بے صبری سے آسمان کو گھور رہا تھا اور تیل بھرنے والوں کو جلدی کرنے کے لئے للکار رہا تھا۔ وہ پھر ایک بار فضا میں بلند ہونا چاہتا تھا۔ اور ایک بار پھر اپنا امتحان لینا چاہتا تھا۔ وہ باربار اپنی وردی کی جیب میں ہاتھہ گھساتا اور سرسراتے ہوئے لفافوں کو چھوتا۔ لیکن اس صورت حال میں وہ خط پڑھنے کو تیار نہ تھا۔

شام کا دھندلکا پھیلنے لگا تب کہیں ہوابازوں کو چھٹی ملی۔ میریسئف اپنی قیام‌گاہ کی طرف چل دیا۔ لیکن اس نے جنگل سے گزرنے والا چھوٹا راستہ نہیں اپنایا جس سے وہ عام طور پر گزرتا تھا بلکہ ذرا لمبی سڑک سے گیا جو گھاس پھوس سے ڈھکے ہوئے کھیت میں سے گزرتی تھی۔ وہ اپنے خیالات کو یکجا کرنا چاہتا تھا اور شوروغل کے بعد آرام کرنا چاہتا تھا۔ اسے دن بھر کے تیزی سے بدلتے ہوئے تاثرات کے بعد سکون کی تلاش تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ یہ دن ختم ہونے کو نہ آئیگا۔

شام بڑی صاف شفاف اور خوشبو میں بسی ہوئی تھی۔ یہ اتنی پر سکون شام تھی کہ توپوں کی دور سے آتی ہوئی گھن گرج جنگ کی آواز نہ معلوم ہوتی تھی۔ لگتا تھا کہ یہ ایک گزرتے ہوئے طوفاں کی دھمک ہے۔ یہ سڑک اس کھیت سے گزرتی تھی جو کبھی رئی کا کھیت ہوگا۔ یہاں تیروتار گھاس ٹھوس دیوار کی طرح صف آرا تھی— عظیم الشان اور للکارتی ہوئی دیوار۔ یہی گھاس، عام طور پر، احاطوں اور کھیتوں کے ڈھکے چھپے کونوں میں سہمی سہمی سی اگتی ہے اور چپکے چپکے اس کی کونپلیں پھوٹتی ھیں۔ لیکن آج یہی گھاس اس زمین پر غالب آگئی ہے جس میں محنت کشوں کی نہ جانے کتنی پشتوں کے خون پسینے سے پھل

پھول آئے ہونگے - ہاں صرف کہیں کہیں رئی کی اکا دکا پتلی بالیاں، گھاس کی نازک پتیوں کی طرح، اس گھاس پھوس کے خلاف لڑتی ہوئی نظر آ رہی تھیں - گھاس پھوس نے، مٹی کی ساری قوت جذب کر لی تھی، سورج کی تمام کرنوں کو چاٹ لیا تھا اور رئی کو روشنی اور قوت سے محروم کر دیا تھا - اس لئے یہ چند بالیاں پکنے سے پہلے ہی مرجھا گئیں اور ان میں دانے نہ پھوٹ سکے -

میریسئف نے سوچا: فاشست بھی اس گھاس پھوس کی طرح ہمارے کھیتوں میں جڑ پکڑنا چاہتے ہیں، وہ زمین کی طاقت ہضم کرنا چاہتے ہیں، وہ ہماری دولت چھین لینا چاہتے ہیں، وہ مہیب اور وحشیانہ انداز سے سورج کی روشنی کو اسیر کر لینا چاہتے ہیں - وہ ہمارے عظیم، جفاکش اور بلوان عوام کو اپنے کھیتوں اور باغوں سے مار بھگانا چاہتے ہیں، وہ ان کو ہر چیز سے محروم کر دینا چاہتے ہیں، وہ ان کو اسی طرح کچل دینا چاہتے ہیں جس طرح اس گھاس پھوس نے ان نازک بالیوں کو کچل دیا ہے — ان بالیوں کو، جو دیکھنے میں اناج کی مضبوط اور خوبصورت بالیوں سے دور دور نہیں ملتیں - اس کے رگ و پے میں لڑکپن کی طاقت کی لہر سی دوڑ گئی اور اس نے اپنی ہاتھی دانت کے موٹھہ والی چھڑی سے سرخی مائل گھاس پھوس کو پیٹنا شروع کیا اور جب اس نے دیکھا کہ اس کی چھڑی کی ضربوں سے گھاس کے گستاخ سر کٹ کٹ کر ڈھیر ہو رہے ہیں تو اس کا دل خوشی کے احساس سے بھر گیا - اس کے چہرے سے پسینہ ٹپکنے لگا - لیکن وہ گھاس پھوس پر وار کرتا رہا جس نے رئی کا گلا گھونٹ دیا تھا - وہ اس جد و جہد اور عمل کی طاقت سے پوری طرح لطف اندوز ہو رہا تھا جو اس کے تھکے ہوئے جسم میں موجزن تھی -

اچانک اس کے پیچھے ایک جیپ غرائی اور چیختے ہوئے بریک کے ساتھہ سڑک پر آ نکلی - پیچھے مڑکر دیکھنے بغیر ہی، میریسئف نے تاڑ لیا کہ ونگ کمانڈر نے اس کو آ لیا تھا اور اس کو لڑکپن کے اس مشغلے میں محو دیکھہ لیا تھا - اس کے کانوں کی لویں تک سرخ ہو گئیں - وہ کچھہ یوں بن گیا جیسے اس نے کار کے قریب آنے کی آواز سنی ہی نہ ہو - وہ اپنی چھڑی سے زمین کریدنے لگا - لیکن اس نے کرنل کی آواز سنی:

''کشتوں کے پشتے لگا رہے ہو؟ اچھا مشغلہ ہے۔ میں تمہیں چاروں طرف ڈھونڈتا پھر رہا ہوں۔ ہر شخص اپنے ہیرو کے بارے میں پوچھ رہا ہے اور لو وہ یہاں گھاس پھوس سے الجھ رہا ہے۔''

کرنل اچھل کر کار سے کود گیا۔ اس کو کار چلانے کا شوق تھا اور اسے خالی وقت میں ادھر ادھر، جدھر جی چاہے، کار دوڑانے میں بڑا مزا آتا تھا، جس طرح اسے اپنے دستے سے مشکل مشق کرانے اور شام کے وقت مستریوں کے ساتھ ہوائی جہاز کے تیل سے چپ چپ کرتے ہوئے انجنوں سے چھیڑ چھاڑ کرنے میں لطف آتا تھا۔ عام طور پر وہ نیلا لبادہ اوڑھے رہتا تھا اور محض اپنے باریک نقوش اور بانکی اونچی ٹوپی کی وجہ سے دوسرے مستریوں کے درمیان نمایاں نظر آتا تھا۔

میریسئف اب تک بوکھلایا اور گھبرایا ہوا، چھڑی سے زمین کو کرید رہا تھا۔ کرنل نے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ دئے اور بولا:

''آؤ ذرا تمہیں نظر بھرکے دیکھیں تو سہی! ہونہہ، خدا سمجھے تم سے! کوئی انوکھی بات نہیں! اب میں اپنے دل کی کہہ دوں۔ جب تم ہمارے ہاں آئے تو فوجی ہیڈکوارٹر میں جو کچھ تمہارے بارے میں کہا جا رہا تھا، اس کے باوجود مجھے یقین نہیں آیا۔ مجھے یقین نہیں آیا کہ تم جنگ میں کامیاب ہو سکتے ہو۔ اور لو تم نے کامیاب ہوکر دکھا دیا۔ اور وہ بھی کس طرح!.. یہ ہے ہماری ماں، ہماری دھرتی، ہمارا روس! مبارک ہو! میں تمہیں مبارکباد دیتا ہوں اور تمہاری داد دیتا ہوں۔ 'چھچھوندر نگر'، جا رہے ہو؟ آؤ، میں تمہیں جیپ میں پہنچا دوں۔''

جیپ لپکی اور اندھا دھند سڑک پر بھاگنے لگی۔ ہر موڑ پر وہ پوری دیوانگی سے مڑتی اور ایک طرف جھک جاتی۔

''بتاؤ، شاید تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہو، شاید تمہیں کسی قسم کی تکلیف ہو؟ کسی قسم کی مدد مانگنے میں مت جھجکنا — تم اس کے حقدار ہو''، کرنل نے کہا۔ وہ بڑی ہوشیاری سے، جنگل اور ''چھچھوندرنگر'' کے درمیان، جیپ کو بھگائے لئے جا

رہا تھا۔ ہوابازوں نے اپنے رہنے کی جگہوں کو یہی نام دے رکھا تھا۔

''مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں، کامریڈ کرنل۔ میں کسی سے مختلف نہیں ہوں۔ بہتر ہوتا کہ لوگ یہ بھول جاتے کہ میرے پیر نہیں ہیں،، میریسئف نے جواب دیا۔

''ہاں، تم ٹھیک کہتے ہو۔ کونسا ہے تمہارا؟ یہ؟،،

کرنل نے ایک جھٹکے سے خندق کے دروازے پر جیپ روکی اور میریسئف ابھی ٹھیک سے اتر بھی نہیں پایا تھا کہ کار جنگل میں، برچ اور شاہ بلوط کے درختوں کے درمیان بل کھاتی ہوئی بھاگنے لگی۔

الکسئی خندق میں نہیں گیا۔ وہ سانپ کی چھتریوں کی خوشبو میں بسی ہوئی اون جیسی کائی پر برچ کے ایک درخت کے نیچے لیٹ گیا اور بڑی احتیاط سے لفافے سے اولیا کا خط نکالا۔ ایک تصویر لفافے سے پھسلی اور گھاس پر گر گئی۔ الکسئی نے فوراً اس کو اٹھا لیا۔ اس کا دل بڑی تیزی اور درد کے ساتھ دھڑکنے لگا۔

تصویر سے ایک مانوس چہرہ اس کو گھور رہا تھا۔ لیکن پھر بھی اب اس چہرے کو پہچاننا مشکل تھا۔ یہ تھی اولیا، فوجی وردی میں: گلابند وردی، پیٹی، ''سرخ ستارے،، کا تمغہ اور گارد دستے کا بلا بھی — اور یہ سب کچھ اس پر کتنا پھبتا تھا۔ وہ افسر کی وردی میں نازک، خوش رو لڑکا دکھائی پڑتی تھی۔ ہاں بس اس لڑکے کے چہرے پر تھکن تھی اور اس کی بڑی بڑی، پھیلی پھیلی چمکدار آنکھوں میں جوانی کی وہ ترنگ نہ تھی۔ لیکن یہ آنکھیں دل میں اترتی چلی جاتی تھیں۔

الکسئی دیر تک ٹکٹکی باندھ کر ان آنکھوں کو گھورتا رہا۔ اس کا دل کچھ اس قسم کی ناقابل بیان میٹھی میٹھی اداسی سے بھرا ہوا تھا جو آدمی کے دل میں اپنے محبوب گیت کی دور سے آتی ہوئی تان سن کر محسوس ہوتی ہے۔ اس کو اپنی جیب میں اولیا کی پرانی تصویر ملی۔ وہ چھینٹ کا فراک پہنے سفید ستاروں جیسے ڈیزی کے پھولوں کے جھرمٹ میں بیٹھی تھی۔ یہ عجیب بات ہے، لیکن وردی پوش لڑکی، جس کی آنکھیں تھکی ہوئی تھیں اور جسے اس نے کبھی نہیں دیکھا تھا، اسے زیادہ عزیز معلوم ہوئی۔ نئی تصویر کی پشت پر لکھا تھا ''ہمیشہ یاد رکھنا۔،،

خط مختصر مگر انبساط انگیز تھا۔ اب یہ لڑکی انجنیرنگ پلٹن کی کمانڈر تھی۔ ہاں یہ پلٹن جنگ کے مورچے پر لڑ نہیں رہی تھی بلکہ پرامن تعمیر کا کام کر رہی تھی۔ یہ استالن گراد کی دوبارہ تعمیر میں ہاتھہ بٹا رہی تھی۔ اس نے اپنے بارے میں بہت کم لکھا تھا۔ لیکن عظیم شہر کا ذکر کرتے ہوئے بالکل جذبات میں بہہ گئی تھی۔ اس نے اس کے ملبوں اور کھنڈروں کے بارے میں لکھا تھا جن میں ایک نئی جان پڑ رہی تھی، عورتوں، لڑکیوں اور نوجوانوں کے بارے میں جو ملک کے تمام حصوں سے شہر کی تعمیر کے لئے آئے تھے۔ وہ تہہ خانوں اور سرنگوں میں، توپوں کے مچانوں اور خندقوں میں رہتے تھے جو لڑائی کے بعد یونہی بچ رہے تھے۔ وہ ریل گاڑی کے ڈبوں اور لکڑیوں کے جھونپڑوں میں رہتے تھے۔ اس نے لکھا تھا کہ لوگ کہتے ہیں کہ ہر اس شخص کو فلیٹ مل جائیگا جو شہر کی تعمیر نو میں اچھا کام کریگا۔ اگر یہ سچ ہے تو الکسئی کو اس کا یقین ہونا چاہئے کہ جنگ کے بعد اس کو بھی ایک گوشہ ضرور مل جائیگا۔

جیسا کہ عام طور پر گرمیوں میں ہوتا ہے، شام کا دھندلکا بہت جلد ختم ہو گیا۔ الکسئی نے خط کی آخری سطریں ٹارچ کی روشنی میں پڑھیں۔ جب اس نے خط پڑھہ لیا تو روشنی تصویر پر ڈالی۔ یہ ''سپاہی،، اپنی تیکھی اور پر خلوص آنکھوں سے الکسئی کو گھورنے لگی۔ ''میری جان، تم پر بڑا سخت وقت آن پڑا ہے... اس جنگ نے تمہیں بھی نہیں چھوڑا۔ لیکن اس نے تمہاری ہمت نہیں توڑی! کیا تم انتظار کر رہی ہو؟ انتظار کرو۔ میں آؤنگا۔ تم مجھہ سے محبت کرتی ہو؟ محبت کرو۔ میری جان، تم ہمیشہ مجھے چاہتی رہنا۔،، اور دفعتاً الکسئی نے شرمندگی محسوس کی کہ اس نے اٹھارہ مہینے تک، اس سے، استالن گراد کی ایک مجاہد سے، اپنی بدقسمتی کو چھپائے رکھا۔ اس کا جی چاہا کہ وہ فوراً خندق میں جائے اور ہر چیز کے بارے میں اس کو صاف صاف لکھہ دے۔ وہ خود ہی فیصلہ کرے۔ اور یہ کام جتنی جلدی ہو جائے اتنا ہی اچھا ہے۔ سب کچھہ طے ہو جائے تو دونوں کے لئے آسان رہیگا۔

اس دن کے کارنامے کے بعد اس سے وہ آنکھیں ملا کے بات کر سکتا تھا۔ وہ اب صرف ہوائی جہاز اڑا نہیں رہا تھا بلکہ لڑ بھی رہا تھا۔ کیا اس نے یہ عہد نہیں کیا تھا کہ اس وقت سب کچھہ بتا دیگا جب یا تو اس کی امیدیں بالکل پاش پاش ہو جائینگی یا وہ دوسرے سپاھیوں کی صف میں برابری سے شامل ہو جائیگا؟ اب اس نے اپنا مقصد حاصل کر لیا تھا۔ اس نے جو دو ہوائی جہاز گرائے تھے ان کو سبھوں نے نیچے زمین پر گھاس پھوس میں جلتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس دن ڈیوٹی پر موجود افسر نے اس کے نام دستے کے روزنامچے میں درج کیا تھا اور اس کی رپورٹ ڈویژنل اور فوجی هیڈ کوارٹر اور ماسکو بھیجی گئی تھی۔

یہ سب کچھہ سچ تھا۔ اس نے اپنا عہد پورا کر لیا تھا اور اب لکھہ سکتا تھا۔ لیکن ذرا سوچو تو کیا ''استوکا''، جیسا ہوائی جہاز ہمارے لڑاکو ہوائی جہاز کا شایان شان حریف تھا؟ ایک سچا شکاری نشانہ بازی کے فن کے ثبوت میں یہ تو نہیں کہیگا کہ اس نے ایک خرگوش مار گرایا، کیوں؟

جنگل میں بھیگی ہوئی رات اور زیادہ اندھیری ہو گئی۔ اب جبکہ جنگ کی گھن گرج دکھن کی طرف ہٹ گئی تھی اور دور دراز شعلوں کی چمک شاخوں میں سے بہت دھندلی نظر آ رہی تھی تو، خوشبو میں بسے ہوئے گرمیوں کے گھنے جنگل میں ابھرتی ہوئی ہر آواز صاف سنائی دینے لگی: میدانوں میں ٹڈیوں کی دیوانہ‌وار ٹراھٹ، قریب ھی دلدل میں سینکڑوں مینڈکوں کی ٹرٹر، ایک چڑیا کی تیز چیخ اور سب سے زیادہ بلبلوں کا نغمہ جو بھیگی بھیگی سی تاریکی میں تیر رہا تھا۔

الکسئی اب تک برچ کے درخت کے نیچے نرم کائی پر بیٹھا ہوا تھا جو اب شبنم سے بھیگ گئی تھی۔ اس کے قدموں میں گھاس پر چاندنی کے دھبے سیاہ پرچھائیوں میں لپٹے پڑے تھے۔ اس نے پھر جیب سے تصویر نکالی۔ اس کو گھٹنوں پر رکھا اور چاندنی میں اس پر نظر جماتے ہوئے اپنے خیال میں گم ہو گیا۔

اوپر صاف شفاف گہرے نیلے آسمان پر رات کے بمبار طیاروں کے چھوٹے اور سیاہ سائے تیرتے ہوئے دکھن کی طرف پرواز کرتے رہے۔ ان کے انجن، بہت ھی ہلکی آواز میں گھنگھنا رہے تھے۔

لیکن جنگ کی یہ آواز بھی، چاندنی میں نہائے ہوئے جنگل میں، جہاں بلبلوں کا نغمہ گونج رہا تھا، بھونروں کی پر سکون بھنبھناہٹ کی طرح سنائی دیتی تھی۔ الکسئی نے ٹھنڈی سانس بھری، اس نے اپنی وردی کی جیب میں تصویر رکھی اور اچھل کر کھڑا ہو گیا، اس نے خود کو جھٹکے دئے جیسے رات کے اس سحر کو دور پھینکنے کی کوشش کر رہا ہو۔ اس کے پیروں تلے زمین پر سوکھی ٹہنیوں میں سرسراہٹ پیدا ہوئی اور وہ خندق میں اتر گیا جہاں تنگ سے فوجی صوفے پر، پتروف دیو کی طرح دراز تھا اور نیند میں پڑا زور زور سے خراٹے لے رہا تھا۔

٥

پو پھٹنے سے پہلے ہی ہواباز جگا دئے گئے۔ فوجی ہیڈ کوارٹر کو اطلاع ملی تھی کہ اس علاقے میں، جہاں سوویت ٹینکوں نے دراڑ ڈال دی تھی، جرمن ہوائی فوج کا ایک بڑا دستہ آ گیا ہے۔ زمین کے مشاہدوں اور مخبروں کی رپورٹ سے اس خیال کی تصدیق ہوتی تھی کہ جرمن کمان اس خطرے کو محسوس کر رہی تھی جو کورسک کے مورچے کو توڑ کر سوویت ٹینکوں کے گھس پڑنے سے پیدا ہو گیا تھا۔ انہوں نے ''ریختگوفن،، ہوائی ڈویژن کو بلا لیا تھا جس میں جرمنی کے بہترین ہواباز تھے۔ اس ڈویژن کو آخری بار استالن گراد کے قریب پسپا کیا گیا تھا۔ لیکن جرمن محاذ کے عقب میں کہیں دور اس کی از سر نو تنظیم ہوئی تھی۔ رجمنٹ کو خبردار کیا گیا تھا کہ دشمن تعداد میں زیادہ تھا اور جدید ترین جہازوں ''فوکے وولف۔ ١٩٠،، سے لیس اور لڑائی کا بہت زیادہ تجربہ رکھتا تھا۔ حکم جاری ہوا کہ پیدل فوج کے دوسرے دل کی بھر پور حفاظت کی جائے جو اسی رات ٹینکوں کے پیچھے دراڑ میں گھسنے کے لئے چل پڑا تھا۔

''ریختگوفن،،! یہ نام تجربہ کار ہوابازوں کو خوب اچھی طرح معلوم تھا اور وہ جانتے تھے کہ یہ وہ ڈویژن ہے جس کو ہرمین گوئرنگ کی خاص سرپرستی حاصل ہے۔ جب کبھی جرمن فوجوں پر زیادہ دباؤ پڑتا تھا وہ یہی ڈویژن بھیجتے تھے۔ اس

ڈویژن کے ہواباز، جن میں سے بعض نے رپبلکن اسپین میں اپنی قزاقی کے جوہر دکھائے تھے، بڑے سخت جان اور پرفن لڑاکو تھے اور خطرناک دشمن کی حیثیت سے ان کی بڑی شہرت تھی۔

''لوگ کہہ رہے ہیں کہ ہمارے خلاف کوئی 'ریختگوفن' بھیجا گیا ہے۔ ہاں! میں چاہتا ہوں کہ ان سے جلد از جلد صاحب سلامت ہو جائے! ہم ان 'ریختگوفن' کو اچھی طرح بتائینگے!''، کھانے کے کمرے میں پتروف نے، جلدی جلدی کھانا نگلتے ہوئے اور کھلی کھڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے اعلان کیا۔ وہاں ویٹرس رایا کھڑی تھی اور ایک بڑے سے گچھے سے سیدانی پھول چن رہی تھی اور ان کو شل کے خول میں رکھ رہی تھی جن پر کھلی سے پالش کرکے چمک پیدا کر دی گئی تھی۔

ظاہر ہے ''ریختگوفن'' پر چوٹ الکسئی کو سنانے کے لئے نہیں کی گئی تھی جو اپنی کافی ختم کر رہا تھا۔ یہ بات تو اس لڑکی کو سنانے کے لئے کہی گئی تھی جو پھولوں سے کھیل رہی تھی اور جو باربار کنکھیوں سے خوش رو اور تیکھے پتروف کو دیکھ رہی تھی۔ میریسئف ان کو مشفقانہ مسکراہٹ کے ساتھ دیکھ رہا تھا۔ لیکن سنجیدہ کاروباری باتوں کے سلسلے میں اسے مذاق اور پھبتی پسند نہ تھی۔

'' 'ریختگوفن' نہیں 'ریختگوفن' ''، اس نے کہا ''اور 'ریختگوفن' کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم آج جھاڑ جھنکاڑ میں جل کر مرنا نہیں چاہتے تو آنکھیں کھلی رکھو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے کان کھلے رکھو اور ناتا ٹوٹنے نہ دو۔ میاں، 'ریختگوفن' وحشی درندے ہیں ایسے کہ اپنے دانت تمہارے گوشت میں گاڑ دیں اور تمہیں کانوں‌کان خبر نہ ہو!''

صبح سویرے، خود کرنل کی سرکردگی میں پہلا اسکواڈرن ہوا میں بلند ہو گیا۔ ابھی یہ ہوا میں تیر ہی رہا تھا کہ بارہ لڑاکو ہوائی جہازوں کی دوسری ٹولی اڑنے کے لئے تیار ہوئی۔ اس کی کمان گارد میجر فیدوتوف کے ہاتھہ میں تھی۔ وہ سوویت یونین کا ہیرو تھا اور کمانڈر کو چھوڑ کر رجمنٹ میں سب سے تجربہ کار ہواباز تھا۔ ہوائی جہاز تیار تھے، ہواباز اپنے اپنے کاک‌پٹ میں تھے، انجن ''نچلے گئر'' میں تھے اور جنگل کے کنارے، میدان

میں ہوا کے تیز تیز جھونکے پیدا کر رہے تھے۔ یہ جھونکے اس ہوا کی طرح تھے جو طوفان سے پہلے زمین کو صاف کرتی ہے اور درختوں کو جھنجھوڑتی ہے — اس وقت کی ہوا جب پیاسی زمین پر بارش کی پہلی بڑی بڑی بھاری بھاری بوندیں پڑنا شروع ہو جاتی ہیں۔

الکسئی نے کاک پٹ سے دیکھا کہ پہلی ٹولی کے ہوائی جہاز آسمان سے بالکل سیدھے میدان میں اتر رہے ہیں، جیسے آسمان سے ٹپک رہے ہوں۔ غیر ارادی طور پر، اپنی خواہش کے خلاف، اس نے ان کو گنا اور مارے تشویش کے اس کا دل تڑپ اٹھا جب دو ہوائی جہازوں کے اترنے میں کچھ دیر ہو گئی۔ لیکن آخری ہوائی جہاز بھی اتر گیا۔ سب واپس آ گئے تھے۔ الکسئی نے اطمینان کی سانس لی۔

ابھی آخری ہوائی جہاز میدان سے ہٹا ہی تھا کہ میجر فیدوتوف کا ''نمبر ایک،، زمین سے ٹوٹ کر بلند ہو گیا۔ اس کی ٹولی دو دو کی جوڑی میں فضا میں بلند ہو گئی، جنگل کے پار انہوں نے اپنی قطار بنا لی۔ اپنے ہوائی جہاز کو ہچکولے دیتے ہوئے فیدوتوف اپنی منزل کی طرف اڑنے لگا۔ وہ بالکل نیچے نیچے اڑ رہے تھے اور بڑی احتیاط کے ساتھ اسی علاقے پر سے گزر رہے تھے جہاں سوویت فوجوں نے دراڑ پیدا کی تھی۔ اب الکسئی کو اپنے ہوائی جہاز کے نیچے زمین بھاگتی ہوئی نظر آئی۔ وہ اتنی زیادہ بلندی پر نہیں تھا کہ وہاں سے ہر چیز کھلونے جیسی نظر آئے۔ زمین اس سے بہت قریب تھی۔ ایک دن پہلے جو چیز اس کو اوپر سے ایک کھیل نظر آتی تھی اب ایک وسیع، اتھاہ میدان جنگ نظر آ رہی تھی۔ کھیت، چراگاہیں اور جنگل، جن پر گولوں اور بموں نے ہل سے چلا دئے تھے، جن پر خندقیں زخم کے نشان کی طرح نظر آتی تھیں۔ میدان اس کے پروں کے نیچے پوری وحشت سے بھاگ رہا تھا۔ لاشیں میدان میں بکھری پڑی تھیں۔ توپیں، الگ الگ، اور پورے توپخانے، جن کو چھوڑ کر توپچی بھاگ کھڑے ہوئے تھے، تباہ و برباد ٹینک، مڑے تڑے لوہے کا ڈھیر اور جنگل کی دھجیاں اڑی ہوئی جہاں توپوں نے ٹینکوں کی بڑھتی ہوئی قطاروں پر گولے برسائے تھے، ایک بڑا سا جنگل جو

خاک میں مل گیا تھا اور اوپر سے ایسا لگتا تھا جیسے ایک بہت بڑے گلے نے اسے روند ڈالا ہو۔ یہ ساری چیزیں فلم کے مناظر کی طرح گزر رہی تھیں اور معلوم ہوتا تھا کہ یہ فلم کبھی ختم ہونے کو نہیں آئیگی۔

یہ سب چیزیں اس زبردست خون آشام جنگ کی گواہی دے رہی تھیں جو یہاں لڑی گئی تھی۔ اس سے زبردست نقصان اور بربادی کا اندازہ ہوتا تھا اور معلوم ہوتا تھا کہ کتنی عظیم الشان فتح حاصل کی گئی ہے۔

ٹینکوں نے، پوری وسعتوں میں، دو دو پٹریوں کے آڑے ترچھے نشان چھوڑ دئے تھے۔ یہ نشان دور دور تک دشمن کے مورچوں میں گھستے چلے گئے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ عجیب و غریب جانوروں کا ایک پورا غول ان کھیتوں کو روندتے ہوئے دکھن کی طرف بڑھتا چلا گیا تھا اور جو چیز بھی اس کے راستے میں آئی تھی، اس کو اس نے کچل کر رکھہ دیا تھا۔ موٹروں میں جڑی ہوئی توپیں، ایندھن کی ٹنکیاں، بڑی بڑی چلتی پھرتی مرمت گاھیں، جن کو ٹریکٹر کھینچ رہے تھے اور بند لاریاں ٹینکوں کے نقش قدم پر گرد و غبار کا سرمئی دھواں اڑاتے ہوئے کارواں در کارواں چل رہی تھیں، یہ دھواں بہت دور سے نظر آ رہا تھا۔ آسمان سے ایسا لگتا تھا کہ یہ کارواں کچھوے کی چال سے چل رہے ہیں اور جب لڑاکو ہوائی جہاز اور زیادہ بلندیوں میں پرواز کرنے لگے تو یہ سب کچھہ چیونٹیوں کی فوج میں بدل گیا جو جنگل سے گزرتی ہوئی پگڈنڈیوں پر رینگتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔

لڑاکو ہوائی جہاز، خاموش ہوا میں بلند ہوتے ہوئے گردو غبار کے ان بادلوں میں غوطہ لگاتے ہوئے اڑ جاتے جیسے یہ گردوغبار نہیں بلکہ سچ مچ کے بادل ہوں۔ اب ہوائی جہاز آگے آگے چلتی ہوئی جیپوں کی قطاروں تک پرواز کر رہے تھے۔ ظاھر تھا کہ ان جیپوں میں ٹینک والی فوج کے کمانڈر تھے۔ ان قطاروں کے اوپر آسمان دشمن سے پاک تھا اور دور افق پر جنگ کا دھواں بے ربط مرغولوں کی طرح منڈلاتا ہوا نظر آنے لگا تھا۔ یہ ٹولی آسمان میں لہراتی ہوئی پتنگوں کی طرح واپس مڑی۔ ٹھیک اس وقت الکسئی کو افق پر ایک دھبہ نظر آیا اور پھر وہ پورا ٹڈی دل جو بہت

نیچے نیچے زمین سے لگا ہوا اڑ رہا تھا۔ جرمن! وہ بھی بہت نیچے نیچے اڑ رہے تھے اور ان کا رخ دھویں کے ان لچھوں کی طرف تھا جو گھاس پھوس سے لدے ہوئے کھیتوں کے اوپر تیرتے نظر آ رہے تھے۔ الکسئی نے بے اختیار مڑ کر دیکھا۔ اس کا جوڑی‌دار اس کے پیچھے تھا اور جہاں تک اس کے بس میں تھا وہ اس کے ساتھ ساتھ بہت قریب اڑ رہا تھا۔

اس نے کانوں پر زور دیا اور اسے دور سے ایک آواز سنائی دی : ”میں ہوں سمندری بگلا نمبر دو ، فیدوتوف۔ میں ہوں سمندری بگلا نمبر دو ، فیدوتوف۔ اٹنشن! میرے ساتھ ساتھ آؤ!“

ہوا میں ہواباز کے اعصاب میں انتہائی تناؤ ہوتا ہے اور ڈسپلن اتنا سخت ہوتا ہے کہ بعض مرتبہ ہواباز اپنے کمانڈر کی مراد اس کا حکم ختم ہونے سے پہلے ہی سمجھ لیتا ہے۔ گھنگھناہٹ اور بھنبھناہٹ کے درمیان دوسرا حکم ختم ہونے سے پہلے ہی پوری ٹولی نے دو دو کی جوڑی بنا کر اپنا رخ بدلا اور ایک دوسرے سے قریب قریب جرمنوں کا سامنا کرنے کے لئے بڑھی۔ نظر، کان اور دماغ انتہائی شدت سے ایک ہی نقطے پر مرکوز تھے۔ الکسئی کو دشمن کے جہازوں کے سوا اور کچھ نظر نہیں آ رہا تھا جو اس کی آنکھوں کے سامنے بڑی تیزی سے بڑے ہوتے چلے جا رہے تھے۔ اس کے کانوں میں ایرفون کی چٹخ اور بھنبھناہٹ کے سوا اور کوئی آواز نہیں تھی۔ اس کو دوسرے حکم کا انتظار تھا۔ لیکن اس حکم کے بجائے اس نے صاف طور پر جرمن زبان میں ایک ہیجانی آواز سنی «Achtung! Achtung! La-fünf! Achtung!»* ضرور یہ زمین سے مشاہدہ کرنے والے جرمن کی آواز ہوگی جو اپنے ہوائی جہازوں کو خطرے سے آگاہ کر رہا ہے۔

جیسا کہ اس مشہور ہوائی ڈویژن کا قاعدہ تھا انہوں نے پورے میدان جنگ میں بڑی احتیاط سے، نگہبانوں اور مشاہدہ کرنے‌والوں کا جال سا بچھا رکھا تھا جنہیں ریڈیو ٹرانسمٹر سے لیس کرکے پچھلی رات متوقع جنگ کے علاقوں میں ہوائی چھتری سے اتارا گیا تھا۔

---

* خبردار! خبردار! ”لا - ۵“! خبردار!

پھر، کچھ کم واضح آواز آئی۔ یہ بھاری اور جھلائی ہوئی آواز جرمن میں چیخ رہی تھی: «Donnerwetter! Links! La-fünf! Links! La-fünf!» *

جھنجھلاہٹ کے علاوہ اس آواز میں ایک طرح کی تشویش بھی تھی۔

''ریختگوفن'، کیا تم ہمارے 'لاووچکن' سے ڈر رہے ہو؟''

میریسئف نے منہ ھی منہ میں کرختگی سے کہا۔ وہ قریب آتے ہوئے دشمن کی صفوں کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی رگ و پے میں ایک عجیب سی سرشاری کی لہر دوڑ گئی۔

اب دشمن صاف نظر آ رہا تھا۔ یہ تھے لڑاکو ہوائی جہاز ''فوکے وولف۔ ۱۹۰''۔ یہ بہت مضبوط اور تیزرفتار ہوائی جہاز تھے جو ابھی ابھی استعمال ہونا شروع ہوئے تھے۔

ان کی تعداد فیدوتوف کی ٹولی سے دوگنی تھی۔ وہ بڑی سخت صف بندی کے ساتھ اڑ رہے تھے جو ''ریختگوفن'' ڈویژن کی امتیازی شان تھی۔ یہ دو کی جوڑی بنا کر، سیڑھی کی شکل میں اڑ رہے تھے، اس انداز سے کہ ہر جوڑی اگلی جوڑی کے پچھلے حصے کی حفاظت کرتی تھی۔ فیدوتوف نے اپنی بلندی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے دشمن پر حملہ کیا۔ الکسئی نے پہلے ھی سے اپنے نشانے کا انتخاب کر لیا تھا اور ساتھ ھی دوسرے ہوائی‌جہازوں سے وہ بےنیاز بھی نہ تھا — وہ اپنے شکار کی طرف بڑھا اور اسے نظر سے اوجھل نہ ہونے دیا۔ لیکن کسی نے فیدوتوف پر سبقت کی۔ ''یاک'' ہوائی جہازوں کی ایک ٹولی دوسری طرف سے آئی اور اس نے اوپر سے جرمنوں پر حملہ کیا۔ یہ وار اتنا کامیاب رہا کہ اس نے دشمن کی صفوں کو توڑ کر رکھ دیا۔ فضا میں ایک ہنگامہ اور افراتفری سی پھیل گئی۔ دونوں فریق دو دو اور چار چار کی ٹولیوں میں بٹ گئے اور لڑنے لگے۔ لڑاکو ہوائی‌جہاز گولیوں کی بوچھار سے دشمنوں کا راستہ روکنے کی کوشش کر رہے تھے، اس کے پہلو اور دم کی طرف آنے کی کوشش کر رہے تھے۔

---

* لعنت ہو! بائیں! ''لا۔ ۵''! بائیں! ''لا۔ ۵''!

جوڑیاں منڈلا رہی تھیں اور ایک دوسرے کو بھگا رہی تھیں اور ایک دلچسپ چکر اور ناچ شروع ہو گیا تھا۔

صرف تجربہ کار نظر بتا سکتی تھی کہ اس افراتفری اور ہنگامے میں کیا کچھ ہو رہا تھا، بالکل اسی طرح، جس طرح تجربہ کار کان ہی ایرفون میں گونجتی ہوئی آوازوں کا مطلب سمجھ سکتے ہیں۔ اس وقت آسمان کی فضا میں کیا کچھ نہ سنائی دے رہا تھا: حملہ آوروں کی بیٹھی بیٹھی آواز میں دی ہوئی چٹخارے دار گالیاں، شکار کی دہشت بھری چیخ، فاتح کی فاتحانہ گرج، زخمی کی کراہیں، تیزی سے ہوائی جہاز کا رخ بدلتے ہوئے ہواباز کے دانت پیسنے کی آواز اور بھاری بھاری سانسوں کی آواز! کوئی، جنگ کے نشے میں بدمست، جرمن زبان میں چیخ چیخ کر گا رہا تھا، کوئی زور سے کراہا اور چلایا ''ماں''، کوئی اپنا گھوڑا دباتے ہوئے صاف کہہ رہا تھا ''یہ لو! یہ لو!''

میریسئف نے اپنے لئے جو نشانہ چنا تھا وہ اس کی آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔ اس کی جگہ اسے اپنے اوپر ایک ''یاک'' اڑتا نظر آیا۔ جس کی دم پر سیدھے پروں والا، سگارنما ''فوکے'' جھپٹ رہا تھا۔ وہ اپنے پروں سے بیک وقت گولیوں کی دو متوازی بوچھار کر رہا تھا۔ گولیوں کے یہ فوارے ''یاک'' کی دم تک تیرتے نظر آتے تھے۔ میریسئف ایک راکٹ کی طرح اوپر مڑا اور سنسناتے ہوئے بلند ہوا۔ ایک لمحے کو اسے اپنے اوپر ایک سایہ سا تیرتا نظر آیا اور اسی سائے میں اس نے اپنی تمام مشین گنوں سے گولیوں کی بارش کی۔ اس نے یہ نہ دیکھا کہ ''فوکے'' پر کیا گزری۔ اس نے صرف اتنا دیکھا کہ وہ ''یاک'' اپنی زخمی دم کے ساتھ اکیلا پرواز کر رہا تھا۔ میریسئف نے مڑ کر دیکھا کہ کہیں اس ہنگامے میں اس کا ساتھی تو نہیں بھٹک گیا۔ نہیں! وہ تو بالکل اس کے برابر اڑ رہا تھا۔

''یار، پیچھے نہ رہ جانا'' الکسئی نے دانت پیس کر کہا۔

اس کے کانوں میں بھنبھناہٹ، چٹخ اور گانے کی آواز گونج رہی تھی۔ اس کے کانوں میں فتح کے نعروں اور دہشت کی چیخوں کی آواز دونوں زبانوں میں آ رہی تھی، کھنکار، دانت پیسنے کی آوازیں، گالیاں اور بھاری بھاری سانسوں کی آوازیں صاف سنائی دے

رهی تھیں۔ ان آوازوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ یہ لڑائی ہوا کی بلندیوں میں نہیں ہو رہی ہے بلکہ یہ دست بدست جنگ ہے اور سپاہی زمین پر لڑھک رہے ہیں، جد و جہد کر رہے ہیں اور ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔

میریسئف نے پلٹ کر دشمن کو دیکھنے کی کوشش کی اور اچانک اس کو ٹھنڈا پسینہ سا آ گیا: ٹھیک اس کے نیچے ایک ''لا-۵'' پر ایک ''فوکے'' اوپر سے جھپٹ رہا تھا۔ اس نے سوویت ہوائی جہاز کا نمبر نہیں دیکھا۔ لیکن اس کے دل نے فوراً بتا دیا کہ یہ پتروف ہے۔ ''فوکے وولف'' اپنی تمام مشین گنوں سے اس پر گولیاں برسا رہا تھا۔ پتروف کی زندگی بس اب ایک چھن سے زیادہ نہیں رہی تھی۔ دونوں لڑنے والے اتنے قریب تھے کہ ہوائی جنگ کے عام قاعدے کے مطابق، الکسئی اپنے دوست کی مدد کے لئے اس کے پاس نہیں پھٹک سکتا تھا۔ لیکن اس کے ساتھی کی زندگی خطرے میں تھی اور اس نے ایک غیر معمولی قدم اٹھانے کا فیصلہ کیا۔ اس نے اپنے ہوائی‌جہاز کو سیدھے نیچے گرایا اور گیس تیز کر دی۔ ہوائی جہاز اپنے وزن اور ساتھ ہی انجن کی پوری طاقت کی وجہ سے، غیر معمولی تھرتھراہٹ کے ساتھ بالکل پتھر کی طرح چھوٹے پروالے ''فوکے'' پر گرا، نہیں پتھر کی طرح نہیں، بلکہ راکٹ کی طرح۔ اس نے ''فوکے'' کو برستی ہوئی گولیوں کے چنگل میں لے لیا۔ میریسئف کو محسوس ہوا کہ گرنے کی اس خوفناک برق‌رفتاری سے اس کا سر چکرا رہا ہے اور وہ بیہوش ہونے‌والا ہے۔ میریسئف نیچے گرتا رہا اور اس نے اپنی دھندلی نظروں سے بس اتنا دیکھا کہ ٹھیک اس کے پنکھے کے سامنے ''فوکے'' دھماکے کے دھوئیں میں کھو کر رہ گیا۔ لیکن پتروف کا کیا ہوا؟ وہ غائب ہو گیا تھا۔ وہ کہاں تھا؟ گر گیا؟ کیا وہ چھتری لے کر اتر گیا؟ کیا وہ بچ گیا؟

فضا چاروں طرف سنسان تھی۔ خاموش ہوا میں کسی ان دیکھے ہوائی‌جہاز کی دور سے آتی ہوئی آواز سنائی دی:

''میں ہوں سمندری بگلا نمبر دو، فیدوتوف۔ میں ہوں سمندری بگلا نمبر دو، فیدوتوف۔ صفیں ٹھیک کرو، میرے پیچھے آؤ۔ گھر! میں ہوں سمندری بگلا نمبر دو...''

ظاہر تھا فیدوتوف اپنی ٹولی کو واپس لے جا رہا تھا۔

''فوکے وولف،، کو ٹھکانے لگانے اور اپنے ہوائی جہاز کو غوطے سے نکالنے کے بعد الکسئی بیٹھا زور زور سے سانس لے رہا تھا اور اس خاموشی سے لطف‌اندوز ہو رہا تھا جو اب پیدا ہو گئی تھی۔ اسے خطرے کے گزر جانے کا اور اپنی فتح کا احساس تھا۔ واپسی کی سمت کا اندازہ کرنے کے لئے اس نے کمپاس پر نظر ڈالی اور پھر ایندھن کی سوئی دیکھی۔ اس کی تیوریاں چڑھ گئیں۔ ایندھن بہت کم تھا اور اڈے تک مشکل سے پہنچا سکتا تھا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے صفر سے قریب ہوتی ہوئی سوئی سے بھی زیادہ خطرناک چیز دیکھی۔ پھولے پھولے بادلوں کے پیچھے سے بلائے ناگہانی کی طرح ایک ''فوکے وولف۔ ۱۹۰،، ٹھیک اس کی طرف اڑتا چلا آ رہا تھا۔ سوچنے سمجھنے کا وقت نہ تھا۔ بچ نکلنے کی بھی کوئی صورت نہ تھی۔

وہ تیزی سے دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے مڑا۔

٦

جن سڑکوں پر سے حملہ کرنےوالی فوجوں کے عقب میں نظم‌ونسق چلانے والا کارواں آ رہا تھا، ان کے اوپر فضا کی بلندیوں میں لڑی جانےوالی جنگ کا شور صرف لڑنےوالے ہوائی جہازوں کے کاک‌پٹ میں بیٹھے ہوئے ہواباز ہی نہیں سنتے تھے۔

اس کی آواز گارد لڑاکو دستے کا کمانڈر کرنل ایوانوف بھی اپنے ہوائی اڈے میں بیٹھا ریڈیو پر سن رہا تھا۔ وہ خود بھی تجربہ کار ہواباز تھا۔ ہوا میں تیرتی ہوئی جو آواز اس کے کانوں تک پہنچ رہی تھی اس سے اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ لڑائی گھمسان کی ہو رہی تھی۔ دشمن مضبوط اور سخت جان تھا۔ اور وہ آسمان سے ہٹنے کو تیار نہ تھا۔ یہ خبر پورے ہوائی اڈے میں آگ کی طرح پھیل گئی کہ فیدوتوف کو ایک دگنی طاقت کے دشمن سے لڑنا پڑ رہا ہے۔ جن کو بھی موقع ملا، جنگل سے نکل کر میدان میں آ گئے اور بے چینی سے دکھن کی طرف تاکنے لگے جدھر سے ہوائی جہازوں کو لوٹنا تھا۔

سرجن نوالے چباتے ہوئے اور اپنے لبادے پہنے ہوئے، کھانے کے کمرے سے نکلے۔ امبولنس کی گاڑیاں جن کی چھتوں پر سرخ صلیبیں بنی ہوئی تھیں، جھاڑیوں سے نکلیں اور انجن چالو کرکے وقت کا انتظار کرنے لگیں۔

درختوں کے سروں پر سے ہوائی‌جہازوں کی پہلی جوڑی اڑتی ہوئی آئی اور ہوائی اڈے کا چکر لگائے بغیر اتری اور وسیع میدان میں دوڑنے لگی۔ اس میں فیدوتوف کا ہوائی جہاز ''نمبر ایک،، تھا اور ''نمبر دو،، اس کے ساتھی کا۔ ان کے پیچھے پیچھے دوسری جوڑی آئی۔ جنگل کے اوپر لوٹتے ہوئے ہوائی جہازوں کے انجنوں کی گھنگھناہٹ گونجنے لگی۔

''سات، آٹھ، نو، دس...،، لوگ نظروں سے آسمان کو چھانتے ہوئے بڑی بیقراری سے گنتے رہے۔

اترنےوالے ہوائی جہاز میدان میں اترے، دوڑتے ہوئے اپنی اپنی جگہ پر گئے اور خاموش ہو گئے۔ دو ہوائی جہاز اب تک غائب تھے۔ دل میں جانے کیا کیا اندیشے ابھرے اور انتظار کرتے ہوئے ہجوم پر خاموشی چھا گئی۔ لمحات بڑی تکلیف‌دہ سستی کے ساتھ گزر رہے تھے۔

''میریسئف اور پتروف،، کسی نے خاموشی سے کہا۔

یکایک ایک مسرت بھری نسوانی آواز کھیت میں تیر گئی:

''وہ رہا ایک۔،،

ایک ہوائی‌جہاز کی گھنگھناہٹ سنائی دی۔ ''نمبر ۱۲،، برچ کے درختوں کو قریب قریب چھوتا ہوا اترا۔ ہوائی‌جہاز ٹوٹ چکا تھا۔ دم کا ایک حصہ غائب تھا۔ بائیں پر کا ایک حصہ کٹ چکا تھا اور کسی تار سے بندھا لٹک رہا تھا۔ اترنے کے بعد ہوائی جہاز کچھ عجیب انداز سے پھدکتا ہوا نظر آیا۔ اوپر اچھلا، نیچے آیا، دوبارہ اچھلا اور اسی طرح پھد کتا ہوا میدان کے کنارے تک چلا گیا اور وہاں یکایک رکا اور دم اٹھاکر کھڑا ہو گیا۔ امبولنس کی گاڑیاں، جن کے پائدانوں پر سرجن کھڑے تھے، کئی جیپ اور پورا ہجوم جو ہمہ‌تن انتظار تھا، ہوائی جہاز کی طرف دوڑا۔ کاک‌پٹ سے کوئی بھی نہ نکلا۔

چھت کھسکائی گئی۔ پتروف اپنی جگہ پر خون میں لتھڑا

پڑا تھا۔ اس کا سر انتہائی بے بسی کے عالم میں اس کے سینے پر گرا ہوا تھا۔ اس کا چہرہ بھیگے ہوئے سنہرے بالوں کی لٹوں سے چھپا ہوا تھا۔

سرجنوں اور نرسوں نے فیتے کھولے، اس کا ہوائی چھتری کا تھیلا ہٹایا جو گولے کے ایک ٹکڑے سے چھلنی تھا۔ انہوں نے اس کا بے حس و حرکت جسم نکالا اور اسے زمین پر لٹا دیا۔ ہواباز کی ٹانگ اور بازو زخمی تھے۔ اس کی نیلی جیکٹ پر سیاہ دھبے تیزی سے ابھرنے لگے۔

پتروف کی ابتدائی مرہم پٹی ہوئی اور اسے اسٹریچر میں لٹا دیا گیا۔ اسے امبولنس کی گاڑی میں لٹایا جا رہا تھا تو اس نے آنکھیں کھول دیں۔ اس نے زیرلب کچھ کہا لیکن اتنے دھیرے سے کہ کچھ سنائی نہ دے سکا۔ کرنل اس کے اوپر جھکا۔

''میریسئف کہاں ہے؟،، زخمی نے پوچھا۔

''اب تک نہیں اترا۔،،

اسٹریچر دوبارہ اٹھایا گیا۔ لیکن زخمی نے زور سے سر ہلایا اور اسٹریچر سے اترنے کی کوشش کی۔

''نہیں، نہیں!،، اس نے کہا ''مجھے مت لے جاؤ۔ میں جانا نہیں چاہتا۔ میں میریسئف کا انتظار کرونگا۔ اس نے میری جان بچائی!،، ہواباز نے اتنے زور سے احتجاج کیا اور اپنی پٹیوں کو نوچ پھینکنے کی دھمکی دی کہ کرنل نے ہاتھ ہلایا اور منہ پھیر کر دانت بھینچتے ہوئے کہا:

''اچھا چلو اسے چھوڑ دو۔ مرنے سے تو رہا۔ اب میریسئف کے جہاز میں زیادہ سے زیادہ ایک منٹ کے لئے تیل بچ رہا ہوگا۔،،

کرنل نے اسٹاپ واچ پر نظر جما دی اور سکنڈ کی سرخ سوئی کو چکر کاٹتے ہوئے دیکھنے لگا۔ باقی ہر شخص سرمئی جنگل پر نگاہیں جمائے ہوئے تھا جس کے اوپر آخری ہوائی جہاز کے نظر آنے کا انتظار تھا۔ سب کے کان ادھر ہی لگے تھے لیکن دور دراز سے صرف توپوں کی گھن گرج اور قریب سے ایک کھٹ‌بڑھئی کی گھٹی گھٹی سے کھٹ کھٹ کی آواز کے سوا اور کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔

واقعی بعض مرتبہ ایک لمحہ کھنچ کر کتنا لمبا ہو جاتا ہے!

میریسئف دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے مڑا۔

''لا - ۵،، اور ''فوکے وولف - ۱۹۰،، بڑے برق‌رفتار جہاز تھے۔ دونوں بجلی کی سی تیزی سے ایک دوسرے کے قریب ہوتے گئے۔

الکسئی میریسئف اور مشہور ''ریختگوفن،، ڈویژن کا انجانا جرمن ہواباز، دونوں ایک دوسرے پر بالکل آمنے سامنے جھپٹے - اس طرح سامنے کی ٹکر آن کی آن میں ختم ہو جاتی ہے — ایک تجربہ کار سگریٹ پینےوالا جتنا وقت سگریٹ سلگانے میں لگاتا ہے، اس سے بھی کم - لیکن وہ ایک آن ایسا اعصابی تناؤ پیدا کر دیتی ہے، ایک مجاهد کی حیثیت سے ہواباز کے اعصاب کو ایسی خوفناک آزمائش میں ڈال دیتی ہے جس کا تجربہ زمین پر لڑنے والے سپاهی کو دن بھر کی پیکار میں بھی نہیں ہوتا۔

ذرا تصور تو کیجئے کہ ایک دوسرے پر جھپٹتے ہوئے دو لڑاکو ہوائی‌جہازوں میں سے ایک میں آپ ہیں - دونوں ایک دوسرے پر بجلی کی سی تیزی سے جھپٹ پڑے ہیں - دشمن کا ہوائی‌جہاز آپ کی آنکھوں کے سامنے بڑا اور بڑا ہوتا چلا جا رہا ہے - یکایک وہ اپنی تمام جزئیات کے ساتھہ سامنے آ جاتا ہے: پر، ناچتی ہوئی پنکھی کا چمکتا ہوا هاله اور کالے کالے نقطے جو اس کی توپوں کے دھانے ہیں - بس ایک لمحه، اور پھر دونوں ہوائی‌جہاز ایک دوسرے سے ٹکرا کر اس طرح بھسم ہو جائینگے کہ ہوائی‌جہاز کے ڈھیر سے ہواباز کے جسم کے ٹکڑوں کو الگ کرنا ناممکن ہوگا۔ اس ایک آن میں، ہواباز کی قوت ارادی هی نہیں بلکه اس کی اخلاقی قوت کا بھی پورا امتحان ہو جاتا ہے - کمزور اعصاب کا آدمی اس تناؤ کو برداشت نہیں کر سکتا - ایک ایسا آدمی جو آزادی کی خاطر مرنے کو تیار نہیں، بے اختیار اسٹیرنگ گئر کھینچیے گا اور اپنی طرف بڑھتے ہوئے هلاکت‌خیز طوفان کے اوپر سے کترا کر نکل جائیگا - اور دوسرے هی لمحه اس کا ہوائی‌جہاز اپنے چھلنی پیٹ یا ٹوٹے ہوئے پر کے ساتھہ نیچے گرتا نظر آئیگا - کوئی طاقت اسے نہیں بچا سکتی - تجربہ کار ہواباز یه خوب اچھی طرح جانتے

هیں اور صرف انتہائی جیالے سورما ہی سامنے جا کر اس طرح ٹکرا۔ ہیں ۔

ہوائی جہاز ہوا میں تیر کی طرح ایک دوسرے کی طرف بڑھ رہے تھے ۔

الکسئی کو معلوم تھا کہ اس کے سامنے جو ہواباز اڑتا ہو آ رہا تھا، وہ کوئی اناڑی نہیں تھا اور وہ ان لوگوں میں سے نہ تھا جن کو گوئرنگ نے مشرقی محاذ پر زبردست پسپائی اٹھانے کے بعد، جرمن ہوائی فوج کی خالی جگہوں کو پر کرنے کے لئے جلدی جلدی بھرتی کر لیا تھا ۔ یہ ''ریختگوفن،، ڈویژن کا کوئی منجھا ہوا ہواباز تھا ۔ وہ ایک ایسے ہوائی جہاز میں تھا جس کے پہلوؤں میں فضائی لڑائیوں میں حاصل کی ہوئی بہت سی فتوحات کے نشان کے طور پر چھوٹے چھوٹے ہوائی جہازوں کے نقش ابھرے ہوئے تھے ۔ یہ ہواباز ڈگمگائیگا نہیں، وہ اپنے راستے سے نہیں ہٹیگا، وہ لڑائی سے کترائیگا نہیں ۔

''ہوشیار 'ریختگوفن، ہوشیار !،، الکسئی دانت پیستے ہوئے بولا ۔ وہ دانتوں سے ہونٹ کاٹ رہا تھا یہاں تک کہ خون نکلنے لگا ۔ اس نے پٹھے سکیڑ لئے اور آنکھیں نشانے کے سوراخ پر جما دیں اور اس طرح ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا کہ سامنے سے ٹوٹتے ہوئے دشمن کا سامنا کرتے ہوئے اس کی آنکھیں بند نہ ہوں ۔

اس نے اپنے احساسات کو اتنا تیز کر لیا تھا کہ اسے محسوس ہوا کہ چکراتی ہوئی پنکھی کے پردے میں سے اسے دشمن کے کاک پٹ کا شفاف پردہ نظر آ رہا ہے ۔ پردے کے پیچھے سے دو آنکھیں اسے گھور رہی تھیں اور وہ آنکھیں مجنونانہ نفرت سے جل رہی تھیں ۔ یہ تصویر اعصابی تناؤ اور ہیجان کا نتیجہ تھی لیکن الکسئی کو پکا یقین تھا کہ اس نے سچ مچ یہ سب کچھ دیکھا ہے ۔ ''چلو کام تمام ہوا !،، اس نے پٹھوں میں اور بھی تناؤ پیدا کرتے ہوئے سوچا ۔ ''کام تمام ہوا ۔،، اسے سامنے بڑھتا ہوا ہوائی جہاز نظر آیا ۔ وہ اس کی طرف ہوا کے ناچتے ہوئے جھونکے کی طرح لپک رہا تھا ۔ نہیں، جرمن بھی راستہ نہیں چھوڑیگا ۔ کام تمام ہوا !

وہ اسی لمحے مرنے کو تیار ہو گیا ۔ لیکن ٹھیک اس وقت، جب اسے محسوس ہوا کہ جرمن ہوائی جہاز صرف ایک ہاتھ کے

فاصلے پر رہ گیا ہے، جرمن ہواباز کی ہمت جواب دے گئی اور اس کا ہوائی جہاز اوپر کی طرف اچھل پڑا۔ جرمن ہوائی جہاز کا دھوپ میں چمکتا ہوا نیلا پیٹ سامنے نظر آیا۔ اسی ان الکسئی نے اپنے تمام گھوڑوں کو دبا دیا، جرمن ہوائی جہاز میں گولیوں کی دھاریاں پیوست کر دیں اور اپنے ہوائی جہاز کو غوطہ دیا۔ اور جب اس کو اپنے سر پر زمین ناچتی ہوئی معلوم ہوئی تو اس نے ہوائی جہاز کو زمین کے پس منظر میں بے بسی سے پھڑپھڑاتے ہوئے دیکھا۔

''اولیا!،، اس نے فتح کے احساس کی مجنونانہ سرشاری سے نعرہ بلند کیا اور سب کچھہ بھول کر وہ ایک تنگ دائرے میں چکراتے ہوئے جرمن ہوائی جہاز کے آخری سفر میں ساتھہ دینے لگا، یہاں تک کہ جرمن ہوائی جہاز، گھاس پھوس سے ڈھکی ہوئی سرخ زمین سے جا ٹکرایا اور سیاہ دھوئیں کا ایک ستون سا بلند ہو گیا۔

تب جا کر، اس کا اعصابی تناؤ کم ہوا اور اس کے پٹھے ڈھیلے پڑے۔ اسے زبردست تھکن کے احساس نے آ دبوچا۔ اس نے ''تیل کی سوئی،، دیکھی۔ سوئی قریب قریب صفر پر کانپ رہی تھی۔

تین یا زیادہ سے زیادہ چار منٹ کی اڑان کے لئے تیل باقی رہ گیا تھا۔ ہوائی اڈے تک واپس پہنچنے میں کم از کم دس منٹ لگینگے اور پھر کچھہ وقت ذرا بلند اٹھنے کے لئے چاہئے۔ واقعی وہ بیوقوف تھا کہ اس زخمی ''فوکے،، کے ساتھہ نیچے اتر آیا! ''بالکل بیوقوف بچے کی طرح!،، اس نے خود کو کوستے ہوئے کہا۔

جیسا کہ بہادر اور ٹھنڈے دل و دماغ کے لوگوں کے ساتھہ خطرے کے لمحے میں ہوتا ہے، اس کا ذہن صاف تھا اور بالکل گھڑی کی طرح ٹھیک ٹھیک کام کر رہا تھا۔ پہلی چیز تو یہ تھی کہ بلندی میں اٹھا جائے، چکر کاٹتے ہوئے نہیں بلکہ اپنے ہوائی اڈے کی طرف اڑتے ہوئے۔ ٹھیک!

اس نے اپنے ہوائی جہاز کو اسی سمت میں ڈال دیا اور گرتی ہوئی زمین اور دھندلے پڑتے ہوئے افق کو دیکھتے ہوئے اس نے اور ذرا ٹھنڈے دل سے غور کرنا شروع کیا۔ ایندھن پر بھروسہ کرنا فضول تھا۔ اگر سوئی ذرا غلطی پر بھی ہو تب بھی یہ کافی نہیں ہوگا۔ کیا ہوائی اڈے پر پہنچنے سے پہلے اتر جائے؟ لیکن

کہاں؟ اس نے دل ہی دل میں اس مختصر سے راستے کا حساب لگایا۔ جنگل، ناہموار دلدل، مستقل مورچوں کے گڑھوں سے بھرے ہوئے کھیت، جن پر آڑے ترچھے ہل سے چل گئے تھے، جہاں گولوں سے گڑھے بن گئے تھے اور کانٹے دار تار پھیلے ہوئے تھے۔

''نہیں! اگر میں اترا تو مارا جاؤنگا!،،

کیا چھتری لے کر اتر جاؤں؟ یہ ہو سکتا ہے۔ ابھی۔ چھت کھولو، ہوائی جہاز کا رخ بدلو، اسٹیرنگ گئر دھکیلو — اور بس۔ لیکن ہوائی جہاز کا کیا ہوگا۔ اس شاندار، برق رو اور چوکس پرندے کا کیا ہوگا؟ اس کی جنگی خوبیوں نے اس دن تین بار اس کی جان بچائی تھی۔ اس کو یوں چھوڑ دوں، اسے چکنا چور کر دوں، اسے ٹوٹی پھوٹی دھات کے ڈھیر میں بدل دوں؟ ایسا نہ تھا کہ اس پر اس کا الزام دھرا جائیگا۔ اس کو اس کا ڈر نہ تھا۔ حقیقت تو یہ تھی کہ قاعدے کے مطابق اس قسم کی صورت حال میں اسے چھتری سے کودنے کا پورا حق تھا۔ اس وقت اسے یہ ہوائی جہاز ایک مضبوط اور وسیع دل، وفاشعار اور جاندار چیز معلوم ہوا۔ نہیں، اس کو یوں چھوڑ دینا بڑی دغابازی ہوگی۔ اور پھر — اپنی شروع کی ہی اڑانوں میں بغیر ہوائی جہاز کے لوٹوں اور ریزرو میں بیٹھ کر نئے ہوائی جہاز کے آنے کا انتظار کروں، اس ہماہمی کے زمانے میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیکار بیٹھا رہوں، محاذ پر عظیم الشان فتح کا آغاز ہو رہا ہے کیا ایسے وقت میں یونہی بیکار منڈلاتا پھروں!

''نہیں، اس سے کام نہیں چلیگا!،، الکسئی نے زور سے کہا، جیسے کسی دوسرے کی صلاح ماننے سے انکار کر رہا ہو۔

اس وقت تک اڑتے رہو جب تک انجن بند نہ ہو جائے۔ اور پھر؟ پھر دیکھا جائیگا۔

وہ آگے پرواز کرتا رہا، پہلے تو تین ہزار میٹر کی بلندی پر اور بعد میں چار ہزار میٹر کی بلندی پر۔ وہ نیچے زمین کو دیکھتا چل رہا تھا کہ شاید کہیں کوئی میدان نظر آ جائے۔ وہ جنگل، جس کے پیچھے ہوائی اڈہ تھا ابھی سے افق پر لہراتا نظرآرہا تھا۔ وہ کوئی پندرہ کلومیٹر دور تھا۔ ''تیل کی سوئی،، کی تھرتھراہٹ بند ہوچکی تھی۔ اب وہ اطمینان سے آخری نقطے پر ٹکا ہوا تھا۔

لیکن انجن اب تک کام کر رہا تھا! کس چیز کے بل بوتے پر اڑ رہا تھا وہ؟ اونچا، اور اونچا... بہت اچھے!

دفعتاً، پرآھنگ گھنگھناھٹ بدل گئی۔ ھواباز اس گھنگھناھٹ کو محسوس بھی نہیں کرتا، جس طرح صحت مند آدمی دل کی دھڑکن سے بےنیاز رہتا ھے۔ الکسئی نے اس تبدیلی کو فورا بھانپ لیا۔ جنگل اب صاف نظر آ رہا تھا۔ جنگل سات کلومیٹر دور تھا اور کوئی تین چار کلومیٹر چوڑا ہوگا۔ یہ دوری کچھہ زیادہ نہیں ھے۔ لیکن انجن کی دھڑکن میں یہ خوفناک تبدیلی پیدا ہو گئی تھی۔ ھواباز کا پورا وجود اس کو محسوس کرتا ھے، جیسے یہ انجن نہ ہو بلکہ وہ خود سانس لینے کے لئے تڑپ رہا ہو۔ یکایک، وھی ھیبتناک ”چک، چک، چک،، کی آواز آنا شروع ھوتی ھے جو اس کے پورے جسم میں درد کی کربناک ٹیس دوڑا دیتی ھے...

”نہیں! ٹھیک ھے۔ پھر اچھی طرح کام کر رہا ھے۔ یہ کام کر رہا ھے! وہ مارا! اور لو یہ رہا جنگل!،، اس کو برچ کے درختوں کے سر دھوپ میں موجیں مارتے ھوئے ھرے سمندر کی طرح نظر آئے۔ ھاں‘ جنگل۔ اب ھوائی اڈے کے سوا اور کہیں اترنا ناممکن تھا۔ اب صرف ایک راستہ رہ گیا تھا، آگے بڑھو، آگے بڑھو!

چک، چک، چک!..

انجن میں پھر گھنگھناھٹ پیدا ھوئی۔ کیا یہ گھنگھناھٹ دیر تک رہے گی؟ وہ جنگل کے اوپر اڑ رہا تھا۔ اسے جنگل کے بیچ سے ھموار اور سیدھے راستے دوڑتے نظر آئے، جیسے ونگ کمانڈر کے سر کی مانگ۔ اب ھوائی اڈہ تین کلومیٹر کی دوری پر رہ گیا تھا۔ اڈہ اس نا ھموار سرحد کے پیچھے تھا۔ الکسئی کو محسوس ھوا جیسے وہ ناھموار سرحد اسے نظر آ رھی ھو۔

چک، چک، چک! اور اچانک سناٹا چھا گیا، یہ خاموشی اتنی گہری تھی کہ اسے ھوا میں ایریل کے تار کی سنسناھٹ تیرتی ھوئی سنائی دینے لگی۔ قصہ ختم! میریسئف کے جسم میں ایک ٹھنڈی جھرجھری سی دوڑ گئی۔ چھتری لے کر اتر جاؤں؟ نہیں! ایک ذرا آگے جاؤ۔ اس نے ھوائی جہاز کا رخ اتار کی جانب موڑ دیا اور نیچے کی طرف ترچھا تیرنے لگا۔ وہ پوری کوشش کر رہا تھا

کہ جہاں تک ممکن ہو توازن قائم رہے اور ہوائی جہاز چکر میں نہ پھنسنے پائے۔

ہوا میں یہ مکمل خاموشی کتنی خوفناک تھی! یہ اتنی گہری خاموشی تھی کہ اس کو ٹھنڈے ہوتے ہوئے انجن کے چٹخنے کی آواز، اپنی کنپٹیوں کی پھڑکن اور تیز غوطے کی وجہ سے کانوں میں سنسناہٹ سنائی دی۔ زمین بڑی تیزی سے اسے گلے لگانے کے لئے اٹھہ رہی تھی جیسے ایک بے حد زور دار مقناطیس اسے ہوائی جہاز کی طرف کھینچ رہی ہو!

یہ رہا جنگل کا کنارا۔ اور اس کے پار زمرد کی طرح ہوائی اڈے کا سبز میدان دکھائی دیا۔ بہت زیادہ دیر ہو چکی؟ پنکھا ایک طرف جھک کر رہ گیا۔ اس کو ہوا میں اس طرح ساکت دیکھنا بڑا بھیانک سماں تھا! جنگل بہت قریب تھا۔ کیا یہ خاتمہ تھا؟ کیا اولیا کبھی نہیں جان سکیگی کہ اس کا کیا انجام ہوا، پچھلے اٹھارہ مہینوں میں اس نے کتنی زبردست ناقابل یقین محنت کی تھی، اور اس نے آخرکار اپنی منزل پالی تھی، وہ ایک کھرا، ہاں واقعی کھرا انسان بن گیا تھا۔ اور یہ سب کچھہ حاصل کرنے کے فوراً بعد کیا اسے یوں گر کر فنا ہو جانا تھا؟

چھتری لے کر اتر جاؤں؟ وقت نکل چکا! ہوائی جہاز کے نیچے جنگل تیز تیز تیرتا چلا جا رہا تھا۔ اس طوفانی دوڑ میں درختوں کے سرے مسلسل ہرے میدان کی طرح نظر آ رہے تھے۔ اس نے پہلے بھی اس قسم کی چیز دیکھی تھی۔ کب؟ کیوں، بلاشبہ! اس موسم بہار کے زمانے میں، اپنے خوفناک حادثے کے وقت۔ جب بھی یہ ہرے میدان اسی طرح دوڑتے چلے گئے تھے۔ اس نے آخری جد و جہد کی اور اسٹیرنگ گئر کھینچ لیا...

۸

خون بہہ جانے کی وجہ سے پتروف کے کانوں میں گونج سی پیدا ہو رہی تھی۔ ہر چیز — ہوائی اڈہ، مانوس چہرے اور سہ پہر کے وقت سنہرے بادل — ہاں، ہر چیز اچانک ڈولنے لگی،

دھیرے دھیرے بالکل الٹ گئی اور پھر دھندلی پڑنے لگی۔ اس نے اپنی زخمی ٹانگ ہلائی اور درد کی شدت سے ہوش میں آ گیا۔
"کیا وہ نہیں آیا؟" اس نے پوچھا۔
"اب تک نہیں۔ بولو مت" جواب ملا۔
کیا ایسا ممکن ہے کہ اب میریسئف، جو اس دن ٹھیک اس لمحے جب پتروف کو اپنی موت سامنے نظر آ رہی تھی، آسمانی فرشتے کی طرح اس جرمن پر جھپٹا تھا، ہاں اب خود میریسئف جلے ہوئے گوشت کے ڈھیر کے سوا اور کچھ نہ ہو — گوشت کا ڈھیر جو گولوں سے پاش پاش اور روندی ہوئی زمین پر نہ جانے کہاں پڑا ہوگا؟ کیا سرجنٹ میجر پتروف اپنے لیڈر کی کالی کچھ وحشی سی دل گداز اور ہنسی اڑاتی ہوئی آنکھیں پھر کبھی نہیں دیکھ سکیگا؟ کبھی نہیں؟
ونگ کمانڈر نے اپنی آستین گرا لی۔ اب اسے گھڑی کی ضرورت نہیں تھی۔ اس نے اپنے ہموار بالوں کو دونوں ہاتھوں سے سہلاتے ہوئے بوجھل سی آواز میں کہا:
"بس!"
"کیا اب کوئی امید نہیں؟" کسی نے پوچھا۔
"نہیں۔ تیل جل چکا۔ شاید اس نے کہیں ہوائی جہاز اتار لیا ہو یا چھتری لے کر اتر گیا ہو... اب یہ اسٹریچر یہاں سے لے جاؤ!"
کرنل مڑا اور بے سرے پن سے کسی دھن پر سیٹی بجانے لگا۔ پتروف کو پھر گلے میں کوئی چیز پھنستی ہوئی معلوم ہوئی، یہ چیز اتنی بڑی اور گرم تھی کہ اس کا گلا گھٹنے لگا۔ کھانسی کی ایک عجیب آواز سنائی دی۔ ہوائی اڈے کے بیچوں بیچ لوگ اب تک خاموشی سے کھڑے تھے۔ انہوں نے مڑ کر دیکھا اور فوراً منہ پھیر لیا — زخمی ہواباز اسٹریچر پر پڑا سسکیاں بھر رہا تھا۔
"اس کو لے جاؤ! کیا مصیبت ہے!..." کرنل نے گھٹتی ہوئی آواز میں چلا کر کہا اور چل دیا۔ اس نے ہجوم کی طرف سے منہ پھیر لیا اور آنکھیں میچ لیں جیسے تیز ہوا سے بچنے کی کوشش کر رہا ہو۔

لوگ بکھرنے لگے۔ لیکن ٹھیک اسی آن، جنگل کے کنارے کے اوپر سائے کی سی خاموشی سے ایک ھوائی جہاز تیرتا نظر آیا، اس کے پہیے درختوں کے سروں کو چھوتے ہوئے پھسل رہے تھے۔ ایک آسیب کی طرح یہ لوگوں کے سروں پر سے تیرتا ہوا زمین کے اوپر پھسلتا چلا گیا اور بیک وقت اس نے اپنے تینوں پہیوں سے گھاس کو چھوا جیسے کسی چیز نے اسے نیچے کھینچ لیا ہو۔ بوجھل خرخراھٹ جیسی آواز ابھری۔ بجری کی چرمراھٹ اور گھاس کی سرسراھٹ سنائی دی۔ یہ ایک غیر معمولی بات تھی کیونکہ جب ھواباز اترتے ھیں تو انجن کے شور میں یہ آوازیں کبھی سنائی نہیں دیتیں۔ یہ سب اتنا اچانک ہوا کہ کسی کی سمجھہ میں آیا ھی نہیں کہ ہوا کیا۔ حالانکہ یہ انتہائی معمولی بات تھی۔ ایک ھوائی جہاز اترا، اور وہ تھا ''نمبر ۱۱''۔ وھی ھوائی جہاز جس کی وہ اتنی بیقراری سے راہ دیکھہ رہے تھے۔

''وھی ہے!'' کوئی بالکل جنونی اور غیر فطری آواز میں چلایا اور ہر شخص کا سکتہ دور ہو گیا۔

ھوائی جہاز نے دوڑنا بند کیا اور ھوائی اڈے کے کنارے سفید سفید چھال‌والے برچ کے نئے اور گھونگھریالے درختوں کے سامنے ساکت کھڑا ہو گیا۔ برچ کی چھال کو ڈھلتے سورج کی نارنجی کرنوں نے روشن کر رکھا تھا۔

کاک‌پٹ سے کوئی نہیں نکلا۔ لوگ بے تحاشہ ھوائی جہاز کی طرف دوڑ پڑے، ھانپتے کانپتے اور ہر طرح کے اندیشے دل میں لئے ہوئے۔ کرنل ان کے آگے آگے دوڑ رہا تھا۔ وہ اچھل کر پر کے اوپر چڑھہ گیا۔ اس نے چھت ھٹائی اور کاک‌پٹ میں جھانک کر دیکھا۔ میریسئف ننگے سر بیٹھا تھا، اس کا چہرہ گرمیوں کے بادلوں کی طرح سفید تھا۔ اس کے خون سے خالی، سبزی مائل ہونٹوں پر مسکراھٹ پھیلی ہوئی تھی۔ چبائے ہوئے ہونٹوں سے خون کی دو دھاریں پھوٹ رہی تھیں۔

''زندہ ہو؟ چوٹ تو نہیں آئی؟''

میریسئف کمزوری سے مسکرایا اور انتہائی نڈھال آنکھوں سے کرنل کی طرف دیکھتے ہوئے بولا:

''بالکل ٹھیک ہوں۔ ذرا گھبرا گیا تھا... کوئی چھ کلومیٹر تک ہوائی جہاز میں ایک بوند تیل باقی نہ رہا تھا۔''

ہوابازوں کا ہجوم، الکسئی کے گرد گھیرا ڈال کر کھڑا ہو گیا اور زور شور سے الکسئی کو مبارکباد دینے اور اس سے ہاتھ ملانے لگا۔

''ذرا سنبھل کے بھائیو، تم تو پر کو توڑے ڈال رہے ہو! خدا کے لئے ایسا تو نہ کرو! مجھے نکلنے تو دو!''، الکسئی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

ٹھیک اسی لمحے، اپنے اوپر جھکے ہوئے سروں کے ہجوم کے نیچے سے اس نے ایک مانوس آواز سنی۔ لیکن یہ آواز اتنی مدھم تھی جیسے کہیں بہت دور سے آ رہی ہو۔

''الیوشا! الیوشا!''

میریسئف کی طاقت فوراً واپس آ گئی۔ وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے بازوؤں کے سہارے زور سے خود کو اٹھا کر اپنے بے ہنگم پیروں کو کاک‌پٹ سے باہر نکالا۔ پر کے اوپر کھڑے ہوئے ایک آدمی سے ٹھوکر کھاتے کھاتے بچا۔ وہ زمین پر کود گیا۔

معلوم ہوتا تھا پتروف کا چہرہ تکیے میں دفن ہو گیا ہے۔ اس کی گہری اور بڑی بڑی آنکھیں آنسو سے ڈبڈبائی ہوئی تھیں۔

''ارے یار، تم زندہ ہو! تم... ارے بدمعاش!''، الکسئی اپنے گھٹنوں کے بل اسٹریچر کے ایک طرف گرتے ہوئے چلایا۔ اس نے اپنے ساتھی کے بے بسی سے پڑے ہوئے سر کو ہاتھوں میں لے لیا اور اس کی درد سے بے‌چین اور مسرت کی چنگاریوں سے روشن آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا۔

''تم زندہ ہو!''

''شکریہ الیوشا، تم نے میری جان بچائی۔ تم... الیوشا... تم...''

''بس بس ختم کرو! لےجاؤ زخمی کو یہاں سے! وہاں بیوقوفوں کی طرح منہ کھولے ہوئے کیا دیکھ رہے ہو!''، کرنل کی گرجتی ہوئی آواز سنائی دی۔

چھوٹے قد کا طاقت ور کرنل پاس ہی کھڑا جھوم رہا تھا۔

اس کے نیلے کوٹ کے نیچے سے اس کی گٹھی ہوئی ٹانگیں اور چست چمکتے ہوئے بوٹ دکھائی دے رہے تھے۔

”سینئر لفٹیننٹ میریسئف، اپنی اڑان کے بارے میں رپورٹ دو۔ کوئی ہوائی جہاز مار کر گرایا؟،، اس نے افسرانہ لہجے میں مطالبہ کیا۔

”جی ہاں، کامریڈ کرنل۔ دو 'فوکے وولف،۔،،

”کن حالات میں؟،،

”ایک آڑے ترچھے حملے میں۔ وہ پتروف کا پیچھا کر رہا تھا۔ اور دوسرا سامنے کی جھڑپ میں۔ یہ واقعہ عام لڑائی کے علاقے سے کوئی ساڑھے تین کلومیٹر شمال کی طرف ہوا۔،،

”میں جانتا ہوں۔ زمین سے مشاہدہ کرنے والے نے ابھی رپورٹ دی ہے... شکریہ۔،،

”میں خدمت...،، الکسئی نے فوجی قاعدے کے مطابق کہنا چاہا لیکن کرنل نے اسے روک دیا، حالانکہ قاعدے اور ضابطہ کے معاملے میں وہ بڑا سخت تھا۔ پھر اس نے غیر رسمی لہجے میں کہا:

”بہت اچھا! کل تم کمانڈر ہوگے... تیسرے اسکواڈرن کا کمانڈر ہوائی اڈے پر واپس نہیں آیا۔،،

وہ کمانڈ پوسٹ کی طرف ایک ساتھ چل دئے۔ اس دن اڑانوں کا سلسلہ ختم ہو چکا تھا اس لئے پورا ہجوم ان کے پیچھے پیچھے چلتا ہوا پہنچا۔ وہ کمانڈ پوسٹ کے سبز ٹیلے کے قریب پہنچ ہی رہے تھے کہ ڈیوٹی پر موجود افسر دوڑا ہوا آیا۔ وہ تیزی سے کرنل کے سامنے سیدھا کھڑا ہو گیا۔ وہ ننگے سر تھا اور بہت خوش اور ہیجان سے بھرا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ اس نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا لیکن کرنل نے اس کو خشک اور سخت آواز میں روک دیا۔

”تمہارے سر پر ٹوپی کیوں نہیں؟ تم خود کو کیا سمجھتے ہو، کیا تم طالبعلم ہو اور چھٹی کے گھنٹے میں مزے اڑا رہے ہو؟،،

”کامریڈ کرنل، مجھے رپورٹ دینے کی اجازت دیجئے،، جوش میں بھرے ہوئے لفٹیننٹ کے منہ سے نکلا۔ وہ اٹنشن کھڑا تھا اور ہانپ رہا تھا۔

''کیا؟''

''ہمارے پڑوسی 'یاک' کے ونگ کمانڈر آپ سے ٹیلیفون پر بات کرنا چاہتے ہیں۔''

''ہمارے پڑوسی! کیا چاہتے ہیں وہ؟..''

کرنل تیز تیز قدموں سے خندق کے زینے سے اترنے لگا۔

''ضرور تمہارے بارے میں ہے...'' لفٹیننٹ نے الکسئی سے کہنا شروع کیا اتنے میں نیچے سے کرنل کی آواز آئی:

''میریسئف کو میرے پاس بھیجو!''

جب میریسئف تن کر اس کے سامنے اٹنشن کے پوز میں، دونوں ہاتھ لٹکائے کھڑا ہوا تو کرنل نے ہتھیلی رسیور پر رکھ دی اور غصے سے اس پر غرایا:

''تم نے مجھے غلط اطلاع کیوں دی؟ ہمارے پڑوسی جاننا چاہتے ہیں کہ 'نمبر گیارہ' کون اڑا رہا تھا۔ میں نے جواب دیا کہ سینئر لفٹیننٹ میریسئف، پھر انہوں نے پوچھا 'تم نے آج اس کے نام پر کتنے شکار لکھے؟' میں نے کہا دو۔ وہ کہتے ہیں 'اس کے نام ایک اور لکھو۔ اس نے ایک اور 'فوکے وولف' کو مار گرایا جو میرا پیچھا کر رہا تھا۔ میں نے خود اس کو گرتے ہوئے دیکھا۔' ایں؟ خاموش کیوں ہو؟'' کرنل کی تیوریاں چڑھ گئیں اور اس نے غصے بھری نظروں سے الکسئی کو دیکھا۔ یہ کہنا مشکل تھا کہ وہ مذاق کر رہا ہے یا سنجیدگی سے کہہ رہا ہے۔ ''کیا یہ سچ ہے؟ تم خود اس سے بات کر لو... ہلو! کیا تم ہو؟ سینئر لفٹیننٹ میریسئف یہاں موجود ہے۔ میں اس کو رسیور دے رہا ہوں۔''

ٹیلیفون پر ایک انجانی بھاری آواز آئی:

''شکریہ، سینئر لفٹیننٹ۔ تم نے کمال کر دیا۔ میں داد دیتا ہوں۔ تم نے میری جان بچائی۔ ہاں، میں اس کے ساتھ زمین تک گیا میں نے اسے زمین سے ٹکراتے ہوئے دیکھا۔ کیا تم پیتے ہو؟ تم ہمارے پاس آ جاؤ۔ تمہارے نام کی بوتل میرے پاس ہے۔ اچھا ایک بار پھر شکریہ۔ ملیں گے تو ہاتھ ملائینگے۔ اچھا اپنی مہم جاری رکھو۔''

میریسئف نے رسیور رکھه دیا۔ اس دن وہ جن تجربات سے گزرا تھا اس کے بعد وہ بالکل تھک کر چور ہو گیا تھا۔ اس کو صرف ایک خیال تھا اور وہ یہ کہ کسی نہ کسی طرح، جلد از جلد، ''چھچھوندر نگر،، پہنچ جائے، اپنی خندق میں جا کر نقلی پیر اتار پھینکے اور اپنے تختے پر دراز ہو جائے۔ ٹیلیفون کے پاس ایک لمحے کو ادھر ادھر پھرنے کے بعد اس نے آہستہ آہستہ دروازے کا رخ کیا۔

''کہاں چل دئے،، کرنل نے اس کا راستہ روکتے ہوئے کہا۔ اس نے میریسئف کا ہاتھه اپنے چھوٹے سے، ہڈیالے ہاتھه میں لیا اور اتنے زور سے دبایا کہ اس کا ہاتھه دکھنے لگا۔ ''اچھا، میں تم سے کیا کہه سکتا ہوں؟ بھلے آدمی! مجھے فخر ہے کہ تمہارے جیسے آدمی میرے ماتحت ہیں... اور کیا کہوں؟ شکریہ... ہاں اور وہ تمہارا یار، میرا مطلب ہے پتروف، وہ بھی اچھا لڑکا ہے۔ اور دوسرے بھی... میں کہتا ہوں تمہارے جیسے آدمی ہوں تو ہم جنگ نہیں ہار سکتے۔،،

اور اس نے دوبارہ زور سے میریسئف کا ہاتھه دبایا۔

میریسئف اپنی خندق میں پہنچا تو رات ہو چکی تھی۔ لیکن وہ سو نہ سکا۔ اس نے تکیے کو الٹ پلٹ کیا، ہزار تک گنا اور پھر الٹی طرف سے گنا، اس نے اپنے ایسے تمام جاننے پہچاننے والوں کو یاد کیا جن کے نام ''الف،، اور ''بے،، سے شروع ہوتے تھے۔ وغیرہ وغیرہ... اور پھر اس نے ٹکٹکی باندھه کر مٹی کے تیل کے چراغ کو گھورنا شروع کیا لیکن نیند کو رجھانے کے یہ سب آزمودہ نسخے بیکار گئے۔ آنکھیں بند ہوئیں نہیں کہ مانوس تصویریں ابھرنے لگتیں، کبھی یہ تصویریں بہت ہی روشن ہوتیں اور کبھی اندھیرے میں اس طرح کھو جاتیں کہ پہچاننا مشکل ہو جاتا — چاندی کی طرح سفید بالوں کی لٹوں سے جھانکتی ہوئی نانا میخائل کی فکر میں ڈوبی ہوئی آنکھیں، اندرئی دیگتیارینکو کی بڑی بڑی پھیلی پھیلی آنکھیں جو ہمیشہ جھپکتی رہتیں، واسیلی واسیلیوچ جس کے گھنے بالوں کے گچھے لٹکتے رہتے تھے اور جو ہمیشہ کسی نہ کسی کو ڈانٹ پلاتا رہتا، وہ بوڑھا نشانہ باز، اس کا سپاہیوں جیسا چہرہ جس پر مسکراہٹ سے شکنیں پڑ جاتی تھیں۔ اس کو کمیسار

ورونیوف کا موم جیسا چہرہ نظر آیا جو تکیے پر رکھا ہوا تھا، وہ اپنی دور رس، چبھتی ہوئی، دل پر پھایا رکھنے والی ہنستی ہنستی آنکھوں سے گھور رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں زینوچکا کے سرخ بال لہرا گئے جو ہوا میں اڑ رہے تھے۔ تصور ہی تصور میں چھوٹے سے قد کا جوشیلا استاد ناؤموف مسکرایا اور اس کے دل کی بات سمجھتے ہوئے اسے آنکھ ماری۔ بہت سے شاندار اور دوستی بھرے چہروں نے اسے دیکھا اور اندھیرے سے جھانکتے ہوئے مسکرائے۔ ان چہروں نے بہت سی یادوں کو جگا دیا اور اس کے دل کو جس سے جذبات پہلے ہی چھلکے پڑ رہے تھے گرمی اور سرشاری سے بھر دیا۔ لیکن پھر ان دوستانہ چہروں کے درمیان اولیا کا چہرہ ابھرا اور باقی سب چہرے مٹ گئے۔ پتلا سا چہرہ، افسر کی فوجی وردی سے جھانکتی ہوئی لڑکوں جیسی بڑی بڑی اور تھکی تھکی آنکھیں۔ وہ اس کو اتنی صاف اور روشن نظر آ رہی تھی جیسے وہ واقعی اس کے سامنے آ گئی ہو — اور کچھ اس انداز سے کہ اس نے زندگی میں کبھی اس کو اس طرح نہیں دیکھا تھا۔ تصور کی پرچھائیں اتنی روشن تھی کہ وہ چونک گیا۔

سونے کی کوشش بیکار ہے! وہ نشاط انگیز طاقت کے جوش سے سرشار اٹھ بیٹھا، اس نے ''استالن گرادکا،، کی بتی کا گل جھاڑا، ایک کاپی سے ایک ورق نکالا، پنسل کی نوک جوتے کے تلوے پر تیز کی اور لکھنا شروع کر دیا:

''میری جان،، اس نے صاف لکھائی میں لکھا۔ وہ ان خیالات کا بڑی مشکل سے ساتھ دے پا رہا تھا جو اس کے دماغ میں دوڑ رہے تھے۔ ''آج میں نے تین جرمن ہوائی جہاز مار گرائے۔ لیکن یہ کوئی خاص بات نہیں۔ روزانہ ہمارے بعض ساتھی یہی کر رہے ہیں، میں دون کی نہیں لونگا۔ میری جان، میری روح۔ آج میں چاہتا ہوں، آج مجھے اس کا حق حاصل ہو گیا ہے کہ میں تمہیں بتا دوں کہ اٹھارہ مہینے پہلے مجھ پر کیا قیامت گزر گئی تھی اور جس کو، معاف کرنا — خدا کے لئے مجھے معاف کر دینا — جس کو میں نے تم سے چھپایا۔ لیکن آج میں نے آخر فیصلہ کر ہی لیا...،،

الکسئی اپنے خیالوں میں کھو گیا۔ خندق میں لگے ہوئے تختوں کے پیچھے چوہے بول رہے تھے۔ ریت کی سرسراہٹ صاف

سنائی دے رہی تھی۔ کھلے ہوئے دروازے سے ہوا کے جھونکوں کے ساتھ برچ کے درختوں اور پھلتی پھولتی گھاس کی خوشبو اندر آرہی تھی اور اس خوشبو کے ساتھ ساتھ بلبلوں کی دبی دبی مگر آزاد چہچہاہٹ بھی آ رہی تھی۔ کہیں دور، گھاٹی کے اس پار، شاید افسروں کے کھانے کے کمرے کے باہر، مردانی اور زنانی آوازیں ''ریبی‌نا،، کے درخت والا گیت گا رہی تھیں۔ دوری نے اس کی دھن میں ایک عجیب نرمی پیدا کر دی تھی اور اس نرمی نے رات کے وقت اس نغمے میں انوکھا اور لطیف جادو گھول دیا تھا۔ گیت نے اس کے دل کو ایک شیریں اداسی سے، انتظار اور امید کی اداسی سے بھر دیا...

دور سے آتی ہوئی توپوں کی دبی دبی، گھٹی گھٹی گھن گرج ہوائی اڈے میں ہلکی، بہت ہلکی سنائی دے رہی تھی کیونکہ ہوائی اڈہ ہماری بڑھتی ہوئی فوجوں کے عقب میں بہت پیچھے رہ گیا تھا۔ یہ گھن گرج نہ تو اس گیت کی گونج کو دبا سکی، نہ بلبلوں کے نغمے اور چہچہاہٹ کو اور نہ جنگل کی نرم نرم خواب‌ناک سرسراہٹ کو۔

اختتامیہ

اوریل کی جنگ کا فاتحانہ انجام قریب تھا اور شمال کی طرف سے بڑھتی ہوئی فوجوں کے آس پاس سے اطلاع آ رہی تھی کہ کراسنوگورسک کی پہاڑیوں پر سے جلتا ہوا شہر نظر آ رہا ہے۔ ایسے میں ایک دن بریانسک محاذ کے ہیڈکوارٹر میں اطلاع آئی کہ پچھلے نو دن میں گارد لڑاکو ہوائی رجمنٹ کے ہوابازوں نے اس علاقے میں اپنی خدمات انجام دیتے ہوئے دشمن کے سینتالیس ہوائی جہاز مار گرائے۔ اپنے پانچ ہوائی جہازوں کا نقصان ہوا اور تین آدمی ہلاک ہوئے کیونکہ دو ہواباز تو ہوائی چھتری سے اتر گئے اور پیدل اپنے ہوائی اڈے پر واپس آ گئے۔ سوویت فوج کی برق رو پیش قدمی کے دنوں میں بھی یہ کارنامہ غیر معمولی تھا۔ میں رابطے کے ایک ہوائی جہاز میں بیٹھ گیا جو اسی رجمنٹ کے ہوائی اڈے پر جا رہا تھا۔ میرا ارادہ تھا کہ اس دستے کے ہوابازوں کی جانبازی اور بہادری کی داستان معلوم کروں اور ''پراودا'' کے لئے ایک مضمون لکھوں۔ اس رجمنٹ کا ہوائی اڈہ ایک عام مرغزار میں واقع تھا۔ یہاں مٹی کے ڈھیروں وغیرہ کو ابھی ٹھیک سے ہٹایا بھی نہ گیا تھا۔ ہوائی جہاز، برچ کے جنگل کے کنارے تیتر اور چوزوں کے جھنڈ کی طرح چھپے ہوئے تھے۔ مختصر یہ کہ یہ ان میدانی ہوائی اڈوں میں سے ایک تھا جو جنگ کے ان قیامت خیز دنوں میں عام تھے۔

ہم ڈھلتی سہ پہر کو وہاں اترے۔ رجمنٹ کا مصروف اور ہنگامی دن ختم ہو رہا تھا۔ اوریل کے علاقے میں جرمن ہوائی‌جہاز غیر معمولی جوش و خروش دکھا رہے تھے اور اس دن ہر لڑاکو ہوائی‌جہاز نے کوئی سات اڑانیں کی تھیں۔ سورج ڈھلتے ڈھلتے آخری

ہوائی جہاز اپنی آٹھویں اڑان سے لوٹ رہے تھے۔ کرنل چھوٹے قد کا آدمی تھا۔ اس کا چہرہ سنولایا ہوا تھا اور مانگ بڑی صفائی سے نکالی گئی تھی۔ وہ نیا نیا نیلا فلائنگ سوٹ پہنے ہوئے تھا۔ اس نے صاف صاف کہہ دیا کہ اس دن کے بارے میں وہ کوئی مربوط کہانی نہیں سنا سکتا۔ وہ تو صبح کے چھہ بجے سے ہوائی اڈے پر تھا اور تین بار خود پرواز کر چکا تھا۔ وہ اتنا نڈھال تھا کہ اس کے لئے کھڑا ہونا بھی دوبھر تھا۔ دوسرے افسر بھی اس دن اخبار نویسوں کو انٹرویو دینے کے موڈ میں نہ تھے۔ میں نے سوچا کہ مجھے اگلے دن تک ٹھہرنا پڑیگا۔ اور بہرحال اب اتنی دیر ہو گئی تھی کہ لوٹنے کا کوئی سوال نہ تھا۔ سورج کی کرنیں برچ کے درختوں کے سروں کو چوم رہی تھیں اور ان پر پگھلا ہوا سونا پھیر رہی تھیں۔

آخری ہوائی جہاز اترے اور اپنے گھنگھناتے ہوئے انجن کے ساتھہ جنگل کی طرف رینگتے چلے گئے۔ مستریوں نے ان کو گھمایا۔ اور زرد اور تھکے ہوئے ہواباز کاک پٹ سے اس وقت نکلے جب ہوائی جہازوں کو بخیرتمام ہری ہری ڈالیوں سے چھپے ہوئے خانوں میں چھپا دیا گیا۔

سب سے آخری ہوائی جہاز اسکواڈرن نمبر تین کے کمانڈر کا تھا۔ کاک پٹ کی شفاف چھت ہٹائی گئی۔ پہلے اس میں سے ہاتھی دانت والی آبنوسی چھڑی زور سے نکلی جس پر سنہرے نقش ونگار بنے ہوئے تھے۔ چھڑی گھاس پر گر گئی۔ پھر سنولائے ہوئے چوڑے چہرے اور کالے بالوں والے آدمی نے خود کو اپنے مضبوط بازوؤں پر اٹھایا، پھرتی سے اپنے جسم کو ایک طرف نکالا اور پر کے اوپر اتر گیا اور پھر زور سے زمین پر کود گیا۔ کسی نے مجھہ سے کہا کہ وہ رجمنٹ کا سب سے اچھا ہواباز ہے۔ میں نے سوچا: شام بیکار کیوں جائے آؤ اس سے بات چیت چھیڑ دیں۔ مجھے پوری طرح یاد ہے کہ اس نے ہنستی ہوئی، جوشیلی، سیاہ آنکھوں سے مجھے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں لڑکپن کا اٹ کھلنڈڑاپن تھی جس میں ایک ایسے آدمی کی تھکی تھکی سی دانش مندی کا امتزاج تھا، جس پر بہت کچھہ بیت چکی ہو۔ اس نے مسکراتے ہوئے مجھہ سے کہا:

''ارے بندۂ خدا! میں تو مارے تھکن کے ڈھیر ھوا جا رھا ھوں۔ نہ جانے کس طرح اپنے پیر گھسیٹ رھا ھوں اور سر ھے کہ چکرا رھا ھے۔ تم نے کھانا کھایا؟ نہیں! تو پھر میرے ساتھہ کھانے کے کمرے میں چلو۔ ھم ساتھہ ھی کھانا کھائینگے۔ کھانے پر ھمیں ھر گرائے ھوئے ھوائی جہاز کے انعام میں دو سو گرام ووڈکا دیتے ھیں۔ آج مجھے چھہ سو گرام کا حق ھے۔ ھم دونوں کے لئے اتنا کافی ھے۔ تو پھر چلتے ھو نا؟ تم کہانی سننے کو اس قدر بیقرار ھو تو آؤ کھانا کھائیں اور بات‌چیت کریں۔''

میں راضی ھو گیا۔ مجھے یہ صاف گو، خوش‌مزاج افسر بہت پسند آیا۔ ھم اس راستے سے گئے جو جنگل میں ھوابازوں کے قدموں سے بن گیا تھا۔ میرا نیا دوست تیز تیز چل رھا تھا اور باربار گوندنیوں کا گچھا توڑنے کے لئے جھک جاتا تھا اور اسی آن ان گچھوں کو منہ میں رکھہ لیتا تھا۔ یقینی وہ بہت تھکا ھوا ھوگا، کیونکہ اس کے قدم بھاری بھاری اٹھہ رھے تھے۔ لیکن وہ اپنی عجیب و غریب چھڑی کا سہارا نہیں لے رھا تھا۔ وہ اس کے بازو سے لٹکی ھوئی تھی۔ ھواباز صرف تھوڑی تھوڑی دیر پر محض کگرمتے اورجڑی بوٹیوں کے پودوں پر ھاتھہ صاف کرنے کے لئے اسے ھاتھہ میں لیتا تھا۔ جب ھم نالا پار کر کے مٹی کی پھسلواں ڈھلان پر چڑھنے لگے تو ھواباز کو دقت ھوئی اور اس نے جھاڑیوں کو پکڑ پکڑ کر ان کے سہارے اوپر گھسٹنا شروع کیا۔ لیکن چھڑی کا سہارا نہیں لیا۔

کھانے کے کمرے میں اس کی تھکن فوراً رفوچکر ھو گئی۔ اس نے کھڑکی کے پاس ایک میز چنی جہاں سے ھم غروب آفتاب کی ٹھنڈی اور سرخ ضیاپاشیوں کا نظارہ کر سکتے تھے۔ ھواباز اس سے یہ نتیجہ نکالتے ھیں کہ اگلے دن ھوا بہت زور دار ھوگی۔ اس نے بڑے شوق سے ڈونگا بھر پانی منہ میں غٹ‌غٹ انڈیل لیا۔ پھر خوبصورت گھونگھریالے بالوں والی ایک ویٹرس پر ھسپتال میں پڑے ھوئے ایک دوست کے بارے میں چوٹ کی۔ ھواباز نے بتایا کہ اس کی خاطر ویٹرس نے کھانے میں اتنا نمک ڈالنا شروع کردیا ھے کہ سب کا جینا اجیرن ھو گیا ھے۔ وہ کافی چاؤ سے کھانا کھاتا اور مٹن چاپ کی ھڈی کو مضبوط دانتوں سے چباتا رھا اور دوسری میزوں پر بیٹھے ھوئے ساتھیوں پر فقرے چست کرتا رھا۔ اس نے مجھہ سے کہا

کہ ماسکو کی کچھہ نئی خبریں سناؤ، پوچھا کہ کون کون سی نئی کتابیں چھپی ہیں اور تھیٹروں میں کون سے نئے ڈرامے کھیلے گئے ہیں اور اس پر افسوس کا اظہار کیا کہ وہ اب تک ایک بار بھی ماسکو آرٹ تھیٹر نہیں گیا ہے۔ جب ہم نے گوندنیوں کی جیلی کا تیسرا کورس ختم کر لیا (جس کو ہواباز ''بجلی کی کڑک،، کہتے تھے) تو اس نے مجھہ سے پوچھا۔

''کیا تم نے رات بسر کرنے کا انتظام کر لیا ہے؟،، میں نے کہا ''نہیں۔،، ''تو پھر آؤ میری خندق میں سوؤ،، اس نے کہا۔ اس نے ایک لمحے کو تیوریاں چڑھائیں اور پھر کہا ''آج میرا ساتھی نہیں لوٹا... اس لئے ایک تختہ خالی ہے۔ میں کہیں سے کوئی صاف ستھری چادر ڈھونڈ لونگا۔ آؤ تو پھر چلیں۔،،

ظاہر تھا کہ وہ ان لوگوں میں سے تھا جن کو لوگوں سے بڑا لگاؤ ہوتا ہے، جنھیں نوواردوں سے گپ کرنے کا شوق ہوتا ہے۔ میں راضی ہو گیا۔ ہم نالے میں اترے۔ ڈھلانوں پر، دونوں طرف جنگلی رس بھریوں اور جڑی بوٹیوں کے پودوں کے درمیان خندقیں بنی ہوئی تھیں۔ چاروں طرف سڑتی ہوئی پتیوں اور سانپ کی چھتریوں کی خوشبو بسی ہوئی تھی۔

مٹی کے تیل کا دھواں دینےوالا چراغ ''استالن گرادکا،، اچھی طرح جل اٹھا اور خندق کا اندرونی حصہ روشن ہو گیا۔ خندق خاصی کشادہ اور آرام‌دہ معلوم ہونے لگی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس میں بہت دنوں سے لوگوں کا بسیرا ہے۔ اس کی مٹی کی دیواروں میں، دو صاف ستھرے تختے بنے ہوئے تھے جن پر تازہ اور خوشبودار سوکھی گھاس سے بھرے ہوئے گدے بچھے ہوئے تھے۔ کچھہ تازہ برچ کے پودے، جن کے پتے اب تک سر سبز تھے، کونوں میں گڑے ہوئے تھے۔ ہواباز نے بتایا کہ یہ ''خوشبو بسانے کے لئے ہے۔،، تختوں کے اوپر دیواروں میں طاق بڑی صفائی سے کھودے گئے تھے اور کاغذ بچھے ہوئے طاقوں میں کتابیں، داڑھی بنانے کا سامان، صابن اور دانتوں کا برش رکھا تھا۔ ایک تختے کے سرہانے کے اوپر، ہوائی‌جہاز کے شیشے کے دو خوبصورت فریموں میں دو تصویریں نظر آ رہی تھیں۔ پرسکون دنوں میں، دست کار قسم کے ہواباز، دشمنوں کے ہوائی‌جہازوں کے ٹوٹے پھوٹے حصوں

سامنے بیٹھا نہ ہوتا اور اس کے نقلی پیر فرش پر پڑے، نمی سے چمکتے اور صبح کی سرمئی روشنی میں یوں صاف نظر نہ آتے۔

میں اس کے بعد الکسئی ماریسئف سے بہت لمبی مدت تک نہ مل سکا۔ لیکن جنگ کی لہر مجھے جہاں بھی لے جاتی وہ دو کاپیاں ہمیشہ میرے ساتھ رہتیں جن میں میں نے اوریل کے قریب ہوا باز کا شاندار رزمیہ ''اوڈیسے'' قلم بند کیا تھا۔ جنگ کے زمانے میں طوفان سے پہلے کی خاموشی اور گھمسان کی لڑائی، دونوں میں، آزاد یورپ سے گزرتے ہوئے، میں نے جانے کتنی بار اس کی کہانی لکھنا شروع کی۔ لیکن میں ہر دفعہ اسے اٹھا کر رکھ دیتا تھا، کیونکہ میں جو کچھ لکھنے میں کامیاب ہوتا وہ اس کی حقیقی زندگی کے مقابلے میں بہت پھیکا معلوم ہوتا۔

میں نیورمبرگ میں بین الاقوامی فوجی عدالت کے ایک اجلاس میں موجود تھا۔ یہ وہ دن تھا جب ہرمین گوئرنگ سے جرح کا سلسلہ ختم ہو رہا تھا۔ تحریری ثبوت سے چکرا کر اور سوویت وکیل کے سوالات سے مجبور ہو کر ''جرمن نازی نمبر ۲'' نے جھجکتے ہوئے، دانت بھینچ کر عدالت کو بتایا کہ سوویت دیس کی وسعتوں میں لڑی جانے والی جنگوں میں سوویت فوجوں کے حملوں سے فاشزم کی فوج کس طرح پسپا ہو کر مٹ گئی۔ اپنے آپ کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہوئے گوئرنگ نے بوجھل آنکھیں آسمان کی طرف اٹھائیں اور کہا ''خدا کی یہی مرضی تھی۔''

''کیا تم اس کا اعتراف کرتے ہو کہ دغابازی سے سوویت یونین پر حملہ کر کے جس کے نتیجے کے طور پر جرمنی کو پسپا ہونا پڑا تم نے ایک شرمناک جرم کیا تھا'' سوویت وکیل رومن رودینکو نے گوئرنگ سے پوچھا۔

''یہ جرم نہیں تھا، یہ ایک تباہ کن غلطی تھی'' گوئرنگ نے تیوریاں چڑھاتے اور آنکھیں جھکاتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا۔ ''میں صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ ہم نے بالکل بے پروائی سے قدم اٹھایا کیونکہ جیسا کہ جنگ کے دوران میں واضح ہوا، ہم بہت سی چیزوں سے ناواقف تھے، ہم ان چیزوں کا خیال بھی نہیں کر سکتے تھے۔ بنیادی چیز یہ تھی کہ ہم سوویت روسیوں کے کردار کو نہیں جانتے تھے، نہیں سمجھتے تھے۔ روسی — معمہ

''مجھے بھی پسند ہے،، اس نے خوشگوار مسکراہٹ کے ساتھہ جواب دیا۔

''اور استروچکوف، وہ اب کہاں ہے؟،،

''معلوم نہیں۔ اس کا آخری خط مجھے جاڑے میں ملا تھا، اس نے یہ خط ولیکئے لوکی کے پاس کہیں سے لکھا تھا۔،،

''اور وہ ٹینک مین، کیا نام ہے اس کا؟،،

''تمہاری مراد گریشا گووزدیف سے ہے؟ وہ اب میجر ہے۔ اس نے پروخوروکا کے پاس مشہور لڑائی میں حصہ لیا اور اس کے بعد کورسک کے پاس ٹینکوں کے حملے میں۔ ہم ایک ہی علاقے میں لڑ رہے تھے لیکن ہم مل نہ سکے۔ وہ ایک ٹینک رجمنٹ کا کمانڈر ہے۔ نہ جانے کیوں اس نے بہت دنوں سے مجھے خط نہیں لکھا ہے۔ لیکن پروا نہیں۔ اگر ہم زندہ رہ گئے تو جنگ کے بعد ایک دوسرے کو ڈھونڈ نکالینگے۔ لیکن ہم زندہ کیوں نہیں رہینگے بھلا... اچھا اب ذرا سو لیں! رات تو ختم ہوئی!،،

اس نے روشنی بجھا دی اور خندق نیم تاریکی میں غرق ہو گئی۔ برہم صبح کی دھندلی، سرمئی روشنی میں ہمیں مچھروں کے بھنبھنانے کی آواز صاف سنائی دی، شاید جنگل کی اس شاندار آرام گاہ میں وہی واحد مصیبت تھے۔

''میں تمہارے بارے میں 'پراودا، میں لکھنا چاہتا ہوں،، میں نے کہا۔

''اس کا فیصلہ کرنا تمہارا کام ہے،، ہواباز نے کوئی خاص جوش دکھائے بغیر جواب دیا۔ پھر اس نے انتہائی نیند بھری آواز میں کہا ''لیکن بہتر ہوگا کہ تم نہ لکھو۔ گوئبلز اس کہانی کا فائدہ اٹھائیگا اور ساری دنیا میں ڈھول پیٹیگا کہ دیکھو روسی بے پیر والے آدمیوں کو بھی لڑنے پر مجبور کر رہے ہیں اور اسی قسم کی واہیات باتیں کرےگا... تم خوب جانتے ہو یہ فاشست کیا اور کیسے ہیں۔،،

دوسرے ہی لمحے وہ بڑے زور شور سے خراٹے لے رہا تھا۔ لیکن میں سو نہ سکا۔ اس کہانی کی سادگی اور عظمت نے میرے رگ و پے میں ایک عجیب سرشاری سی پیدا کر دی تھی۔ یہ ایک بہت ہی خوبصورت خیالی داستان معلوم ہوتی اگر اس کا ہیرو

ڈویژن کے تین ہوائی جہاز گرانے کے بعد محسوس کیا کہ اب وہ پھر باقی دوسرے ہوابازوں کے برابر ہو گیا ہے۔

''ہم باتیں کرتے رہے اور رات چپکے سے دبے پاؤں نکل گئی صبح سویرے مجھے ہوائی جہاز میں اڑنا ہے،، اس نے اپنی کہانی کا سلسلہ ختم کرتے ہوئے کہا۔ ''میں نے تمہیں تھکا دیا ہوگا آؤ ہم کچھ نیند کا مزا لے لیں۔،،

''لیکن اولیا کا کیا ہوا؟ اس نے کیا جواب دیا؟،، میں نے پوچھا اور پھر خود کو روکا ''معاف کرنا! شاید یہ بے تکا سوال ہے۔ اس کا جواب نہ دو اگر یہ...،،

''کیوں؟،، اس نے ہنستے ہوئے کہا ''ہم دونوں پاگل نکلے۔ معلوم ہوا کہ اس کو یہ سب کچھ پہلے ہی سے معلوم تھا۔ میرے دوست اندرئی دیگتیارینکو نے اس کو فوراً ہی سب کچھ لکھ دیا تھا — پہلے تو میرے ہوائی جہاز کے گرنے کے بارے میں لکھا اور بعد میں پیروں کے کٹنے کے بارے میں۔ لیکن اس نے جب دیکھا کہ میں اس سے چھپا رہا ہوں تو وہ بھی انجان بن گئی۔ ہم ایک دوسرے کو دھوکا دے رہے تھے۔ خدا جانے کیوں! کیا تم اس کو دیکھنا چاہتے ہو؟،،

اس نے چراغ کی بتی بڑھائی اور چراغ کو ٹیڑھے میڑھے فریموں کے پاس لے گیا جو تختے کے سرہانے دیوار پر لٹک رہے تھے۔ ایک تصویر تو بہت ہی اناڑی ہاتھ کی کھینچی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ یہ بہت دھندلی پڑ گئی تھی اور بالکل مٹی مٹی سی معلوم ہوتی تھی۔ کسی چراگاہ میں پھولوں کے درمیان بیٹھی ہوئی، بے فکری سے مسکراتی ہوئی لڑکی کے نقوش بہت مدھم مدھم نظر آرہے تھے۔ دوسری تصویر میں، وہی لڑکی جونیر لفٹیننٹ ٹکنیشین کی وردی میں نظر آ رہی تھی۔ اس کا چہرہ تیکھا اور پتلا تھا اور آنکھوں سے غور و فکر کی کیفیت چھلک رہی تھی۔ وہ اتنی چھوٹی تھی کہ فوجی وردی میں خوبصورت لڑکا معلوم ہو رہی تھی۔ لیکن اس لڑکے کی آنکھیں تھکی ہوئی اور دل میں اترتی ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔ آنکھیں جن سے کھلنڈراپن غائب ہو چکا تھا۔

''کیا تمہیں پسند آئی؟،،

''بہت،، میں نے پورے خلوص سے کہا۔

''مجھے اس سے نفرت ہے کہ لوگ مجھ سے پوچھیں کہ
یا، کب اور کیسے ہوا... لیکن اس وقت سب کچھ مجھے یاد
رہا ہے... تم میرے لئے اجنبی ہو ۔ کل ہم ایک دوسرے کو
دا حافظ کہینگے اور شاید پھر کبھی نہیں ملینگے... اگر تم
اہو تو میں تمہیں اپنے پیروں کی کہانی سنا دوں۔''

وہ اپنے بستر پر بیٹھ گیا، اس نے کمبل ٹھوڑی تک کھینچ
یا اور اپنی کہانی شروع کی۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنے آپ سے
اتیں کر رہا ہے — میرے وجود سے بے خبر ۔ لیکن وہ اپنی کہانی
چھے انداز سے اور بڑی صفائی سے سنا رہا تھا۔ یہ ظاہر تھا کہ
س کا ذہن تیز تھا، اس کا حافظہ اچھا اور دل بہت بڑا۔ میں نے
حسوس کر لیا کہ میں کوئی بہت ہی اہم اور بے نظیر قصہ
سننے والا ہوں، ایک ایسا قصہ جو شاید دوبارہ نہ سن سکوں۔
میں نے میز پر سے اسکول کی ایک کاپی کھینچی جس پر یہ عبارت
لکھی تھی ''اسکواڈرن نمبر تین کے لڑاکو دستے کا روز نامچہ''۔
اس میں میں نے اس کی کہانی لکھنا شروع کی۔

رات دبے پاؤں جنگلوں پر تیر رہی تھی۔ چراغ میز پر چرچر
رہا تھا، سنسنا رہا تھا اور بہت سے بے پروا پروانے، جنھوں نے اپنے
پر جلا لئے تھے، اس کے گرد پڑے ہوئے تھے۔ شروع میں ہوا
کے جھونکوں میں اکارڈین کا تیرتا ہوا نغمہ ہم تک آیا۔ اس کے
بعد اکارڈین کی آواز ختم ہو گئی اور وہ مخصوص آوازیں سنائی دینے
لگیں، جو رات کے وقت جنگل میں گونجتی رہتی ہیں۔ بگلے کی
تیز چیخ، دور سے ایک الو کے بولنے کی آواز، قریب دلدل میں
مینڈکوں کی ٹراہٹ اور ٹڈیوں کی چیخ، اس کی ہلکی ہلکی دکھی اور
سوچ میں ڈوبی ہوئی آواز میں گھل گئی تھی۔

یہ آدمی جو کہانی سنا رہا تھا، اتنی حیرت ناک تھی کہ
میں نے اسے زیادہ سے زیادہ تفصیل کے ساتھ اپنی کاپی میں لکھنے
کی کوشش کی۔ میری کاپی بھر گئی، مجھے ایک اور کاپی طاق
پر مل گئی اور وہ بھی بھر گئی۔ مجھے پتہ بھی نہ چلا کہ خندق
کے تنگ دروازے سے جھانکتا ہوا آسمان زرد پڑ چکا ہے۔ الکسئی
ماریسئف کی کہانی اس موڑ تک پہنچ گئی تھی جب اس نے ''ریختگوفن''

تھے اور اب بھی ہیں۔ دنیا کے بہترین جاسوسوں کا جال بھی سوویت یونین کی اصلی جنگی قوت کا پتہ نہیں لگا سکتا۔ میری مراد توپوں، ہوائی جہازوں اور ٹینکوں کی تعداد سے نہیں ہے۔ یہ تو ہم موٹے موٹے طور پر جانتے تھے۔ نہ میرے ذہن میں ان کی صنعت کی وسعت اور صلاحیت ہے۔ میرے ذہن میں وہاں کے لوگ ہیں۔ بدیسیوں کے لئے روسی ہمیشہ ایک معمہ رہے ہیں۔ نپولین بھی ان کو سمجھنے میں ناکام رہا تھا۔ ہم نے محض نپولین کی غلطی دوہرائی ہے۔"

"روسیوں کے معمہ" ہونے کا اور ہمارے ملک کی "انجانی جنگی طاقت" کا مجبور ہو کر جو "اعتراف" کیا گیا، اس سے ہمارا دل فخر کے جذبات سے بھر گیا۔ ہم خوب اچھی طرح اس کا یقین کر سکتے ہیں کہ سوویت عوام، ان کی صلاحیت، ان کی خوبیاں، ان کی ہمت اور بے لوث قربانیاں، جن پر ساری دنیا جنگ کے زمانے میں حیران رہ گئی، گوئرنگ جیسے لوگوں کے لئے معمہ تھیں اور معمہ ہیں۔ ہاں واقعی، جرمنوں کے «Herrenvolk» * ہونے کے "نظرئے" کو جنم دینے والے ایک ایسی قوم کی روح اور طاقت کو کیسے سمجھ سکتے ہیں جو ایک سوشلسٹ دیس میں پروان چڑھی ہو؟ اور مجھے یکایک الکسئی ماریسئف یاد آیا۔ شاہ بلوط کی لکڑی کے اس تاریک اور اداس کمرے میں اس کی دھندلی تصویر ابھری۔ اور ٹھیک وہاں، فاشزم کے گہوارے، نیورمبرگ میں، میرے دل میں زبردست خواہش پیدا ہوئی کہ ان کروڑوں سوویت لوگوں میں سے ایک کی کہانی سناؤں جنھوں نے کیپٹل کی فوجوں اور گوئرنگ کی ہوائی فوج کے پرخچے اڑائے تھے، جنھوں نے روئیڈر کے بیڑے کے جہازوں کو سمندر کی تہہ میں سلا دیا تھا۔ اور زبردست حملوں سے ہٹلر کی قزاقی اور غارتگری مچانے والی سلطنت کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی۔

نیورمبرگ میں پیلی جلد والی کاپیاں میرے پاس تھیں۔ ان میں سے ایک پر خود ماریسئف کی لکھائی میں لکھا ہوا تھا "اسکواڈرن نمبر تین کے لڑاکو دستے کا روز نامچہ"۔ فوجی عدالت سے اپنی

---

* فوق البشر۔

قیام گاہ پر واپس آ کر میں نے وہ نوٹ پڑھے اور پھر لکھنا شروع کیا اور الکسئی ماریسئف کے بارے میں داستان پوری سچائی کے ساتھہ قلم بند کرنا شروع کی جو اس نے مجھے سنائی تھی۔

اس نے جو کچھہ کہا تھا، اس میں سے بہت کچھہ میں قلم بند نہیں کر سکا تھا اور ان چار سال میں اس میں سے بہت کچھہ بھول چکا تھا۔ اپنے انکسار میں الکسئی نے اپنے بارے میں بہت کچھہ نظر انداز کر دیا تھا اور مجھے اپنے تصور کی مدد سے خانہ‌پری کرنی پڑی۔ اس رات اس نے جس تفصیل اور خلوص کے ساتھہ اپنے دوستوں کا نقشہ کھینچا تھا، وہ میری یاد میں محفوظ نہیں رہا تھا اور مجھے اپنے تصور کی مدد سے ان کے نقوش ابھارنے پڑے۔ میں اس سلسلے میں حقیقت کی بالکل ٹھیک تصویر نہیں کھینچ سکا اس لئے میں نے ہیرو اور اس کے ساتھیوں اور مددگاروں کے ناموں میں ایک ذرا سی تبدیلی کر دی ہے۔ جن لوگوں کو تصویروں میں اپنی جھلک نظر آئے وہ امید ہے کہ مجھے معاف کر دینگے۔

میں نے اس کتاب کو ”چراغ جلتا رہا“ کا نام دیا ہے۔ کیونکہ یہ چراغ الکسئی ماریسئف ہے، کھرا سوویت انسان، ایسا انسان جسے ہرمین گوئرنگ اپنی انتہائی شرمناک موت کے دن تک نہ سمجھہ سکا اور ایسے تمام لوگ آج تک نہیں سمجھتے جو تاریخ کا سبق بھلانا چاہتے ہیں، وہ تمام لوگ جو آج بھی نپولین اور ہٹلر کے راستے پر چلنے کے خواب دیکھہ رہے ہیں۔

”چراغ جلتا رہا“ نے اس طرح جنم لیا۔ جب مسودہ تیار ہو گیا تو اشاعت سے پہلے میں چاہتا تھا کہ اس کہانی کا خاص ہیرو ایک نظر اسے دیکھہ لے۔ لیکن جنگ کے ہنگامے میں وہ بالکل میری نظر سے اوجھل ہو چکا تھا اور اب اس کا کوئی نشان نہ ملتا تھا۔ ان ہوابازوں کو اس کے بارے میں کچھہ معلوم نہ تھا جن سے ہم دونوں کی جان پہچان تھی۔ میں نے جن سرکاری حلقوں میں الکسئی پتروؤچ ماریسئف کے بارے میں پوچھہ گچھہ کی وہ بھی اس کی تلاش میں میری مدد نہ کر سکے۔

کہانی رسالے میں چھپنا شروع ہو چکی تھی اور ریڈیو پر پڑھی جا رہی تھی۔ ایک صبح ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ میں نے

رسیور اٹھایا اور مجھے پھنسی پھنسی سی مردانی آواز سنائی دی جو کچھہ کچھہ مانوس سی معلوم ہوتی تھی۔

''میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''کون بول رہا ہے۔''

''گارڈ میجر الکسئی ماریسئف۔''

چند گھنٹے بعد الکسئی ماریسئف، میرے کمرے میں داخل ہوا۔ اور پہلے کی طرح اس کی چال ذرا جھومتی ہوئی سی تھی۔ وہی تیزی، وہی ہشاش بشاش چہرہ اور دیکھنے میں ویسا ہی چاق و چوبند۔ جنگ کے چار برسوں نے مشکل سے اس میں کوئی تبدیلی پیدا کی تھی۔

''میں گھر میں بیٹھا پڑھہ رہا تھا۔ ریڈیو بجنا شروع ہوا۔ لیکن میں کتاب میں غرق تھا اور ریڈیو کی آواز کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ یکایک میری ماں کی زبان سے نکلا: ''سنو بیٹے! یہ تمہارے بارے میں کہا جا رہا ہے!'' میرے کان کھڑے ہوئے۔ واقعی میری کہانی سنائی جا رہی تھی — میرے حیرتناک تجربوں کے بارے میں۔ میں حیران رہ گیا — کس نے لکھی ہوگی یہ کہانی؟ مجھے یاد نہ آیا کہ میں نے کسی کو یہ کہانی سنائی ہو۔ اور تب مجھے یکایک اوریل کے قریب اپنی اور تمہاری ملاقات یاد آئی جو اس خندق میں ہوئی تھی اور کس طرح میں نے اپنے تجربوں کی کہانی سناتے ہوئے تمہیں رات بھر جاگنے پر مجبور کیا تھا... لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ میں نے سوچا۔ کتنی پرانی بات ہے، قریب قریب پانچ برس ہو گئے۔ لیکن کہانی تو موجود تھی۔ کہانی سنانے والے نے پڑھنا بند کیا اور مصنف کا نام سنایا۔ اس طرح میں نے تمہیں کہیں نہ کہیں سے ڈھونڈ لینے کا بیڑا اٹھایا۔''

اس نے یہ سب کچھہ ایک ہی سانس میں کہہ ڈالا۔ اس کے ہونٹوں پر وہی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی، قدرے شرمائی شرمائی، وہی ماریسئف کی مسکراہٹ جس کو میں پہلے دیکھہ چکا تھا۔

جیسا کہ بہت دنوں کی جدائی کے بعد دو سپاہیوں کی ملاقات کے موقع پر ہمیشہ ہوتا ہے، ہم دوبارہ جنگ کے مرحلوں سے گزرے،

ان افسروں کے بارے میں بات چیت کی جن سے ہم دونوں کی جان پہچان تھی اور ان لوگوں کو نیک الفاظ سے یاد کیا جو فتح کا دن نہ دیکھ سکے۔ پہلے کی طرح اب بھی ماریسئف کو اپنے بارے میں کچھ کہنے میں جھجک ہو رہی تھی۔ لیکن مجھے اتنا تو معلوم ھی ہو گیا کہ اس نے ہماری ملاقات کے بعد بھی کئی کامیاب لڑائیاں لڑیں۔ وہ اپنے گارڈ رجمنٹ کے ساتھ ۴۴-۱۹۴۳ء کی مہم سے گزرا۔ اوریل کے قریب، میرے روانہ ہونے کے بعد، اس نے تین اور ہوائی جہاز مار گرائے اور بعد میں، بالٹک ساگر کے ساحل کی لڑائیوں میں اس نے دو اور ہوائی جہازوں کا قصہ پاک کیا۔ مختصر یہ کہ اس نے دشمن کو اپنے پیروں کی بہت مہنگی قیمت ادا کرنے پر مجبور کیا۔ حکومت نے اس کو سوویت یونین کے ہیرو کا خطاب دیا۔

الکسئی نے اپنے نجی معاملات کے بارے میں بھی بات چیت کی اور اس سلسلے میں بھی مجھے خوشی ہے کہ میری کہانی کا انجام پرمسرت اور شاد کام ہوا۔ جنگ کے بعد اس نے اس لڑکی سے شادی کی جس سے اسے محبت تھی۔ اور اب وہ ایک لڑکے کا باپ تھا جس کا نام تھا وکٹر۔ ماریسئف کی ماں کامی‌شین سے آگئی ہے اور اب ان کے ساتھ رہتی ہے۔ وہ اپنے بچوں کی خوشی میں شریک ہے اور ننھے وکٹر کی دیکھ بھال کر رہی ہے۔

آج میری کہانی کے ہیرو کا نام اخباروں میں اکثر چھپتا رہتا ہے۔ یہ سوویت افسر جس نے سوویت یونین کی پاک سرزمین پر حملہ‌آور دشمن کے خلاف جد و جہد میں سرفروشی اور بہادری کی روشن مثال قائم کی، اب امن کا مجاھد ہے۔ بداپست اور پراگ، پیرس اور لندن، برلن اور وارسا کے محنت کش عوام نے اس کو بہت بار کانفرنسوں اور اجتماعوں میں دیکھا ہے۔ اس سوویت سپاھی کی حیران کن داستان اس کے اپنے ملک کی سرحدوں کے پار دور دور مشہور ہو چکی ہے۔ اور امن کا نیک اور مقدس مطالبہ اس وقت سیدھا دل میں اترتا ہے جب یہ ایک ایسے آدمی کے ہونٹوں سے پھوٹتا ہے جو بڑی ہمت اور بہادری سے جنگ کی کڑی آزمائشوں پر پورا اترا ہے۔

عظیم الشان اور آزادی کے متوالے عوام کا سپوت، الکسئی ماریسئف امن کے لئے، اسی لگن اور دھن، اسی فتح کے اعتماد کے ساتھہ لڑ رہا ہے جس کے ساتھہ جنگ کے دوران میں دشمن کے خلاف لڑا تھا اور اسے پسپا کیا تھا۔

کھرے سوویت انسان — الکسئی ماریسئف کی کہانی کے اگلے باب خود زندگی لکھہ رہی ہے۔

ماسکو، ۲۸ نومبر ۱۹۵۰ء

پڑھنے والوں سے

دارلاشاعت ترقی آپ کا بہت شکرگذار ہوگا اگر آپ ہمیں اس کتاب، اس کے ترجمے، ڈیزائن اور طباعت کے بارے میں اپنی رائے لکھیں۔اس کے علاوہ بھی اگر آپ کوئی مشورہ دے سکیں تو ہم ممنون ہوں گے۔

ہمارا پتہ: زوبوفسکی بلوار - نمبر ۲۱
ماسکو، سوویت یونین

21, Zubovsky Boulvard,
Moscow, USSR.

حاجي احمد ميمڻ

ولد حاجي محمد [illegible] ميمڻ

ولد حاجي محمد يوسف ميمڻ

[illegible]